ماننا پڑتا ہے کہ مرد و عورت کی باہمی مساوات ایک غیر ممکن شے اور اُنکی حریت ایک خیال ہے کہ جو ماسوا خلاف فطرت ہونے کے واقعیت سے بہت دور ہے - اور وہ جماعت کہ جو اس موہوم حریت میں ساعی ہے جنس اناث کے ارکان مادیہ اور اُن کے خواص کی طرف سے بالکل بے بہرہ ہے -

عورت کے لیے اس حریت کی کوشش کرنا گویا اُسکے لیے اُن سختیوں اور مشقتوں کا مہیا کرنا ہے کہ جنکے برداشت کرنے کی قدرت اُسکو ودیعت ہی نہیں کی گئی ہے -

عورت کا کام یہ ہے کہ وہ بچوں کو تربیت اور امور خانہ داری کو انجام دے مرد اُسکی کفالت اور حفاظت کرے پھر جبکہ فطرت اور نیچر نے خود ہی اُنکے کاموں کی اس طرح تقسیم کردی ہے تو اب عورت کے ذمہ جنگ و جدال و قضاۃ کو لازم کرنا اُسکے طبعی اقتضا سے نکلکر اُن چیزوں کا اُسکے ذمہ عائد کرنا ہے کہ جنکے انجام دہی کی کسی طرح بھی وہ استطاعت نہیں رکھتی -

ایک مصری حکیم اپنی کتاب الفلسفۃ الحسیہ میں لکھتا ہے کہ اگر عورتوں کو کسی زمانے میں وہ مساوات حاصل ہوگئی کہ جسکا ساعی ایک مردوں کا گروہ ہے تو سمجھ لو کہ اُسی روز سے نظام عالم میں ایک قسم کی بے نظمی اور انتشار پیدا ہونے لگا کیونکہ مختلف کاموں میں جب روزمرہ دقتوں اور زحمتوں کا سامنا ہوگا تو وہ اُسکو چھوڑ بیٹھیں گی اور اپنی نیچرل کمزوری کی وجہ سے کسی طرح اُنکا مقابلہ نہ کرسکیں گی نتیجہ یہ ہوگا کہ تمام نظام عالم درہم و برہم ہو جائے گا -

ایک فرنچ حکیم کہتا ہے کہ وہ عورت جو گھر کے باہر کام کر رہی ہو اگرچہ ایک بڑے کام کرنیوالے کے قائم مقام ہے لیکن وہ عورتوں کا کام نہیں کر رہی ہے کیونکہ اگر ایک عورت پوسٹ آفس یا ٹیلیگرام آفس میں مردوں کا کام انجام دے رہی ہے تو وہ اپنے

بچوں کی پرورش اور تربیت کو دوسرے کے سپرد کیے ہوئے ہے کہ جو درحقیقت اسکا طبعی کام تھا
یہی فرانسادی حکیم ایک دوسری جگہ پر لکھتا ہے کہ عورت کے اشغال منزلی ہونا چاہیے
اور جہانتک ممکن ہو اسکو بیرونی امورات سے علیٰحدہ رکھا جائے تاکہ وہ ان امور کو بخوبی انجام دے سکے کہ جنکو نیچر نے اسکے اور صرف اسی کے لیے رکھ چھوڑا ہے۔

ابتک ہم نے صرف چند فلاسفہ کے اقوال کی ترجمانی کی ہے کہ جنمیں سے ہر ایک ہمارے دعوے کے بابت شاہد عادل کا حکم رکھتا ہے اور کھلے الفاظ میں کہہ رہا ہے کہ عورت کی مساوات مردوں کے ساتھ کسی طرح درست اور ممکن نہیں کیونکہ اس سے نظام عالم منتشر ہو جائیگا اور نہایت سختی سے ان لوگوں نے فیصلہ کر دیا ہے کہ عورت کی تمام ترقیوں کو اسکے مکان کی چار دیواری کے اندر محدود رہنا چاہیے ورنہ اس کے مخصوص کام بالکل ناقص اور ناتمام رہ جائینگے کہ جسکی بدولت ہماری مدنیت اور ہمارا تمدن بالکل تباہ اور برباد ہو جائیگا۔ ہم پہلے بھی کہہ چکے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ یہ مساوات بالکل محال ہے اور کبھی واقع نہو گی لیکن بفرض محال اگر ایسا واقعہ ہوا تو یاد رکھنا چاہیے کہ عورتوں کی عزت آج جو مردوں کی نگاہوں میں ہے وہ اسوقت کسی طرح باقی نہیں رہ سکتی کیونکہ اسوقت وہ ہر امر میں مردوں سے مساوات کا دعویٰ کرینگی پھر ظاہر ہے کہ اس ادعاے مساوات کے ساتھ جو حالت ان کی مردوں کی نگاہوں میں ہو گی وہ کسی طرح بھی اس موجودہ عزت اور محبت کے مساوی نہیں ہو سکتی کہ جو اس کمزوری اور عاجزی کے اقرار کی حالت میں ہے یہی نہیں بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ یہ مساوات ابتداءً تو باہمی منافرت کا باعث ہو گی اور نتیجہ میں فناے عالم کا سبب کہ جس کی تفصیل میں اوپر کہیں کر چکا ہوں۔

الیاس لکھنوی

جلد ۔ نمبر
مارچ سنہ ۱۶ء

# تمدن

معاشرتی۔ تمدنی۔ ادبی۔ فلسفی۔ اخلاقی۔ تاریخی اور علمی مضامین کا
مخزن

ایڈیٹر ایم۔ اے قاری (علیگ) دہلوی خلف اکبر جناب قاری
مدسرفراز حسین صاحب (علیگ) عزمی دہلوی سیاح جاپان و انگلستان

فہرست مضامین



بہتمام محمد عباس حسین جلالی تاردن انڈیا پرنٹنگ پریس لکھنؤ میں چھپا
مقام اشاعت پل بھاؤ لال لکھنؤ
قیمت سالانہ ۔ ستہ ر
نمونہ کے پرچہ کی قیمت [illegible]
مینیجر
نواب [illegible]

# قواعد

(۱) "تمدن" ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو کلکتہ سے شائع ہوتا ہے

(۲) ایسے مضامین جن سے اخلاق پر برا اثر پڑے یا ذاتیات سے بحث ہو یا سیاسی پہلو لیے ہوئے ہوں درج "تمدن" نہیں ہوتے۔

(۳) مضامین نظم و نثر ہر ماہ کی ۱۵ تاریخ تک آجانے چاہئیں۔

(۴) جو مضمون کسی دوسرے سلسلے میں درج ہو چکا ہو اسکو "تمدن" تک کے لیے ارسال کرنا چاہیے۔

(۵) اگر کسی صاحب کے پاس ڈاک کی غفلت سے اتفاقاً کوئی نمبر نہ پہنچے تو ۲۰ کی ۲۰ تاریخ تک طلب کریں ورنہ بعد کے ٹکٹ آنے پر روانہ ہوگا۔

(۶) نا تمام مضامین درج "تمدن" نہیں

# غور طلب چٹھی

علم مسمریزم ہم سے مفت سیکھکر دنیا میں نام پاؤ اور عقبیٰ میں سرخرو ہو کر جاؤ۔ پانی پر دم کر کے بیماری کا علاج یا دوا معمول کو بتلا کر گذشتہ و آیندہ زمانے کے حالات معلوم کرنا۔ پھرتا۔ آسمانی روحوں سے بات چیت۔ گھر بیٹھے دور دراز ملکوں کی سیریں۔ سبھی کرن یعنی تسخیر۔ ہمیشہ تندرست رہنے اور طویل العمر ہونے کا راز۔ اپنی موت کا حال چھ ماہ پیشتر معلوم کرنا خدا کو حاضر کر کے حاکم یا افسر کو اپنے اوپر مہربان بنانا امتحان میں کامیابی حاصل کرنا جادو کی انگوٹھی اور کراماتی آلہ بنانا۔ اسم اعظم۔ علم النفس وغیرہ۔ غرضیکہ یہ سب ماہ کے قلیل عرصہ میں چھپے ہوئے اسباق و مقناطیسی آلات کے ذریعہ سے گھر بیٹھے سکھ جاتا ہے۔ اسباق نہایت ہی آسان ہیں۔ مبتدی کو ہر روز دس پندرہ منٹ معمولی کرنا پڑتی ہے۔ یہ سچ ہے کہ ہمارا سکھانے کا طریقہ دنیا بھر کے عاملوں سے نرالا ہے۔ ہیر پھیر نہیں۔ دو نہیں سیکڑوں شاگرد کامیاب ہو چکے ہیں جنکے سرٹیفکٹ علیحدہ کتابی صورت میں ملاحظہ فرمایئے۔ علم مسمریزم اور اس سے متعلق ہنر کس شرط پر مفت سکھائے جاتے ہیں۔ اس کے لیے ہیرنگ کی اجازت یا ۱ کا ٹکٹ بھیجئے اور اپنا نام و پتہ خوشخط لکھیے۔

# تمدن

## فن تاریخ



(۱)

### تاریخ کی حقیقت

موجودہ زمانے میں فن تاریخ نے باعتبار اپنے اعلیٰ مقصد اور شاندار نتائج کے جو غیر معمولی منزلت مہذب و متمدن قوموں میں پیدا کرلی ہے اس بنا پر یہ موضوع نہایت طویل بحث کا محتاج ہے لیکن قلت وقت، کثرت مشاغل اور ہجوم افکار مجھے زیادہ شرح و بسط کا موقع نہیں دیتے اسلیے یہ مختصر مضمون اگرچہ تاریخ کی بیشمار خوبیوں اور نہایت دلچسپ مسائل کے ذکر کے لیے ناکافی ہوگا تاہم اسکی اہمیت و عظمت ایک حد تک معلوم ہوسکتی ہے۔

تاریخ کی حقیقت سمجھنے کے لیے پہلے ہم کو یہ معلوم کرلینا چاہیے کہ عالم میں جسقدر واقعات روزانہ پیش آتے ہیں انکی نوعیت مختلف ہوتی ہے اور زمانے کے تغیر کے ساتھ [illegible]

ہزاروں تبدیلیاں واقع ہوتی رہتی ہیں، آج جو واقعہ ظاہر ہوتا ہے پانچہزار برس پیشتر دوسرے رنگ میں اسکا ظہور ہوا تھا، اس لحاظ سے انسان کے تمدن، معاشرت عادات اور مذہب کی مختلف قیدوں کے ساتھ اسکے گذشتہ حالات کی تحقیق کیجائے تو چند دور نکلینگے اور ہر دور کی خصوصیت دوسرے سے ممتاز حیثیت میں نظر آئیگی، مثلاً

انسان کا پہلا دور وہ تھا جب وہ جنگلی پھل، قدرتی میوے، دریاؤں کی مچھلیاں، آبشار اور چشموں کے پانی پر گذارا کرتا، وحشی جانوروں کی طرح پہاڑ کی کھوہوں میں کے غاروں میں دھوپ کی شدت، جاڑوں کی سردی، برسات کے موسلا دھار پانی سے اپنے آپ کو بچایا کرتا، دوسرا دور وہ آیا جسمیں اُس نے جانوروں کو سدھانا اور اُن سے اپنی ضرورتوں میں کام لینا سیکھا، اُنکے گوشت کو اپنی غذا اور کھالوں کو اپنا لباس بنایا اور غوں غاں کے بجاے ٹوٹے پھوٹے چند الفاظ اپنے اظہار مطلب کے لیے سیکھے تیسرا دور وہ تھا جب اُس نے گلہ بانی شروع کی، رہنے کے لیے جھونپڑے بنائے، کھانا پکانے کے لیے آگ اور نمک کو تلاش کیا۔ اناج اُگانے کے لیے زراعت شروع کی، اسکے بعد جوں جوں نسل انسانی روے زمین میں پھیلتی گئی توں توں انسانی تمدن میں نئے باب کا اضافہ ہوتا گیا، غرض یہ تمام واقعات اور حالات تاریخ کا سرمایہ ہیں اور ان ہی مختلف رنگوں سے تاریخ کی عمارت میں گلکاریاں کی جاتی ہیں اسلیے اسکی تعریف مختصر لفظوں میں اس طرح کی جاسکتی ہے کہ "تاریخ وہ علم ہے جس سے گذشتہ لوگوں کے مختلف حالات کا پتہ لگایا جاسکے"

## تاریخ کی ابتدا

(۲)

اسمیں شک نہیں دنیا میں نسل انسانی کا وجود ہزاروں برس سے ہے مگر ابتدائی زمانہ نہایت تاریک اور دشواریوں سے مملو ہے اور اسپر تاریخی ثبوت سے کچھ بھی

روشنی نہیں ڈالی جا سکتی، اس زمانے کے جو حالات بیان کیے جاتے ہیں انکی بنیاد محض ظن اور تخمین پر ہے، البتہ چند ہزار برس پیشتر کے حالات تاریخ کی روشنی میں لائے گئے ہیں انکا ماخذ زیادہ تر توریت ہے۔ بہر حال اس فن کے ماہرین نے تاریخ کو تین دور میں تقسیم کیا ہے:

(۱) قرون اولیٰ یعنی ابتدائی چند صدیاں یہ دور ۵۰۰۰ قبل مسیح سے شروع ہو کر ۵۰۰ء میں ختم ہو جاتا ہے۔

(۲) قرون وسطیٰ، درمیانی چند صدیاں یہ دور ۵۰۰ء سے ۱۵۰۰ء کے قریب قریب تک شمار کیا جاتا ہے۔

(۳) قرون اخری، اس دور کی ابتدا ۱۵۰۰ء کے اختتام سے کچھ پیشتر ہو جاتی ہے۔

اب ہم یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ تاریخ کی ابتدا کب اور کیونکر ہوئی اور کس قوم نے تاریخ کو مدون کیا لیکن ناظرین کو یہ سنکر نہایت تعجب ہوگا کہ مصری یونانی کلدانی رومانی وغیرہ باوجودیکہ نہایت پر عظمت و جبروت قومیں گذری ہیں اور انھوں نے نقلی علوم و فنون میں ایک حد تک خاصی ترقی حاصل کی تھی، اس بنا پر قدرتاً یہ خیال دل میں پیدا ہوتا ہے کہ انکی کوشش اور علمی شغف کے سبب فن تاریخ بھی محروم نہ ہوگا لیکن تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس دیباچہ گوہر سے بالکل تہی دست تھیں صرف یونانیوں کی بابت اتنا ثابت ہوتا ہے کہ اس قوم میں کچھ کچھ تاریخ کا رواج تھا، ہومر یونان کا نہایت قدیم اور مشہور شاعر گذرا ہے اسنے چند واقعات اپنے اشعار میں قلمبند کیے ہیں اسیلیے بعضوں کی رائے ہے کہ تاریخ کی بنیاد اسی کے ہاتھ سے پڑی ہے اسکے بعد ۵۰۰ قبل مسیح میں ہیرودوٹس ایک نامی شخص گذرا اس نے بہت سے تاریخی واقعات جمع کیے اور تاریخ کی ایک کتاب لکھی جسکا ترجمہ مختلف زبانوں میں اب ہو گیا ہے، اس بیان سے معلوم ہو سکتا ہے کہ تاریخ کی ابتدا

یونانیوں کے زمانے میں ہوئی، مگر کوئی مستقل حیثیت اسکی قائم نہیں ہوئی تھی جب
اسلام کا قدم دنیا میں آیا اس نے جس طرح اور دیگر علوم و فنون کا نہایت گرمجوشی سے
خیر مقدم ادا کیا تاریخ بھی اس عزت سے محروم نہیں رہی اور اسی زمانے میں اسکی
تدوین مکمل ہوئی اور اس نے مستقل حیثیت قائم کرلی۔

(۳)

## تاریخی واقعات کے ذرائع

تاریخی واقعات جن جن چیزوں سے معلوم کیے جاسکتے ہیں وہ حسب ذیل ہیں:
(۱) عینی مشاہدہ اسکا یہ مطلب ہے کہ مورخ انھیں باتوں کو قلمبند کرے جنکو اسنے
خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو اگرچہ یہ قسم بہ نسبت تمام دوسری قسموں کے زیادہ موجب
یقین ہے مگر اسمیں بھی یہ احتمال باقی رہتا ہے کہ مورخ نے نتائج کے استنباط کرنے میں
غلطیاں کی ہیں اور اصل واقعہ کی تہ تک نہیں پہنچ سکا ہے۔
(۲) سماعی روایات، اس سے یہ غرض ہے کہ مورخ خود واقعہ میں موجود نہ تھا
بلکہ دوسروں سے زبانی روایتیں سنکر واقعات جمع کر دیے ہیں۔
(۳) قصائد اور عام اشعار، تاریخی سرمایہ بہم پہنچانے میں اشعار بہت بڑا ذریعہ بنے ہیں
جس زمانے کے اشعار ہوں اس زمانے کے لوگوں کا عام مذاق، طبیعت کا رجحان
خیالات اور جذبات کا پورا پورا پتہ ان سے لگایا جاسکتا ہے۔
(۴) دفاتر سلطانی، یعنی ملکی کاغذات جن سے یہ تحقیق ہوسکتی ہے کہ اس زمانہ میں
سلطنت کے احکام کس قسم کے تھے رعایا کی فلاح و بہبود کے لیے کیا کیا وسائل
عمل میں لائے گئے بادشاہ اور حکام وقت کے استبداد و عدل گستری کا حصہ
اسمیں کسقدر شامل تھا۔
(۵) سکے، منار، عمارتیں اور دیگر آثار قدیمہ، ان چیزوں سے تاریخی بڑا ذخیرہ معلومات

حاصل کرنے میں بہت زیادہ مدد ملی ہے قدیم منارے اور عمارتوں نے گذشتہ قوموں کی معاشرت، ذہنی قوت اور کارناموں کے معلوم کرنے کے لیے رہبر طریق کا کام دیا ہے، کیونکہ ایک مکان جو انجینیری کے اصول کے مطابق تعمیر کیا گیا ہو اور ایک وہ جو بالکل سادہ اور غیر انجینیری کے اصول کے بنایا گیا ہو ان دونوں مکانوں میں علمی حیثیت سے جو فرق ہوگا وہی فرق انکے تعمیر کرنے والوں میں صاف نظر آئے گا۔

(باقی آیندہ)

### احمد اللہ

اک اور کرم بانیٔ بیداد کیے جا — ٹھوکر سے مری قبر کو برباد کیے جا
سنتا ہوں کہ امید پہ قائم ہے زمانہ — صیاد معین مری میعاد کیے جا
رکنے کے نہیں فصل بہاری میں وحشی — تدبیر جو ہو تجھ سے وہ جلاد کیے جا
ہمت کا تقاضا ہے کہ اُف منہ سے نہ نکلے — اور درد یہ کہتا ہے کہ فریاد کیے جا
وہ نقش نہیں مٹ کے جو ابھروں میں کبھی پھر — تو کوشش ناحق کی یہ بہزاد کیے جا
پہچان لے پابندِ قفس ذوقِ طبیعت — صیاد کا دل بہلے گا فریاد کیے جا
الفت کی یہ ہے شان کہ دل اور جگر کو — قربانِ نگاہِ ستم ایجاد کیے جا
دم گھٹ گیا للہ قفس رکھدے چمن میں — اتنی سی تو خاطر مری صیاد کیے جا
ہر روز نیا رنگ وفا دیکھنا میرا — ہر روز نئے تو ستم ایجاد کیے جا
مانا کہ اثر دل پہ کسی کے نہیں ہوتا — فریاد مگر اے دل ناشاد کیے جا
معلوم ہے جو کچھ مری قسمت میں لکھا ہے — صیاد مگر تو مجھے آزاد کیے جا
دکھلا دے نیا رنگ وفا اے دلِ غمگیں — وہ بھولتے جائیں تجھے تو یاد کیے جا
واللہ المناک ہے کس درجہ یہ منظر — میں چپ رہوں اے چرخ تو بیداد کیے جا

مل جائیں گے یہ سب بھی تصدق میں اُسی کے
اے صدر خدا ہی کو تو بس یاد کیے جا

صدر الاسلام صدر

# شخصی اور قومی حسیات

جس حالت اور جس کیفیت کا نام ہم زندگی رکھتے ہیں وہ سوائے اسکے اور کچھ نہیں کہ چند حسیات کا ایک محسوسہ او رمعمولہ مجموعہ ہے جب ہم یہ کہتے ہیں کہ فلاں شخص زندہ ہے یا اُسکی بھی کوئی ہستی ہے تو اُس کی دلیل یہی ہوتی ہے کہ وہ حسیات رکھتا اور اُن سے اپنے رنگ میں کام لیتا ہے جب انسان مرجاتا ہے تو اُسکی تمام حسیات جو اس جسم یا اس حالت کے تابع یا متعلق ہیں مرجاتی ہیں نہ ناطقہ رہتا ہے نہ لمس اور نہ بصارت اور نہ سماعت وہی انسان جو ابھی ابھی بولتا چالتا اور تمام حسیات کا مالک تھا ایک دم کے نکلنے سے بالکل ایک تختہ یا مٹی بن جاتا ہے اگرچہ یہ سلسلہ حسیات برسوں تک محسوس او رمعمول رہتا ہے لیکن ایک دم کے نہ آنے سے اُسکا نشان بھی نہیں ملتا۔

حسیات اور کیفیات حسیات شروع ہی سے انسان کے حصہ میں آجاتی ہیں اگرچہ علے قدر مراتب اُنکی حالت اور کیفیت ہمیشہ جداگانہ ہوتی ہے لیکن یہ سوادِ ہر ایک انسانی ہستی کو حاصل ہوتا ہے کوئی جزو یا کوئی ذات اس سے خالی نہیں ہوتی ایک بچے سے لے کر ایک بوڑھے تک میں یہ کیفیت پائی جاتی ہے جس طرح ایک بچہ رفتہ رفتہ ترقی پذیر ہوکر نشو و نما پاتا ہے اسی طرح یہ حسیات اور کیفیات حسیات بھی نشو و نما پاتی رہتی ہیں جسم کی بالیدگی موجب ہوتی ہے۔ بالیدگی قوتوں اور حسیات کی عقل و فراست بھی ایک وجدانی اور ذہنی حس ہی ہے اسکی بالیدگی بھی رفتہ رفتہ ہی ہوتی ہے دیکھو ایک بچہ کی عقل و فراست وہ کیفیت نہیں رکھتی جو بعد میں نصیب ہوتی ہے۔

اگرچہ تجربہ مشق مشاہدت اور اجتہادات بعد میں عقل و فراست کی پختگی کا باعث ہوتے ہیں لیکن عقل و فراست بھی رفتہ رفتہ ہی ترقی ہوتی ہے ایک تجربہ کار جس خوبی سے رائے لگتا اور اجتہاد کرسکتا ہے ایک بچہ ویسا نہیں کرسکتا اُسکی نسبت ہر پھر کر یہی کہا جاتا ہے۔

گاہ باشد کہ کودک ناداں

باوجود حسیات کی موجودگی کے بچے اُسے پوری عقل و فراست رکھنے والا نہیں کہا جائے گا اگرچہ ہر فرد شخصیت کی حسیات جداگانہ اور منفرد ہوتی ہیں لیکن اُن سب افرادی حسیات میں ایک نسبت مشترکہ بھی ہوتی ہے خواہ نوعیت کے اعتبار سے اور خواہ فعلی اور انفعالی اعتبار سے بصارت اور سماعت کا گو مختلف افراد میں وزن اور رنگ جداگانہ ہوگا لیکن من جہت بصارت اور سماعت اُن میں ایک نسبت بھی ہوگی اور وہی غرض مشترکہ سے تعبیر پاتی ہے جبکہ ان حسیات کا نام ہی زندگی یا زندگانی ہے تو دوسرے الفاظ میں یہ کہا جائے گا کہ ان حسیات اور کیفیات حسیات کی بدولت ہی ہمیں دولت حیات حاصل ہوتی ہے۔ ایک فردی یا ایک شخصی زندگی جو کچھ اپنے اندر حسیات رکھتی ہے وہی اُسکی زندگانی کا سرمایہ ہے حسیات کی تعبیر دو طور پر کیجا سکتی ہے

(الف) منفردانہ رنگ میں۔

(ب) اجتماعی رنگ میں۔

ایک فرد یا ایک شخصیت میں جسقدر حسیات پائی جاتی ہیں اُن کے تصرفات اور عملیات کا علم اور ادراک کبھی منفردانہ محسوس ہوتا ہے اور کبھی مجموعی صورت میں یہ حسیات گویا بجائے خود ایک ایک ہستی اور ایک ایک قوت ہیں جب کبھی اُنکا ادراک اجتماعی رنگ میں ہوتا ہے تو اُس وقت یہ سمجھا جاتا ہے کہ۔

درحصل ایک ہی قوت اور ایک ہی جذبہ کام کر رہا ہے کام کرتے کرتے یا کام لیتے لیتے انسان یہ سوچنے لگتا ہے کہ اُسمیں درحصل ایک ہی طاقت کام کر رہی ہے جب کبھی کسی شخص یا کسی فرد کی حس زائل ہو جاتی ہے تو اُس حالت میں یہ کہا جاتا ہے کہ

"اُس کی یا میری حس زائل ہوگئی ہے"

احساسی قوتوں کے کمزور پڑجانے سے انسان کی زندگی ایک دُھندے یا ایک وبال میں پڑجاتی ہے گویا انسان بظاہر چلتا پھرتا ہے لیکن درحصل عملی رنگ میں اُسکی زندگی ہوچکی ہوتی ہے بعض لوگوں کے خیال میں زندگی صرف خورد و نوش چلنے پھرنے اور بات چیت کرنے ہی کا کام ہے یہ ایک غلطی ہے یہ تو زندگی کے عوارض ہیں۔ زندگی سے مراد درحصل ایک عملی حالت یا عملی کیفیت ہے جو اُسکے کاموں اور حسیات سے ظاہر اور منکشف ہوتی ہے۔ ایک پُرانا شعر کسی کا ہے۔

زندگی زندہ دلی کا ہے نام
مردہ دل خاک جیا کرتے ہیں

زندہ دلی سے مراد ہنسی مخول مذاق اور مسخراپن ہی نہیں بلکہ مراد عملیات کی کیفیات بھی ہیں زندہ دل بھی وہی رہ سکتا ہے جو عملی رنگ میں زندگی رکھتا ہو جو شخص کوئی زندگی ہی نہیں رکھتا وہ زندہ دل کس طرح رہ سکتا ہے افرادی یا شخصی حسیات سے قومی حسیات کی داغ بیل پڑتی ہے۔ قوم کیا ہے وہ مجموعہ کثیر افراد یا کثیر شخصی زندگیوں کا جو منفردانہ رنگ میں پایا جاتا ہے اور جو خود کو ایک ہی سلسلہ یا ایک ہی مرکز سے منسوب کرتا ہے یہ سلسلہ یا یہ مرکز بھی افراد منتشرہ ہی کی جدوجہد کا حصہ ہوتا ہے جب رفتہ رفتہ چند افراد ایک مرکز مجوزہ پر ثابت قدم ہو جاتے ہیں تو اُسکا نام کبھی ایک فرقہ اور کبھی ایک قوم

پڑ جاتا ہے باوجودیکہ دوسری اقوام کے افراد منتشرہ کی اغراض اور حسیات بھی اُن افراد سے کچھ نہ کچھ نسبت رکھتی ہیں اور ان میں بھی اُنکا عکس ایک حد تک پایا جاتا ہے

قوموں کی حد بندی کس طرح ہوتی ہے اسکی مختلف صورتیں ہیں۔

(الف) نسلی حد بندی۔

(ب) ملکی حد بندی۔

(ج) مذہبی حد بندی۔

تین صورتیں ہیں جن پر عموماً قوموں کی حد بندی کا بہت کچھ مدار ہے بعض قومیں صرف امتیاز نسلی کی وجہ سے ایک قوم کہلاتی ہیں۔ بعض قوموں کی حد بندی ملکی اغراض اور ملکی رشتوں کے تابع ہوتی ہے بعض کی حد بندی مذاہب کی بدولت ہے میرا اس حد بندی سے منشا اندرونی شاخوں کا نہیں ہے بلکہ ایک مجموعی حصہ قوم کا۔ مذہبی حد بندی کا اثر عموماً دوسری دو صورتوں پر بھی حاوی ہوتا ہے لیکن بعض اقوام ہیں اسکا اثر صرف نہیں ہوتا ہے۔

ہندو قوم کی حد بندی اندرونی امتیازات کی وجہ سے بہت ہی پریشان کہی جاسکتی ہے چار برن کی تقسیم نے اس اندرونی تفریق کو ایک بڑے اسکیل پر قائم کر رکھا ہے اور اُسمیں ابتک کسی فرق آنے کی امید نہیں ہے گو کہ شروع شروع میں اسکی بنیاد ایک تمدنی فلسفہ پر بہت سی ضروریات کے ماتحت رکھی گئی تھی۔

ان چار برنوں کے چلانے کا ذریعہ اسوقت صرف ایک ہندو دہرم اور ملک ہندوستان ہی ہے ان مرکزوں یا ان نقاط پر آکر ہندو قوم کو ایک قوم کہنا بجا گو یا ہندو قوم اندرونی تفریقات کو قائم رکھکر مذہب اور ملک کی اغراض سے

تابع ہو کر ایک قوم بنتی ہے۔

چینی اور جاپانی قومیں ملکی اور مذہبی نقطۂ خیال سے ایک قوم کہلاتی ہیں چینی ہمیشہ چینی کہلانے کو ترجیح دیتا ہے اور جاپانی جاپانی کہلانے کو لیکن ان ملکوں کے اندر جو افراد دوسرے مذاہب کے مثلاً مسلمان اور عیسائی رہتے ہیں وہ اگر ایک طرف خود کو چینی اور جاپانی کہتے ہیں تو دوسری مذہبی تفریق کی وجہ سے خود کو مسلمان اور عیسائی کہیں گے۔ زردشتی افراد قوم بھی مذہبی اور ملکی نقطۂ خیال سے ایک قوم ہیں۔ عیسائی اقوام کی بڑی بھاری تفریق نسلی اور ملکی اغراض اور شرائط کے تابع ہے اگرچہ انکا مذہب عموماً ایک ہے لیکن ایک انگلستانی کبھی فرانسیسی اور ایک فرانسیسی انگلستانی اور ایک جرمن انگلستانی اور انگلستانی جرمن کہلانا پسند نہیں کرے گا یہ تفریق اور یہ امتیاز یہانتک وسعت پذیر ہے کہ ان مختلف ممالک اور نسلوں کی رسوم میں بھی ایک بڑی حد تک فرق پایا جاتا ہے گو ان میں کرسچین مذہب ہی ایک حد مشترک ہے لیکن جب نسلی اور ملکی بحث بیچ میں آپڑتی ہے تو پھر رشتۂ مذہب کی طاقت ایک بڑی حد تک گھٹ جاتی ہے ایک یونانی ایک سروین کے ساتھ گو اپنا مذہبی رشتہ رکھتا ہے لیکن جب یونانی اور سروین نسلوں کی بحث چھڑ جاتی ہے تو مذہبی اثر بہت کمزور پڑ جاتا ہے یورپ میں مختلف گروہوں اور مختلف اقوام پر مذہب نے ایسا اثر نہیں کیا جو دیگر سب رشتوں سے مضبوط خیال کیا جائے۔

یونانی ایک یونانی ہے اور سروین ایک سروین ہے تا وقتیکہ مسیح علیہ السلام کے نام کی تقدیس نہیں ہوتی۔ بعض دفعہ یہ مذہبی رشتہ بھی بہت کچھ ڈھیلا پڑ جاتا ہے کیونکہ مذہب کی اندرونی تفریقات کی وجہ سے بعض واقعات پیدا ہو کر گڑبڑ ڈال دیتے ہیں مسلمانوں کی بابت یہ بحث اور بھی پیچیدہ ہو جاتی ہے لیکن نتیجہ خیز ضرور ہے

ہے۔

میں بالفعل چند لفظوں کے واسطے مسلمانوں کو ایک قوم سے تعبیر کروں گا اس قوم کی حقیقت اور کیفیت یہ ہے کہ اس میں نہ مختلف اقوام ہی کے بلکہ مختلف ممالک اور مختلف نسلوں اور مختلف ذریات کے افراد بھی ایک کثیر تعداد میں شامل ہیں نہ صرف مختلف ممالک اور مختلف قوموں اور مختلف نسلوں ہی کے بلکہ مختلف مذاہب کے افراد سے بھی یہ قوم ترکیب یافتہ ہے مسلمانوں میں بھی ہندوانی قومی فرقہ بندیاں جن کو انہیں دوسرے الفاظ میں مختلف گروہوں سے تعبیر کرنا زیادہ تر موزوں ہوگا لیکن باوجود اس کے پیشتر رشتہ ہندوؤں کے بھی مذہب اسلام ان پر زیادہ غالب ہے اسلام نے تمام قومی درجہ بندیاں توڑ دی ہیں گو اس وقت تک کچھ درجہ بندیاں پائی جاتی ہیں مگر وہاں ان کا خاتمہ ہو چکا ہے۔ جب ایک انگریز اور یونانی و فرنچ سے سوال کیا جاتا کہ تم کون ہو تو اس کا پہلا جواب یہ ہوگا کہ

میں انگلش ہوں۔ فرنچ ہوں۔ یونانی ہوں۔

اگر کسی ہندو سے سوال کیا جائے کہ تم کون ہو تو گو وہ خود کو کھتری برہمن بتلا کر ہندو ہی کہے گا مگر حقیقت الامر یہ ہے اس کا جواب مبہم اور کسی قدر دور ہوگا کیونکہ در اصل ہندو کسی مذہب کا نام نہیں ہو سکتا بلکہ ہندو کا زیادہ تر قریبی اطلاق ملک ہندوستان ہونا موزوں ہے۔ ایک دوسرا لفظ آریہ بھی ہے اسکا اطلاق بھی کچھ بہت مناسب نہیں ہے۔ میری رائے میں اس سے ثابت یا ظاہر ہے کہ اس یورپی اور ان اور قوم میں ملکی خصوصیت مذہبی خصوصیت پر غالب ہے اور اس کے بعد نسلی خصوصیت کا درجہ ہے۔

ایک مسلمان سے جب پوچھا جاتا ہے کہ تم کون ہو تو سب سے اول اس کا یہ جواب ہوگا کہ میں مسلمان ہوں'

اس جواب سے ثابت ہے کہ مذہب اسلام رفتہ رفتہ قوم یا قومیت کے رنگ میں بھی رنگا گیا ہے اور اس سے یہ بھی ظاہر ہے کہ دائرۂ اسلام میں آکر کوئی قوم یا قومیت گزشتہ باقی نہیں رہتی ایک نئی قوم مسلمان کے نام سے مل جاتی ہے اب دوسرے الفاظ میں یہ کہنا چاہیے کہ۔

مسلمان ایک مذہب بھی ہے اور ایک قوم بھی۔ مذہبیت اس قومیت سے وہی نسبت رکھتی ہے جو خود اسلام کو اپنے آپ سے ہے ہمیشہ جب یہ کہا جاتا ہے کہ ہم مسلمان ہیں تو اسکا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ تمام نسلیں اور قومیں اختیار اسلام سے اپنی قومیت چھوڑ کر ایک ہی مرکز اسلام پر آچکی ہیں اس شان اور اس رنگ میں کوئی دوسرا مذہب قومیت اور اقوام نسلوں اور ذریات نسلوں پر غالب نہیں ہوا اس رشتہ کو مد نظر رکھ کر یہ کہا گیا ہے

کل مؤمن اخوۃ

اخوت کا درجہ قوم اور قومیت سے بھی بڑھکر ہے گویا مسلمان باوجود مختلف ذریتوں اور نسل ہونے کے ایک اس قوم میں جو آپس میں بھائی بھائی ہیں شامل ہو جاتا ہے اس سلسلے سے ظاہر ہو سکتا ہے کہ ہر ایک قوم کی اجتماعی حسیات کا رجحان زیادہ تر کس طرف ہو سکتا ہے مختصراً یہ کہ جو قومیں زیادہ تر نسلوں ذریات اور اقوام اور ممالک سے وابستگی رکھتی ہیں انکا رجحان اور جذب حسیات کچھ اور رنگ رکھے گا اور جس گروہ کی قومیں زیادہ تر مذہب سے مربوط ہیں انکی حسیات کا جذبہ مذہبی رنگ میں ہونا چاہیے خواہ کوئی سا رنگ ہو ان حسیات کو قومی حسیات کے نام سے تعبیر کرنا زیادہ تر مناسب ہوگا۔ اگر ایک شخصیت کی حسیات شخصی رنگ میں ایک ہی فرد کہی جا سکتی ہیں تو مذہبی حسیات بھی باعتبار ایک قوم ہونے کے ایک ہی اجتماعی قوت ہے۔

ہم مانتے ہیں کہ حسیات شخصی ہوں یا قومی مر بھی جاتی ہیں جس طرح ایک شخصیت حیات کے مرنے کی صورت میں ایک بوسیدہ ہستی ہے اسی طرح ایک قوم بھی اس حالت میں ایک مردہ قوم ہے۔

اغراض مشترکہ کی بابت ایک ہی دفعہ ساری قوم یا سارے افراد قوم کے دل و دماغ میں خیالات کا تموج ہونا اور ان پر ثابت قدم رہنا افراد اور شخصیتوں کا یہ فرض ہے کہ وہ افرادی اور شخصی حسیات کا رشتہ قوم سے منسلک اور منضبط کریں اور قوم کا یہ فرض ہے کہ وہ افراد اور شخصیات کے حسیات کو اجتماعی رنگ میں قبول کرے اور اُسے عملی پہلو سے قائم بھی رکھے یہی دو طریقے ہیں جن سے دونوں قسم کی حسیات کا قائم رہنا مقصود ہے جن اقوام کی حسیات کمزور پڑ جاتی ہیں وہ سب سے پہلے اس کو جیہ سے ناواقف ہوتی ہیں کہ۔

اُن کی اغراض مشترکہ کیا ہیں۔

اور اُن کا تحفظ کن وسائل کے تابع ہے۔

جب تک یہ ادراک نہو تب تک کوئی قوم اپنے حسیات سے مستفیض نہیں ہو سکتی۔ شخصی اغراض مجتمع ہو کر یا سمٹ سمٹ کر قومی اغراض اختیار کرتی ہیں یا قومی اغراض کے قالب میں آتی ہیں اگر کسی قوم کی اقتصادی حالت کمزور ہو چکی ہے تو صرف افراد کا ہی یہ فرض نہیں کہ اُس گئی گذری شان کے واپس لانے میں ہمت دکھلائے بلکہ خود قوم کا بھی یہ فرض اولیں ہے کہ قومی رنگ میں اُس کمی کے پورا کرنے میں زور لگائے جبتک قوم کا قومی رنگ میں یہ نصب العین نہو تب تک کامیابی مشکل ہے۔

ہمارا فرض اولیں ہے کہ ہماری شخصیتیں بھی اُس بڑی شان سے ثابت اور قائم رہیں جو شان اُنکے لیے موزوں ہے کیونکہ افراد کی مساعی ہی قومی مساعی کی

جزو اعظم ہیں جب شخصیتوں کی تحقیر کی جاتی ہے اور اُن کا کوئی احترام باقی نہیں رہتا تو قومی حسیات بھی قائم نہیں رہ سکتیں۔

ہمیشہ جزو سے کُل کی بنیاد پڑتی ہے ایک جسم ذرات کا مجموعہ ہوتا ہے لیکن ذرہ جسم کا مجموعہ نہیں کہا جا سکتا ذرات سے اجسام مرکب ہیں نہ کہ اجسام سے ذرات شروع ہمیشہ معمولی حالات سے ہوتا ہے۔ در خاتمہ ابتدائی وسطی اور انجامی ارکان ملتا ہے ایک مدرسہ میں ریاست کی تعلیم دیجاتی ہے لیکن [illegible] اُن سب جزیات کی تعلیم [illegible] ایک فرقی یا اجتماعی رنگ میں ایک خاص شکل اور اثر اختیار کرتا ہے۔ شخصی [illegible] قومی عملیات میں ہمیشہ فرق ہوتا ہے گو کہ قومی عمل میں بھی افراد ہی عناصر ہی تناسب ہوتے ہیں لیکن اسکا نام ہمیشہ قومی عمل کے نام ہی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

ہماری شخصی اور قومی حسیات کی ایک منزل ہی ہے اور ہمارے دوگونہ عملیات اور اجتہادات ایک اشیاء [illegible] اور اُنکی عملی [illegible] تحسینوں کی بنیاد اور اقوام کی رشتہ بندیوں کے نام سے موسوم ہو سکتا ہے جو قومیں اور جو افراد قومیات دونوں قسم کی حسیات سے صحیح رنگ میں واقف ہیں اور انکی قدر و قیمت کا انھیں علم ہے وہ اسپر بہت کچھ کہہ سکتے ہیں اور انکے قومی [illegible] انفرادی اعمال اور حرکات اُن پر روشنی ڈال سکتے ہیں جو افراد قوم اور جو قومیں اس راز سے ناواقف ہیں وہ نہ صرف اپنی حسیات ہی کا خاتمہ کرتی ہیں بلکہ اُن کی ضروریات سے بھی اسقدر دور جا پڑتی ہیں کہ اُن کے واسطے یہ ذکر ایک غیر مفید ذکر اور یہ خواب ایک بے تعبیر خواب ہے وہ باوجود ہستی کے خود میں ایک فرضی حس باقی ہیں اور اس فرضی حس سے زیادہ اُن کے نزدیک اور کوئی حس ہو ہی نہیں سکتی گویا ایک بے حس عضو کو ایک حس دار عضو کہا جاتا ہے [illegible] کاموں کا خاتمہ کر دیا

[illegible]

# نظارۂ خرابات

جلوہ فلک پہ شامِ غریباں کا جب ہوا خورشید آرمیدۂ دامانِ شب ہوا
شمعِ حریمِ غمزدگاں ایذا طلب ہوا افزوں مریضِ ہجر کو رنج و تعب ہوا

موسیٰ کی طرح طالبِ دیدارِ یار ہے
اپنے سے بے خبر ہے مگر ہوشیار ہے

ہے آتشِ فراق ستمگر لگی ہوئی سینے سے ہے امانتِ دلبر لگی ہوئی
ضبطِ فغاں سے مُہر ہے لب پر لگی ہوئی ہے چشمِ انتظار سوئے در لگی ہوئی

سب فرشِ خار بسترِ کمخواب ہو گئے
انجم نثارِ دیدۂ بیخواب ہو گئے

اس بیکسی میں کوئی نہیں ہے پیامبر لیلیٰ کو مرگِ قیس کی پہنچائے جو خبر
بلقیس کا ہو در پہ گدا کے کہاں گذر ہاں مور کو خدا کہیں بخشے جو بال و پر

پروانہ تھا یہ قصۂ سلیمان ہو ابھی
مشکل جو آ بنی ہے وہ آسان ہو ابھی

ہمسایہ اور کوہِ شبِ تار الحذر یہ مشتِ استخواں یہ گرانبار الحذر
ہائے وہ دل زمانے سے آزار الحذر جو ہے ازل سے تیرا پرستار الحذر

دنیا سے کچھ غرض ہے نہ زر چاہیے مجھے
بس تیری کارساز نظر چاہیے مجھے

بیتاب مجھ سا بلبلِ شوریدہ سر کہاں گل آشنا سے داغِ دلِ نوحہ گر کہاں

...انہ محرمِ تفِ محشر اثر کہاں — اک شمع ساری رات جلے پھر جگر کہاں

سوزِ فراق و حسرتِ نظارہ اور ہے

پارہ کچھ اور ہے دلِ صد پارہ اور ہے

...نقش نگار خانۂ افلاک پر نہیں — تسکین بخشِ روح جمالِ قمر نہیں

...بڑے ہوئے چمن میں صبا کا گذر نہیں — شاید یہ رات وہ ہے کہ جسکی سحر نہیں

کب سے ترس رہا ہوں میں آرام کے لیے

سینے میں دل طپاں ہے دلِ آرام کے لیے

...کھلائے لاکھ چرخ اگر سحر سامری — اور مشتری ہو جلوہ نما صورت پری

...ہرہ کرے بہ نغمۂ داؤد ہمسری — آتا نہیں کسی کو بھی اندازِ دلبری

نیرنگ عالم اور ہے ہمیں دھیان اور ہے

مسکن ہے جس کا دل وہ سلیمان اور ہے

...علوم ہے بساط تری آسماں ہمیں — حیرت ہے بدل بدل کے نئے بازیاں ہیں

...فتاد سے ہوں پست یہ طاقت کہاں ہمیں — عنقا سے بھی ملا ہے بلند آشیاں ہمیں

رفعت کبھی کسی کی گوارا یہاں نہیں

جس سرزمیں کے ہم ہیں وہاں آسماں نہیں

...ے خانماں ہیں سوختہ ساماں تو کیا ہوا — شیرازۂ چمن ہے پریشاں تو کیا ہوا

...زیبِ قفس ہے مرغ خوش الحاں تو کیا ہوا — ذوقِ نظر ہے خار بداماں تو کیا ہوا

ابر کرم سے دن جو پھریں خاکسار کے

پھر آئیں گے خزاں میں وہی دن بہار کے

(باقی آئندہ)

آغا غلام حسین ارشد

# صغرسنی کی شادی

جہانتک ہندوستان کا تعلق ہے، صغرسنی کی شادی کسی خاص فرقے یا قوم تک محدود نہیں پائی جاتی۔ ہمیں کچھ شبہ نہیں کہ ہندو قوم اس میں زیادہ ملوث ہوتی معلوم ہوتی ہے اور مسلمان کم، مگر ایسی برائی جو کئی قوموں میں مشترک ہو اسکا خطرہ زیادہ ہے بہ نسبت اس برائی کے جسکی جوابدہ فقط ایک کمیونٹی ہے۔ باوجود اس امر کے کہ مصلحان قوم و ملک اس مسئلہ پر روشنی ڈال کر ایک حد تک عوام کی آنکھیں کھول چکے ہیں، تاہم ابھی بھی یہ برائی بکثرت ہندوستانیوں میں موجود ہے اور اسوقت تک کبھی نیست و نابود نہ ہوگی جب تک ہندوستانی والدین اپنے ملکی رواج کا جس نے بدقسمتی سے مذہبی صورت اختیار کرلی ہے سختی کے ساتھ مقابلہ نہ کرینگے اور سن بلوغت کے بعد اپنے بچوں کی شادی کرکے ملک میں شاندار مثالیں نہ پیدا کریں گے۔

صغرسنی کی شادی کے مسئلہ سے مجھے ہمیشہ دلچسپی رہی ہے۔ اس رسم کے مخالفین کی رائیں بھی مجھے معلوم ہیں اور ایسے لوگوں کے خیالات سننے کا بھی موقع ملا ہے جو اس قبیح رسم کے ابتک موافق ہیں۔ ایسی حالت میں میں اس قابل ہوں کہ موافق و مخالف دونوں پہلو ناظرین کو دکھاؤں اور بتاؤں کہ ہمارے ملک کی بھلائی کس میں مضمر ہے۔ ملک کی بھلائی خود ہمارے ہاتھوں میں ہے اور یہ ظاہر ہے کہ جب تک صغرسنی کی شادی کا رواج ہمارے ملک میں موجود ہے اس وقت تک ہم ہندوستان کو اس شاندار حالت پر نہیں دیکھ سکتے جسے ہم نے اپنا آئیڈیل اور مطمح نظر بنا رکھا ہے۔

صغرسنی کے موافقین کہتے ہیں کہ یہ مفید چیز ہے اس لیے کہ

(۱) میاں بیوی میں عمر بھر محبت رہتی ہے، اور

(۲) لڑکا عیوب سے بچا رہتا ہے۔

اسمیں کچھ شبہ نہیں کہ جس محبت کا بیج بچپن میں بو دیا جاتا ہے وہ عمر بھر رہتی ہے لیکن ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ ملک کے موجودہ رسم و رواج کے مطابق کہانتک باہمی میل جول کرنے کی اجازت دی جاتی ہے۔ اس بارے میں ہمارا تجربہ یہ ہے کہ دونوں کو ارتباط کرنے کے موقع نہیں ملتے اور اس لیے وہ مطلب فوت ہو جاتا ہے جس غرض سے کہ بچپن میں شادی کی گئی ہے۔

دوسری وجہ کے متعلق مجھے یہ کہنا ہے کہ عام طور پر نکاح ہو جانے کے کچھ عرصہ بعد باقاعدہ شادی کی رسم ادا کی جاتی ہے۔ پنجاب میں اس رسم کا نام مکلاوہ ہے اور بعض اوقات نکاح اور مکلاوہ کے درمیان کئی سال کی مدت حائل ہو جاتی ہے اور اس عرصہ میں بیرونی خراب اثرات سے متاثر ہونے کے لیے لڑکے کو کافی موقع و فرصت مل سکتی ہے۔ اس عرصہ میں اگر وہ خراب ہونا چاہے تو ہو سکتا ہے۔ ایسی صورت میں یہ کہنا کہ صغرسنی کی شادی لڑکے کو خراب صحبت سے بچانے میں مدد دیتی ہے، کسقدر بے معنی ہے؟

ان دلائل سے قطع نظر ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ شادی کا مقصد کیا ہے اور یہ کہ آیا صغرسنی کی شادی اس مقصد کو پورا کر سکتی ہے یا نہیں؟

قدرت پر جب ہم غور کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے ہر چیز میں نر اور مادہ پیدا کیا ہے۔ جانداروں کے علاوہ یہ تذکیر و تانیث درختوں میں بھی پائی جاتی ہے۔ اگرچہ درختوں کے نر مادہ ہونے کی بحث چھیڑنے کا یہ وقت نہیں، مگر اتنا جاننا دلچسپی سے خالی نہوگا کہ بعض درخت نر و مادہ دونوں جزو اپنے میں رکھتے ہیں اور بعض میں صرف نر کا جزو ہوتا ہے اور باقیوں میں مادہ کا۔ خاص وقت پر ان کا بیج مختلف قدرتی ذریعوں سے علحدہ ہوتا ہے اور اسطرح سے ایک درخت دوسرے پودے کی زندگی پیدا کرتا ہے

باعث ہوتا ہے۔ اور درختوں کی نسل کا سلسلہ برقرار رہتا ہے۔ مگر اس سلسلہ میں اس کی بات یہ بات خاص طور پر ذہن نشین رکھنے کے قابل ہے کہ یہ سب کچھ وقت پر واقع ہوتا ہے اور وقت سے پیشتر کبھی نہیں ہوتا۔ درختوں کے علاوہ حیوانوں میں ہم یہ بات نمایاں طور پر دیکھتے ہیں کہ وہ سن بلوغت کو پہنچ جانے کے بعد ایک دوسرے کے قریب آتے ہیں اور اس طرح سے سلسلۂ توالد و تناسل کو برقرار رکھتے ہیں۔ اس بات میں انسان دیگر حیوانوں سے علیحدہ نہیں ہو سکتا۔ اس کے لیے بھی ضروری ہے کہ توالد و تناسل کا فرض جو شادی کا مقصد ہے ایسی عمر میں ادا کرے جبکہ قویٰ بالطبع اسکے ادا کرنے کے لئے تیار ہو جائیں۔ یہ عمر سن بلوغت کے بعد کی عمر ہے۔ انسان کے لیے دیگر جانداروں کی مثال باعث عبرت ہے۔ مرد اور عورت کا ایسے وقت میں ایک دوسرے کے ساتھ ہونا اختیار کرنا جبکہ قویٰ پورے نشو و نما یافتہ نہ ہوں، نظام اعصاب کی تباہی کا باعث ہوگا۔ خداتعالیٰ نے انسان کو یہ قوت عطا کرنا کہ وہ خاص عمر کو پہنچ کر اپنی نسل خود بڑھا سکے، اس بات کی دلیل ہے کہ وہ خود چاہتا ہے کہ شادی کا مقصد باحسن وجوہ ادا ہو اور وہ اچھی طرح سن بلوغت کے بعد ہی ادا ہو سکتا ہے۔ صغرسنی کی شادی سے بعض اوقات توالد و تناسل کا مقصد تو ادا ہو جاتا ہے مگر خوش اسلوبی سے نہیں۔ قدرت اس ذمہ داری کو ہمارے سر پر ڈالنا چاہتی ہے جبکہ ہم جسمانی طور پر اسے ادا کرنے کے قابل ہو جائیں لیکن ہم از خود یہ بوجھ ایک ایسے وقت میں دوسروں کے کہنے سے اٹھا لیتے ہیں جبکہ ہم بالکل اسکے ناقابل ہوتے ہیں۔ بچہ پیدا کرنے کی قابلیت لڑکی میں کم عمری میں بھی موجود ہوتی ہے لیکن اس قابلیت کو پیش از وقت استعمال کیا گیا تو اسکا نتیجہ کمزور اولاد ہوگی اور کشمکش حیات میں پورا اترنے کے لیے ضرورت ہے کہ اولاد ہر لحاظ سے توانا و طاقتور ہو۔ صغرسنی کی شادی میں توانائی کا سوال بالکل جاتا رہتا ہے اور اس سے پیشتر کہ لڑکا اور لڑکی اپنے تئیں تندرست قائم رکھ سکیں، توالد و تناسل کا بوجھ ان پر ڈالدیا جاتا ہے وہ دونوں

اولاد کے فرائض کو نہیں جانتے اور جیسا کہ اکثر دیکھا گیا ہے گھر کی دوسری عورتوں کو بچے کی پرورش کا انتظام کرنا پڑتا ہے۔ ایسی صورت میں صغرسنی کی شادی وبالِ سر کے مترادف ہے۔

مزید براں بے وقت کی شادی ہماری قوت نمو کو یکقلم رد کر دیتی ہے اسلیے کہ جو قوت پہلے عضلات کے بڑھانے میں صرف ہوتی وہ اب تمام و کمال یا زیادہ تر دوسری سمت میں استعمال کی جاتی ہے۔ اسکے علاوہ ہمارا نظام اعصاب قدرتی طور پر اسطرح سے بنایا گیا ہے کہ اگر اسپر پیش از بالیدگی ذرا زیادہ بوجھ ڈالا گیا تو وہ کمزور ہو جاتا ہے اور میاں بیوی ساٹھ سال کی عمر میں ایسے ضعیف ہو جاتے ہیں کہ گو یا وہ ۸۰ - ۹۰ برس کے ہیں - یہ پیش از وقت پیرانہ سالی وہ سزا ہے جو قدرت ان لوگوں کو دے رہی ہے جو قدرتی قانون کے خلاف ورزی کرتے ہیں۔ ہمارے ہاں کے لوگ ۶۰ سال کی عمر میں از کار رفتہ ہو جاتے ہیں اور اپنا وقت خدا کے دھیان میں صرف کرنے کی غرض سے کونے میں بیٹھ جاتے ہیں۔ حالانکہ اگر فزیالوجی کی رو سے دیکھا جائے تو ۶۰ سال کی عمر میں دماغی حالت اصل عروج پر ہوتی ہے - موجودہ جنگ یورپ میں جسقدر مشہور برٹش افسر اور کمانڈر ہیں وہ عمر میں پچاس سے زائد ہیں - جرمن افسر ساٹھ سے زیادہ ہیں اور بعض ستر سے متجاوز ہو گئے ہیں اور اس عمر میں زندگی اور موت کی جنگ میں مصروف ہیں - اگر وہ ہندوستانی ہوتے تو یقیناً کسی کام کے نہ رہتے اور اپنے ہوش وحواس بھی کھو بیٹھتے - ہمیں صغرسنی کی شادی کی سزا ملتی ہے اور انہیں قدرتی عمر پر شادی کرنے کا انعام۔

اسکے علاوہ آٹھ یا دس برس کی لڑکی کی جب شادی ہوتی ہے اور دوسرے سال جب اسکے ہاں اولاد ہوتی ہے تو اسوقت اسے ایسی ناقابل بیان تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے جو صرف اس حالت میں سے گذرے ہوئے لوگوں ہی کو معلوم ہے

اس ضمن میں میں ایک قصہ بیان کروں گا۔ ایک لڑکی کی شادی دس برس کی عمر میں ہوئی اور گیارھویں سال اولاد ہوئی۔ اولاد ہونے سے چار دن قبل اسے درد کے باعث سکرات کی سی حالت طاری رہی۔ آخر درد کی تکلیف اسقدر بڑھی کہ آس پاس کے لوگ اسے برداشت نہ کرسکے اور یہ تجویز ہوئی کہ اسے کلوروفارم سنگھا دیا جائے۔ دس گھنٹے تک وہ اس دوائی کے زیر اثر بیہوش پڑی رہی اور اسکے بعد جب بچہ پیدا ہوا تو وہ مرا ہوا تھا اور اسکے ساتھ ہی گیارہ برس کی ماں بھی ختم ہو چکی تھی۔ اس ایک واقعہ سے ان تمام تکالیف کا اندازہ ہو سکتا ہے جو قدرتی طور پر گیارہ سے لیکر پندرہ۱۵ برس کی کم عمر ماؤں پر بچہ پیدا ہونے کے وقت گذرتی ہیں۔ بچے بعض اوقات مردہ پیدا ہوتے ہیں۔ بعض دفعہ کمزور ہوتے ہیں اور بعض دفعہ ان کے حواس معطل ہوتے ہیں اور باوجود ان تمام خرابیوں کے ملک میں صغر سنی کی شادی کا رواج ہے۔ اور سب سے زیادہ عجیب وغریب بات ایسی شادیوں کے متعلق یہ ہے کہ ان کی انجام دینے والی بڑی بوڑھی عورتیں ہی ہوتی ہیں جو رسم ورواج اور اپنی بیوقوفی کے باعث اپنی اولاد کو ایسی مصیبت کے حوالے کردیتی ہیں جو بالآخر ان کی جان لے کر ختم ہوتی ہے۔ گذشتہ مردم شماری کو اگر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ ملک میں لاکھوں بیوائیں ایسی موجود ہیں جنکی عمر پانچ۵ اور پندرہ۱۵ سال کے درمیان ہے اور اگر دیکھا جائے تو یہ وہ زمانہ ہے جبکہ انہیں مدرسہ میں ہونا چاہیے تھا۔

مدراس پریزیڈنسی میں پانچ سے کم عمر کی سات سو اڑتیس۷۳۸ بیوائیں موجود تھیں اور پانچ۵ سے دس۱۰ برس کی عمر کی چار ہزار تین سو تینتیس۴۳۳۳ اور دس اور پندرہ۱۵ برس کی عمر کی چوبیس ہزار چار سو سینتالیس۲۴۴۴۷۔ ان اعداد سے ان بدبخت بیوؤں کی تعداد معلوم ہوسکتی ہے اور پھر ہمارے ہاں کی رسم ورواج ایسے ہیں کہ بیوہ ہو جانے پر تمام دنیا کی لعن طعن اسی کے حصے میں آنے لگتی ہیں۔ بعض ہندوؤں میں یہانتک ہے

کہ ہر خوشی کے موقع پر بیوہ کو کوٹھڑی کے اندر بند کر دیا جاتا ہے مبادا اسکا منحوس اثر باقی گھر والوں پر نہ پڑے۔ یہ ہے وہ شرم و ذلت کی زندگی جو اسے بیوہ ہو جانے کے بعد بسر کرنی پڑتی ہے اور بعض اوقات یہ بھی سزا ملتی ہے کہ وہ دوسرا نکاح نہ کرنے پائے گویا اپنے خاوند کی موت کی ضامن وہی ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک ایسی رسم جو اپنے میں فائدہ کچھ نہیں رکھتی اور سراسر نقصان ہی سے مملو ہے، کیونکر وجود میں آئی؟ ہندوؤں میں منو کے قوانین کو خاص درجہ دیا جاتا ہے اور اگرچہ اس میں صاف طور پر یہ لکھا ہے کہ مرد کے لیے ضروری ہے کہ وہ ۲۴ برس کی عمر تک برہم چاری رہے اور اسکے بعد گرہستی زندگی بسر کرے مگر بعد میں جو سمرتیاں لکھی گئیں انمیں عورت کی شادی کے قابل عمر آٹھ اور دس سال بتائی گئی ہے مگر ساتھ ہی آٹھ برس کی لڑکی کے لیے چوبیس برس کا مرد لکھا ہے جو بالکل نامونوں ہے۔ ان سمرتیوں کا اثر ہندوؤں میں اسقدر زیادہ ہے کہ اب صغر سنی کی شادی کا بالکل عام رواج ہو گیا ہے۔ غالباً اسمیں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ بعد کے لوگوں کی کارستانی معلوم ہوتی ہے اور اس لیے جب کبھی ہندو رشیوں کچھ دقت معلوم ہو تو اس صورت میں انہیں چاہیے کہ مذہبی قانون کا (جو در اصل غلطی سے مذہبی قرار دے لیا گیا ہے) قانون قدرت سے موازنہ کریں۔ اور موخر الذکر کو بیشک قبول کر لینا چاہیے کہ وہ بالکل اٹل ہے اور ایسا قانون ہے جسے کسی انسانی ہاتھ نے نہیں وضع کیا اور صرف خدا کا وضع کردہ قانون ہے۔ لیکن اگر ہم ہندوؤں کے قدیم زمانے کی طرف جائیں تو ہمیں صاف معلوم ہو جائیگا کہ اس زمانہ میں شادی عمر بلوغ پر پہنچنے کے بعد ہوتی تھی اور در اصل ہندو قوانین بنائے ہیں کہ ایسی عمر پر شادی ہو جانی چاہیے کہ میاں بیوی معقول اس مقصد کو اچھی طرح سے سمجھ سکیں جسکے لیے قدرت نے انہیں ملایا ہے۔ قدیم ہندوؤں میں اسکی اعلیٰ ہی مثالیں ملتی ہیں کہ

شادیاں مرد اور عورت دونوں کی باہمی رضامندی سے ہوا کرتی تھیں۔ موجودہ زمانے کی ہندو اسپرٹ کا مقابلہ قدیم اسپرٹ سے کیا جائے تو صاف کہنا پڑے گا کہ

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا

مزید براں ہندوؤں کے چار آشرم میں سے ایک آشرم یہ ہے کہ وہ ۲۴ برس کی عمر تک بالکل برہم چاری (مجرد) کی زندگی بسر کرے۔ ایک طرف اس حکم پر یقین کیا جاتا ہے اور دوسری طرف صغرسنی کی شادی پر زور دیا جاتا ہے ایک طرف کہا جاتا ہے کہ برہم چرج رکھو اور دوسری طرف بچپن کی شادی کو بھی ضروری خیال کیا جاتا ہے بچپن کی شادی اور برہم چاری کی زندگی دونوں متضاد چیزیں ہیں، ایک وقت میں صرف ایک رہ سکتی ہے۔

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردہ
بازمیگوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

اکثر ہندوؤں کے دلوں میں یہ خیال ہے کہ بچپن کی شادی کا اس لیے رواج ہوگیا تھا کہ مسلمانوں کے حملوں کی وجہ سے عورتوں کے لیے محافظ مقرر کر دینا زیادہ قرین مصلحت سمجھا گیا تھا۔ کیونکہ والد کے بعد عورت کی حفاظت کا بوجھ اسکے خاوند پر ہے مگر اس کا جواب یہ ہے کہ جس عمر میں شادی کر دی جاتی تھی وہ ایسی کم ہوتی تھی کہ خاوند بیوی کی حفاظت تو کیا اپنی حفاظت بھی مشکل کرسکنے کے قابل ہوتا تھا۔ یہ وجہ میں ابھی سمجھنے سے قاصر ہوں۔

مسلمانوں میں یہ قبیح رسم اسلیئے آئی کہ بہت سے ہندوؤں نے مسلمان ہوجانے پر بھی اپنی قدیم رسوم کو نہیں چھوڑا۔ بیرونا رنگ اسپر اتنا غالب تھا کہ وہ نئے رنگ سے پورے طور پر متاثر نہ ہو سکے۔ اب بھی دیہات میں ایسے مسلمانوں کی تعداد بے انتہا ہے جو پوچھنے پر اپنے آپ کو مسلمان بتائینگے مگر نام اور رسم ورواج کے اعتبار سے اگر

دیکھا جائے تو وہ پورے ہندو ہیں۔ چونکہ یہ خود اسی رسم میں مبتلا تھے اسلیے انھوں نے مسلمانوں کو بھی مبتلا کر دیا۔

مگر وجہ خواہ کچھ ہی ہو اس وقت ہندو اور مسلمان دونوں اسمیں آلودہ نظر آتے ہیں اور اب دونوں فریقوں کے لیڈروں اور ہر خیر خواہ ملک و قوم کا یہ فرض ہے کہ وہ ایسے ذرائع اختیار کرے جس سے اس رسم کا تدریج ہمیشہ کے لیے استیصال ہو جائے اور آیندہ جو نسل پیدا ہو وہ موجودہ نسل کی طرح قد میں چھوٹی اور جسم میں کمزور نہ ہو بلکہ وہ پرانے راجپوتوں کی طرح سے مضبوط و توانا ہو کیونکہ ہندوستان کا مستقبل طاقتور لوگ بنا سکتے ہیں نہ کہ کمزور ٹھٹھرے ہوے نوجوان۔

علم النفس کا ایک اصول یہ ہے کہ ہر کام کے لیے ایک مصمم مرضی اور ارادے کی ضرورت ہے۔ لہذا ان تمام والدین کو جو دل سے اپنے ملک کی ترقی چاہتے ہیں، یہ عزم بالجزم کر لینا چاہیے کہ وہ اپنے بچوں کی شادی شیر خوارگی اور بچپن میں نہ کرینگے (ہندوستان میں عورت کی شادی کی عمر ۱۷ سال ہے اور مرد کی ۲۵ سال) دوسرے ہر قومی درسگاہ کو تعلیم کے بارے میں تھیوسوفیکل خیالات کی عملی اشاعت کرنی چاہیے۔ ہر تھیوسوفیکل انسٹیٹیوشن کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ کبھی ایسے طالب علم کو اپنے سکول میں داخل نہیں کرتا جسکی شادی ہو چکی ہو۔ برخلاف اسکے لڑکے کے والدین کو سمجھایا جاتا ہے کہ وہ لڑکے کی شادی کا خیال اسوقت دل میں لائینگے جبکہ وہ اسکول کی تعلیم ختم کرے گا، اور اس سے پہلے نہیں۔ تھیوسوفیکل سوسائٹی نے جو یہ تعلیمی آئیڈیل مقرر کیا ہے تو اسکی وجہ یہ ہے کہ ہمارے نزدیک تعلیمی زندگی اور گرہستی زندگی میں نمایاں اختلاف ہے۔ دونوں ایک دوسرے سے بالکل علحدہ ہیں اور ایسے زمانے میں جبکہ اسکول کی تعلیم اور امتحانات کے سلسلہ کی بدولت لڑکے پر بہت زیادہ بار پڑتا ہے، اگر اسے خاوند بنا دیا جائے گا تو اسکا نتیجہ اسکی جسمانی صحت پر ایک

بوجھ ہوگا جسے وہ کبھی برداشت نہیں کر سکے گا۔ ساتھ ہی جب ہر سال اسکولوں اور کالجوں سے ایسے بہ ہم چاریوں کی تعداد نکلے گی جو جسم اور دماغ میں کافی طور سے مضبوط ہوں گے تو آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ ہندوستان کے کیسے بھلے دن آجائیں گے دونوں باتیں جو اوپر بیان کی گئی ہیں، ذرا سی دلیری اور ذرا سے ایثار سے مل سکتی ہے اور دونوں صفات کے بغیر آج تک کوئی قوم اصلی قومیت تک نہیں پہنچی۔

ہندوستان کے موجودہ تعلیم یافتہ گروہ میں بہت کم ایسے اشخاص ہیں جو تیس برس کی عمر میں بالکل تندرست ہوں۔ ہزارہا نوجوان اعصاب اور معدہ کی بیماریوں میں مبتلا ہیں سینکڑوں دوران خون کی شکایت کے شاکی ہیں اور ہزاروں ایسے ہیں جنکے اعضاے رئیسہ کمزور ہیں۔ اسی طرح ذیابیطس کے مریضوں کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے۔ یہ سب لوگ کمزور والدین کی اولاد ہیں اور ان میں سے اکثر ایسے ہوں گے جنھوں نے صغر سنی میں شادی کی ہوگی۔ ہمارے تعلیم یافتہ نوجوانوں کی ایسی حالت ہندوستان کے تعلیمی پہلو پر ایک بہت بدنما دھبہ ہے ہمارے نوجوان ۳۰ سال کی عمر میں پچاس کے اور ساٹھ سال کی عمر میں نوے سال کے معلوم ہونے ہیں درانحالیکہ دوسرے ممالک کے بوڑھے آدمی بڑھاپے میں بھی اپنی قوم کو صلاح و مشورہ دینے کے قابل رہتے ہیں۔ یہی حالت ہم ہندوستان میں پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ اس بُری رسم کے استیصال میں ہندو مسلمان دونوں کو مل کر کام کرنا چاہیے۔ مختلف لکچروں کے ذریعہ والدین کے دلوں میں اس رسم کی طرف سے خوف اور دہشت بٹھانی چاہیے اور اگر ہم لڑکیوں کی خاطر نہ سہی، لڑکوں ہی کی خاطر صغر سنی کی شادی کو بند کردینگے تو ہم اس زمانے کو اس شاندار زمانے کو جسے ہماری آنکھیں عالم خیال میں دیکھ رہی ہیں زیادہ

قریب لے آئیں گے اور ہم ہر لحاظ سے ایک ایسی مضبوط قوم بن جائیں گے جو دنیا میں عزت و وقار کے ساتھ رہنے کے قابل ہو سکے گی۔

اگر ہم نے صغر سنی کی شادی کو جلد کم نہ کیا تو بیسویں صدی کے آدمیوں پر یہ الزام عاید ہوگا کہ وہ دختر کشی کرنے اور ستی کرانے میں مدد کرتے ہیں۔ یہ دونوں خوفناک مراسم اصولاً معدوم ہیں مگر صغر سنی کی شادی میں ہم ان ہی رسموں کو گویا ادا کر رہے ہیں۔ بلکہ یہ رسم ان سے بھی زیادہ خوفناک ہے۔

"اے خدا تو ہماری آنکھیں کھول تاکہ ہماری تباہی خود ہمیں نظر آنے لگے اور ساتھ ہی ہمیں اس سے بچنے کی بھی توفیق دے۔"

ضیاالدین برنی

# ترک محبّت

میں کہ اب مستغنیِ جذبات الفت ہوگیا - ہستیِ نا آشنائے رنج و راحت ہوگیا
دل سے مطلق مٹ گئی خارِ محبت کی خلش - اندمالِ دردریزی جراحت ہوگیا
خواہشات مضطرب احساس ساکن ہوگئیں - شوق رخصت ہوگیا ارمان رخصت ہوگیا
مل گئی فرطِ تمنا کی کشاکش سے نجات - سدِ بابِ تلخیِ انجام حسرت ہوگیا
ذوقِ نظارہ رہا باقی نہ امیدِ وصال - اختتامِ ناگواری ہائے فرقت ہوگیا
عشقِ رسوا کن کی محشر زائیاں جاتی رہیں - جذب۔ ضبطِ نفس میں جوش طبیعت ہوگیا
بے نیازی اک نیا زآگینیوں میں آگئی - ناشناسِ طرز و اندازِ محبت ہوگیا
اب بھی دل ہے وہی میں ہوں وہی دورِ حیات - اور حاصل پھر وہی عہدِ فراغت ہوگیا

درد کی بیدردیاں آخر میں درماں ہوگئیں
مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پر کہ آساں ہوگئیں

ارشد تھانوی

# شاعر

نرگس و نسرین کیا۔ کیا یاسمن کیا نسترن — لالۂ آتش نوا کیا بلبلوں کی انجمن
موج دریا کا تموج چاند کا پیارا سماں — برق و باران و شفق سب رنگ روئے آسماں
آہ و غم۔ شور و الم۔ عشاق کا سوز و گداز — آمد باد صبا محبوب کے انداز و ناز
وادیٔ صحرا۔ نکیلے خار۔ برگ سبز کشت زار — بھینی بھینی گل کی خوشبو رونق فصل بہار
بلبل و قمری کے نغمے ہدہد و گل کی نمود — ساغر و مینا کی باتیں انگستان ہست و بود

آرزوئے شاعرانا کام کا انجام ہیں
صد بزم لامکاں کی شان کا پیغام ہیں

حسن کیا ہے دیدۂ شاعر کا ہے مہماں نواز — راگ کیا ہے نغمۂ تار۔ رباب سوز و ساز
فلسفی سمجھا تحیر میں فقط ناداں مجھے — زاہد ناداں نے جانا تھا ہیجان مجھے
مجھکو خالق نے محبت کے لیے پیدا کیا — گل کا بلبل کا تخیل کا مجھے شیدا کیا
بے زبانی ہوں کسی کی میں کسی کا راز ہوں — نگاہ منت اس انجمن میں گوش برآواز ہوں
ہوں سراپا نور مشعل نور کا جویاں ہوں میں — وادیٔ ایمن کا ذرہ ہوں ید بیضا ہوں میں
حرف کن کی دھن میں چھوٹی سی اک تفسیر ہوں — خوش نظر آتا ہوں لیکن درد کی تصویر ہوں
اپنی ہستی کا نشاں میں آپ پا سکتا نہیں — دل میں رکھتا ہوں بہت کچھ لب پہ لا سکتا نہیں

ہوں سکوت آموز جرئت مدعائے دردِ قوم
التجا ہے قلب ملت ہوں صدائے دردِ قوم

اک طرف لیلےٰ کو رلواتی ہے خاموشی مری — اک طرف مجنوں کو تڑپاتی ہے بیہوشی مری
اسقدر جلوے عیاں ہیں پیکر خاموش میں — اسقدر لوسف نہاں ہیں درد کی آغوش میں

شور سے دنیا کو اک محشر دکھا سکتا ہوں میں
اہل محفل کو ہنسا سکتا رلا سکتا ہوں میں

نذر محمد انور سیالکوٹی

# فضل لکھنوی

بعض خوش نصیبوں کو خزانۂ غیب سے بے تلاش و جستجو وہ دولت مل جاتی ہے جو بعضوں کو کوشش و سعی سے بھی میسر نہیں آتی۔ دنیا اس خداداد دولت کو حیرت کی نظر سے دیکھتی اور تعجب کرتی ہے لیکن جن لوگوں کو شاہی درباروں کے حالات سے کچھ دلچسپی ہے ان کے نزدیک یہ کوئی تعجب کی بات نہیں، وہ خوب جانتے ہیں کہ ایسے واقعات بکثرت پیش آتے رہتے ہیں، اور مستحق و غیر مستحق سب کے سب انعام پاتے ہیں ؎

این سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

دولت شاعری بھی مبدء فیاض سے بعضوں کو اسطرح چھپر پھاڑ کے مل جاتی ہے گویا وہ ماں کے پیٹ ہی سے شاعر پیدا ہوئے ہیں۔ نہ ان کو عروض سیکھنے کی ضرورت پڑتی ہے نہ قافیہ کی حاجت، موزوں طبیعت ہی بحر ہے اور مذاق سلیم تقطیع، نہ کسی کے آگے زانوے شاگردی تہ کرنے سے مطلب، نہ کسی سے دوستانہ مشورہ کی غرض۔ لطف یہ ہے کہ کم استعدادی و کم علمی بھی سد راہ نہیں ہوتی بخلاف اسکے جن لوگوں کو قدرتی طور پر استعداد نہیں وہ علم و فن شعر کی باقاعدہ تعلیم حاصل کرنے میں عمریں صرف کر دیتے ہیں تب بھی وہی "ڈھاک کے تین پات"۔

اسلام سے پہلے عرب کے شاعر جن کی شاعری اور فصاحت و بلاغت نے انھیں "عرب العرباء" کا معزز خطاب دلایا، تمام عالم سے اپنا لوہا منوایا قریب قریب سب جاہل تھے، لیکن شعر ایسے کہتے تھے کہ اُن کے اخلاف جنکو "مولدین عرب"

سکتے ہیں باوجود علم و فضل کے اُنکے برابر نہ پہنچ سکے اور نہ اُنکی فصاحت و بلاغت کو پا سکے۔ مگر عجم میں ایسی مثالیں بہت کم ہیں کہ جاہل ہو کر اعلےٰ درجہ کے شاعر ہوئے ہوں اہل ادب کے دلوں پر اُنکا سکہ بیٹھا ہو یا کسی نے اُن کا لوہا مانا ہو۔ ہاں اوسط درجے کے کہنے والے مل جائیں گے جنکے کلام میں رطب و یابس دونوں حصے برابر ہونگے مگر وہ بھی بمشکل اور معدودے چند"

ان ہی معدودے چند میں سے ایک حضرت فضل لکھنوی ہیں۔ جنکی بے علمی پر نظر کرتے ہوئے حیرت ہوتی ہے اور بے اختیار زبان پر شعر آجاتا ہے ؎

خدا کی دین کا موسیٰ سے پوچھیے احوال
کہ آگ کو لینے کو جائیں پیمبری مل جائے

حضرت فضل کی ولادت باسعادت لکھنؤ کے مشہور محلہ "قندھاری بازار" میں ہوئی یہیں وہ سن تمیز کو پہنچے اور ۱۲۸۲ء تک یہیں سکونت پذیر رہے۔ پورا نام فضل اللہ اور ان کے والد کا نام محمد خاں ہے۔ آپ ایک اعلےٰ خاندان سے ہیں۔ آپ کے باپ دادا بڑے کامل فاضل لوگ تھے "نافع السالکین" میں اُن حضرات کا مختصر تذکرہ موجود ہے۔ مگر اُن کے خلاف حضرت فضل نے اپنا تمام زمانہ طفولیت کھیل کود میں ضائع کیا پڑھنے لکھنے میں بالکل دل نہ لگایا بلکہ اسقدر بے تعلق رہے کہ اپنا نام بھی نہیں لکھ سکتے تھے۔ یا للعجب!

عبرت کا مقام ہے کہ فاضلوں کے لڑکے علم و فن سے اس طرح کورے رہیں کہ اپنا نام بھی نہ لکھ سکیں۔ ؎

گہ آری خلیلے ز بتخانہ     گہی آشنائی ز بیگانۂ
گہے بابپاں گوہر خانہ خیز     چو بوطالبے را کنی سنگ ریز

اخیر عمر میں اپنی اس نادر حالت پر خود بھی بہت افسوس کرتے تھے۔ مگر

"اب پچھتائے کا ہوت ہے، چگ گئیں چڑیاں سب برا کھیت"

ساٹھ برس کی عمر میں جب مکہ معظمہ سے حج کرکے واپس آئے تو قرآن شریف (اس خیال سے کہ یہی دین و ایمان ہے) پڑھنا شروع کیا۔ چنانچہ تخمیناً دو سال میں ختم ہوا۔ بس آپ کا سارا سرمایۂ علم یہی ہے۔ اور سچ پوچھیے تو یہ بھی بہت کافی ہے اور اس کا علم اصل علم ہے۔

شعر و شاعری کا چسکا، روز ازل میں پڑ چکا تھا، ہوش سنبھالتے ہی شعر کی دھن میں رہنے اور اُلٹے سیدھے الفاظ جوڑ جوڑ کر شعر موزوں کرنے لگے۔ پھر لوگوں کے ساتھ مشاعروں میں جانا شروع کیا۔ پڑھنے کے لیے نہیں صرف سُننے کی غرض سے۔ سُنتے سُنتے اشعار کے معنے مطلب سمجھنے لگے اور مہمل و بامعنے کہنے بھی لگے۔ جو کچھ کہتے پہلے اپنے ہمجولیوں کو سُناتے وہ واہ واہ کر اور واہ واہ کرکے دل بڑھاتے اسی طرح ان کا حوصلہ روز بروز بڑھتا رہا اور مشق ہو گئی۔ یہانتک کہ زمرۂ شعرا میں داخل ہو گئے۔ اول اول تو چار چار، پانچ پانچ شعر کہتے تھے پھر پوری پوری غزلیں ہونے لگیں۔ خود تو لکھنا آتا نہ تھا اپنا کلام لوگوں سے لکھوا لکھوا کے بڑے شوق سے جمع کرتے رہے۔ جن اشعار کے لکھوانے کی نوبت نہ آتی وہ چند روز میں صفحۂ دل سے اُتر کر بیاض نسیان پر درج ہو جاتے۔ قبل اسکے کہ اس مجموعہ کی (جو اس محنت سے دوسروں سے لکھوا لکھوا کے جمع ہوا تھا) کوئی شہرت ہو یا طبع کی نوبت آئے گردش گیتی نے ۱۸۵۷ء کے فتنہ میں یہ تمام سرمایۂ عمر تلف کر دیا۔ دل پر کیسی چوٹ لگی ہوگی؟ کسقدر صدمہ ہوا ہوگا! شاعر کے لیے اس سے زیادہ اور کیا رنج دہ سانحہ ہو سکتا ہے؟ یہی اُن کے لخت جگر اور یہی پارہ ہاے دل۔ سچ یہ ہے کہ جسقدر صدمہ و رنج ہوا ہو تھوڑا ہے۔ اس ہنگامہ میں نہ صرف یہ مجموعہ ہی ضائع ہوا بلکہ لکھنؤ سے محبوب وطن کو بھی خیرباد کہنا پڑا۔ شیرازۂ احباب بھی پراگندہ ہوا۔ عزیز و اقارب میں بھی کوئی کہیں جا پڑا کوئی کہیں مفارقت

لکھنؤ کے بعد خالص پور میں قیام اختیار کیا۔ یہ گاؤں حضرت فضل کے بزرگوں کی جاگیر میں ہے اور لکھنؤ سے دس بارہ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔

یہاں آنے کے بعد نئے افکار اور پیش آنے والے ترددات کی وجہ سے مدت تک شعر و شاعری کا مشغلہ موقوف رہا۔ اگر کوئی موقع پیش بھی آیا تو غدر کی تباہی سے ایسے متاثر تھے کہ کچھ نہ کہا اور بالکل زبان بند کیے بیٹھے رہے۔ ایک عرصہ کے بعد جب ذرا اطمینان حاصل ہوا تو دوستوں کے اصرار سے کبھی کبھی ایک آدھ غزل کہہ لیتے اور اپنے صاحبزادے کے معلموں سے لکھوا کے رکھ لیتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک ایک کر کے ایک اچھا خاصہ مجموعہ تیار ہو گیا۔ اب جی چاہا کہ یہ چھپ جائے تو بہتر ہے۔ مگر ساتھ ہی ایک یہ خیال بھی پیدا ہوا کہ "مجھ جاہل ناخواندہ کے کلام میں سینکڑوں بلکہ ہزاروں غلطیاں ہوں گی۔ لوگ اعتراض کریں گے، ہنسیں گے۔" اب ایک کشمکش میں پڑ گئے۔ ادھر طبع دیوان کا شوق دامنگیر ادھر یہ خیال عاقبت مآل چھپنے سے مانع۔ آخر اشتیاق طبع غالب آیا اور بڑے پس و پیش کے بعد یہ خیال کر کے کہ "کوتہ نظر جو چاہیں کہیں مگر اہل انصاف میری ہیچمدانی پر نظر کر کے ضرور داد دیں گے" مولوی عبد العلی صاحب آسی مرحوم مالک مطبع آسی محمود نگر لکھنؤ کے پاس بغرض طبع لے گئے۔ مولوی صاحب موصوف نے اسے شروع سے آخر تک بنظر تعجب دیکھا اور پوری پوری داد دی۔ کہیں کہیں بعض الفاظ کا رد و بدل بھی کر دیا اور قافیوں کی غلطیوں کو بھی بنا دیا۔ پھر خود ہی چھپنے کا انتظام کیا۔ مولوی صاحب کی اس داد و مہربانی سے حضرت فضل نے نیک فال لی اور سمجھ لیا کہ "ہاں اہل نظر ضرور داد دیں گے۔" چنانچہ سنہ ۱۳۱۱ھ میں یہ دیوان[1] نہایت خوبی و خوش اسلوبی سے

[1] جن حضرات کو ملاحظہ کا شوق ہو آسی پریس محمود نگر لکھنؤ سے طلب فرمائیں۔ ۸ر قیمت ہے لکھائی چھپائی بہت اچھی ہے البتہ کاغذ معمولی ہے۔ دیکھنے کی چیز ہے۔

اسی پریس لکھنؤ میں چھپ کر شائع ہوا۔ یہ دیوان اسوقت ہمارے پیش نظر ہے۔ ۱۸۸ صفحوں پر ختم ہوا ہے۔ شروع میں پانچ چھ صفحے فضل صاحب نے اپنے حالات کے لکھے ہیں جنمیں اپنی جہالت پر بہت کچھ اظہار تاسف بھی کیا ہے۔ اسکے خاتمہ پر یہ شعر درج ہے ؎

غلام ہمت آں شاعران ذی کرم
کہ یک صواب ببنید و صد خطا پوشند

اسکے بعد طبع دیوان کی تاریخ میں ایک قطعہ لکھا ہے اور سچ یہ ہے کہ حضرت فضل نے تاریخ بہت خوب نکالی ہے۔ وھو ہذا

مرا یہ نامہ باغ بے خزاں ہے ۔۔۔ الٰہی خوش ہوں اس سے جملہ احباب
ہوا تیار جب یہ گلشن شوق ۔۔۔ کہی تاریخ اسکی "باغ شاداب"

اب غزلوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ ردیف الف میں چند غزلیں حمد و نعت اور بزرگان دین کی شان میں ہیں۔ ایک مناجات ہے پھر شاعرانہ کلام ہے۔ اس موقع پر بطور نمونہ کے چند غزلیں بلا انتخاب درج کی جاتی ہیں جو اس ناخواندگی پر بے شک قابل ستایش ہیں۔ ناظرین ملاحظہ فرمائیں۔ میر کی مشہور زمین "شراب کی سی ہے" "حباب کی سی ہے" میں فرماتے ہیں ؎

زیست دنیا کی خواب کی سی ہے ۔۔۔ بلکہ دنیا حباب کی سی ہے

میر کے بعد یہ مطلع! فناے دنیا کا ایسا مرقع ہے!! زبان سے بے اختیار واہ نکلتی ہے۔ سبحان اللہ! ایسے ہی اشعار حضرت فضل کی مداحی کرلے بغیر نہیں رہ سکتے۔ ان ہی اشعار نے مولوی عبدالعلی صاحب کو ثناخوانی پر مجبور کیا ہوگا اور فرماتے ہیں

رنج ہجراں نہیں ہے دنیا میں ۔۔۔ اک نشانی عذاب کی سی ہے
کیا کہوں اور وصف اُس گُل کا ۔۔۔ ساری رنگت گلاب کی سی ہے

آتش غم سے دل جلا شاید — بو تو اس دل کباب کی سی ہے

بہکی بہکی ہے چال یار کی آج — کیفیت سب شراب کی سی ہے

میرے رونے کو دیکھ کہتے ہیں — یہ تو بارش سحاب کی سی ہے

فضل کچھ مجھسے بولتے نہیں آپ

یہ نشانی عتاب کی سی ہے

"کفن بگڑا دہن بگڑا کی طرح میں آتش نے اپنے استاد مصحفی سے کہا تھا "استاد اس ردلیف قافیہ میں کوئی ایک شعر نکالے تو کلیجا نکل پڑے" حضرت فضل فرماتے ہیں

نہیں مجھ سے اکیلا دوستو وہ گلبدن بگڑا — اس اپنے عندلیب دل سے سارا چمن بگڑا

سحر کے وقت جب وہ شمع محفل سے جاتا ہے — نظر آتا ہے دن بھر مجکو رنگ انجمن بگڑا

بگاڑا تو بہت تونے صبا گیسوے جاناں کو — نہ کچھ بل آیا اسمیں اور نہ اسکا بانکپن بگڑا

سوال اس سے کیا جب ڈرتے ڈرتے لب کے بوسہ کا — کہوں کیا کسطرح مجھ سے وہ شیریں دہن بگڑا

"دہن" کے قافیہ پر بھی آتش کو بڑا ناز تھا۔ ہمارے ان پڑھ فضل نے جو پڑھنا بھی نہیں لکھ سکتے تھے "دہن" کا قافیہ باندھ دیا۔ اور "شیریں" کا لفظ اسپر لگا کے پانی کر دیا ماشاء اللہ جس کو آتش سا استاد مشکل سمجھے اسکو حضرت فضل آسان کر کے یوں کہدیں۔

"کہوں کیا کسطرح مجھ سے مرا شیریں دہن بگڑا"

تمہارا قد موزوں دیکھکر گلگشت گلشن میں — دکھائی دیگا قمری کو قد سرو چمن بگڑا

اڑا کر لیگئی خوشبو صبا جو زلف جاناں کی — تو اس سے رنگ بوے عنبر و مشک ختن بگڑا

خدا چاہے تو وہ اچھا بنا دے خلق کے آگے

نظر آتا ہے فضل اپنا بھی کچھ طرز سخن بگڑا

تجکو پکارتا پھرا قاتل کہاں کہاں - یہ ڈھونڈھتا ہوا دل بسمل کہاں کہاں

کیا مطلع ہے! کیا روانی ہے!! کیا صفائی ہے!!! سبحان اللہ

فرقت میں ایک لحظہ نہیں دلکو چین ہے
بتلاؤں کیا کہ پھرتا ہوں بیدل کہاں کہاں

اے ہمدمو! تلاش میں اب اُسکی دیکھنا
کرتا ہوا میں جاتا ہوں منزل کہاں کہاں

اُس بیوفا کے عشق میں گھر سے نکال کر
مجھکو پھرائے گا تو اب اے دل کہاں کہاں

دل لے کے تیرا اب وہ نجانے کہاں گیا
پھر ڈھونڈھنے تو جائیگا بیدل کہاں کہاں

صیاد کے خیال سے گلشن کو چھوڑ کر
پھرتے ہیں مارے مارے عنادل کہاں کہاں

اب آستان یار پہ اے فضل جم کے بیٹھ
پھرتا ہے در بدر تو اے غافل کہاں کہاں

---

ان آنکھوں نے دیکھے جواں کیسے کیسے
ہوے اس جہاں سے رواں کیسے کیسے

لڑکپن سے ابتک ان آنکھوں کے آگے
ہوے انقلاب جہاں کیسے کیسے

نہیں اُس ستمگر کے مژگان و ابرو
ہیں دشمن مرے بیگماں کیسے کیسے

ہیں عاشق کے لب خشک تر چشم تن زرد
یہ سب عشق کے ہیں نشاں کیسے کیسے

گل و ماہ و آئینہ و شمع و خورشید
ہیں چہرے پہ انکے گماں کیسے کیسے

شہیدان شمشیر ناز ادا کو
ملیں گے ارم میں مکاں کیسے کیسے

ہے افسوس افسوس فضل اس جہاں سے
گئے خاک میں گلرخاں کیسے کیسے

---

ترا جبدم خیال آتا ہے
دین و دنیا کا غم بھلاتا ہے

اسکو کھٹکا کہاں ہے محشر کا
سر تسلیم جو جھکاتا ہے

دل تڑپتا ہے جان جاتی ہے جب وہ پہلو سے اُٹھ کے جاتا ہے
چاہتا ہے جسے دکھا کے جھلک اپنا دیوانہ وہ بناتا ہے
وہی پاتا ہے مشاہد وحدت اپنی ہستی کو جو مٹاتا ہے
دل کی آنکھوں سے ڈھونڈتا جو ہے وہی اے یار تجھکو پاتا ہے

بھول جاتا ہے فضل وہ سب کو
اُس صنم سے جو دل لگاتا ہے

دیوان کی اکثر غزلیں اسی رنگ کی اور بعض اس سے بہتر ہیں بعض بعض بہت مشکل زمینوں میں ہیں۔ بعض بہت بڑی بڑی ہیں چنانچہ ایک غزل میں ۸۴ شعر ہیں ہم نے طوالت کے خیال سے انکو قلم انداز کر کے صرف چار چھوٹی چھوٹی غزلوں پر اکتفا کی۔ اور انتخاب ایک شعر کا بھی نہیں کیا۔ ایک تذکرہ میں عمدہ عمدہ شعروں کا انتخاب ہم اس لیے ناپسند کرتے ہیں کہ اس سے شاعر کی اصلی حالت اور قوت کا اندازہ نہیں ہوتا بلکہ واقعیت سے زیادہ شاندار رخ نظر آنے لگتا ہے۔ اور یہ بات سوانح نگار کے فرائض سے بعید ہے کہ اصل مرقع کو اپنی رنگ آمیزی سے خوشنما کر کے پیش کرے۔

آخر دیوان میں مولوی عبد العلی صاحب آسی مرحوم نے اور مولوی محمد صاحب[1] مدرس عربی مدرسۂ فرقانیہ لکھنؤ نے قطعات تاریخ لکھ کر حضرت فضل کی بہت کچھ تحسین کی اور حوصلہ بڑھایا ہے۔ لیکن ان حضرات کی تحسین سخن شناسانہ ہے اسمیں ہم بھی اُن کے ہم آہنگ و ہم خیال ہیں۔

محبوب علی لکھنوی

[1] مولوی صاحب موصوف عربی علم ادب میں اعلیٰ درجہ کی مہارت رکھتے ہیں۔ آپ کی عربی نظمیں اور قصائد نہایت فصیح و بلیغ ہوتے ہیں مصر وغیرہ کے ادبی پرچوں میں آپکی نظمیں اشاعت پذیر ہو چکی ہیں۔ آپ مولانا عین القضاۃ اجلّہ کے تلامذہ میں سے ہیں۔ اور مولوی عبد العلی صاحب آسی مرحوم کو ہر شخص پہچانتا اور انکی لیاقت و سخن شناسی کو جانتا ہے۔

# خیال یار

میں کیونکر عشق کا آزار چھوڑوں — مجھے کس پر دل بیمار چھوڑا
اٹھایا ہاتھ جب دونوں جہاں سے — بھلا کیونکر در دلدار چھوڑوں
نہیں قابو میں دل اپنا ذکی — میں کیونکر گریۂ خونبار چھوڑوں
میں چھوڑوں کسطرح فریاد و شیون — میں کیونکر آہ آتشبار چھوڑوں
کوئی آنکھوں میں میری پھر رہا ہے — میں کیونکر حسرت دیدار چھوڑوں
سر شوریدہ ٹکراؤں کہاں پہ — اگر میں یار کی دیوار چھوڑوں
قسم ہے اپنی ہی وحشت کی مجکو — گریباں میں جو کوئی تار چھوڑوں
نہیں ممکن مرے جوش جنوں سے — کہ سیر وادی پرخار چھوڑوں
رہے اُس بت سے لطف ہمکلامی — میں کیونکر لذت گفتار چھوڑوں
ہوئی مدت بتوں کو پوجتا ہوں — میں کیونکر رشتۂ زنار چھوڑوں

نہیں ممکن ہے جیتے جی یہ باسط
کہ دامان خیال یار چھوڑوں

باسط بسوانی

## ضروری گذارش

"تمدن" بلا طلب جن حضرات کی خدمت میں نمونتاً یا کسی معزز دوست کی تحریک سے پہنچے براہ کرم فوراً آپ ارادہ خریداری سے مطلع فرمائیں ورنہ خاموشی رضامندی سمجھی جائے گی اور دوسرے ماہ میں اُنکا نام درج رجسٹر کرکے تیسرے ماہ کا پرچہ ذریعہ وی پی بھیجا جائیگا جسکا وصول کرنا اُن کا قومی اور اخلاقی فرض ہوگا۔

جو حضرات "تمدن" کی عمر کے پانچویں سال کے اختتام یعنی ۱۷ اپریل تک "تمدن" کو چار مستقل خریدار عنایت فرمائینگے اُن کی خدمت میں ایک سال کے لیے "تمدن" مفت حاضر ہوگا جو صاحب دو مستقل خریدار عنایت فرمائیں گے اُنکے پاس چھ ماہ تک پرچہ مفت حاضر ہوگا۔

# ابرمردہ

جسے اسفنج بھی کہتے ہیں۔ اس کی ماہیت کے متعلق اکثر کا خیال ہے کہ یہ سمندر کا جھاگ ہے۔ اسکا رنگ خاکی نما ہوتا ہے دہلی میں ایک سوداگر کی دوکان پر ایک کاغذ کے پاٹن میں قریب ایک درجن کے ٹنگے ہوئے تھے۔ دور سے اُن کا رنگ کھیچے جاتا تھا۔ آگے بڑھا اور سوچا کہ ان میں سے ایک ضرور خریدوں گا۔ ابھی دوکاندار سے سلسلۂ کلام شروع بھی نہ کیا تھا کہ لوگ آنے اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ ایک کے سوا سب فروخت ہو گئے۔ میں نے دل میں کہا سچ ہے واقعی دنیا مردہ پسند ہے ایک رہ گیا تھا اسکا سودا میں نے کر لیا اور گھر واپس چلا آیا۔ رات کا وقت تخلیے کا ہوتا ہے ضروری مشاغل سے فرصت مل جاتی ہے۔ بس میں ایک عمل پڑھا کرتا ہوں اور جس چیز سے مجھے کلام کرنا ہوتا ہے اُسے سامنے رکھ لیتا ہوں۔ یہانتک کہ وہ چیز خواہ جاندار ہو یا بیجان نباتات میں سے ہو یا جمادات میں سے میرے سوال کا جواب دینے لگتی ہے آج ایک

## ننھی سی لاش

ابرمردہ کی میرے سامنے تھی۔ اسکا جسم کسی ظالم نے چھلنی کر دیا تھا۔ مجھے تفتیش کی ضرورت ہوئی چنانچہ وہ عمل پڑھ کر عالم تخیل میں جا پہنچا۔ اور اس نعش سے مخاطب ہو کر کہا۔ او جنس خاموش۔ آہ تجھے کس بے درد نے گھائل کیا ہے ذرا اپنا سرار گذشتہ سچ بتا دے تیرے مرنے کے بعد یہ گرم بازاری کیوں تھی۔ یہ سُن کر ابرمردہ مسکرایا اور کہا تمھارے دو سوال ہیں ان کا ایک جواب دوں یا دو۔

مَیں نے کہا نہیں فرداً فرداً جواب دینا ہوگا۔ کہا پہلے سوال کا تو یہ جواب ہے کہ میں کسی

کی تیز نظر کا

## زخمی ہوں

اُس ظالم نے مشق ستم کے لیے میرا سینہ ہی منتخب کیا ۔ میرے شغل کیفیت یہ ہے کہ زخم تو کھایا گیا لیکن ایک لذت بھی پیدا ہوتی رہی جو اُس تیر کے ساتھ جو جگر میں پیوست ہو جاتا تھا۔ دہن زخم سے مرحبا کی صدا نکلتی تھی آخر میں نے کہہ بھی دیا

تیر چن چن کے ترے کیوں نہ جگر میں رکھ لوں

کس مزے سے یہ اُڑاتے ہیں نشانہ دل کا

جب اچھی طرح زخمی ہو گیا تو امانت عشق ۔قطرات محبت کا حامل بن گیا۔ اور تم بھی دیکھو وہ فطرت نے مجھے تفویض کر دیا ہے ۔پس یہ سینے کی غربالی میرے لیے عید ہے نوید ہے آپ افسردہ نہ ہوں۔

رہا دوسرا سوال ۔میری چاہت کیوں ہے اسکا جواب آپ نے خود ہی دیدیا ہے کہ دنیا مردہ پسند ہے مگر میں اسمیں اتنا اور اضافہ کرنا چاہتا ہوں۔ کہ مردہ میں بشرطیکہ کوئی کمال رہ چکا ہو۔ اہل اللہ کے مزارات پر عوام الناس کی حاضریاں زیادہ تر فیض کی خاطر ہوتی ہیں ۔ میاں اُس مرنے والے کو یاد کیا جاتا ہے جس کے اوصاف زندگی میں دوسروں کو فائدہ پہنچا چکے ہوں۔ ہاے

## چودھویں صدی

کے لوگوں نے ہنر کو عیب سمجھ رکھا ہے ۔ وہ یہ نہیں جانتے کہ ہم جسکے مقلد ہیں وہ باہنر ہے اور ہمارے بھی وطن سے سکروں ہی لوگ ہنر ہی کی بدولت کھینچ چکا ہے ۔ دنیا ہنرمند کی قدردان ہے زندہ اگر بے ہنر ہے تو اسکی پوچھ نہیں پس بے ہنر مردہ کی کیسے پوچھ ہو سکتی ہے ۔یوں کہو دنیا مردہ پسند نہیں مطلب پرست ہے ۔　　　تم نے یہ نہ دیکھا

کہ میری مانگ ہے میری قدر ہے میں ہاتھوں ہاتھ فروخت بھی ہو گیا لیکن یہ بھی کبھی غور کیا

کہ کیوں؟ نادان دوست۔ مجھ میں ایک قوت ہے اور اسکا نام جذب ہے۔ میری قدر نہیں۔ میرے جذب کی قدر ہے۔ میں آپ کو مشاہدہ کرا سکتا ہوں۔ امتحاناً ایک گلاس پانی کا لائیے اور اسمیں مجھے ڈال دیجیے پھر تماشا دیکھیے کتنا پانی چوس لیتا ہوں دنیا تو اس بات کی قدر کرتی ہے۔ آہ دل پر اک چوٹ لگی۔ ابر کے ٹکڑے نے

## تصوف کے مراحل

طے کر دیے۔ انسان کامل بیشک وہی ہے جسکا جگر تیر عشق سے چھد چکا ہو۔ ایک بجلی ہو۔ جو گل نہ آنے دیتی ہو ایک خلش ہو جو بار بار کھٹکتی ہو۔ ہرے ہرے زخم ہوں اور میرے سینے کا کھیت ہو۔ لوگ کہیں سرسوں پھولی ہے۔ کیا بسنت کے دن آگئے ہاں وہ بارہ مہینے دیکھیں اور یہاں بسنتی موسم نظر آئے۔ میرا دل ایک پھول ہے اسے وحدت مکھی کہتے ہیں سورج مکھی کا رخ سورج کی طرف رہتا ہے اور اسکا رخ ہمیشہ میری شہ رگ کی جانب۔ میں یہی دعا مانگتا ہوں کہ کسی کے تیر نظر کا صدقہ مجھ میں جذب پیدا ہو جائے۔ جسکو دیکھوں وہ میرا نہیں تیرا ہو جائے روحانی کشش کی خیر جس کے دم سے اسلام کا بول بالا ہوا۔ آئینہ دل کی بجے جسکی جلا نے عالم انسانیت کو متحیر کر دیا۔ چشتی تصوف کے تاجدار حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر لاکھ لاکھ بار رحمت و برکت ہو۔ نقشبندی تصوف کے چمکتے ہوئے گوہر حضرت صدیق اکبرؓ پر انوار الٰہی کا مینہ برسے۔ جنکے سلسلے کی لاکھوں کڑیاں اسلام کے لیے مایۂ ناز ہوئی ہیں۔ اور اس ابر مردہ کی حیات پر جو میرے لیے سبق آموز ہوا۔

مقرب حسین مقرب دبیر حلقہ نجات دہلی

حضرت ساحل الٰہی گیاوی

(رباعی)

اُس شوخ نے کی نہ قدردانی میری ضائع ہوئی ہائے جانفشانی میری

ٹھوکر سے مٹا یا نقش تربت میرا وہ بھی نہ رہی جو تھی نشانی میری

# پردۂ نسوان

رسالۂ تمدن میں پردے اور تعلیم کے متعلق ایک مختصر سا مگر نہایت موزوں مضمون والدۂ ممتاز حسین کے قلم کا لکھا ہوا میری نظر سے گذرا۔ میں چاہتی ہوں کہ اسپر کچھ اپنی ناچیز رائے کا اظہار کروں۔

جہانتک میرا خیال ہے۔ میں کہہ سکتی ہوں کہ مشرقی لوگوں میں بہت کم ایسے آدمی نکلیں گے جو اپنے سے مخالف رائے رکھنے والے کی بات سُننے کے متحمل ہونگے اور جو رائے وہ پیش کرے اُس پر ٹھنڈے دل سے غور کریں گے۔ معلوم نہیں کہ انھوں نے مخالفت کو کیوں ایسا ہوا سمجھ رکھا ہے۔ جبکہ سعدی سے زبردست فلاسفر کا قول ہے کہ

گو دشمن شوخ چشم وبیباک تا عیب مرا بمن نماید

درحقیقت مخالفت ہی ایک ایسی چیز ہے جس سے کسی مسئلہ کا عیب و ثواب عوام پر بخوبی روشن ہو جاتا ہے۔ یہی وہ بھٹی ہے جسمیں پڑ کر مسئلہ کا کھرا ہونا اپنی پوری آب و تاب سے چمک جاتا ہے۔ یہی وہ کسوٹی ہے جسپر کھرا کھوٹا۔ پرکھا جاتا ہے یہی وہ چھلنی ہے جس سے کوڑا کرکٹ گرد و غبار پاک ہوجاتا ہے۔ اس لیے مجھے یقین ہے کہ میری تحریر کو کسی دیگر خیال سے نہ دیکھا جائے گا۔ ہاں جو کچھ میری تحریر کے جواب میں اُس کے خلاف لکھا جائے گا میں نہایت خوشی کے ساتھ دیکھوں گی اور اس کا حتی الامکان موزوں جواب دینے کی کوشش کروں گی۔

پردے کے حامی لوگ پردے کی تائید میں مدت سے بہت کچھ لکھتے آئے ہیں اور پردے کی تائید اور اسکو عمل میں لانے کی نہایت سختی کے ساتھ تاکید کی جاتی ہے لیکن شاید وہ اس سے

ناواقف ہیں کہ عورتوں سے جتنی سختی کے ساتھ پردے کی پابندی کرائی جائے گی اُسی قدر مردوں کے اخلاق کی توہین کیلئے الفاظ ہیں ہوگی اور اس سے زیادہ عورتوں کا اخلاق کمزور ثابت ہوگا چونکہ عرصہ دراز سے مردوں کے ہاتھ میں قلم رہا ہے اس لیے انھوں عورت ذات پر دل کھول کر الزام لگائے ہیں اور پیٹ بھر کر اس کی توہین کی ہے کہیں اس کو ناقص العقل کہا ہے۔کہیں اسکے اخلاق پر حملے کیے ہیں۔کہیں اسکو مردوں کی غلام لکھا ہے اور اسی قسم کے عیب ظاہر کیے ہیں۔عورتیں بیچاری یہ سب باتیں سُنتی ہیں اور خاموش ہیں۔مردوں کا مقابلہ کون کرے یہ تعلیم یافتہ صاحب علم وفضل۔ہم جاہل مطلق۔ناقص العقل تو آپ سے آپ ہیں۔ہمارے جاہل رکھنے میں بھی مردوں کا ہی ایک ناقابل معافی قصور ہے۔کیونکہ اگر ہم تعلیم یافتہ ہوں تو مردوں سے اپنے واجبی برابر کے حقوق مانگیں گے۔جنکو وہ منافی شان سمجھتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ہم تو خود مختاری کے ساتھ جو چاہیں کریں۔مگر عورت ایک کاٹھ کی پتلی کی طرح یا ربڑ کی گڑیا کی مثال۔روٹی۔کپڑا ابھی ہم سے نہ مانگے تو بہت ہی اچھا ہے ہم دنیا کی تروتازہ ہوا کھائیں۔ہر جگہ جائز ناجائز مجمع میں بیٹھکر دل بہلائیں۔مگر عورت گھر کی چار دیواری میں پردے کے اندر قید رہے نامحرم عورت بھی اندر نہ جاسکے کیا خوب۔گویا ہم طوطے مینا کی طرح پنجرے میں بند رہ کر انکو میٹھی میٹھی بولیاں سُناتے رہیں اور مرد ہم کو ایک خاص وقت پر خاص قاعدے سے دانا پانی دیں۔اور اگر ممکن ہو سکے تو اس سے بھی چشم پوشی کر جائیں۔سبحان اللہ کیا انصاف ہے۔کیا ایمانداری ہے۔

خالق دنیا نے پردہ آنکھوں کو اور پاکیزگی دل کو عطا فرمائی ہے۔اور شرم و حیا کا مسکن نگاہ میں بنا دیا ہے۔عورت کے پردے کی حد بس یہیں ختم ہو جاتی ہے۔

اگر دل پاکیزہ نہیں شرم وحیا آنکھوں سے دور ہے تو ہزار پردے اور وہ بھی موٹے موٹے ٹاٹ کے بے فائدہ ہیں۔ کیا ایسے موٹے موٹے پردوں میں سوراخ کرنے والیاں موجود نہیں ہیں۔ اور اگر دل پاک ہے۔ نگاہ میں شرم وحیا ہے تو یہ سارے پردے بیکار ہیں۔ اخلاق عورت کو بیشک پاکدامنی سکھاتا ہے۔ نہ کہ موٹا کپڑا پردے کی جگہ لٹک کر عصمت یابی تیار کرے گا۔ یہ ظاہری پردہ بالکل ناچیز ہے جبکہ باطن درست ہے۔ چونکہ عورتیں بہت دنوں سے پردے کی قید میں رہتی چلی آئی ہیں۔ اسلیے وہ بھی ملک چین کے پچاس سالہ قید کی طرح۔ اس قید کو ہی بہتر سمجھنے لگی ہیں۔ جس نے اُن کے اخلاق پر کمزوری کا الزام لگا یا صحت جسمانی کو اتنا بگاڑ دیا کہ میل بھر تک چل نہیں سکتیں۔ دنیا کی تازہ ہوا۔ سیر و تفریح سے علیٰحدہ محروم کر دیا۔ الٰہی خیر۔ پردا ہوا۔ وبال جان ہوگیا۔ یہ عورتوں کے اخلاق کی پردست نہیں ہے

درحقیقت یہ پردے کا شدید طوفان مردوں کی اخلاقی کمزوری کا نتیجہ ہے۔ مردوں کو پردے کی حمایت کرتے ہوئے بے انتہا شرم آنی چاہیئے۔ کہ ہم ڈھٹائی سے پردے کی تاکید نہیں کرتے ہیں بلکہ اپنی اخلاقی کمزوری کا اظہار کرتے ہیں کیونکہ مردوں کی طبعیت مشکیہ زیادہ واقع ہوئی ہے۔ اور اسیطرح وہ اپنے خیال کے بموجب عورتوں پر بھی قیاس دوڑاتے ہیں۔ مثل مشہور ہے آپ بھلا تو جگ بھلا۔ میرا خیال ہے کہ عورتوں میں فیصدی پچھتر ایسی نکلیں گی جنھوں نے اپنے خاوند کے علاوہ غیر مرد کا خیال خواب میں بھی کبھی نہ کیا ہوگا۔ مگر مرد ذرا اپنے سینہ پر ہاتھ رکھکر ایمان سے کہدیں کہ اُن میں فیصدی کتنے ایسے نکلیں گے جنھوں نے اپنی زوجہ مشفقہ کے علاوہ کسی غیر عورت کو بری نگاہ سے نہ دیکھا ہو۔ پس عورتوں کی پاکیزہ خیالی کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہوگا ایسے پاکیزہ دل اور خیال والے لطیف عنصر کو پردے کی قید میں رکھکر اسکی ساری خوبیوں کا منا ئع کر دینا۔ مردوں کی ضرورت سے زیادہ عقلمندی کا کھلا ہوا ثبوت ہے

ورنہ عورتیں اصلیت میں پردے سے ۔ تنگ نہیں ۔ یوں منہ دیکھی بات ۔ کسی خاص مرد کے دباؤ سے کہدیں تو کہدیں ۔ میں نے اکثر موقع پر عورتوں کو بائیسکل گاڑیوں ۔ پالکی گاڑیوں وغیرہ میں شہر سے باہر جاتے ہوئے دیکھا ہے اور آبادی سے دور جاکر وہ گاڑی سے اُتر جاتی ہیں اور پیدل چلتی ہیں ۔ جس کی وہ بہت سے شائق ہیں ۔ لیکن کمزوری کے باعث تھوڑی دور چل کر ہانپ جاتی ہیں ۔ کوچی گاڑی میں بیٹھنے اور اس کے پردوں میں قید ہونے کو نہیں چاہتا مگر مجبور بیچاریاں کیا کریں ۔

علاوہ مسلمانوں کے ہندوستان سے بڑے ملک میں اور قومیں بھی آباد ہیں لیکن ان کے ہاں پردے کا یہ زور شور نہیں ہے اور خوبصورتی بدصورتی سب قوموں میں پائی جاتی ہے ۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اُن کی عورتیں زیور عصمت وعفت سے عاری ہیں ۔ علاوہ پنچ قوم کے ۔ ہندوؤں ۔ پارسیوں میں عموماً پردے کا نام ونشان نہیں لیکن عصمت وعفت میں کہیں فرق نہیں آتا ۔ مسلمانوں کے ہاں کی عورتیں کم عفت صفت نہیں ۔ نہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ دنیا سے زیادہ خوبصورتی انکے ہی حصے میں آئی ہے ۔ پھر خوبصورتی کوئی عیب نہیں ۔ اخلاق درست ہونے چاہئیں ۔ نگاہ پاک بین ہو ۔

مردوں کو لازم ہے کہ پہلے اپنے اخلاق درست کریں یہ اُس سے بہتر ہے کہ عورتوں کو پردے کی تاکید کریں ۔

اُم یوسف

## ریویو

ایک ناول بنام "دغا" ہمارے پاس ریویو کے لئے آیا ہے جسکو جناب قاضی محمد محمود صاحب افسر ڈسٹرکٹ گزیٹیئر نے تصنیف کیا ہے ۔ ناول کا طرز بیان عام ناولوں سے بہت کچھ جداگانہ اور دلچسپ ہے ۔ اسمیں بازاری عورتوں کی مکاریوں ، بعض تقدس نما لوگوں کی سیہ کاریوں کا خاکہ پیش کیا گیا ہے ۔ یہ ناول نمبر ۱۲۷ - امین آباد پارک لکھنؤ کے پتہ پر مصنف سے طلب کیا جا سکتا ہے ۔ قیمت ۶ ر تقطیع ۱۸-۲۲ صفحہ ۷۵ )

# حُسنِ سعادت

(۱)

جمیلہ نہایت سنجیدہ دوراندیش اور سمجھدار لڑکی تھی صورت شکل کے لحاظ سے خاندان میں امتیازی درجہ حاصل تھا اُس نے انھیں امور خانگی کی تربیت پائی تھی جو وضیع و شریف گھرانے کی رسم ہے سینے پرونے کھانے پکانے کے علاوہ انتظام تقریبات میں کامل دخل رکھتی تھی بُردباری اور سنجیدگی کا یہ حال تھا کہ کمسنی ہی سے پڑوس کی عورتیں اور ہم عمر ہمجولیاں پورا پورا ادب کرتی تھیں۔

گو ابھی ایوان ہستی کی سولھویں منزل سے شباب کے لہلہاتے ہوئے باغ کی ولولہ انگیز و مسرت بخش ہوا کھا رہی تھی لیکن اُس نے اس موقع پر بھی اپنی متانت کا کافی ثبوت دیدیا تھا اور جس طرح اس سن میں فطرتاً شوخی شرارت پیدا ہوجایا کرتی ہے اُسمیں نام کو نہ تھی والدین نے چھوٹے سے سن میں اُسکی شادی قرابت داری میں کردی تھی جہاں طفلی کا زمانہ پابندی سے بسر کرنا پڑا۔

جمیلہ دوسری لڑکیوں کی طرح دوڑ دھوپ کے کھیلوں سے الگ رہی اپنی سہیلیوں کو کھیلتے کودتے اور آپسمیں چہلیں کرتے دیکھتی تھی مگر خود شرکت نہ کرسکتی تھی کیونکہ اسکی خوشدامن کا مزاج بہت سخت واقع ہوا تھا۔

اگرچہ جمیلہ کو آئے دن تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑا لیکن وہ اپنی ساس کی ممنون احسان تھی کیونکہ اسکی ناگوار روک ٹوک نے جمیلہ میں صبر و تحمل کا مادہ پیدا کردیا اور وہ ان سختیوں کو نہایت آسانی اور سکون سے برداشت کرنے کے قابل ہوگئی جمیلہ جو جو بڑھتی تھی اسکی ذات میں خوبیاں جمع ہوتی جاتی تھیں جوانی کے

پر کیف و پر فضا میدان میں قدم رکھا۔ اس نے تین باتوں کو اپنا فرض منصبی قرار دیا
عبادت خدا، اطاعت شوہر، بزرگوں کی رضاجوئی۔
یہ جوہر ایسے تھے جنھوں نے ہر چھوٹے بڑے کے دل میں گھر کر لیا تھا خاندان کی چھوٹی
بڑی عورتیں اسکی عزت و حرمت کرتیں اور اسکی خوش بیانی کی بے انتہا جی ہی جی میں دل
ہی دل میں آفرین کرتیں لیکن اس بات نے سب کو استعجاب میں ڈالا تھا کہ
باوجود بعض ہمسن لڑکیوں سے بے انتہا خار کھانے کے بھی جمیلہ نے اپنی عقدہ ورساس
کی شکایت نہ کی۔

(۲)

قیصر غیور، شجاع اور خلیق لڑکا تھا اس نے زمانہ طفلی اور لڑکوں کے مانند
کھیل کود کر بسر نہ کیا تھا بلکہ اگر اپنا وقت تحصیل علم اور اچھی باتوں کے سیکھنے میں
صرف کیا تھا اسمیں ان باتوں کی کافی صلاحیت موجود تھی جنکے سیکھنے سے انسان
معراج ترقی کے حدود تک پہنچ جاتا ہے یہی وجہ تھی کہ چودہ برس کی عمر میں عربی
فارسی سے فارغ التحصیل ہو کر علوم مغربی حاصل کرنے میں مشغول ہوا۔
قیصر کے والدین خدا کی دی ہوئی نعمت (قیصر) پر فخر و مباہات کرتے تھے جو
درست و بجا تھی انھوں نے اپنے ہونہار صاحبزادہ کا عقد چودہ برس کی عمر میں
جمیلہ کے ساتھ کر دیا لیکن علوم مغربی کی جانب قیصر کی توجہ دیکھکر ایک اسکول
میں نام لکھوا دیا جہاں تین چار برس پڑھنے کے بعد اس نے علیگڈھ جانے کا
قصد ظاہر کیا۔
قیصر کا قاعدہ تھا جب اسکول سے واپس آتا تو ہاتھ منہ دھو کر دو ڈھائی
میل پیدل چل کر تفریح کرتا اور چراغ جلے گھر واپس آکر کھانا کھاتا پھر کمرے
میں بیٹھکر اپنی نیک نہاد مطیع بیوی سے خوش مزاجی کی گفتگو کرتا اسے جمیلہ کی بھولی

بھالی باتوں سے دلی مسرت حاصل ہوتی اکثر بارہ بجے رات تک اُسکی سادہ اور شیریں باتوں سے دل بہلایا کرتا۔

جمیلہ کی نیک اطواری نے قیصر کے دل پر پورا پورا قبضہ کرلیا تھا جسکی وجہ سے قیصر اسکی خوشی کا جو یا رہتا تھا اُس نے اکثر والدہ کو اشاروں کنایوں میں سمجھایا کہ وہ بدمزاجیاں چھوڑدیں لیکن خلقی عادت نہ چھوٹنا تھا نہ چھوٹی اور قیصر تنگ ہوکر خاموش ہوگیا۔

قیصر کی عمر بیس برس کی ہوچکی تھی اسے صرف بی۔ اے کا امتحان دینا باقی تھا جسکی ہوس دل کو بیچین رکھتی تھی لیکن ساتھ ہی یہ بھی خواہش تھی کہ علیگڈھ جاکر امتحان دیا جائے اس نے کہہ سُنکر منت سماجت سے والدین کی رضا حاصل کرتی تھی مگر علیگڈھ جانے کی کوئی تاریخ نہ مقرر کی تھی تاہم ہفتہ عشرہ میں ارادہ سفر تھا۔

تاریخ معین نہونے کا قوی سبب یہ تھا کہ قیصر جمیلہ کو ناخوش کرنا نہ چاہتا تھا جو کام کرنا منظور ہوتا موقع محل دیکھکر جمیلہ سے صلاح و مشورہ کرتا اور بہ لطائف الحیل راضی کرلیتا اس بارۂ خاص میں جمیلہ سے گفتگو کرنے کا موقع نہ پاکر تاریخ روانگی کی نسبت قطعی فیصلہ نہ کیا تھا۔

(۳)

برسات کی سہانی فصل ہے شام کا دلفریب منظر دیکھتا ہوا قیصر حسب معمول جمیلہ کو امور خانہ داری میں مصروف پاکر کمرے میں چلا گیا۔

یہاں کا فرش فروش اور سامان آرایش ایشیائی تمدن کا نمونہ تھا میں بڑے اہتمام اور تکلف سے کام لیا تھا لیکن سادگی وضع کو فراموش نہ کیا تھا تختوں کے چوکے پر بے تکلف سفید چاندنی اور صدر میں اونی غالیچہ مع گاؤتکیہ کے موجود تھا

ایک ولایتی جوا لیمپ مسند کے برابر روشن تھا۔

قیصر نے شیروانی اُتار کر کھونٹی پر ٹانگی اور الماری سے ایک اخلاقی کتاب نکال کر مطالعہ کرنے لگا اُسے ایک وحید روزگار حکیم کا یہ قول نہایت بھلا معلوم ہوا۔ علم و فن اگر فوائد عام کے لیے حاصل کیا جائے تو اصلی مسرتوں کا موجب ہے اُس نے بار بار اس عبارت کو پڑھا اور لوح دل پر کندہ کر لیا اخبارات میں اکثر لمبے چوڑے مفید عام مضامین لکھے دیکھے تھے لیکن تحقیق کرنے سے ثابت ہو گیا ان کے لکھنے والے ایسے بہت ایسے بھی ہیں جنکی مثال دو رخی تصویر ہے کہ دوسروں کے واسطے تو ناصح مشفق ہیں مگر اپنے افعال شنیعہ کی خبر نہیں۔

جمیلہ کاموں سے فرصت پا کر کمرے میں داخل ہوئی اور قیصر سے مخاطب ہو کر بولی

جمیلہ۔ آج خلاف قاعدہ دیر تک کہاں رہے۔

قیصر۔ میں تو ٹھیک وقت پر آ گیا لیکن تمھیں ضرورت سے زیادہ کاموں میں مشغول رہنا پڑا شاید نوکر بیمار تھا۔

جمیلہ۔ نہ ان باتوں کا نام نہ لیا کرو میں جان ہماری سرتاج ہیں جو جا ہے [illegible] فرمانا ہے [illegible] عزت کا باعث ہے رنج صرف اس بات کا ہوتا ہے [illegible] تمھیں [illegible] پہنچتی ہے جو جیسی میں خطرے سے خالی نہیں۔

[illegible] فرما رہی ہیں یہ سچ کہتا ہوں مجھے انکا خواہ مخواہ [illegible] رہتا ہے ہر [illegible] جواب دینے کا قصد کرتا ہوں لیکن انکے [illegible] ان تیار کر دیتے ہیں۔

جمیلہ۔ دانتوں میں انگلی دبا کر افسوس کوئی خورد بزرگوں کی نسبت ایسا ناجائز [illegible] ہے اس خلاف تہذیب خیال سے مجھے نہایت صدمہ پہنچا یا آیندہ احتیاط رکھنا

قیصر۔ ندامت سے واقعی میری زبان سے ایسا فقرہ نکل گیا جو نافرمانی کا پہلو لیے تھا لیکن انسان بھول چوک سے خالی نہیں خطائیں ہو جایا کرتی ہیں مگر ارباب اخلاق ازراہ مروت معاف کرتے ہیں۔

جمیلہ قیصر کو شرمندہ دیکھکر خاموش ہو رہی کسی طرح گوارا نہوا کو قیصر کو بار بار غلطی یاد دلا کر افسردہ کرے اسلیے تھوڑے سکوت کے بعد گفتگو کا رخ بدل کر کہا۔

جمیلہ۔ آج ابھی تک تمہیں بھوک نہیں معلوم ہوئی نو بجا چاہتے ہیں پھر سبق کب یاد ہوگا۔

قیصر۔ تمہاری باتوں میں نہ کہہ سکا حالانکہ آج سویرے سے اشتہا تھی۔

جمیلہ نے ماما کو پکار کر کھانا لانے کا حکم دیا تھوڑی دیر بعد دسترخوان چُنا گیا دونوں میاں بیوی نے ساتھ نوش جان کیا کھانے سے فراغت کر کے ہاتھ منہ دھو کے پھر دونوں کتابیں لے کر روشنی کے پاس بیٹھے گیارہ بجے رات تک مطالعہ جاری رہا ادھر گھڑی نے گیارہ بجائے اُدھر دونوں اپنے اپنے پلنگ پر دراز ہوئے

حسن اتفاق سے آج دونوں کی آنکھوں سے نیند اُڑ گئی لاکھ لاکھ کوشش کی بن کے لیٹے کروٹیں بدلیں مگر خواب کا کالے کوسوں پتا نہ تھا بارہ بج گئے رات بھیگنے لگی چوکیداروں کی بھیانک صدائیں (جاگتے رہو کھنکھارتے رہو) سکوت کی فضا میں گونجنے لگیں مگر ان دونوں کو نیند نہ آئی قیصر آنکھیں کھولکر آئندہ تحصیل علم کی نسبت غور کرنے لگا اسے یاد آگیا کہ آج بھی جمیلہ سے علیگڑھ جانے کا تذکرہ کرنا بھول گیا اتنے میں جمیلہ نے کروٹ بدلی۔

قیصر۔ آہستہ سے کیا سو رہی ہو۔

جمیلہ آج نیند اُچٹ گئی جب سے پڑی کروٹیں بدل رہی ہوں تم تو سو گئے تھے

قیصر عجب اتفاق ہے میرا بھی بالکل یہی حال ہے نیند کے خیال میں آنکھیں

بند کیے لیٹا رہا مگر غنودگی تک نہ آئی آخر چپ پڑے پڑے دل گھبرانے لگا۔
جمیلہ۔ اکثر رات کو خاموشی میں اُلجھن ہونے لگتی ہے باتیں کرو طبیعت بہل جائیگی
قیصر۔ تم سے ایک بارۂ خاص میں رائے لینا ہے کئی روز سے قصد تھا لیکن کہہ نہ سکا۔
جمیلہ۔ کہو جو میری سمجھ میں آئے گا ظاہر کردوں گی۔
قیصر۔ میرا قصد ہے وکالت پڑھوں۔
جمیلہ۔ نہایت پاکیزہ خیال ہے۔
قیصر۔ لیکن پہلے بی۔اے کی ڈگری حاصل کرنا ہوگی۔
جمیلہ۔ پھر مانع کون ہے۔
قیصر۔ تمھاری جُدائی۔
جمیلہ۔ کیا باہر جانا ہوگا۔
قیصر۔ ہاں قصد ہے علیگڈھ جاکر امتحان دوں۔
جمیلہ۔ اگرچہ تمھارے جانے سے بیحد ملال ہوگا طبیعت پریشان رہے گی لیکن میں ان جملہ مشکلوں میں صبر سے کام لوں گی تم شوق سے جاؤ ہاں روز کے روز اپنی خیریت سے اطلاع دیتے رہنا۔
قیصر۔ مجھے بھی مفارقت شاق ہے مگر دنیا میں رہ کر کچھ بن نہیں پڑتا ابّا جان اور امّاں جان سے تو پہلے ہی اجازت حاصل کرچکا صرف تم سے دریافت کرنا باقی تھا اب انشاءاللہ اسی ہفتہ میں تیاری کرکے چلا جاؤں گا البتہ وہاں کے قیام میں دھڑکا لگا رہے گا۔امّاں جان یوں ہی تم سے لڑا جھگڑا کرتی ہیں میرے جانے کے بعد تو خدا جانے کیا کچھ نہ کریں
جمیلہ۔ تمھیں ان باتوں سے کیا سروکار جیسا ہوگا سمجھ لوں گی تم سدھارو۔

(باقی آیندہ)

مرزا فدا علی خنجر لکھنوی

# اعراب جاہلیت کا سالانہ مشاعرہ

(بسلسلہ اشاعت سابق)

جس طرح امرؤالقیس نے سب سے پہلا نمبر ان مشاعروں میں لیا ہے اور سب سے پہلے کامیابی کا سہرا امرؤالقیس کے سر رہا اسی طرح امرؤالقیس کے بعد طبقۂ اولے کے مشاہیر شعرا سے عمرو یا ابو عمرو (باختلاف آراے مورخین) ابن عبد ابن سفیان ابن حرملہ الملقب بطرفہ ہے امرؤالقیس کے بعد جسکی فصاحت و بلاغت کو تمام فصحاے عرب نے تسلیم کیا وہی ہے اسی کا کلیجہ تھا ورنہ امرؤالقیس کے قصیدہ کے مقابل میں خانۂ کعبہ پر شعراء عرب سے کسی کی مجال نہ تھی جو اپنا قصیدہ لٹکا سکتا۔

عمرو ابن عبد بن سفیان بن حرملہ قبیلۂ بکر بن وائل سے تھا اور جریر بن عبد المسیح الملقب بمتلمس کی بہن کا بیٹا تھا اور بعض مورخین نے اسکی تشریح نسب یوں کی ہے طرفہ بن عبد بن سفیان بن سعد بن مالک بن ضبیعہ بن قیس بن ثعلبہ بن عکابہ بن صعب بن علی بن بکر بن وائل بن قاسط بن ہنب بن اقصی بن دعمی بن جدیلہ بن اسد بن ربیعہ بن نزار بن معد بن عدنان۔ مورخ آمدی لکھتا ہے اس نام کے یعنی طرفہ کے چار شخص شعراء عرب سے گذرے ہیں چنانچہ پہلا یہ شخص ہے جسکا ذکر ہم کر رہے ہیں اور دوسرا طرفہ بن الاآة بن نضلہ بن منذر بن سلمی بن جندل بن نہشل بن دارم ہے اور تیسرا طرفہ الخزیمی ہے قبیلہ جذیمہ عنسبی سے اور چوتھا طرفہ اخو قبیلہ بن عامر بن ربیعہ سے۔ میرا خیال ہے کہ اسی نام کے مشارکت کی وجہ سے بعض شارحین دھوکا کھا گئے۔

طرفہ کی عمر بعض مورخین ۲۶ - اور بعض بیس سال کی لکھتے ہیں لیکن

البستانی کے نزدیک صحیح روایت ۲۶ کی ہے یہی مورخ لکھتا ہے کہ اتنی سی عمر میں طرفہ نے کمالات شاعری اسقدر حاصل کیے تھے جسکو لوگ طولانی مدتوں میں عمر کی بھی نہیں حاصل کر سکتے تھے مورخین کہتے ہیں کہ یہ شاعر ہجو لکھنے میں اپنی قوم اور دوسری قوموں کی بہت جری اور نڈر تھا اور نہایت عجب میں ڈالنے والی طبیعت رکھتا تھا۔ ۲۰ یا ۲۶ برس کی عمر میں یہ قتل کیا گیا اور اسکا واقعہ قتل یہ ہے جسکو زوزنی نے مفضل بن محمد بن یعلی الضبی سے معلوم کیا ہے وہ کہتا ہے کہ طرفہ بہت بڑے خانوادہ کا شخص تھا اور بہت بزرگ نسب تھا اور اسکی بہن کا عقد عبد عمرو ابن بشر بن عمرو ابن مرثد بن سعد ابن مالک بن ضبیعہ بن قیس سے ہوا تھا یہ شخص سردار اہل زمانہ سے تھا اور عمرو بن ہند ملک حیرہ اسکی بہت عزت و بزرگی کرتا تھا ایک دن ہمشیرہ طرفہ نے اپنے شوہر کی شکایت طرفہ سے کی طرفہ نے اپنی بہن کی شکایت پر عبد عمرو کی ہجو کہہ ڈالی۔ اتفاق سے یہ ہجو عمرو بن ہند الملک کے پاس بھی پہنچ گئی ایک روز اتفاقیہ عمرو بن ہند الملک شکار کے قصد سے نکلا اور اسکے ساتھ عبد عمرو تھا ایک چوپائے پر عمرو بن ہند الملک نے ایک تیر مارا اور وہ گرا ملک نے عبد عمرو سے کہا کہ اپنی سواری سے اترکر اسکو ذبح کر عبد عمرو اترا لیکن ذبح کرنے میں رکا یہ دیکھکر ملک ہنسا اور کہنے لگا کہ کچھ تجھکو خبر بھی ہے گویا تجھکو طرفہ دیکھ دیکھکر تیری ہجو پڑھ رہا ہے جو اس نے تیرے متعلق کہی ہے اسی کے ساتھ ملک نے اسکی ہجو میں وہ شعر بھی ملادیے جو طرفہ نے خود ملک کی ہجو میں کہے تھے جب وہ تمام اشعار پڑھ چکا تو عبد عمرو کی طرف متوجہ ہوا اور کہا کہ کچھ سنا تو نے کہ طرفہ تیرے متعلق کیا کہہ رہا ہے یہ سن کے عبد عمرو نے کہا کہ واہ واہ آپ نے اپنی ہجو بھی میری ہجو میں ملادی کیا آپ انکار کرتے ہیں اس ہجو سے جو طرفہ نے آپ کے متعلق لکھی ہے حالانکہ وہ میری

سلہ یہ مولف دائرۃ المعارف (انسائیکلوپیڈیا ہے)

ہجو سے زیادہ سخت ہے کچھ ان باتوں کا خاص اثر ایسا ملک پر پڑا کہ اس نے
ایک نامہ گورنر بحرین کے نام لکھا جسکا نام معلّے اور قبیلہ بنی قیس سے تھا کہ تو طرفہ
کو قتل کر ڈال لیکن ملک کو اہل دربار نے مشورہ دیا کہ ایسا غضب نہ کرنا کہ تنہا طرفہ کو
قتل کر ڈالنا ورنہ متلمس اُسکا ماموں ایک تجربہ کار اور مشّن شاعر ہے غضب ہی کی
ہجو لکھے گا اور اسکے علاوہ وہ بڑے قبیلہ کا شخص یعنی قبیلہ بنی ضبیعہ سے ہے یہ مشورہ ملک
کے بھی سمجھ میں آگیا اور اُس نے عنوان قتل بدلا ایک شخص کو طرفہ اور متلمس کے
لینے کو بھیجا جب یہ دونوں آگئے تو اس نے دو خط گورنر بحرین کے نام لکھکر دیے
اور اسمیں لکھا تھا کہ جبکہ دونوں تمھارے پاس آئیں تو انھیں قتل کرنا چلتے وقت
کچھ ہدایا دیے کہ یہ ہماری طرف سے گورنر بحرین کو دیدینا اور طرفہ اور متلمس کو نہایت
اطمینان دلایا کہ جب تم لوگ وہاں جاؤ گے تو وہ تمھارا بہت اعزاز و احترام کرے گا
اور باکرام و عطایا پیش آئے گا حسب الحکم یہ لوگ روانہ ہوے اور دارحن خیرہ میں
پہنچ گئے متلمس نے طرفہ سے کہا کہ ملک نے جو ہم کو تم کو خط دیے ہیں گورنر بحرین کے
نام اسکے مضمون سے ہم تم واقف نہیں بھئی میں تو مشکوک ہوں اور بڑی غلطی ہے
بغیر دیکھے اور سمجھے ہوے گورنر کے پاس جانا۔ طرفہ چونکہ ناتجربہ کار اور کمسن تھا اس لیے
اس نے جواب دیا کہ یہ تمھاری بدگمانی ہے جو کچھ ہم سے ملک نے کہا ہے گورنر بحرین
وہی ہمارے ساتھ برتاؤ کرے گا اور اگر اسکے خلاف کریگا تو پلٹ چلیں گے لیکن
متلمس کا دل اس بات پر راضی نہیں ہوا اور اس نے اپنے خط کی مُہر توڑ ڈالی
تھوڑی دور بڑھکر ایک لڑکا اہل بحرین سے ملا اُس سے متلمس نے پوچھا کہ تم کچھ
پڑھنا جانتے ہو اُس نے کہا کہ ہاں متلمس نے کہا کہ اچھا اس خط کو تو پڑھو کہ اسمیں
کیا لکھا ہے اس لڑکے نے جسکا نام نجاہ تھا اُس خط کو دیکھکر پوچھا کہ کیا تیرا ہی
نام متلمس ہے اس نے جواب دیا کہ ہاں اس لڑکے نے کہا کہ تیرے قتل کا حکم عمرو ابن

ہند الملک کی جانب سے گورنر بحرین کے نام لکھا ہوا ہے یہ سُن کے متلمس نے وہ خط اسکے دریا میں پھینکدیا اور ہجو ملک میں شعر پڑھنے لگا اور طرفہ سے کہا کہ قسم خدا کی یہی حکم تیرے خط میں بھی ہے لیکن طرفہ نے کہا کہ نہیں ایسا نہیں ہو سکتا یہ حکم صرف تیرے ہی لیے تھا متلمس تو چلا گیا اور طرفہ گورنر بحرین کے پاس پہنچ گیا اور وہ خط گورنر بحرین کو دے ہی دیا گورنر بحرین نے اُس خط کو دیکر طرفہ سے کہا کہ تو ایک بزرگ حسب وخاندان کا شخص ہے اور میرے تیرے درمیان مدتوں سے سلسلہ برادرانہ وقرابت ہے اس خط میں تیرے قتل کا حکم ہے تو چلا جا جلد سے جلد جب تو چلا جاسے گا تو میں اس خط کو پڑھوں گا اُسوقت مجھپر تیرے نہ قتل کرنے کا کوئی الزام بھی نہیں عاید ہوگا اور تیری جان بھی بچ جائے گی لیکن جب اسکو پڑھ لوں گا تو مجبور ہوں گا مگر طرفہ نے اسے منظور نہیں کیا یہانتک کہ ایک شخص کے ہاتھوں سے جو بنی قیس سے تھا شراب پلاکر قتل کیا گیا۔ اور عتبی نے اس کے قتل کی دوسری وجہ لکھی ہے وہ لکھتا ہے ایک دن صحبت شراب گرم تھی عمرو بن ہند الملک کے یہاں اور طرفہ بھی موجود تھا کہ عمرو بن ہند الملک کی بہن اتفاقیہ اسکے پس پشت آگئی اُسکے چہرے کا عکس طرفہ کے جام میں جو پڑا تو طرفہ نے عشق میں ڈوبا ہوا ایک شعر پڑھا جو سوء ادب کا پہلو لیے ہوئے تھا اور اسی سبب سے عمرو بن ہند الملک نے اسکو قتل کراڈالا صورتِ قتل میں بھی اختلاف ہے جسکو مورخین لکھتے ہیں چنانچہ ایک روایت یہ ہے کہ گورنر بحرین کو جب اس نے ہند الملک کا نامہ دیا ہے تو اُس نے اُس سے دریافت کیا کہ تو جس صورت کو پسند کرے اُسی طرح تجھے قتل کروں طرفہ نے کہا کہ مجکو شراب پلادے اور جب مخمور ہوجاؤں تو میری ہفت اندام کی فسد کھلوادے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور بحرین میں دفن کردیا گیا۔

اور البستانی صاحب دائرۃ المعارف (انسائیکلوپیڈیا) اسکا سبب قتل یون لکھتے ہیں کہ ایک روز صحبت ملک میں طرفہ شراب پی کر اسکے سامنے سے اکڑتا ہوا چلا ملک چونکہ بالکل ایک خشک آدمی تھا اور بہت ہیبت وجبروت کا شخص تھا نہ کبھی ہنستا تھا ورنہ مسکراتا تھا اس نے یہ حرکت طرفہ کی بہت بُری نظر سے دیکھی اور قریب تھا کہ نکلوا دے نکلوایا تو نہیں لیکن اس بدتہذیبی کا اثر ضرور لیا۔ اور بعض نے لکھا ہے کہ نہیں اسوجہ سے اسکو غصہ آگیا کہ ملک کی بہن طرفہ کے پس پشت تھی اُسکو دیکھکر طرفہ نے خلاف شان شعر پڑھا اور یہی موجب قتل ہوا اور البستانی لکھتا ہے کہ ملک نے گورنر بحرین وعمان کو لکھا کہ جسوقت یہ خط تم کو ملے اور یہ لوگ پہنچیں تو ان کے دست وپا قطع کرکے زندہ دفن کردینا تو متلمس تو راستے ہی سے چلا گیا لیکن طرفہ اسی طرح سے قتل کیا گیا کہ دست وپا قطع کرکے زندہ دفن کردیا گیا۔

اور بعضون نے لکھا ہے کہ گورنر بحرین وعمان اُس زمانے میں ربیعہ ابن الحرث تھا اور چونکہ طرفہ اُسکی بھانجی کا رشتہ میں لڑکا ہوتا تھا اس وجہ سے اُس نے اسکے قتل سے انکار کردیا تو عمرو بن ہند الملک نے ایک شخص کو تغلب سے بھیجا کہ وہ جاکر طرفہ اور گورنر بحرین دونوں کو قتل کرے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

افسوس ہے طرفہ کے قتل ہونے پر ہمیں شک نہیں کہ طرفہ جیسے ہمارے کمل افراد سے تھا زمانہ ایسے فردوں کو مٹاکے ہرچند کہ اُن کی نظیریں پیدا نہیں کرسکتا لیکن ہیچ کچھ نہیں محسوس کرتا۔ میرے خیال میں جمال الدین عرفی اور طرفہ یہ دونوں شاعر دنیا میں ایسے گذرے ہیں کہ جن کے اس کمسنی میں کمالات اس پایہ پر پہنچ گئے تھے کہ دنیا اور اہل دنیا والے اُن وصفوں کے حاصل کرنے میں تھک تھک کر رہ گئے انکے کمالات بلکہ خرق عادات شاعری جریدۂ عالم پر ابدالآباد تک زبردست حروفوں سے کندہ رہے گی اور آنیوالی دنیا ہمیشہ ایک نیا عبرت کا سبق حاصل کرتی رہیگی عرفی

ستائیس برس کی عمر میں شاہزادہ سلیم کی غلط فہمیوں سے قتل کیا گیا لیکن زندگی میں بھی خدائے سخن تھا اور مرکے بھی خدائے سخن رہا۔ زمین فارس کا کلیجہ ابھی تک عرفی کے غم میں شق ہے اور رہے گا۔ اور طرفہ کو ملک نے چھبیس برس کی عمر میں یا بیس برس کی عمر میں قتل کرایا لیکن باوجود اس کمسنی کے اسوقت تک اہل لغت اسکے دیوان سے استشہاد و سند پیش کرتے ہیں چونکہ مضمون طولانی ہو گیا ہے اسوجہ سے میں اسکے قصیدے کی تنقید کو افسوس کے ساتھ ترک کرتا ہوں صرف اسکے قصیدے کا ایک مطلع ناظرین "تمدّن" کی دلچسپی کے لیے پیش کرتا ہوں۔ یہ قصیدہ بحر طویل میں ہے قافیہ متدارک ہے ایک سو چھ یا ایک سو سات شعر کا قصیدہ ہے اور اسکی تشبیب عشق ہریرہ اور خولہ اور ہند اور سلمی میں ہے اور کبھی خولہ کو حنظلہ سے بھی خطاب کیا ہے قبیلہ کی طرف منسوب کرکے۔ اس قصیدے میں طرفہ نے اپنے گذرے ہوئے افسانوں پر بھی روشنی ڈالی ہے اور شرابخواری اور حسن پرستی اور مغنیہ عورتوں کے ساتھ عشق و محبت پر بھی طبع آزمائی کی ہے۔

لخولۃ اطلال ببرقۃ ثہمد　　　تلوح کباقی الوشم فی ظاہر الید

یعنی خولہ کے نشان مکان اُس زمین پر ہیں جہاں کی خاک سنگریزوں اور پتھر سے مخلوط ہے اور وہ جگہ موضع ثہمد میں واقع ہے اور وہ نشان مثل اُس باقی ماندہ گودنے کے ہیں جو پشت دست پر محبوبوں کے چمکتا ہے اس ایک تشبیہ کی نزاکت پتہ دیگی سخن سنج ارباب نظر کو کہ ہم کس بیچین دل و دماغ کی ندرت تخیل کا ثمر ہیں طرفہ کی اس تخیل سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ گودنا گدوانا عرب کی عورتوں کا پرانا وصف اور قدیم رواج ہے لیکن ہمارے ہندوستان میں یہ رسم طبقہ اہل ہنود سے مخصوص سمجھی جاتی ہے۔　　(باقی آئندہ)

آشفتہ لکھنوی

# مسلمانوں کے پہلی صدی کے طبی کارنامے

(بسلسلۂ اشاعت سابق)

خالد کے مسند نشین نہونے کے متعلق مشہور ہے اور قرین قیاس بھی ہے کہ اسی علمی انہماک کی وجہ سے معاویہ بن یزید خلیفہ قرار پایا اور خالد بن یزید مسند خلافت سے محروم[1] رہا۔

خالد کے لیے یزید ہی کے عہد حکومت میں دوسری اقوام کے علوم عربی میں نقل ہونے شروع ہوگئے چنانچہ رومی زبان سے طبی اور کیمیاوی کتابیں عربی میں نقل کرنے کے لیے حکیم اسیفانوس کو ملازم رکھا گیا مگر افسوس اسکی ترجمہ کتابیں آج پردۂ عالم میں ع دیدی کہ چہ کردست بما چرخ جفا جو

مروان بھی علم دوستی کا دامن اپنے ہاتھ سے نچھوڑ سکا، اگرچہ اسکے عہد میں ایک طرف خون کا دریا بہتا تھا تو دوسری طرف علم کا بھی، اسکے پائے تخت سے نکل کر دنیا میں بہا۔ تیاذوق مروان ہی کے زمانے کا طبیب ہے، جسکے بہت سے شاگرد بنی عباس کے وقت میں آسمان طب کے چاند اور سورج بن کر چمکے۔ فرات بن سخیا نا طبیب عیسےٰ بن موسیٰ اسی کے شاگرد تھے۔ تیاذوق حجاج بن یوسف ثقفی کے خاص اطبا میں سے تھا حکیم ماسرجیس (یا ماسرجویہ) اسرائیلی بھی مروانی اطبا میں سے تھا حکیم ماسرجویہ محض ایک طبیب یا حکیم نہ تھا بلکہ ایک کامل ادیب اور اچھا مؤرخ بھی تھا۔ یہ حکیم اسلامی اطبا سے پہلا طبیب ہے جس نے فن طب میں چند کتابیں بھی تالیف کیں اسکی ایک کتاب قوی الاطعمہ ومنافعہا ومضارہا ہے اس کتاب میں انسان کی روزانہ خوراک اور اسکے تاثیرات سے بحث کی ہے دوسری کتاب قوی العقاقیر ومنافعہا ومضارہا ہے۔ مگر افسوس کہ یہ دونوں کتابیں معدوم

[1] جرجی زیدان اڈیٹر الہلال مصر نے اپنی کتاب آداب اللغۃ العربیہ میں یہاں ایک عجیب غلط بیانی سے کام لیا ہے لکھتا ہے کہ جب خالد نے تمام کوششوں کے بعد یہ دیکھا کہ اب میں کسی مسند خلافت نہیں پاسکتا تو علوم کی طرف متوجہ ہوگیا۔ یہ ہیں تحقیقات رہ از کجا ست تا بہ کجا۔

ہو چکی ہیں، تیسری کتاب کا نام کناش (مخزن الادویہ) ہے سنہ ۹۹ھ میں یہ کتاب کسی طرح حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کو ملی، چالیس روز تک اپنے مصلے کے تلے رہنے دیا، جب ان کو معلوم ہو گیا کہ یہ کتاب حقیقۃً مفید ہے تو منظر عام پر لاکر اسے شائع کر دیا۔ بعض مورخین کو دھوکا ہوا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ یہ حکیم خود خلیفہ خامس یعنی حضرت عمر بن عبد العزیز کے وقت کا تھا[۱]

فرات بن سخیا نا یہودی بھی مروانی طبیب تھا، حجاج بن یوسف ثقفی کے خاص اطباء سے تھا آخری عمر میں طبیب عیسیٰ بن موسیٰ کی ملازمت کر لی جو بنی عباس کا ایک مشہور طبیب تھا اور اُسکا اُستاد بھائی۔

جب عبد الملک بن مروان کا زمانہ آتا ہے تو ایک طرف مروانی اطباء کی صورت نظر آتی ہے اور دوسری طرف ہم دوا اور طبیبوں کو عزت واحترام کی مسند پر ان کے دوش بدوش بیٹھا پاتے ہیں تو ذوکسی اور تو ذون عبد الملک ابن مروان کے خاص اطباء تھے۔

اگرچہ ولید بن عبد الملک کے دربار میں کسی مشہور طبیب کا داخلہ ہوا مگر پھر بھی ہم اسے طب کی خدمت سے کنارہ کش نہیں پاتے۔ ولید مسلمانوں کا پہلا بادشاہ ہے جس نے ایک عظیم الشان شفاخانہ بنوایا جس میں مریضوں کے ہر قسم کے آرام کا خیال رکھا گیا تھا۔

پہلی صدی کے آخری بادشاہ خلیفہ عمر بن عبد العزیز نے باوجودیکہ آپ نے

---

[۱] عمر بن عبد العزیز نے چالیس روز تک اپنے مصلے کے تلے رکھا تاکہ دیکھ بھال لیں کہ کہیں کسی انا ڑی کی تالیف تو نہیں ہے اسکو جرجی زیدان یوں بیان کرتا ہے کہ بہتوں نے اس کتاب کے شائع ہونے پر زور دیا مگر پھر بھی وہ چالیس روز تک استخارہ دیکھتے رہے آخرکار مجبوراً شائع کرنا پڑی۔ تعجب ہے کہ معزز مؤرخ کو یہ بھی نہیں معلوم کہ مدت استخارہ صرف تین دن ہے۔

حضرت دو برس پانچ مہینہ خلافت کی اور تمام عمر علوم دینیہ کی تحصیل اور مدون کرنے میں گذری مگر پھر بھی خدمت طب سے دست کش نہو سکے کناش تیاذوق کے آپ نے کئی نسخے نقل کرائے اور مسلمانوں میں تقسیم کرا دیئے۔ اس طرح سے وہ کتاب مدت تک محفوظ رہی اب لاپتہ ہے۔

اگرچہ آپ کے دربار میں کسی طبیب کا داخلہ نہوا مگر خلافت سے پہلے آپ ایک بہترین کام انجام دیچکے تھے یعنی جس زمانے میں آپ اپنے والد کے ساتھ اسکندریہ میں تھے آپ نے حکیم عبدالملک بن ابجر کنانی کو جو دارالعلوم اسکندریہ میں علوم عقلیہ کا پروفیسر تھا مسلمان کرکے حکمائے اسلام کے رشتہ میں منسلک کردیا۔

حکیم یحییٰ نحوی۔ حکیم اولیطرادس۔ حکیم اربیاسوس وغیرہ اسی پہلی صدی کے جواہر ہیں مگر ہم نے انکا ذکر اس لیے چھوڑ دیا کہ ان میں کوئی نہ مسلمان تھا نہ سلطنت اسلامیہ سے تعلق رکھتا تھا۔ حضرت عمرو بن عاص فاتح مصر یحییٰ نحوی سے غالباً اسی لیے بہت ملتے جلتے تھے کہ وہ ایک فن کا استاد تھا۔

یہ دیکھنے کے بعد کہ حضرت رسول صلعم کے بعد سنہ ۱۰۱ھ یعنی پہلی صدی کے آخری بادشاہ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کے عہد تک کوئی زمانہ ایسا نہ گذرا جسمیں مسلمانوں نے علم کی خدمت انجام نہ دی ہو اسی سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ اسلام کا دامن علوم وفنون کے جواہرات سے ہمیشہ بھرا ہوا رہا۔ مگر رونا اب ہے کہ ہم نے غیر اقوام کے علوم سے فائدہ اٹھانا شرک عظیم سمجھ لیا ہے ؎

ہماری خانہ بربادی کا باعث ایک یہ بھی ہے
کہ ہم نے پھول کے پتے ہوا میں سب کے اڑائے

جلال ندوی

# ابوالفیض فیضی

(بسلسلۂ اشاعت سابق)

فیضی جب اکبر کے دربار میں باریاب ہوا۔ تو اُسوقت ایک قصیدہ پڑھا جس سے اسکے فضل و کمال اور اسکے شاعرانہ تفوق کا پورا پتہ چلتا ہے۔ کمال شاعری کے ساتھ میں فلسفہ و حکمت کی نشانیاں بھی موجود ہیں۔ تقریباً دو سو شعر کا قصیدہ ہے۔ شاہی دربار میں جاتے ہوے رستے ہی میں کہتا گیا تھا۔ پے بہ پے آنے والے مصائب کے اثر سے وہ بھرا تھا۔ اسلیے اسمیں اپنی تمام مصیبتوں اور تکلیفوں کا اظہار بھی کیا ہے۔ بادشاہی سواروں کے آنے پر گھر میں جو پریشانی اور گھبراہٹ پیدا ہوی، اور خود اسکی طبیعت کو جو اضطراب ہوا تھا قصیدہ میں یہ تمام باتیں نہایت لطف بیان اور حُسن ادا سے بیان کی ہیں الفاظ کی پاکیزگی، بندش کی چُستی، خیالات کی بلند پروازی، طرز ادا کی جدت، اور زبان کی سلاست یہی چیزیں ایوان قصیدہ کے نقش و نگار ہیں۔ ارباب ذوق خود اسکا فیصلہ کرسکتے ہیں کہ فیضی ان باتوں میں کہانتک کامیاب ہوا ہے۔ اتنے بڑے قصیدے میں ترکیب اور محاورات اہل زبان کے تتبع سے ایک قدم بھی پیچھے نہیں ہٹا۔ ہم یہاں اس قصیدے کے جستہ جستہ مقامات سے اشعار نقل کردیتا ہوں۔

مطلع

سحر نوید رسان قاصد سلیمانی رسید ہمچو سعادت کشادہ پیشانی

مبشران سعادت نداکنان کہ بخوان نجات نامۂ خود اے حزین زندانی

مرا نظارہ اش از دور بیقراری داد چہ بے قراری باصد قرار ارزانی

شدم سوار شبک گام توسنے چالاک کہ گردے از سر دانش سپہر جولانی

خبر بہ بارگہ شہریار شد کاینک — رسید بر در فردوس مرغ بستانی
فروغ بخش شبستان ہند اکبر شاہ — چراغ بارگہ دولت تمرخانی
خطاب شد کہ تلطف کناں رسانند — بہ آسمان سعادت زتیہ ظلمانی
نخست بوسہ زدم خاک آستان سیعے — بہ چشمہ سار رساندم شفاہ عطشانی

ایک جگہ پر اپنی پریشانی اور مصیبت کا اظہار کرتا ہے، موقع موقع سے اپنے دشمنوں اور حاسدوں کے خرمن رشک وحسد میں آگ بھی لگاتا جاتا ہے۔

از آن زماں چہ نویسم کہ بود بے آرام — سفینۂ دلم از موج خیز طوفانی
گہے چو وہم سراسیمہ کز کدام دلیل — برم ظنون وشکوک از علوم ایمانی
چرا بود متخالف رسوم اسلامی — چرا بود متشابہ حروف قرآنی
زباں کشیدہ بدار القضائے عجب وریا — شہود کذب زدعوئے گران ایمانی
اگر حقیقت اسلام در جہاں اینست — ہزار خندہ کفرست بر مسلمانی

تھوڑے ہی دنوں میں فیضی نے اپنی ظرافت طبع، شگفتہ مزاجی اور خوش بیانی کے باعث اکبر کے دل میں گھر کر لیا۔ یہاں تک کہ سفر اور حضر کسی حال میں بھی اکبر کو اسکی علیحدگی گوارا نہ تھی۔ کچھ دن گذرے کہ شیخ ابوالفضل بھی دربار میں بلائے گئے ان دونوں بھائیوں نے اپنا رسوخ اتنا بڑھا لیا کہ امور سلطنت میں سے کوئی کام انکے مشورے بغیر انجام نہ پاتا تھا رفتہ رفتہ ابوالفضل کو جو رتبہ دربار اکبری میں ملا وہ سب کو معلوم ہے۔ فیضی نے کوئی ملکی ومالی خدمت اگرچہ اپنے ذمہ نہ لی۔ کشور معانی کی تاجداری کو ان ظاہری جاہ ومناصب پر ترجیح دی۔ مگر پھر بھی یہ حالت تھی کہ مہمات سلطنت کے جزوی جزوی مسئلے اسکی رائے پر موقوف رہا کرتے تھے

تیمورخان

(باقی آئندہ)

ب

ابوالحسنات ندوی اشرفپوری

# غزلیات

### حضرت محشر لکھنوی

سکوں ہوتا تھا فرقت میں جو تیرا نام آتا تھا — نہ ہنسنا کام آتا تھا نہ رونا کام آتا تھا
ہمیں اس چھیڑنے چارہ گروں کی اور بھی مارا — کہ تشخیص مرض کے وقت تیرا نام آتا تھا
ٹپاٹپ اشک یوں گرتے تھے تارِ سبحہ ٹوٹے — کسی بیمارِ غم کو جب خیالِ شام آتا تھا
شبِ فرقت کی باتیں مل کے کہنا ہی مناسب ہے — نہ پوچھو کون سے پہلو میں آرام آتا تھا
دلِ عشاق کی قدر ان کو کیا جو دل رکھتے ہیں — وہ ناکارہ سہی پھر بھی ہمارے کام آتا تھا
کسی ہمدرد سے رمزِ وفا کہیے تو کیا کہیے — زباں پر بیشتر سب کے تمہارا نام آتا تھا
جفائے دوست کی ایذا پہ خاموشی ہی بہتر تھی — مری فریاد سے میرے ہی سر الزام آتا تھا
نثار اس شوق کے چھا جائے جس سے مردنی منہ پر — لہو جب سوکھ لیتا تھا تو مجھ تک جام آتا تھا
در و دیوار پر تاثیر سے بن جاتی تھیں شکلیں — فغاں کرتا جدھر سے آپ کا بدنام آتا تھا

کھڑے ہیں دم بخود یہ پوچھنے کو حشر میں محشر
وہ گھڑیاں کتنی تھیں جب عشق میں آرام آتا تھا

### حضرت صفی لکھنوی

ستم کش آپ کے اس ڈر سے زہر کھا نہ سکے — یہی کہے گا زمانہ کہ ناز اٹھا نہ سکے
کھلے حسام کے جوہر نہ جاں نثاروں کے — وہ تیغ فرطِ نزاکت سے آزما نہ سکے
خموش بیٹھ جہاں بیٹھ مثلِ نقشِ قدم — کہ تجھ کو تیری جگہ سے کوئی اٹھا نہ سکے
فرو ہوئی نہ حرارت جگر کی رونے سے — لگی ہے آگ کچھ ایسی کہ ہم بجھا نہ سکے
نکل ہی جائے گا خاطر سے رفتہ رفتہ ملال — ترا خیال نہیں ہے جو دل سے جا نہ سکے

گنہگار جلیں آتشِ جہنم میں
اگرچہ دامنِ رحمت پر آنچ آ نہ سکے

یہ خفتگانِ لحد کس بلا کی نیندیں ہیں
تمہیں پکار کے ہم تھک گئے جگا نہ سکے

یقین ہے ترے کشتوں کی بیقراری سے
زمین بھی تہِ دامن انھیں چھپا نہ سکے

ہنسی میں بات اُڑا دینگے سب یہ سچ کہ ہم
فسانۂ گل و بلبل اُنھیں سنا نہ سکے

ستم کشانِ حوادث کا دل دُکھائیے کیوں
ستائیں آپ اگر آسماں ستا نہ سکے

اگرچہ میرا مٹانا ہی تم کو ہے منظور
تو یوں مٹاؤ کہ پھر آسماں مٹا نہ سکے

اُبل پڑے مری آنکھوں سے بنکے گرم آنسو
وہ آبلے جو دلِ تنگ میں سما نہ سکے

صفی وہ اب تو خوشامد سے بھی بگڑتے ہیں
غرض یہ ہے کہ جو روٹھیں کوئی منا نہ سکے

حضرت مرزا ثاقب قزلباش لکھنوی

دل کو تاکیدِ وفا ہے کہ فنا ہو جانا
درد کو حکمِ قضا ہے کہ دوا ہو جانا

تہنیت موت کو دیتا ہے مرے دل کا مرض
عید ہے ماتمِ حسرت کا بپا ہو جانا

جب تہِ خاک بھی ڈھونڈھے نہ ملائیں تو کہا
مرنے والے اسے کہتے ہیں فنا ہو جانا

عادتِ شانہ کشی زلف گرہ گیر میں ہے
فرض ہے روز اسیروں پہ جفا ہو جانا

طشت از بام ہوا رازِ وفا غم یہ ہے
ورنہ کچھ شاق نہ تھا سر کا جدا ہو جانا

حیلۂ صبر ہے آسان جو تمھیں یاد رہے
ہم کو دم توڑتے دیکھو تو خفا ہو جانا

شمع ساں منتظرِ صبح نہ رہنا اے دل
شبِ فرقت کو دعا دے کے فنا ہو جانا

کیا قفس میں کوئی دم ہے یہ بتا اے صیاد
کس سے پوچھوں کسے کہتے ہیں رہا ہو جانا

[illegible] توڑ کے دیکھو اثرِ وصل و فراق
موت ہے چاہنے والوں سے جدا ہو جانا

خاک بھی اہلِ دل سوزاں کی ہیگی نہ کہیں
مجھے معلوم ہے شعلے کا ہوا ہو جانا

آؤ نظارۂ عبرت کو بیاں کچھ نہ سہی
کیا برا ہوگا مزاروں کا بھلا ہو جانا

کس دوراہے میں کھڑا ہوں متحیر کی طرح — کہتا ہے مجھے مسکن نہ قضا ہو جانا
ہائے جو گور غریباں پہ تو باتیں نہ کرو — ذرے کچھ کہتے ہیں خاموش ذرا ہو جانا
کچھ نہ کچھ ہو ہی گیا عشق میں اے موت مگر — میں نے چاہا تھا کچھ اس سے بھی سوا ہو جانا

جیتے جی آئے قیامت تو مزا ہے ثاقب
دیکھ لیں وعدۂ فردا کا وفا ہو جانا

جناب چندی پرشاد صاحب شیدا دہلوی

دکھائے اعجاز گر بڑھ کے کرشمہ اس چشم سرگیں کا — بناسے خورشید روز محشر فلک پہ نافہ غزال چیں کا
نشان سجدہ ہے نقش ہستی ورق بنا چرخ ہفتمیں کا — بلندیوں پر ہے خاکساری نیا فلک ہو مری زمیں کا
دکھا وہ اعجاز تیغ قاتل شفق میں ہو چاند چودھویں کا — گرے ہمارے لہو کی چادر بنے دوپٹہ کسی حسیں کا
جنوں نے بے عیب کر دیا ہے چھٹے ہیں قید لباس سے ہم — نہ کچھ گریباں کا ہے ٹھکانا پتہ نہ کوسوں ہے آستیں کا
عتاب کی دلربا ادائیں لباس سے جلوہ گر ہوئی ہیں — جبیں سے مانگے کی چین لیکر دماغ بہکا ہے آستیں کا
مجھے یہ ڈر ہے کہ ہو نہ ظاہر یہ خون ناحق بروز محشر — اڑا لیا ہے شفق نے کچھ رنگ آج قاتل کی آستیں کا
اشارہ ترچھی نظر کا پاکر کھنچے ہیں خنجر چڑھے ہیں تیور — مزاج بگڑا ہے کج جبیں کا دماغ بہکا ہے آستیں کا
کہیں ہے فانوس شمع روشن نیام تیغ قضا کہیں ہے — کھلے گا محشر کے دن یہ عجب ہے راز آستیں کا
[illegible] دشمن یہ خاکساری کہ ہو رہے ہیں رقیب پیدا — پتا رہا ہے کسی کے در کو نشان سجدہ مری جبیں کا
[illegible] رنگ لائی ہے خاکساری فلک بھی عاجز ہی ہو گیا — جھکی ہے تسلیم کو گردن بلند رتبہ ہوا جبیں کا
ہے [illegible] چاند عید قرباں چلے گی گردن پہ تیغ دہری — لگے ہیں مہ نو ہلال جیسیں عجب فلک ہے ترچھی جبیں کا
ہزار یک رنگ دکھاتا ہے کثرت سے عین وحدت — کہ رشتۂ حق ہے گردنوں میں بنا ہے زنار اہل دیں کا
نگاہ صیاد کے ہیں عاشق خبر وطن کی نہ ہوش اپنا — بنا لیا آشیاں ہے ہم نے قفس کہیں کا چمن کہیں کا
خیال جاناں ہے دل میں یا گماں کا شاہین فلک پہنچا — وہ بار الفت گردن پہ ہے جھکا ہے پلہ مرے یقیں کا
یہ کسکے عارض میں نور افشاں بنے ہوئے ہیں جگر کے داغ — چمک رہا ہے وہ داغ ہجراں کہ ماند ہے چاند چودھویں کا
سنے صفا حور و غلماں ہر اک جگہ خوش نشو نما کا ساماں — بنا دیا جسکو باغ رضواں ہے ایک اجڑا چمن یہیں کا

مزا دکھائی ہے ہر طرح کا سے صفائے نظم شیدا
کہیں کہیں ہے شراب رنگیں کہیں کہیں جام انگبیں کا

حضرت باسط بسوانی

[illegible] غرض کعبہ سے ہمکو ہے نہ بتخانے سے کام — وہ کہیں مل جائے ہم کو اسکے مل جانے سے کام
[illegible] کو ہے مطلب شمع بزم افروز سے — دل جلوں کو رات بھر [illegible] پروانے سے کام
[illegible] تیری بدولت خوب ہوتی ہے بسر — دل کو ویرانے کی خواہش مجھکو ویرانے سے کام
[illegible] کوئی صیاد اجل سے اتنی بات — منتظر وہ ہیں ترے جنکو ہے مرجانے سے کام
[illegible] کی نصیحت میں نے یوں ہنسکر کہا — تمکو سودائی سے مطلب تمکو دیوانے سے کام
انکے جھوٹے وعدے مان لینے سے غرض — پھر وہ آئیں یا نہ آئیں دل کے بہلانے سے کام

چشم میگوں دیکھکر ساقی کی باسط نے کہا
اب غرض ساغر سے باقی ہے نہ پیمانے سے کام

## کچھ اپنے متعلق

بعض صاحبان تمدن کو ہر ماہ کی [illegible] تاریخوں میں دیکھنے کے شائق تھے چنانچہ ہم نے [illegible] [illegible] تاریخ کو شائع کرنے کے ہر ماہ کی یکم کو شائع کرنے کا [illegible] چنانچہ [illegible] [illegible] کو شائع ہو رہا ہے ہم نے ناظرین تمدن کی ہر خواہش کو پورا کرنے کی [illegible] چنانچہ [illegible] [illegible] کوشش کے بعد ہم یہ کہنے کے قابل [illegible] ہیں کہ اب تمدن نے [illegible] دو تین گنے [illegible] [illegible] کی [illegible] میں ایک [illegible] حاصل کرلی ہے۔ "تمدن" کے ناظرین کی تمام خواہشات میں [illegible] [illegible] باقی رہ گئی ہے (یعنی تصویر کے شائع کرنے کی خواہش) جسکو ہم اسوقت تک پورا [illegible] کر سکتے جبتک ناظرین تمدن تمدن کی توسیع اشاعت میں کوشش نہ فرمائیں اور تمدن کا [illegible] ایک خریدار ہم نہ پہنچا دے۔

بعض حضرات [illegible] تمدن [illegible] بعد پرچہ نہ پہنچنے کی شکایت کرتے ہیں۔ یہ ہم خوب جانتے ہیں [illegible] قصور کہاں تک ہے۔ بہر حال اگر ڈاکخانہ کے قصور کی سزا ہمیں کو ملنا چاہیے تو ہم اسکی تلافی صرف اس صورت میں کر سکتے ہیں کہ پرچہ شائع ہونے کے دس یوم بعد تک یعنی ماہ کی دس تاریخ تک ہم کو پرچہ نہ پہنچنے کی اطلاع مل جائے ورنہ ہم دوبارہ پرچہ روانہ کرنے سے معذور ہیں۔

# مخزن

تمدنی ادبی فلسفی اخلاقی تاریخی اور علمی

مخزن

سے قاری (علیگ) دہلوی خلف اکبر

محمد مرزا حسین صاحب (علیگ) عرشی دہلوی

فہرست مضامین

صفحہ

# تمدن

لکھنؤ

## تکوین

تکوین سے مراد ایجاد یعنی آفرینش عالم ہے تکوین کے متعلق تین باتیں قابل غور ہیں جنکو اچھی طرح سمجھ لینے پر اسکا اصلی مفہوم واضح اور روشن ہوجائیگا کسی چیز کو دیکھکر پہلا سوال جو فطرت انسانی کرتی ہے وہ اسکے وجود کے متعلق ہوتا ہے مثلاً انسان ہی کو لیجیے وہ کس طرح پیدا ہوا۔ قبل وجود عالم اسکی کیا حالت تھی؟ آفرینش کے بعد انسانی زندگی میں کیا کیا تغیرات لاحق ہوئے۔ اسی طرح ہر شی چیز کو دیکھکر تقاضائے فطرت سے پہلا سوال انسان اسکی وجود کی نسبت کرتا ہے یہی سوال ہم سارے عالم کے وجود کے متعلق پوچھ سکتے ہیں کہ عالم کا وجود کیونکر اور کس طرح ہوا۔ آیا تمام عالم بیک وقت اپنی موجودہ حالت میں وجود پذیر ہوگیا یا بتدریج رفتار زمانے کے ساتھ ساتھ ترقی کرتے ہوئے اس نے یہ رنگ و روپ نکالا ہے اس سلسلے میں دریافت ان تین امور ذیل سے وابستہ ہے

اول - یہ شے کہاں سے آئی یعنی اس کی ابتدا کیا تھی۔

دوم - وجود اول کے بعد اس میں کیا کیا تغیرات لاحق ہوئے یعنی اسکی نشو و نما ترقی و مدارج کی کیا کیا ماہیت ہیں۔

سوم - اسکے وجود کی غایت اصلی کیا ہے یا اسکی آفرینش سے کن کن باتوں کی تکمیل متعلق ہے یعنی دوسرے لفظوں میں اسکے وجود کا مقصد کیا ہے۔

اب ہم اگر تینوں سوالوں کو جو کہ اک خاص شے مفرد سے متعلق ہیں - عالم کے ساتھ تطبیق کریں تو ان تینوں سوالوں سے تین مسئلہ عظیم پیدا ہو جاتے ہیں، آفرینش عالم - ارتقاے عالم - مقصد وجود عالم -

پہلے میں آفرینش کے مسئلے کی طرف توجہ کرتا ہوں۔

اگر ہم یونانی تاریخ کے صفحہ اول کی طرف رجوع کریں تو ہم کو معلوم ہوگا کہ آج سے دو ہزار برس قبل یہ چیزیں ایک مذہبی راز پوشیدہ تھا اور چونکہ اس وقت عقل انسانی کا عنفوان بچپن تھا اسلیے قدرت کی وہ تمام چیزیں جو کہ نمدا انسانی دائرہ عقل سے باہر معلوم ہوتی تھیں بجاے خود خدا یا دیوتا متصور ہوتی تھیں۔ چنانچہ آفتاب اور اسکی تیز شعاع بادل اور اسکی گرج - بجلی اور اسکی چمک قرن اولین میں دیوتا سمجھی جاتی تھیں - جس طرح بچہ ہر متحرک چیز میں ایک جاندار خیال کرتا ہے اور اپنے متحرک کھلونے کاٹ کے گھوڑوں کو جاندار چیزیں خیال کرتا ہے۔ اسی طرح تمدن اولیں کے سن سیدہ اطفال - قدرت کی ہر تعجب خیز شے کو صاحب قدرت خیال کرتے تھے۔ ہومر یونان کا ایک نامی گرامی شاعر - کے زمانے میں قدرت کی یہ چیزیں گویا نادیدہ خدا سے کے وہ عنصر ہے یا انگ تھے جو کہ وہیں پردہ میں بیٹھکر دکھلایا کرتا تھا - اور اسمیں اور انسان میں صرف فنا اور بقا کا فرق ہے - گویا خدا اک دیوتا نما انسان ہے جسکے افعال بحسن انسان کے اچھے سے اچھے افعال سے بدرجہا بہتر ہیں - جسکے گناہ انسانی

جرائم سے صد گونہ زیادہ اور قبیح ہیں۔ دنیا اسکے ہاتھوں کی صناعی سب اسکی
سلطنت ہے۔ اسکی خواہشوں کا میدان اور اسکی شکست و فتح کا تماشا گاہ ہے۔ انسان
جن کی محبت کے عوض وہ حسد کرتا ہے۔ اسکی خواہش نقصان کا [illegible]
خود اسکو بقا یئت کا اسقدر شوق ہے۔ اس لیے وہ نہیں چاہتا کہ کوئی دوسرا
اس امر میں اسکا ہمسر ہو۔ لہذا وہ انسانی خوشی کو جو کہ بقائیت [illegible] کبھی
ہے کبھی کامل نہیں کرتا۔ خالص سے تمام [illegible] [illegible] اور
اچھی سے اچھی ایمانداریاں کبھی اسکی خوشی نہیں کر سکتیں۔ جیسکہ ہماری خوشحالی اسکو
ناگوار گذرتی ہے۔ اور یہ مرض متعدی تمام ان خدا نما دیوتاؤں میں پھیلا ہوا ہے
جنکو کسی طرح پر بھی کسی امر میں قدرت حاصل ہے وہ بغیر انسان کو ستانے کے اپنی
کامل نہیں خیال کرتے۔ اور یہی وجہ ہے کہ حکیم سولن وغیرہ کی [illegible]
سے بھری پڑی ہیں اسلیے وہ ایسی بری زندگی پر جس میں ان دیوتاؤں کے
ظلم اور حملوں سے مفر نہیں، موت کو ترجیح دیتے ہیں اور ایسے لوگوں کو خوش قسمت
خیال کرتے ہیں جو کہ پیدا ہوتے ہی بچپن ہی میں سدھار گئے یا جو سرے سے پیدا
ہی نہیں ہوئے۔

جوں جوں ضمیر اخلاقی انسان میں ترقی کرتا پاک اور پاکیزہ ہوتا جاتا ہے [illegible]
خیالات بدلتے جاتے ہیں اور روحانیت اور علویت اختیار کرتے ہیں
ہومر کے دیوتا، جو کہ غصہ نزاع اور جرائم کے معدن تھے [illegible]
سے جو کہ منصف اور عاقل ہوتے تھے بدلتے گئے مذہبی اور اخلاقی [illegible]
وحدانیت خدا کے جانب راجع ہوتی ہے۔

اخلاقی بیداری سے جو کہ حکمائے یونان کے خیال میں [illegible]

طرف ہوتا ہے وحدانیت کے جذبات سے متاثر ہو کر مذہب پر سوال کرتا ہے کہ کیا وہ دیوتا قدیم ہے، اور اسکا وجود مورث اعلیٰ کی ذات سے کس طرح ہوا۔ اسوقت یہاں پہلے پہل عقل کی روشنی نمودار ہوتی ہے اور فلسفی خیالات کو ایک قسم کی فرحت ہوتا نگی حاصل ہوتی ہے۔ اور یہ مضحکہ خیز واہمات نظام قدرت کے عقلی تشریح کے پیش خیمہ ہیں۔

ضمیر اور عقل میں ایک تیسرے جزو اعظم کا اور بھی اضافہ ہوتا ہے اور وہ "تجربہ" ہے۔ تجربہ دو قسم کا ہوتا ہے، ایک تجربہ علمی دوسرا تجربہ ذاتی، تجربہ علمی وہ ہے، جسکو انسان عمل کرکے دکھا سکتا ہے، علم کیمیا کا یہ ایک طے شدہ مسئلہ ہے کہ پانی مرکب ہے شوریہ (آکسیجن) اور مایہ (ہیڈروجن) سے، اب ہم اس امر کو تجربہ سے ثابت کرتے ہیں یعنی دو حصہ شوریہ اور ایک حصہ مائیہ کو آمیزش کرکے، اس میں بجلی کے تار گذارتے ہیں اور وہاں فوراً ایک حصہ پانی موجود ہو جاتا ہے۔ اسکو تجربہ علمی کہتے ہیں۔ دوسرا تجربہ ذاتی ہے، جو کہ انسان اپنی زندگی میں نشیب و فراز زمانہ کو معائنہ کرکے، قاعدہ کلیہ کے طور پر اصول قائم کرتا ہے وہ تجربہ ذاتی ہے اور میری مراد تجربہ سے یہاں تجربہ ذاتی ہے۔ تو یہ تجربہ مذہبی خیالات میں انقلاب پیدا کرنے میں بہت ہی معاون ہوتا ہے اور بہت سے ثبوت پیش کرکے یہ دکھاتا ہے کہ تمام موجودات قدرت کی توضیح اور تشریح متلون ارادوں سے غیر ممکن ہے۔ ریاضی کے واقعات اپنی ماہیت اور ضرورت کے باعث، مذہبی توہمات کو باطل ٹھہرا دیتے ہیں، ہم کس طرح یہ خیال کر سکتے ہیں کہ دو اور دو چار یا کسی مثلث کے تینوں زاویہ دو زاویہ قائمہ کے برابر ہیں محض متلون ارادوں کے نتیجے ہیں اور ضرورت لازمہ نہیں ہے۔ اسی طرح سماوی اور ارضی واقعات کے مشاہدات اور ان کے اوقات کی پابندی اور برقراری اس خیال کو پختہ کرتے ہیں کہ کوئی ایسی ذات ارادی نہ چاہیے جو ارادوں کے تلون

علم فلسفہ کے موجد، مثلاً تھیلس، فیثاغورث، زینوفینز، وغیرہ جنھوں نے پہلے پہل ان تلونات کی گرفت کی ہے کچھ حد تک ماہرین طبیعات، ہیئات اور ریاضی تھے

قدیم توہمات میں آفرینش کا مفہوم پیدائش تھا، دنیا اور دیوتا کسی خاص ماں یا باپ کے بطن سے پیدا ہوئے ہیں لیکن جدید علم کلام کا رجحان خدا کو عالم سے علحدہ کرنے کا ہے۔ اور آفرینش کی کارروائی کو پیدائش یا انسانی ترکیب صناعی سے جدا دکھانے کا ہے۔ لیکن تمام قدیم مذہبوں میں آفرینش ایسی کارروائی خیال کیجاتی ہے۔ جو کہ افعال انسانی اور عقل انسانی کے طرز ایجاد سے مشابہ ہے۔ آفرینش اور تمام واقعات کی طرح واقعہ زمانی ہے۔ اور ابتدائے مطلق نہیں ہے یعنی دنیا ہمیشہ سے اک مجموعہ غیر مرتب تھی، اور آفرینش سے دنیا کا اول اول وجود میں آنا مراد نہیں ہے بلکہ اس میں ترتیب اور نظم پیدا ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ عالم حکم خدا سے، ایک مجموعہ غیر مرتب سے، وجود پذیر ہوا ہے،

لیکن ایام جدید میں جبکہ فلسفی خیالات ترقی پا گئے ہیں فعل آفرینش، دوسرے افعال سے الگ سمجھا جاتا ہے آفرینش وجود مطلق خیال کی جاتی ہے، اب یہ ایک واقعہ واقعات زمانہ سے نہیں متصور ہوتا ہے، اب یہ محض ایک غیر مترتب مجموعہ کو ترتیب دیدینے کے مصداق نہیں ہے۔

جس وقت یہ نیا خیال دماغ میں پہنچا، اور اسکی چھان بین ہونے لگی، اسکے ساتھ ساتھ اک گہری اور اصولی دقت پیدا ہوگئی، اور یہ دقت اتنی بڑی ہے کہ آج تک تمام حکمائے علم تکوین دو مختلف گروہوں میں منقسم ہیں اگر آفرینش عالم کی ابتدائے مطلق تھی تو وہ کیونکر وجود میں آئی۔ ایک طرف ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ خدا نے دنیا کو لاشے سے پیدا کیا اور خدا عالم سے بالکل علحدہ رہتا ہے، دوسری طرف

اور ازلی ہے جیسا کہ خدا یعنی عالم خدا کا جلوۂ ذاتی ہے، اس طرح ہم کو دو گونہ فلاسفر ملتے ہیں، ایک موحد یعنی خدا پرستوں کا گروہ ہے اور دوسرا ہمہ اوستوں کا ہے۔

خدا پرستوں کی یہ تعلیم ہے کہ دنیا کی آفرینش محض لاشے سے ہوئی ہے۔ لیکن ہمہ اوست یہ کہتے ہیں کہ جبتک ہم آفرینش کو واقعہ زمان نہ مانیں یعنی خدا کے ابدی زندگی میں ایک واقعہ نہ تصور کریں جسکے قبل خدا موجود تھا لیکن عالم کا وجود نہ تھا جب تک ہمارے برہان سے اس میں کہاں اختلاف پیدا ہوتا ہے۔ اور اگر عالم کا آغاز زمان میں ہوا تھا تو ہم کو یہ امر واضح کرنا ہوگا کہ وہ کسطرح وجود میں آیا۔ لیکن اس امر کی تشریح کرنے میں کہ عالم کس طرح وجود میں آیا ہمکو نہ صرف عالم کے متعلق تفتیش کرنی ہوگی، بلکہ خدا اور قبل وجود عالم خدا کی زندگی کی بھی تشریح کرنی پڑے گی، جبتک ہم یہ نہیں سمجھ سکتے کہ خدا نے کس طرح دنیا کو پیدا کیا اس وقت تک ہم آفرینش محض کو ہرگز نہیں سمجھ سکتے۔ المختصر ایسی آفرینش آغاز مطلق نہیں ہے، اور عقل انسانی یہ کہتی ہے کہ آفرینش کے لیے آغاز مطلق لازمی ہے یعنی آفرینش کے اصل مسئلے کو جو کہ آغاز عالم سے تعلق رکھتا ہے، اب بدلکر خود خدا کے وجود کے متعلق تحقیقات کرنی پڑے گی۔

پس وہ آفرینش جسکو فلسفہ صحیح تصور کرے، واقعہ زمانی نہیں ہو سکتی جسکے قبل کوئی سبب یا علت ہو، کیونکہ پھر اس واقعہ کا سبب کوئی دوسرا واقعہ ہی ہوگا۔ یعنی اس شے میں جو کہ قبل سے موجود تھی، اک تغیر زمانی لاحق ہوگا، اور اسطرح ذات خدا میں تغیر لازمی ہوگا۔ اس لیے آفرینش کے آغاز وجود مطلق لازمی ہے یا ایسی ابتدا جسمیں وجود ماقبل کا الجھاؤ نہ ہو۔

لیکن موحدوں کا یہ قول ہے کہ آفرینش غیر زمانی ہے یعنی تمام زمان سے قبل (اور یہ نقیض لفظی ہے) جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ سرے سے واقعہ یا حادثہ ہی نہیں

کہ خدا اور عالم ایک ہے۔ خدا عالم سے جدا ہے۔ خدا نے اسکو اپنی ذات سے نہیں پیدا کیا بلکہ لاشے محض سے، اور اس کا وجود خدا کے وجود سے الگ ہے۔ یہاں پر ایک گہرا مسئلۂ فلسفہ پیدا ہو جاتا ہے جس کو میں اب علم انسان میں بیان کروں گا۔ (باقی آئندہ)

نصیر حیدر

# بیتابیِ تلاش

وقفِ بیتابی ہوں آغاز سحر تک ہر شب ڈھونڈھتا ہوں تمھیں اور سحر تک ہر شب
وہ سحر جسکی سنہری جو قبا ہوتی ہے جب اندھیرے میں سمندر کی ضیا ہوتی ہے
دیکھنے کو تمھیں بیتاب میں ہو جاتا ہوں گویا اک ماہی بے آب میں ہو جاتا ہوں

ناشکیبائی سے اندوہ سہا کرتا ہوں
میں تمھارے لیے بےچین رہا کرتا ہوں

دوپہر تک ہوں تمھارے لیے سرگرم تلاش بڑھتا ہی جاتا ہے ہر لحظہ مرا عزم تلاش
ڈوب کر جبکہ سمندر میں ہوا آتی ہے ماتمی گیت کی کانوں میں صدا آتی ہے
میں ترس جاتا ہوں سننے کو تمھاری آواز دل میں ہو جاتا ہے پیدا سے اک سوز و گداز

بیقرارانہ غم ہجر سہا کرتا ہوں
میں تمھارے لیے غمناک رہا کرتا ہوں

جستجو ہی میں مجھے شام ہوا کرتی ہے وہ بھی تو باعث آلام ہوا کرتی ہے
خستگی دن میں جو ہو جاتی ہے پیدا مجھ میں اور بھر دیتی ہے اک جوش تمنا مجھ میں
خواب میں بھی تو تمھیں ڈھونڈھتا رہتا ہوں میں کثرت شوق سے ہر بار یہ کہتا ہوں میں

میں تمھارے لیے بیتاب رہا کرتا ہوں
ہمہ تن ہستیِ سیماب رہا کرتا ہوں

(ترجمہ) ارشد تھانوی

# آئینۂ ہستی [۱]

## دوسرا رخ

(جسمیں موت کا وہ عبرتناک سین دکھلایا گیا ہے جسے ایکدن ہر شخص کو چار و ناچار دیکھنا پڑے گا)

نخلِ حیات باغِ جناں میں جو ہے شجر  مرقوم اُسکے پتّوں پہ ہے نام ہر بشر
چالیس روز وقتِ معین سے پیشتر  گرتا ہے جسکے نام کا پتّا زمین پر
نام اُس کا مرنے والوں میں مرقوم ہوگیا
چالیس دن وہ پہلے سے مرحوم ہوگیا

صد حیف مرنے والے کو اسکی نہیں خبر  اُس کا شمار مُردوں میں ہے آسمان پر
دنیا کی لذتوں میں ہے وہ محو اس قدر  واقف نہیں کہ ہوتی ہے کب شام کب سحر
آنکھیں ہیں بند نشۂ دولت سے چور ہے
دل میں شرابِ عیش کا ہر دم سرور ہے

جب باقی حصہ عمر کا یوں ہی گذر چکا  نیکی بدی جو کرنا تھا سب کچھ وہ کر چکا
بارِ عظیم سر پہ گناہوں کا دھر چکا  پیمانۂ حیاتِ دو روزہ کا بھر چکا
امراضِ مختلف میں وہ بیمار ہوگیا
بیٹھے بٹھائے موت کا آزار ہوگیا

مصروف چارہ سازی میں سب ڈاکٹر طبیب  تدبیریں اُلٹی ہوگئیں یا قسمت و نصیب
بالیں پہ رو رہے ہیں کھڑے مخلص و حبیب  منکا ڈھلا ہوا ہے دمِ واپسیں قریب

[۱] فوٹو آئینۂ ہستی کا پہلا رخ تمدن جنوری نمبر میں شائع ہوچکا ہے ۱۲

ہے کشمکش میں جان تشنج غضب کا ہے
اعمال بد کا خوف ہے ڈر اپنے رب کا ہے

افسوس مرنے والے کو یہ غم ہے دو سرا | مال و متاع لیں گے یہ سب خویش و اقربا
اولاد و ملک و مال سے ہو جاؤنگا جدا | کوئی نہ ہوگا حامی و ناصر بجز خدا

ہے یاں تو جسم و روح میں جھگڑا پڑا ہوا
شیطاں اُدھر ہے گھات میں اپنے کھڑا ہوا

ناگاہ اُسکی آنکھوں میں ظلمت سی چھا گئی | سمجھا وہ نیم نصیب قضا میری آ گئی
کانپا بدن جو ضعف سے دہشت سما گئی | موت آکے اپنی شکل بھیانک دکھا گئی

بیکار اعضا ہو گئے طاقت چلی گئی
پتھرائیں آنکھیں ہائے بصارت چلی گئی

دیکھا جو آنکھیں پھاڑ کے کوئی نہ پاس تھا | مونس رفیق رنج و غم بے قیاس تھا
دکھلانے کو عزیزوں کا چہرہ اداس تھا | چھایا دل مریض پہ خوف و ہراس تھا

دکھلایا یہ اثر مے غفلت کے جام نے
اعمال بد کھڑے تھے سیہ پوش سامنے

تکلیف نزع کی نہیں ہو سکتی ہے بیاں | منظر وہ خوفناک قیامت کا وہ سماں
ایذائیں لاکھوں ایک تن زار و ناتواں | کون آئے کام غیر خداوند مہرباں

وہ گر مدد کرے ابھی بیڑا یہ پار ہو
وہ ساتھ دے تو پھر کوئی کیوں بیقرار ہو

نامہ سیاہ دیکھ کے وہ بیکس و غریب | چیخ اُٹھا فرط غم سے کہ پھوٹے مرے نصیب
دوڑے مدد کو ہائے نہ احباب نہ طبیب | اولاد بھی نہ آئی دم واپسیں قریب

آخر کو اُسنے سخت مصیبت سے جان دی

ایڑی رگڑ رگڑ کے اذیت سے جان دی

موت اسکی دل سے چاہتے تھے خویش و اقربا — پھینک آئے جا کے قبر میں لاشہ غریب کا
ملے نہ تھا نسے پھول نہ روشن کیا دیا — جا کر کبھی کسی نے نہ پھر فاتحہ پڑھا
مر کر بھی چین پایا نہ اس غم نصیب نے
اولاد کام آئی نہ پوچھا حبیب نے

رکھو نہ دل میں دھیان بت خوش جمال کا — ہو لب پہ ذکر صاحب عز و جلال کا
سودا انکا لو سر سے رستا جاہ و مال کا — سچا ہے قول یہ کسی صاحب کمال کا
"آگاہ اپنی موت سے ہرگز بشر نہیں
سامان سو برس کا ہے کل کی خبر نہیں"

تیغ قضا کا زخم بھی کھانا ضرور ہے — مر کر خدا کے سامنے جانا ضرور ہے
بے شبہ روز حشر کا آنا ضرور ہے — پاداش اپنے کاموں کی پانا ضرور ہے
قہار ذوالجلال سے ہر دم ڈرا کرو
روزہ رکھو نماز برابر پڑھا کرو

**سید محمد اسمٰعیل رسا ہمدانی گیاوی**

**ضروری گذارش** | "تمدن" بلا طلب جن حضرات کی خدمت میں نمونتاً یا کسی معزز دوست کی تحریک سے پہنچے براہ کرم فوراً اپنے ارادۂ خریداری سے مطلع فرمائیں ورنہ خاموشی رضامندی سمجھی جائے گی اور دوسرے ماہ میں ان کا نام درج رجسٹر کر کے تیسرے ماہ کا پرچہ ذریعہ وی پی بھیجا جائے گا جسکا وصول کرنا انکا قومی اور اخلاقی فرض ہوگا۔

جو حضرات "تمدن" کی عمر کے پانچویں سال کے اختتام یعنی آخر اپریل تک تمدن کو چار مستقل خریدار عنایت فرمائینگے اُن کی خدمت میں ایک سال کے لیے "تمدن" مفت حاضر ہوگا۔ جو صاحب دو مستقل خریدار عنایت فرمائینگے اُنکے پاس چھ ماہ تک پرچہ مفت حاضر ہوگا۔

# عورت

(اسلامی نقطۂ نظر سے)

موجودہ دور کے مفید اور دلچسپ مباحث میں سے عورت کا مسئلہ ہے جو مختلف پہلوؤں سے زیر بحث آسکتا ہے۔

اہل الرائے حضرات اس مسئلہ کے تمام شعبوں پر اپنے اپنے خیالات کے مطابق روشنی ڈال چکے ہیں لیکن پھر بھی افراد انسانیہ کے فطری تفاوت کی وجہ سے یہ مسئلہ آج تک نہ حل ہوسکا اور یہی وجہ ہے کہ اسوقت بھی کوئی شخص اپنے فیصلہ کو مختتم فیصلہ نہیں کہہ سکتا۔

میں اس پامال مسئلہ پر قلم نہ اُٹھاتا لیکن ملکی ضرورتوں اور خود اس مسئلہ کے اہم اور مفید ہونے نے اس امر پر مجبور کیا کہ جس بحث پر میں اپنے زمانۂ طالبعلمی میں باوجود معتد بہ علومات کی جمع رسانی کے کوئی راے نہیں قائم کرسکا تھا آج اُسکے متعلق ایک فیصلہ کن خیال کا اظہار کرکے قوم کو اس سے مستفید ہونے کا موقع دوں۔

میں اس مسئلہ کے تین شعبوں سے بحث کروں گا۔

(۱) عورت کے حقوق (۲) تعدد ازدواج (۳) طلاق۔

ان میں سے آخر کے دونوں شعبے فرداً فرداً خود ایک مستقل بحث کی حیثیت رکھتے ہیں کہ جنکو اول بحث سے چنداں تعلق نہیں ہے اور یہی وجہ ہے کہ میں بھی فی الحال مسئلہ اولی پر روشنی ڈالوں گا ہاں اسکے بعد اگر تفکرات زمانہ اور تنازعات مادیہ نے مہلت دی تو اسی سلسلہ کو جاری رکھ کے آخری مباحث سے بھی سبکدوش

ہو جاؤں گا۔

## "عورت کیا چیز ہے"

قدرت کی کاریگری کا نمونہ۔ بقاء نسل انسانی کا ذریعہ۔ نظام عالم کو ثابت و برقرار رکھنے کا آلہ۔ مرد کی زندگی کو کامل بنانے والی۔ اُسکی محبوبہ۔ اُسکو مطمئن اور اپنی طرف متوجہ کرنے والی دیوی عورت کے یہی خصائص باعث ہیں اس امر کے کہ خدا نے بھی اُسکو جسم۔ عقل۔ قوت اور تدبیر وغیرہ میں مرد سے بالکل مختلف پیدا کیا ہے تا کہ دو توام صنفوں میں سے غالب صنف مغلوب کو اپنے میں جذب کر کے اتحاد و اتفاق کو قائم رکھے کہ جس پر کُل نظام عالم کا مدار ہے اگر ایسا نہ ہوتا بلکہ دونوں اپنی عقل و قوت میں یکساں ہوتیں تو کسی طرح ہم اُن میں یہ موجودہ میل جول نہ پاتے بلکہ ہر ایک دوسرے کو اپنے میں جذب کرنے کی کوشش کرتا نتیجہ یہ ہوتا کہ دونوں آپس میں ٹکراتے اور تمام نظام عالم درہم و برہم ہو جاتا۔

موجودات عالم پر ایک غائر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُسکا نظام اسی اختلاف پر مبنی ہے اور ہر جنس بلکہ ہر نوع میں یہ اختلاف پایا جانا ضروری ہے تا کہ قوی ضعیف کی حفاظت کرے اور ضعیف قوی کی تابعداری اور پھر یہی حفاظت و تابعداری کا باہمی تعلق غالب کے لیے مغلوب پر شفقت و رحمت کرنے کا باعث ہو۔

یہ ایک نیچرل قانون ہے کہ جو اور بھی بہت سی حکمتوں پر مبنی ہے۔ نہ کسی شخص کے پاس ایسے وسائل ہیں کہ جنکی مدد سے اس نظام کی تردید کر سکے نہ وہ خود قابل تردید ہے کیونکہ وہ ایک نیچرل اور طبعی اصول ہے۔ اور یہی قانون راز ہے حکومت اور سلطنت کی ضرورت کا ورنہ ہر ایک دوسرے پر ظلم و تشدد کر کے اسکو فنا کر دیتا۔ ملک میں قتل و غارت شروع ہو جاتا۔ امن و امان اٹھ جاتا آبادی تباہ ہو جاتی حیات کا سلسلہ منقطع ہو جاتا حتیٰ کہ تمام [illegible]

ہر طرح مرد کے مساوی ہوتی تو وہ کسی طرح اُسکی حکومت کو اپنے اوپر منظور نہ کرتی اور کبھی اُسکے غلبہ کو اپنے لیے پسند نہ کرتی جسکا نتیجہ یہ ہوتا کہ دونوں میں سے کسی کو دوسرے کی طرف رغبت نہوتی بلکہ ہر ایک دوسرے سے نفرت کرنے لگتا نہ باہمی میل جول ہوتا اور نہ عقد وازدواج نہ نسل انسانی پائی جاتی نہ کوئی نظام عالم یہانتک کہ نہ دنیا میں آبادی ہوتی اور نہ خود دنیا اور ہم سب کو اس عالم سے ہاتھ دھونا پڑتا۔

یہ امور ہیں جو ہم کو اس نتیجہ تک پہنچاتے ہیں کہ ایک کو دوسرے کے مقابلہ میں عاجز وکمزور ہونا ضروریات زندگی میں سے ہے اور اسقدر ظاہر اور بدیہی بات ہے کہ کوئی ذیعقل اس سے انکار نہیں کرسکتا اب اگر اسکے بعد بھی ہم پبلک میں اس خیال کو پھیلائیں کہ نہیں مرد کو ضرور عورت کے سامنے دبنا چاہیے تو ہماری وہی مثل ہوگی۔

**وَمُكَلِّفُ الْأَيَّامِ ضِدَّ طِبَاعِهَا مُتَطَلِّبٌ فِي الْمَاءِ جَذْوَةَ نَارِ**

(زمانہ کی روش اور طبیعت کے خلاف کام کرنیوالا انسان اُس شخص کی مثل ہے کہ جو پانی میں آگ کی چنگاری تلاش کرے) چونکہ قدرت نے خود ہی مرد کو عورت پر باعتبار قوی اور عقل وغیرہ کے تفوق دیدیا تو یہ کسی طرح ممکن نہیں کہ ہم طبیعت کے خلاف مرد کو عورت کا محکوم یا اُسکے مساوی بنائیں اور عورت کو مرد کا محکوم بنانے کی کوشش نہ کریں کہ جو طبیعت کے موافق ہونے کی وجہ سے ہمارے لیے آسان ہے اور پھر جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ازل سے لے کر اس وقت تک جتنی قومیں گذری ہیں سب عورت کو مرد کا محکوم بناتی اور اُس کی حفاظت میں دیتی چلی آئی ہیں اور مرد برابر اُنپر حاکم رہا ہے کیونکہ خدا نے مرد کو عورت پر فضیلت دی ہے

[illegible] بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ

(مرد عورتوں پر غالب ہیں اسلیے کہ خدا نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے) - کسی حقیر سی حقیر چیز کا اُسکی طبیعت کے خلاف پھیرنا جب گمراہی ہے تو عورت کو اُسکی طبیعت کے خلاف مرد کے مساوی یا اُس سے غالب کرنا ضرور ایک ایسا فعل ہوگا جو بالکل عبث اور نظام عالم کے خلاف ہو۔

اب رہا یہ امر کہ "مرد کو عورت پر عقل و قویٰ وغیرہ کے اعتبار سے تفوق اور غلبہ حاصل ہے" میرے موضوع سے خارج ہے کیونکہ یہ علم تشریح الابدان کے مسلمہ مسائل میں سے ہے یہاں اُس سے بحث کرنا فضول ہے اگر کسی کو تحقیق کرنا مقصود ہو تو اُس فن کی کتابوں کی طرف رجوع کرے یا موجودہ اطباء سے استفادہ کرے۔

الیاس

## ریویو

## اصلاح زبان اُردو

اس نام کی ایک کتاب جناب خواجہ عبد الرؤف صاحب عشرت لکھنوی پریسیڈنٹ چشمۂ سخن ندوہ گیا سکریٹری انجمن اصلاح سخن لکھنؤ نے تصنیف کی ہے اسمیں بیشتر اساتذہ کے ایسے اشعار درج کیے گئے ہیں جنمیں وہ الفاظ صرف ہوئے ہیں جو آج غیر فصیح سمجھے جاتے ہیں اور ترک کردیے گئے ہیں۔ ایسے اشعار کا انتخاب ناسخ۔ مومن۔ آتش۔ غالب۔ ذوق۔ امیر۔ جلال۔ داغ وغیرہ حضرات کے کلام سے کیا گیا ہے۔ گو کسی لفظ کے فصیح اور غیر فصیح ہونے اور ترک کرنے یا نہ کرنے کی بحث بہت مشکل اور طویل ہے تاہم بادی النظر میں کسی لفظ کا زبان زد نہونا ہی اُس لفظ کے ترک کردینے کا مؤید ہوتا ہے اور جناب عشرت نے اس اصول کے اتباع میں بہت سے ایسے الفاظ اساتذۂ ماسبق کے دواوین سے منتخب کرکے مع اُن الفاظ کے پیش کیے ہیں جو آج انکے بجائے استعمال ہوتے ہیں۔ یہ کتاب ان لوگوں کے لیے مفید ہونے کے علاوہ جو آجکل کی اُردو کو پڑھنا بولنا اور سیکھنا چاہتے ہیں ان حضرات کے لیے بھی مفید ہے جو اساتذہ کے کلام سے ان الفاظ کی سندیں پیش کرنے کے عادی ہیں جو آج یا تو بالکل استعمال نہیں ہوتے یا کم استعمال ہوتے ہیں دونوں گروہوں کے لیے یہ کتاب ایک ایسا مجموعہ ہے جو انکی ضروریات کو ایک حد تک پورا کرسکتا ہے۔

اصلاح زبان اُردو مصنف کے پتہ پر احاطۂ خانساماں لکھنؤ سے ۸ر میں مل سکتی ہے۔

[illegible]

# تاریخ کے اقسام

(گذشتہ سے پیوستہ)

(۴)

اگرچہ عالم کا ہر واقعہ تاریخ عام میں درج کیا جا سکتا ہے مگر واقعات کی نوع اور خصوصیات کے لحاظ سے تاریخ کی مختلف قسمیں ہیں اور ہر ایک قسم کا نام جداگانہ ہے مثلاً

(۱) سیرۃ جو کسی خاص اولوالعزم اور نامور شخص کی زندگی کے پورے حالات پیدایش سے لے کر سن رشد، تعلیم و تربیت، اخلاق و عادات وفات تک بیان کیے جائیں اور اسکے تمام کارناموں پر مفصل تبصرہ ہو،

(۲) تاریخ اجتماعی، جسمیں کسی قوم کے عام اطوار و مراسم اور انکے باہمی تعلقات سے بحث کی جائے۔

(۳) تاریخ سیاسی، کسی قوم کے طرز حکومت، اسلوب سیاست، فتح و شکست اور اسکی جنگوں کا اسمیں ذکر ہو،

(۴) تاریخ اقتصادی، جو کسی قوم کی دولت، مال و ثروت اور صنعتی و زراعتی حالات بتلائے،

(۵) تاریخ علمی یا ادبی، اسکا موضوع بحث کسی قوم کے علم و ادب، تالیف و تصنیف نقل و تراجم اور شعرا و علماء کے حالات کا بیان کرنا ہے مورخ پر فرض ہے کہ ہر قسم کو مستقل موضوع قرار دے تاکہ اسکے تمام جزئیات کا بآسانی استقصا کر سکے اور تاریخ کا اصلی مقصد فوت نہو ورنہ ہر قسم اور ہر نوع کے واقعات اگر ایک جگہ جمع کر دیے جائیں تو ان پر کافی روشنی نہیں پڑے گی اور بہت سے ضروری واقعات مورخ کے

قلم سے رہ جائیں گے یا وہ عمداً انکو ناقابل التفات سمجھکر قلم انداز کردے گا۔

## فلسفۂ تاریخ

(۵)

یہ ظاہر ہے کہ دوسروں تک واقعات جن ذرائع سے پہنچتے ہیں ان میں چند در چند وجہوں سے اصلی حقیقت کا پوشیدہ رہ جانا یا اسمیں کسی قدر تغیر پیدا ہو جانا بہت ممکن ہے اور اس لیے جو کچھ نتائج ان واقعات سے اخذ کیے جا سکتے ہیں وہ واقعیت سے اکثر دور ہوں گے مثلاً مسعودی کا بیان ہے کہ "صحرائے سجلماسہ میں ایک ایسا شہر آباد ہے جسکی تمام عمارتیں تانبے کی بنی ہوی ہیں اور اُسکے دروازے سب کے سب بند پڑے رہتے ہیں اس شہر کی یہ خاصیت ہے کہ جو شخص اسکے شہر پناہ کی دیواروں پر چڑھکر اندر جھانکتا ہے وہ تالیاں بجا بجا کر اندر کود پڑتا ہے اور پھر وہاں سے کبھی واپس نہیں آتا" اس قسم کی تمام روایات کے غلط و صحیح جانچنے کے لیے جن اصول سے بحث کی جاتی ہے یہ مجموعہ فلسفۂ تاریخ کے نام سے موسوم ہے جسکی مختصر تعریف یہ کی گئی ہے کہ "وہ قواعد عامہ کی بنا پر تاریخی روایات کے اسباب و علل بیان کرکے صحیح نتائج بتاتا ہے" علامہ ابن خلدون فلسفۂ تاریخ کے اصول کو پیش نظر رکھتے ہوئے مسعودی کے اس بیان کو غلط ٹھہراتا ہے علامہ موصوف کی دلیل یہ ہے کہ اگر صحرائے مذکور میں اس قسم کا کوئی شہر ہوتا تو اس راہ کے رہروؤں کو اسکا علم ضرور ہوتا دوسرے یہ کہ معدنی چیزوں کے ظروف یا اسی قسم کی دوسری چیزیں بنائی جاتی ہیں، تانبے کی عمارت اور اس سے بڑھکر پورے شہر کی تعمیر معدنی چیزوں سے نہیں کی جاتی ہے،

اس فن نے خاص اور مستقل صورت اختیار کرلی ہے اسمیں وہ تمام اسباب بتائے جاتے ہیں

جنکی بنا پر روایات میں تغیر ہوتا ہے وغیرہ وہ اصول مذکور ہیں جن سے واقعات کی اصل حقیقت معلوم کی جا سکتی ہے۔

## مورخ کے اوصاف

(۶)

تاریخ نہایت اہم بالشان فن ہے اسلیے کسی مورخ کی حیثیت اسوقت تک نمایاں نہیں ہو سکتی جبتک چند اوصاف اسمیں جمع نہ ہولیں، اسکے برخلاف عام طور سے یہ غلط خیال قائم کرلیا گیا ہے کہ متعدد واقعات کا حفظ کرلینا تاریخ دانی کی سند کے لیے کافی دلیل ہے، حقیقت یہ ہے کہ مورخ اپنی قوم کا مصلح اور اپنے ملک کا رہبر ہوتا ہے وہ گذشتہ واقعات کو اسلیے نہیں دیکھتا کہ وہ صرف واقعات ہیں بلکہ اسلیے انکا مطالعہ کرتا ہے کہ وہ کیوں پیدا ہوے اور انکے ظاہر ہونے کے اسباب کیا تھے، جنکو وہ اپنے پیش نظر رکھتے ہوئے اپنی قوم کے لیے ایسی شاہراہ متعین کرتا ہے جو اسکی منزل مقصود کے لیے آسان اور قریب تر ہو، وہ قومی امراض کا طبیب بھی ہوتا ہے اسلیے اسکو پچھلی قوموں کے عروج و زوال کی علت معلوم کرنا پڑتی ہے جس سے اسکو اپنی قوم کی تشخیص مرض میں نہایت کامیابی ہوتی ہے، الحاصل قوم کی کمزوریوں کا دفع کرنا، ترقی کی صحیح راہیں بتلانا، فلاح و بہبود کی بہترین تجاویز پیش کرنا مورخ کے لیے اسوقت تک ناممکن ہے جبتک اسکی بلند نگاہیں واقعات کے سلسلۂ اسباب پر نہ پڑیں، اس بنا پر اسمیں دو وصفوں کا پایا جانا نہایت ضروری ہے:

(۱) علوم کی جامعیت، اسکا مقصد یہ ہے کہ مورخ کا دماغ مختلف علوم سے پرورش پاکر ہر قسم کے مسائل سمجھنے کی استعداد اور قوت فیصل کی صلاحیت رکھتا ہو، فرض کیجیے کہ ایک شخص [illegible] کی پوری تاریخ لکھنا چاہتا ہے مگر اسکا دماغ علم سیاست

بے بہرہ ہے تو وہ یقیناً یونانی حکماء کے علمی مسائل کو قلم انداز کردے گا نتیجہ یہ ہوگا کہ یونان کی علمی ترقی کی صدائیں فضائے موہوم میں گونجتی پھریں گی اور موجودہ نسلیں اُن طرب انگیز نغموں سے بہرہ اندوز نہو سکیں گی۔ یا یوں سمجھیے کہ ایک ہی واقعہ چند مختلف صورتوں میں بیان کیا گیا ہے ایک جاہل اپنی جہالت سے اسکو متعدد واقعات تصور کرے گا لیکن عالم کسی ایک صورت کو ترجیح دیکر باقی صورتوں کو رد کردے گا غرض مورخ کو دقت نظر کی اس نظر کی ضرورت برابر ہوا کرتی ہے اور یہ بغیر علم کے حاصل نہیں ہوسکتی۔

(۲) امانت۔ اسکی غرض یہ ہے کہ وہ باتیں جو مورخ کی تحقیقات سے ثابت ہوچکی ہیں انکا تعلق خواہ کسی قوم اور کسی گروہ سے بھی ہو بلا کم و کاست ظاہر کردے مگر بعض مورخ اپنے قومی جذبات اور مذہبی تعلیمات سے متاثر ہوکر واقعات کی صورت مسخ کردیتے یا اُنکے پردہ پوشی کی کوششیں کرتے ہیں جو اُنکے لیے سخت جرم ہے انجام کار ان کی تحقیقات کا اثر درست نہیں ہونے پاتا اور انکی وقعت لوگوں کے دلوں میں قائم نہیں ہوتی۔

## تاریخی تصنیفات کی خوبیاں

(صفہ)

کسی علم یا فن کی کتابیں اسوقت تک عام مقبولیت کا درجہ حاصل نہیں کرسکتیں تاوقتیکہ ان میں خاص خصوصیات کا لحاظ نہ کیا جائے۔ تاریخی تصنیفات بھی اسوقت دلوں میں جگہ پاسکتی ہیں جب وہ چند خصوصیتوں کی جامع ہوں، ہم ان میں سے چند اہم امور کا ذکر کرتے ہیں۔

[illegible]

فن کی یہ کتاب ہے اسمیں اسکے کسقدر مسائل ہیں اور ہر مسئلہ کے کلی و جزئی امور کا کسقدر حصہ اسمیں شامل ہے، مثلاً شعر و شاعری کے عنوان پر کوئی کتاب تصنیف ہو تو اول اسمیں اسکی جستجو ہوگی کہ شعر کی تعریف کیا کی گئی ہے اسکی تعریف میں لوگوں کے کیا کیا اختلافات بتلائے گئے ہیں، شعر کی ضرورت اور اسکا اثر کسقدر ہوتا ہے شاعری کے لوازم کیا ہیں، شعرا کو کن کن چیزوں کی احتیاج ہوتی ہے، شعر کے اقسام کتنے ہیں، ہر دور میں شاعری نے کیا کیا رنگ بدلا، وغیرہ اسی طرح جب قوم اور ملک کی تاریخ تصنیف کی جانے اسمیں ان چیزوں کے بتلانے کی ضرورت ہوتی ہے کہ اس قوم کی ابتدا کس طرح ہوئی اسپر عروج و زوال کیسے کیسے دور گذرے دوسری قوموں سے اسکی امتیازی حالت کیا تھی اسکے رسم و رواج، عادات و خصائل کیا تھے، اسمیں کس قسم کی صلاحیت پائی جاتی تھی غرض جسقدر واقعات کا تعلق اس قوم سے ہو ان میں سے تمام مفید امور کا ذکر ہو،

(۲) ترتیب: کتابوں کے حسن و قبول اور تمام پسندیدگی کے لیے مواد کے بعد ترتیب کو بہت بڑا دخل ہے، کثرت سے کتابیں محض اسی بے توجہی کی شکار ہوئیں اور ہوتی ہیں کہ ان میں مصنفین کوئی سلسلہ نظام قائم نہیں رکھتے اور نہ ایک قسم کے مسائل ایک جگہ جمع کر دیتے ہیں، جس سے کتب بینی میں سخت زحمت اور بیشمار دقتیں واقع ہوتی ہیں، اور ایک ایک مسئلہ کے معلوم کرنے کے لیے بیسیوں صفحے اُلٹنے پڑتے ہیں، یہ نقص اکثر قدیم تاریخی کتابوں میں بہت زیادہ ہے مثلاً کسی جنگ کا ان میں تذکرہ ہے تو مصنف نے سن و سال کا لحاظ کر کے مختلف ممالک میں جسقدر واقعات ایک سن کے ہوئے ایک ہی باب میں جمع کر دیے اور پھر دوسرے و تیسرے سنوں میں ان کا بقیہ مضمون اسی طرح خلط ملط کر کے درج کیا ہے، اس بے ربط اور غیر مسلسل ترتیب سے کسی ملک کی جنگ کے

حالات پر پوری روشنی نہیں پڑ سکتی، اسلیے یہ قدیم طریقہ ناپسندیدگی کی نگاہوں سے دیکھا گیا اور اب یہ طریقہ نہایت نتیجہ خیز ہے کہ ہر ملک کی جنگ کے حالات مستقل طور سے ایک ایک باب میں ذکر کیے جائیں ونیز ہر باب میں فوجی حالات، سامان رسد، آلات جنگ وغیرہ امور کا ذکر علحدہ علحدہ ہو۔

(۳) واقعات کے اسباب، تاریخی کتابوں کی خوبیوں میں ایک یہ بھی ہے کہ ہر واقعہ کا سبب اور ہر حادثہ کی علت بیان کی جائے یعنی فلاں واقعہ کیوں ہوا اور اسکے ظہور میں کن کن چیزوں کا دخل تھا اگر صرف واقعات جمع کردیے جائیں اور اُن کے اسباب سے بالکل تعرض نہ کیا جائے تو ان میں کوئی اہمیت نہیں رہتی

(۴) حُسن تحریر، کسی عبارت کے سمجھنے میں دو قسم کی دقتیں واقع ہوتی ہیں، معنوی، اور لفظی، بعض مسئلے کچھ ایسے اہم ہوتے ہیں جنکا مفہوم جلد سمجھ میں نہیں آتا یہ معنوی مشکلات صرف امعان نظر اور دقیق فکر سے حل ہوتی ہیں لفظی مشکلات الفاظ اور جملوں کے بے موقع استعمال سے پیدا ہوتی ہیں حُسن تحریر کا مقصد ان ہی لفظی مشکلات کا حل کرنا اور عبارت کو دلچسپ بنانا ہے، الفاظ کی بندش جملوں کی ترکیب، زبان کی سلاست، موقع موقع سے تشبیہ و استعارہ لانا کہیں کہیں مثل اور محاورے استعمال کرنا حسن تحریر کی روح ہے۔

## تاریخ کی اہمیت و عظمت

(۸)

کسی چیز کی عظمت و اہمیت بیان کرنے کا سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ اس شئے کے نتائج بتائے جائیں جو خود ہی اپنے شاندار اور مفید معلومات کے بنا پر [illegible]

اگر سچے جذبات کا اظہار کرتی اور دوسروں کے جذبات کو ابھارتی ہے، خطابت اگر حاضرین کو جوش میں لاتی اور انکے احساسات و معتقدات پر موثر ہوتی ہے، منطق اگر استدلال و براہین کے ذریعہ مقدمات کی ترتیب دے کر صحیح نتائج پیش کرتی ہے، فلسفہ اگر چیزوں کی حقیقت و ماہیت بتلاتا ہے اور ان وجوہ سے ان کی عظمت کی جاتی ہے تو تاریخ پچھلی قوموں کے اصول سیاست آئین جہانبانی سے بحث کرتی ہے، انبیاء علیہم السلام کے اخلاق و عادات کا تذکرہ کرتی ہے ہولناک جنگ و جدال کا نقشہ کھینچتی ہے سلاطین کے قہر و غضب عدل و انصاف کی داستانیں سناتی ہے ارباب فضل و کمال کے علمی کارنامے بتلاتی ہے، اصحاب صنعت و حرفت کی کاریگریاں اور صناعیاں دکھلاتی ہے فصیح و بلیغ خطیبوں کے خطبے اور انشا پردازوں کی انشا پردازیوں کا معائنہ کراتی ہے، غرض ہر صنف اور ہر قسم کے واقعہ سے عبرت و بصیرت کا سبق دیتی ہے،

اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ انسان کی تمامتر ترقیاں تدریجاً ہوئی ہیں اور دنیا کا ہر واقعہ گذشتہ واقعہ کا نتیجہ ہے، اسلیے یہ ممکن نہیں کہ موجودہ تہذیب تمدن کا بنا بنایا کھیل اور حیرت انگیز ایجادات و اختراعات کا عجیب غریب تماشا نیست و نابود کر کے اس سے بڑھکر یا ایسا ہی دوسرا نقشہ بغیر استمداد تاریخی روایات کے تیار کر دیا جائے، لیکن یہ ممکن ہے اور واقعات سے ممکن ہے کہ دنیا تاریخی روایات کے سہارے تدریجاً ترقی کرتے کرتے اس حد تک پہنچ جائے جب انسانی عقل اور فراست کا آخری راز طشت از بام ہو جائے،

دنیا میں سیکڑوں علوم و فنون ہیں جنکے سحر آمیز نتائج لحظہ بلحظہ نمایاں ہوتے ہیں مگر ان سے تمام انسان یکساں طور پر لطف نہیں اٹھاتے یہ وصف صرف تاریخ کا ہے، انسان کا ایک ایک فرد اس سے نہایت دلچسپی کے ساتھ لطف اندوز

ہوتا ہے، ایک بادیہ نشین شخص سے لے کر بادشاہ تک شمار کرجاتا ہے فخر و ترجیح کے موقعوں پر اسلاف کے کارنامے، گرمیٔ صحبت کے لیے پرانی داستانیں ہر ایک بیان کرتا ہے اسی طرح میدان رزم میں رجز خوانیاں محفل بزم میں نغمہ سرائیاں ہمیشہ ہوا کرتی ہیں جنمیں بھی تاریخی واقعات ہوتے ہیں،

حقیقت میں تاریخ کے احسانات ہم پر بہت ہیں اگر ہم اسکی قدر نہ کریں تو یہ ہماری سخت احسان فراموشی ہے، اس موقع پر ہم عربی کے چند اشعار لکھدینا نہایت موزوں سمجھتے ہیں جو تاریخ کی توصیف میں ہیں،

ایک شاعر کہتا ہے

| | |
|---|---|
| لَیْسَ بِاِنْسَانٍ وَّلَا عَاقِلٍ | مَنْ لَا یَعِی التَّارِیْخَ فِیْ صَدْرِہٖ |
| وہ شخص انسان اور عاقل نہیں ہے | جو تاریخ کو اپنے سینے میں محفوظ نہیں رکھتا |
| وَمَنْ دَرٰی اَخْبَارَ مَنْ قَبْلَہٗ | اَضَافَ اَعْمَارًا اِلٰی عُمْرِہٖ |
| جس نے گذشتہ لوگوں کے واقعات کو جانا | اس نے اپنی عمر میں بہت سی عمروں کا اضافہ کیا |

دوسرا کہتا ہے

| | |
|---|---|
| اِذَا عَرَفَ الْاِنْسَانُ اَخْبَارَ مَنْ مَضٰی | تَوَهَّمْتَهٗ قَدْ عَاشَ مِنْ اَوَّلِ الدَّهْرِ |
| جب کوئی شخص پچھلے لوگوں کے حالات معلوم کرے | تو سمجھ لو کہ تم خیال کرنے لگو گے کہ ابتداء زمانہ سے ابتک زندہ ہے |
| وَتَحْسَبُهٗ قَدْ عَاشَ اٰخِرَ دَهْرِهٖ | اِلَی الْحَشْرِ اِنْ اَبْقَی الْجَمِیْلَ مِنْ ذِکْرِهٖ |
| و نیز اسکو قیامت تک زندہ خیال کروگے | اگر اس نے اپنا ذکر جمیل چھوڑا ہے |
| فَکُنْ عَالِمًا اَخْبَارَ مَنْ عَاشَ وَانْقَضٰی | وَکُنْ ذَا نَوَالٍ وَاغْتَنِمْ اٰخِرَ الْعُمْرِ |
| پس اے مخاطب تو موجودہ اور گذشتہ لوگوں کی خبروں کو جان۔ | اور صاحب بخشش بن اور اپنی اخیری عمر غنیمت سمجھ۔ |

احمد اللہ

# نظارۂ خرابات

(بسلسلہ اشاعت ماسبق)

کوئی نہیں ہے محرمِ اسرار بے نیاز — معلوم غیب داں کو ہے کون مکاں کا راز
کھلا نہ طمطراق بہت چرخِ شیشہ باز — ہوں بیقرار صحبتِ ساقیِ دلنواز

اک کاسۂ شکستہ مرا یہ نیاز ہے
ہم بینواؤں کا بھی خدا کارساز ہے

یارب جمالِ خسرو مہ طلعتاں دکھا — اس ناتواں کو منزلِ رفعت نشاں دکھا
ہجراں نصیب ہوں رخِ آرامِ جاں دکھا — بیمارِ غم کو شکلِ مسیحِ زماں دکھا

بیچارگی میں تجھ سے طلبگارِ عون ہے
اس بندۂ غریب کا مشکل میں کون ہے

گم کردہ راہ ہوں نہیں کچھ بھی پتا مجھے — ہو پیشوائے خضر کہیں رہنما مجھے
غربت میں راہِ وادیِ ایمن دکھا مجھے — کافی ہے اک اشارتِ معجز نما مجھے

قربان اس ادا پہ تجلیِ طور ہو
ظلمت کدہ میں بارشِ باران نور ہو

یارب وہ میرا ساقیِ گل پیرہن کہاں — قوت ہو جس سے دل کو وہ شیریں سخن کہاں
نازک دل کو طاقتِ رنج و محن کہاں — سرچشمۂ حیات شرابِ کہن کہاں

صدمہ ہے روح پر کہ زمانہ تنگ ہو نہ جائے
یوں ہی کہیں مریضِ شبِ ہجر مر نہ جائے

مدت سے جانِ من ہمہ تن انتظار ہوں — چشمانِ نرگسی کا میں بیمار زار ہوں
شبنم صفت ہے قلب [illegible] — [illegible]

میں زخم خوردہ شش دل غنچہ تنگ ہوں
باور نہ ہو تو دیکھ لے بشکستہ رنگ ہوں

لبریز آکے ساغرِ صہبائے ناب کر — ساقی گذر رہا ہے زمانہ شتاب کر
معمورِ حسن سے دل خانہ خراب کر — ذرہ کو زیب تاج سرِ آفتاب کر

پیالہ میں تو ہو ہاتھ میں جام شراب ہو
اک برج سے طلوع مہ و آفتاب ہو

وہ مے پلا کہ غنچۂ دل ہو چمن چمن — رم ہو بہ یک اشارۂ ابرو غمِ کہن
اک برق ہو سوادِ دلِ شب میں موجزن — وہ دور ہو کہ بدلے زمانہ کا چلن

لعلِ مذاب صاف ہو زریں ایاغ ہو
روشن تمام شب مرے گھر شب چراغ ہو

وہ دختِ رز ہو پردہ مینا میں جلوہ گر — دامن ہو جس کا دامن مریم سے پاک تر
سایہ ہو اسکا غازۂ رخسارۂ سحر — حور و ل کا قدسیوں کا تقاضا ہو عرش پر

صبح ست ساقیا قدحے پر شراب کن
دورِ فلک درنگ ندارد شتاب کن

اعجاز وہ دکھائے کہ اکسیر گرد ہو — تابش ہو وہ کہ رنگ رخ ماہ زرد ہو
درمان دل ہو داروے اندوہ و درد ہو — بادہ ہو بے نظیر تو ساقی بھی فرد ہو

ذرہ نگاہ فیض سے کیوان اساس ہو
سمجھے یہ راز وہ جو حقیقت شناس ہو

(باقی آئندہ)

آغا غلام حسین ارشد

# ابوالفیض فیضی

(سلسلہ کے لیے مارچ نمبر ملاحظہ ہو)

پروفیسر آزاد کا بیان ہے کہ ایک پرانی کتاب میرے ہاتھ آئی اسکے دیباچے معلوم ہوا کہ اسوقت تک ہندوستان کے بادشاہی دفتروں کے کاغذ ہندو ملازم ہندی اصول کے بموجب رکھتے تھے۔ ولایتی ہوتے تھے تو اپنے طور پر لکھتے تھے اور س سے دفاتر شاہی میں عجب خلط ملط ہو رہا تھا اکبر کے حکم سے ٹوڈرمل فیضی میر فتح اللہ شیرازی، نظام الدین بخشی، حکیم ابوالفتح گیلانی، حکیم ہمام مل کر بیٹھے اور کاغذات دفتر کے لیے قواعد و ضوابط باندھے۔ اسی کے ضمن میں حساب کے قواعد بھی لکھے کہ سب محاسب ایک طور پر عملدرآمد کریں اور تحریروں میں اختلاف نہو۔

فیضی کے علم و فضل نے اسکو جہاں اور بجا فخر و اعزاز کا مستحق ٹھہرایا وہاں ایک یہ بھی ہے کہ شاہزادوں میں سے جو تعلیم و تربیت کے سن کو پہنچتا۔ اکبر اسکو تعلیم و تربیت کے لیے فیضی کے سپرد کر دیتا تھا۔ چنانچہ شاہزادہ سلیم مراد اور دانیال سب اسی کے شاگرد تھے اسکو بھی اسپر بڑا فخر تھا۔ اپنی تحریر میں دو باتوں کا عموماً شکر گذار ہے ایک یہ کہ دربار شاہی میں قربت حاصل ہوئی۔ دوسرے شاہزادوں کی استادی کا فخر حاصل ہوا۔

## ملک الشعرا کا خطاب

سنہ ۹۹۶ھ میں اکبر کے دربار سے فیضی کو ملک الشعرا کا خطاب ملا۔ عجیب اتفاق کہ س سے تین دن پہلے فیضی نے ایک قصیدہ لکھا جسمیں یہ نیک فال اپنی زبان سے نکال چکا تھا۔

آں روز کہ فیض عام کردند | مارا ملک الکلام کردند
از بہر صعود فکرت ما | آرائش ہفت بام کردند
مارا بہ تمام در ربودند | تا کار سخن تمام کردند

اکبر نے اتباع طریقہ نبوی و خلفاء راشدین کے خیال سے جمعہ کی نماز میں خطبہ خود پڑھنا چاہا۔ عربی سے ناواقف تھا اس لیے شیخ فیضی نے ایک قطعہ لکھکر پیش کیا جو درحقیقت ایک فارسی خطبہ ہے اسکے چند شعر یہ ہیں۔

خداوندے کہ مارا خسروی داد | دل دانا و بازوے قوی داد
بعدل و داد مارا رہنموں کرد | بجز عدل از خیال ما بروں کرد
بود وصفش ز حد فہم برتر | تعالیٰ شانہٗ اللہ اکبر

میں کہہ چکا ہوں کہ فیضی نے کوئی ملکی و مالی خدمت مستقل طور پر اپنے ذمے نہ لی۔ یہ شاعر، طبیب اور فلسفی تھا اپنی تمام زندگی ان ہی مشاغل میں صرف کر گیا۔ مگر اس سے یہ خیال نہ کرنا چاہیے کہ اسمیں سیاسی کاموں کا مادہ ہی نہ تھا۔ میں اس موقع پر سفارت دکن کی اس عرضداشت کے جستہ جستہ مقامات کی نقل کرتا ہوں جو اس نے ایام سفارت میں دکن سے اکبر کو بھیجی۔

یہ عرضداشت درحقیقت ایک مفصل روزنامچہ ہے جسمیں اس نے جزوی جزوی حالات، ملک کے مشہور مقامات، اندرون و بیرون ملک کے راستے وہاں کی طرز معاشرت اور مشہور اشخاص کا تذکرہ کیا ہے۔ سیاسی مسئلہ نیز اس سے جو موجود تھے ان تمام پر اسکی نگاہ حقیقت شناس پڑی ہے۔ یہ اس زمانے کے طریقہ تعلیم کا کمال تھا کہ ایک عالم و فاضل شخص جس کام کی طرف متوجہ ہوتا تھا اسکو پوری طرح اور نہایت حسن و خوبی سے انجام دیتا تھا۔ اس زمانے کی سی حالت نہ تھی کہ اکثر مولوی اور عالم صرف مسجدوں کی امامت، فاتحہ خوانی، مردہ شوئی، جنازہ پڑھانے کو اپنا

نصب العین سمجھتے ہیں اور تدبر و سیاست سے انکو اتنی ہی اجنبیت ہوتی ہے جتنی کہ ایک اجڈ نا تعلیم یافتہ دہقانی کو ایک مہذب تعلیم یافتہ شہری سے۔

فیضی اکبر کی طرف سے راجی علیخاں والی خاندیس کے ہاں سفیر بن کر گیا۔ یہ وہ موقع ہے کہ راجی علیخاں فیضی کے سفارت خانے میں آتا ہے۔ فیضی نے سفارت خانہ بالکل شاہی دربار کے اصول پر آراستہ کیا ہے۔ اس سے اس زمانے کے آداب و رسوم دربار شاہی کی تصویر آنکھوں کے سامنے کھنچ جاتی ہے۔ فیضی لکھتا ہے:۔

"فدوی نے خیمے اور سراپردے ایسی شان و شوکت سے ترتیب دیے جیسے بندگان عالم پناہ کے لیے شایان تھے۔ سراپردوں کے دو درجے کیے تھے، دوسرے درجے میں تخت عالی سجایا تھا، تخت پر شمشیر شاہی، خلعت خاصہ اور فرمان عالی رکھدیا تھا۔ راجی علیخاں اپنے اراکین و وکلائے حکام دکن کو ساتھ لیے آداب و قواعد کے ساتھ داخل ہوا۔ پہلے سراپردے میں سے آداب کے ساتھ گذر کر جب دوسرے سراپردے میں داخل ہوا تو دور سے تخت شاہی نظر آیا ننگے پاؤں ہوا اور تسلیمیں بجالایا۔ تھوڑی دور چلا تھا کہا گیا کہ یہاں ٹھہر جاؤ اور تین تسلیمیں بجالاؤ۔ نہایت ادب سے تین تسلیمیں کیں اور وہیں ٹھہر رہا۔ بندہ نے دونوں ہاتھوں میں فرمان عالی کو لیا اور ذرا آگے بڑھ کر اسے دیا۔ اس نے فرمان کو ادب سے دونوں ہاتھوں میں لے کر سر پر رکھا۔ اور تین تسلیمیں کیں۔

تھوڑی دیر تک بندہ نے مناسب وقت، حکمت آمیز حقیقت آئین مطالب بیان کیے۔ اسکے بعد کہا گیا کہ بندگان حضرت کے دوام دولت کے لیے دعا کرو، نہایت ادب سے دعا کی۔ پھر کمال تواضع سے لب فرش تخت کے سامنے کھڑا ہوا۔ بادشاہی گھوڑے حاضر تھے، باگڈور چوم کر کندھے پر رکھ لیا اور تسلیم کی۔ شاہزادوں کے

گھوڑوں کی باگڈور کو بھی چوم کر کندھے پر رکھا۔ اور تسلیم کی۔ شاہزادہ مراد کا گھوڑا سامنے آیا تو اسکی باگڈور چوم کر گلے میں لپیٹی اور تسلیم بجا لایا اسکے بعد رخصت ہوا"

عرضداشت کی ابتدا میں دربار شاہی سے جدا ہونے پر اپنی بدقسمتی کا شکوہ کرتے ہوئے مختلف شہروں کے حالات اور رستے کے واقعات لکھتا ہے میں اس موقع پر اسکی اصل عبارت نقل کر دیتا ہوں تاکہ ارباب ذوق اسکی نثر سے بھی لطف اندوز ہوں

"بلوچے کہ بفوجداری مقرر شدہ نزدیک بہ تنگیِ کوہ درمیان لدھیانہ و سرہند
چسپیدہ ست دزدانے کہ از کوہ فرود می آیند دزدی و خون کردہ چیزے می برند
و از ہم حق نذرے می دہند و ران حدود راہروان را بسوسش می کشند"

"حافظ ارحمنہ باوجود آں ہمہ پیری با دست و پائے میزند و در حد ادائے خدمت ہست
بذات خود امانت و دیانت دارد با فغان را بنایت دلکش ساختہ"

"اہل سرہند آسودہ و رعایا خوش وقت اند دعائے بندگان حضرت می کنند"

"یعقوب بدخشی کروری تھانیسر خدمت فوجداری و عملداری تھانیسر و پرگنات
ہردو بواجبی میتواند کرد۔ متعہد اینئے راہ ہست جرأت و تدبیر واقعی از دست
او می آید"

ولایت نادرہ کے حال میں لکھتا ہے۔

"تعریف ولایت نادون بکدام قلم نگارد آبہائے روان دیدہ کہ در ہر قدمے ہزاراں
بایستے گذشت از ہمہ سو چشمہائے دلکشا چوں دلہائے پاکان بجوشید از ہر جا
گفتہ شد یاد ستاید۔

ناہر شگفت رگل تو پژمردہ می شد — شد یاد در وان تو پائے فسردہ ہنوز
از تابش آفتاب و رسینا سنگ — صد چشمہ بجوشید تو افسردہ ہنوز

در صفتہ ہمہ جا بوزر عرصہ خضر را از قصہ کہ نشکند ... ہزر ہشتہ۔

سیہ سا بجد یکدم نخ گزی آب بر نمی آید"

نسہ دنخ مہر بیت کہ علم نبدر ز رد بلند خاں خواجہ سر دروبرائی او

نقسیہ بیکنند"

"در سال ہیو خواہد ابن حوشی بر عاں برعاء منور خوب کرده ونقادی بغر

دیگر معمور ساخت وہم چیز خود بہ ... نا نہات یا چہ باقی ترتیب دارد

دوکان کاردانی وا کرده"

جہاں تک اندرون ملک کے مختلف اقتباسات لکھے ہیں ان سے بیرونی ممالک کی مفید

مطلب باتیں بھی جہاں تک معلوم ہوسکیں لکھی ہیں - ایک جگہ لکھتا ہے -

"دیگر اسار است جہاز ار ہرمز دریائے شدہ خواجہ عنائی جبرے کہ

آمدہ تجارت یا رفقائے دولت اسپ عراقی داشتہ تا سہ جہاز بکوہ رفت و

قاعدہ فرنگیان ست کہ جہاز اسپ را بکوہ میبرند واسپاں را نیچ خواہش

می کنند میگیرند و باقی را می گذارند وبسہ جہاز در ارگری ہشت ماہ آتی

رسید رحیول کرد داخل جاگیر نظام الملک ست رسیده ایں مردم گفتہ اند کہ

بست وچہار روز در ... بود بعضی سوداگران وبعضی قزلباشان را نصر

... وتمن عراق وفارس نمود بعزیمت آستان بوسی آنحضرت

بہا من ممالک محروسہ رسیده اند"

طرح یہ عرضداشت بہت طویل ہے - اسمیں بہت سی جزوی جزوی تصریحات

و واقعات مذکور ہیں - کہاں تک نقل کروں -

... ہم میں بھی اپنے اصلی مذاق کو نچھوڑا - موقع سے جب کبھی طبیعت

ادھر آجاتی تھی تو غزلیں کہہ لیتا تھا - ان غزلوں کے محاسن اور خصوصیات کو

... ہوتے ہوئے شاد ہونگا ... موقع پر ان غزلوں کو

ان کے مواقع کے ساتھ یعنی وہ کس وقت اور کس حال میں کہی گئیں لکھتا ہوں۔

بھاگ نگر (حیدرآباد) کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

"باوجود چندیں مواقع ملاحظہ کردہ شد اگر دے چند دیگر مہلت یا شد بحضور تمنوت تفصیل عرضہ داشت خواہد نمود ایں ولایت را داخل ممالک محروسہ می شمارد دیگر مرتبہ غلغلۂ قدوم اشرف و آوازۂ موکب عالی ایں حدود رسید ایں غزل بطریق حسب حال رو نمود چوں از دل اخلاص منزل بر خاستہ امید بوقوع انجامد۔ غزل

نسیم صبح مشک افشاں ز گرد راہ می آید | مگر از موکب اقبال اکبر شاہ می آید
شبستان سعادت را ز نقل ہے لبالب کن | کہ شہ در بوستان و شمع در خرگاہ می آید
غنی تجہیز ارغنوں را قفل بردر نہ | کہ در گوشہ صدائے کوس اکبر شاہ می آید
بہمہ سایۂ دولت جہاں گو بادشاہی کن | کہ بال افشاں ہمائے چتر ظل اللہ می آید
اگر غم در غم شادی نمیرد جائے آں دارد | نشاط دوستاں بر دشمناں جانکاہ می آید
منجم بر سعادت ہائے روز افزوں کواکب را | بشارت دہ کہ بر اوج ثریا ماہ می آید
بہ ہمت فتح عالم کن کہ در میداں سپر یاران | ز صدلشکر بیاید آنچہ از یک آہ می آید
دعا را می برم تا آسماں بر دست دایں باشد | کہ از دست دعا گویان دولت خواہ می آید
دم صبح سعادت سید مرغافل مشو فیضی | کہ فیض صبح گاہی بر دل آگاہ می آید
خموشی را بلند آوازہ کن اینجا کہ از حیرت | عبادت نیک می خیزد نفس کوتاہ می آید

اور ایک موقع پر لکھتا ہے

"دیگر مرتبہ بعضی ہمراہان بطریق خالی شدن شہر و گریز اگر یزی ور دم خلل فتنہ و فساد بے دلی کردند بندہ نصیحت گر اینہا بودم و میگفتم کہ مرا بفتراک اقبال بعترین بندید در ایں حصار الٰہی بہ شمارید و غم مخورید دریں باب ایں غزل رو نمود

باز یاران طریقت سفرے در پیش است | رہ نوردان بلا را خطرے در پیش است

پا نهاده ندیں بادیۂ قافلہ سوز　　ہر کہ دیدیم ز اندیشۂ سہے درپیش ست
کس نگویدم از منزل اول خبرے　　صد بیاباں بگذشت و دگرے درپیش ست
ہمرہاں این ہمہ خوبی نباشید ز من　　کہ دعاے سحرم را اثرے درپیش ست
ما نہ آنیم کہ نادیدہ قدم بگذاریم　　شکر کن قافلہ را راہبرے درپیش ست
عاقبت ناصیۂ ما شود آئینۂ بخت　　کوکب طالع ما را نظرے درپیش ست
اے صبا بر سر آفاق گل مژدہ بریز　　کہ شب تیرۂ ما را سحرے درپیش ست
شفقی از قافلۂ ... بیرون　　اینقدر ہست کہ ما را قدمے درپیش ست

اسی طرح ایک مرتبہ موسم بہار کا پرلطف سماں دیکھکر طبیعت مست ہوگئی تو یہ غزل لکھی:-

دامن دلبری و بر دخط سرنوشت ما　　عکس ست از کتابۂ طاق کنشت ما
اے کبک مست قہقہہ بر روے ما مپر　　گل غنچہ میکند ز ہوای بہشت ما
معلوم شد کہ حاصل ما زین بہار چیست　　روزے کہ برق فتنہ وزد گرد کشت ما
تعظیم ما اگر نکند کس داشت در نظر　　پیر مغاں کہ بر سر خم ماند خشت ما
شفقی بہ بین بہ ناصیۂ ما کہ عشق کرد　　محو سجودیت رقم سرنوشت ما

ایک مرتبہ سامنے فوارہ جاری تھا اس کیفیت کو دیکھکر طبیعت میں گدگدی پیدا ہوئی تو برجستہ یہ غزل کہی۔

... شعلہ سرے از دل صد پارۂ ما　　جوش آتش بود امروز بفوارۂ ما
ہر کسے روز ازل ... تعلیم گرفت　　عشق مشاطگی آموخت ز نظارۂ ما
... دل خود چرا بشکستند　　آسماں آئینہ ساخت ز سیارۂ ما
رونق عہد ببینید کہ بر بستہ خون　　فتنہ می بارد از آئین ستمگارۂ ما
خون ما کاں بود امروز دریں شہر کہ ہست　　جرعۂ مژدہ فشاں بر لب خونخوارۂ ما

دیدہ او بگذر جگر ناشستہ باد — ہر کہ گوید خبرے از دل آوارہ ما

فیضی از نقد جہاں گرچہ تہی دستانیم — کیمیا ساز بر رنگ زر خسارہ ما

اسی طرح پوری عرضداشت موقع موقع کے مختلف اشعار، غزلوں، رباعیوں اور ابیات سے بھری پڑی ہے کہاں تک نقل کروں ناظرین کے ظرافت طبع کیلیے اسقدر کافی ہے (باقی آئندہ)

# ظرافت

ابوالحسنات ندوی

میں نے نکالے گھر سے جو اس سیمتن کے پانو — بیٹھی سے پانو ہو گئے ایک ایک ان کے دس پانو

بجلی کا پاٹ بن کے پھرا سر پہ رات دن — ہیں ہاتھ میں جیسے ہوئے بیچتن کے پانو

رہتا ہے عاشقوں پہ کمربستہ وہ ستم — باندھے ہیں سر پہ ہاتھ پہ مردِ متین کے پانو

مرنے سے مفلسی کا مری پردہ کھل گیا — اندر کفن کے رہے تو باہر کفن سے پانو

نکلی جو منھ سے بات تو کوٹھے پہ چڑھی ہے وہ — ہم ان کے ہمارے نکالے سخن کے پانو

کم مائگی سے منتیں کرنی پڑیں مجھے — سر سے چلا اور ہیں دوں اس کے پانو

سر کھوڑنے بٹھا دیا قسمت نے کوہ پر — شرمندہ دشت کے تیشے کو کوہکن کے پانو

ہر دم ہوا کے گھوڑے پہ رہتا ہے وہ سوار — ٹکتے نہیں زمین پہ اس گلبدن کے پانو

گلگشت تم نے باغ میں کیوں نا نہ کیا — دیکھا نہیں زمیں گر گئے سروِ چمن کے پانو

سونے کی جستجو میں جو چھانی بہت سی خاک — آخر کو ہاتھ آگئے اس سیمتن کے پانو

دکھ ہیں ہزار باغ جہاں کی بہار میں — زخمی ہیں گل کے خار سے مرغِ چمن کے پانو

صد شکر پایا مرتبہ غوث قتل سے — سر ہے کہیں کہیں ہیں تن بے کفن کے پانو

چاندی کی نہریں راکھ دکن میں بہیں ذبیح — مفلس نہیں کہ میں رکھوں باہر وطن کے پانو

محمد اسمعیل علی — سابق ایڈیٹر

# خوابِ بیداری

چشمِ انتظار کی اشکباری نے نرگستان کی شبنم آشامی کو بھلا دیا۔ خونابِ الفت سے ایک دُرِ شاہوار کی جستجو میں ہزاروں بیش قیمت موتیوں کے انبار لگا دیے۔ اُدھر گوہرِ غلطاں کی آب۔ اِدھر موجِ خوناب۔ گویا محبت کی دنیا میں ایک آئینہ گری ہو رہی ہے۔

یادش بخیر! ایک تبسم ہزار شکووں کا جواب۔ ایک نگاہ ہزاروں موتیوں کا صلہ۔ غنچۂ لب میں ہزار نغمے بیقرار۔ نیم آواز پیر مرغ روح تھا۔ خاموشی کائنات کے معموں کی شرح۔ تکلم صحفِ رخ کی تفسیر۔ عدم التفات بے نیازی کی دلیل۔ تکرارِ عذر معجزۂ عشوہ۔ لب کشائی سحر۔ تقریر تسخیر۔

+ + + + + + + + + + + +

رات بھیگتی جاتی ہے۔ عالم کی غنودگی خواب سے مبدل ہو چکی ہے۔ میں ہوں اور میرا کتب بینی کا کمرہ۔ برقی فانوس کی روشنی سبز غلاف میں سے چھن چھن کر رہی ہے شب کے ساتھ خنکی بڑھتی جاتی ہے۔ کمرے کے دروازے بند ہیں۔ میں نہ عالمِ غنودگی میں ہوں نہ خواب میں مگر محویت ضرور طاری ہے۔ گرد و پیش میری کتابیں ہیں۔ میرے پسندیدہ ادب ایرانی۔ انگریزی و فرانسیسی۔ جرمنی و روسی نیز ہندوستانی شعرا کا مجمع ہے مگر سب حسب مراتب ایک کتابدانِ گردان پر مطلا و منقش پیراہن ملبوس پہنے ہوئے ہیں۔

احبا کی تصاویر ہیں اور خیالی مرقعے بھی۔ میرے ہم پہلو کرسی پر میرا ایک [illegible]

میرے اور اُنکے روبرو کرسی پر ایک تو نیچ ناز سراپا انداز کیے از ارباب کمال گویا ایک تصویر خیال ہے جسکے لب ہائے جان نواز سے اس تقریر کا آغاز ہے۔

"آج سے دوڈھائی ہزار سال قبل خطۂ یونان کی تہذیب نے ارباب نشاط کو اس زینۂ تخصیص پر پہنچایا تھا کہ اُن کی مجالس علوم متعارفہ و فنون لطیفہ کے مشہور مرکز بنگئی تھیں۔ اُنکے مناظرے۔ اختراعات معقولی اور مکالمات منقولی سننے کی غرض سے نہ صرف امیر و کبیر پیر و جوان ہی جایا کرتے تھے بلکہ بیان کیا گیا ہے کہ بعض موقعوں پر خود ابوالفلسفہ حضرت سقراط بھی موجود پائے گئے ہیں۔

یہی زمانہ تھا کہ تصویر شکن عسفاسیہ کے حسن ظاہری و باطنی نے فیرقلیس جیسے شہنشاہ ذیجاہ کو اپنا مطیع و تابع فرمان کر لیا تھا۔ نقل ہے کہ ایکدن کسی شخص نے فیرقلیس سے دریافت کیا کہ آخر زمام سلطنت یونان کس کے ہاتھ میں ہے جواب ملا کہ میرے صغیر سن لڑکے کے ہاتھ میں۔ استعجاب سے سوال کیا کہ یہ کیونکر جواب پایا کہ میرا لڑکا اپنی ماں کے دل پر حکومت کرتا ہے اور وہ میرے دل کی مالک ہے میں یونان پر حکمران ہوں اور یونان تمام مہذب دنیا کا [illegible] رہے۔ یہ ڈھائی برس کی جان [illegible] یہ کا ہی مایۂ ناز تھا۔ عسفاسیہ شہنشاہ کے دل کی ہی ملکہ نہ تھی بلکہ ارباب نشاط کی سرتاج تھی۔

"بہت عرصہ نہیں گذرا کہ ہم لوگوں میں بھی وہ سب خوبیاں موجود تھیں کہ جنکی وجہ سے امرا و رؤسا کے ذی شعور بچے ہماری مجلسوں میں آداب نشست و برخاست اور صحیح محاورات زبان سیکھنے آیا کرتے تھے۔ ہماری نشستگاہیں [illegible] شائستگی کے لیے تہذیب آموزی کا مرکز تھیں [illegible] آداب بزم ہی میں ماہر تھے یا موسیقی و رقص ہی میں دستگاہ کامل رکھتے تھے [illegible] فنون [illegible]
[illegible]

تبسم و ترشح اشک ہمارے سحر کا ادنیٰ اثر تھے۔ جہاں ہمارے دلائل کی چاندنی میں مسئلہ نیک و بد کا اعتباری اور نسبتی لباس مثل پیراہن کتان چاک چاک ہو جاتا تھا۔ وہاں ہمارے براہین قاطع شکن کی دھوپ نوخیز کلیوں کی شبنم صباحی کو تاب فنا میں مائل پرواز کر دیتی تھی۔ صورت کے سونے کو ہم یہ تیز سہاگے سے وہ جلا دیتے تھے کہ جو ایک دفعہ صنم خانے میں آ جائے حسن و عصمت جوانی معدلت کا چڑھاوا چڑھا کے بتوں کا کلمہ پڑھتا جائے۔

مگر ہمارے کمالات بھی اسی پائے کے تھے۔ موسیقی ہم سے شروع ہوئی اور ہمیں پہ ختم ہوتی تھی۔ ہر موسم اور ہر فصل کا دیوتا جدا اور ہر وقت اور ہر ساعت کی دیوی اور اُن کے تیرہ بہار جائیں الگ۔ بے موسم و وقت کا راگ گانا گناہ سے بدتر ہو۔ ہر راگ راگنی کی صورت علیحدہ۔ ہر صورت انسانی جذبات و احساسات پر مبنی۔ ہر صورت پر مختلف لباس کھلتے ہیں۔ ایک ہی خیال اگر آب حالت بیم میں ادا ہوا تو دوبارہ رجا میں یعنی امید میں تو بعد ازاں یاس میں۔ ایک ہی لفظ کی تکرار ایک دفعہ درد ہجر سے بھری تھی تو دوسری مرتبہ آتش رقابت سے۔ تیسری بار شعلہ ندامت نے جلا کر دل خاکستر کر دیا۔ آواز میں نزع امید کا عالم ہے۔ جیسے منت کرتے ہوئے کہا تھا اُسے عاجز ہو کر کہا۔ بگڑ کے ادا کیا تھا تو سنگدل ہو کر ہنس کر سنا یا حسن نوخیز کا تاریخ ناکافی پایا تو وفا کا سردمہری اور بے اعتنائی سے مقابلہ کیا۔ مرد محبت کا بوالہوسی کو طعنہ دیا۔ کوئل و پپیہے سے بیزار ہو کر آہن گداز نازکی دھمکی دی، سوز جگر نے ستایا تو اُس پر آنسو چھڑکے۔ روغن اشک سے آگ بھڑکی تو آب خنجر سے بجھانا چاہا۔ ہمدرد مانع آئے تو کسی کی سردمہری یاد کر کے آتش شوق کو ٹھنڈا کیا عشق و محبت کا مضمون چھوڑا تو جگ تیاگ بن باسی ہوئے۔ ہر کی بھگتی کی۔ انگ بھبوت رما ہاتھ میں سمرن لے ست نام کا گیان کیا۔ یوگ سے من ہٹا تو صوم

صلوٰۃ کی طرف رجوع ہوئے شب و روز خشوع و خضوع میں گذارے۔ المختصر انسانی جذبات کے سب جاننے یک ہی بت طناز کو بنائے او ہر صورت اور ہر حالت میں اسے دکھایا۔ یہ سب آواز کے زیر و بم میں پیدا کیا اور چشم و ابرو سے بھی امداد چاہی۔ ایک زمانہ وہ بھی تھا کہ ہندوستان میں احساسات انسانی کی یہاں تک چھان بین کی تھی کہ راز زندگی تک رسائی ہو گئی تھی۔ احساسات اور آواز دونوں کے سروں کو اس طرح ملایا تھا کہ اگر ادھر چھیڑ ہو تو ادھر بھی لرزہ پیدا ہو۔ موسیقی سے مریض اچھے ہوتے تھے اور اکثر شفاخانے محض موسیقی پر مبنی تھے۔ ہر مرض کے لیے جدا وقت اور الگ راگ تھا جس سے روح کو فرحت اور جسم کو صحت ہوتی تھی اور بزرگوں نے تو راگ ہی کو تفکر کہا اور لکھا ہے۔ انسان کی زندگی بلکہ کائنات کے وجود کو راگ سے مطابقت ہے۔ ساز آہنی تاروں سے پُر ہوتا ہے اور انسان کے دل و دماغ رسانی تاروں سے پر ہیں ہر جذبہ ایک جدا طرب ہے اور ہر طرب اپنا جدا اثر رکھتی ہے۔ اسی طرح وجود کائنات بھی ایک قسم کا ساز ہے ع جس میں خوابیدہ زیر و بم ہیں ۔ اب بھلا یہ مذاق اور یہ سلامت طبع کہاں اور سچ بھی ہے کمال کا انحصار قدردان پہ ہوتا ہے۔ کیا محنت کرے اس فن پر اور کیا توجہ کرے اس سبب سے کہ نکتہ سنج قدر شناس اب یا تو معدوم ہیں یا معدودے چند۔ طباعی اور ندرت تو جدا اب تو سیدھے سادے راگ کے سمجھنے والے بھی کالعدم ہو چکے ہیں۔ ہم میں بھی اب یہ فن نقائص اور کثافت سے پر ہوتا جاتا ہے۔ روح کے مرہم ہم آہنگی سے ہم گریز کرتے ہیں جو تک خود ساز اب بے آہنگی اور بدنمائی سے ہم آغوش ہے۔ یا مذاق سماعت پر آجکل کی موسیقی سخت بارگراں گزرتی ہے مگر پرستش کی کمی اور قدر کے انعدام نے اس فن کو بھی مثل دیگر فنون کے زنگ آلود بلکہ زنگ خوردہ کر دیا ہے۔ ہاں مگر تنزل اور کہہ سکتے ہیں رقص پر نگاہ کیجیے تو اس سے بدتر کیفیت ہے۔ رقص بجائے خود ایک نہایت

یہ معنی اور [illegible] روحانی پیرایہ مبنی فن تھا۔ رقص فلکیات و کائنات جسکی ابتدا اور رقص ذرات جسکی انتہا ہے ماہران فن نے خدائے شیو کا ایک یہ بھی بت [illegible] کیا تھا [illegible] وہ مشغول رقص ہیں جسکے [illegible]ت و سکون کائنات کے رقص سے منطبق ہیں [illegible] سے آگے بڑھکر ہم نے جذبات و احساسات انسانی اور [illegible] قدرت کو بھی بذریعہ رقص قابل تشریح [illegible] رقص میں ہم نے شعرا کے خیال کی پرواز [illegible] نازو انداز کو مضمر کیا تھا جذبات انسانی اور کیفیات روحانی کا ہم رقص میں [illegible] کیا کرتے تھے۔ نغمہ [illegible] زبان و گلہ محض دست و پا کی حرکت و سکون [illegible] چشم و ابرو [illegible] سے ہم صنعت شاعری کی داد دیتے تھے اور تغزل کو رقص سے ادا کرتے تھے۔ خیر اب بھی ہمارے [illegible] رقص کی صورتیں قائم تو ہیں مگر ان میں کمزوری [illegible] میں ضعف آگیا ہے یہاں مجھے خیال آیا [illegible] نے اس فن کو زندہ [illegible] اور حسن تکمیل اور نزاکت صنعت کو بدرجۂ کمال پہنچا دیا ہے۔ اس فن کا [illegible] میں بالخصوص چرچا ہے ہر کس و ناکس اس فن میں ایک حد تک [illegible] ہے۔ مگر اس ملک کی سرمایۂ ناز رقاصہ پاولووا نے اس فن کی تکمیل کو اپنے [illegible] سے منفعل کر دیا ہے۔ اس نے رقص کی مختلف صورتیں ایجاد کی ہیں اور بہت [illegible] علمی و عملی [illegible] سے آراستہ کیا ہے اُسکے رقص میں استعارات و تشبیہات [illegible] اُسکے اعضا سیماب وار اور رقص پُر اضطرار میں صبا کی اٹکھیلیاں پیدا [illegible] سحری کا رنگ جماتے ہیں۔ ہر ٹھوکر سے شمع شب رفتہ کو بجھاتی ہے۔ سطح آب پر [illegible] ہلکی لہریں پیدا کرتی ہے سیمبروں کو خواب ناز سے ہشیار کرتی ہے اور چشم نیم باز پر شبنم کے چھینٹے دے کر انہیں جگاتی ہے۔ بلبل کے ترانے کو [illegible] زیب بعید پہنچاتی ہے۔ نور کی کرنیں حیا دفعتہ اپنے زرفشاں تیروں کا [illegible] کر دیتی ہیں۔ اسے نسیم سحری کا رقص کہنا بجا ہوگا

اس کی ایک صورت رقص کا نام شعلہ ہے۔ تو دوسرے کا نام نزع فانوس اور تیسرے کا سرور مے ناب۔ جس میں سے شعلہ کی یہ کیفیت ہے کہ رقاصہ ایک تاریک کمرے میں نمودار ہوتی ہے۔ حریر کی پوشاک زیب تن اور حریر کے دو پارچے ہاتھوں میں عالم رقص میں وہ ان دونوں پارچوں کو اسطرح جنبش دیتی ہے اور اُسپر اسوقت شعلہ رنگ روشنی ڈالی جاتی ہے کہ حریر کی لہروں میں شعلہ کی لپٹ کا انداز پیدا ہو جاتا ہے اور رقاصہ کے حرکت و سکون کا انداز ایسا ہوتا ہے کہ مجموعی حالت رقص میں اور شعلہ میں فرق نہیں معلوم ہوتا۔ اور انجام پر رقاصہ اس خوبی سے حرکت و سکون کرتی ہے کہ شعلہ کے رفتہ رفتہ بجھ جانے کا سماں بندھ جاتا ہے۔ اب اُس شعلہ میں جذبات انسانی کے بہت سے شعلے موجود ہیں۔ شعلہ عشق جدا ہے اور شعلۂ رقابت الگ۔ شعلۂ ہجر علیحدہ ہے اور شعلۂ شوق بھی۔ اسطرح ہمارے ہاں بھی رقص کی صدہا صورتیں تھیں اور اب بھی ہیں اس فن میں بھی ہم نے کمال پیدا کیا تھا اور ہمارے بادشاہوں اور راجاؤں کے درباروں میں دو دو کے باکمال ہوا کرتے تھے۔ مجھے یہاں خیال آیا کہ ملک الشعرا کالیداس نے اپنے مشہور و معروف ناٹک شکنتلا میں بار ہا اس فن کا ذکر کیا ہے۔ مثلاً جب راجہ دُشیانتا کی طبیعت ایک موقعہ پر ذرا گھبرائی اور مکدر ہوئی تو اُنھوں نے حکم دیا کہ یونانی رقاصہ بلائی جائے اس سے صاف ظاہر ہے کہ اگر راجہ دشیانتا کے دربار میں نہیں تو کم از کم راجہ وکرمادتیا کے دربار میں ضرور یونانی رقاصہ ہوگی ورنہ کالیداس کو یہ خیال ہی کیونکر گذرتا۔ بہرکیف میرے کہنے کا مطلب صرف اسی قدر ہے کہ زمانۂ سلف سے ہمارے ہاں یہ فن چلا آتا ہے اور اسے ایک زمانے میں ہم نے کمال کو پہنچا دیا تھا اور غیر ممالک کے رقص سے بھی فائدہ حاصل کیا تھا۔ اب لے دے کے صرف چند صورتیں رقص کی باقی ہیں جو مروج ہیں پہلا

بھاو۔ نرت روپ اور گت اب بھی باقی ہیں مگر فن سد تنزل پر ہے
میرے سعادت نہ ہزار چیزیں روبہ تنزل ہیں مگر سچ تو یہ ہے کہ اب بھی عقلمندان
زمانہ میں سے ہیں کوئی نہو گا آپ تو اپنی جماعت اور اپنے فن کا سر مایہ ہوتے ہیں
نازنین۔ میں کس قابل ہوں مگر حقیقت یہی ہے کہ ہم سب سب کمالات
روبہ تنزل ہیں اور بلکہ تنزل سے آخری نتائج پہنچ گئے ہیں یہی وجہ ہے کہ
اب ہم عوام کی نگاہ میں بھی گر گئے اور خود اپنی نظروں میں بھی ذلیل ہو گئے
کہ اب سوائے چند ہمارا نام مٹ گیا بجز حسن کے کام کے نہ رہے۔ ہمارا نام بھی
تحقیر سے لیا جاتا ہے اور ہماری جگہ دنیا کے اس ذلیل طبقہ میں مخصوص کر دی
گئی ہے کہ جہاں سوائے مریضان روح کے اور کسی کا گذر نہیں۔

ہوں تو میں بھی اسی جماعت کی ایک فرد۔ مگر جسم میں دل اور دل میں
ضمیر ضرور رکھتی ہوں ضمیر کی روشنی اور طبیعت کی رہبری نے مجھے اس دن سے
کہ میں نے ہوش سنبھالا اس راستہ پر ڈال دیا کہ جسکی منزل کٹھن ضرور ہے مگر
میرے خیال میں زندگی کے مقصود تک ضرور پہنچا دیتی ہے۔

آپ کی ہمدردی نے مجھے جرات اور ہمت دی کہ میں اپنے الم کی کہانی
سنا دوں ... وہ راز سربستہ ہے کہ جسکی محافظت میں روحانی جذبات ہر وقت مصروف ہیں
اور اگر آپ کی اجازت ہوگی تو پھر کسی موقعہ پر میں اپنی ذاتی سرگذشت از ابتدا تا انتہا
سناؤں کی مگر وہ درد اور مایوسی سے پر ہے۔

بہت دیر ہوئی تو دیکھا کہ سپاہ کان رخصت ہیں۔ کہکشاں شرق سے غرب
کو ہوئی پھر شمال کی طرف تیز ہے یعنی آسمان کا دور پورا ہو لیا ہے طلوع مہر قریب
ہے ... کا پردہ چاک ہوا چاہتا ہے جھلملاتے تاروں کی چھاؤں میں تھوڑی دیر
باہر ٹہلا اور اپنے مہمانوں کو رخصت کر خیرباد کہہ اندر آیا۔ اور یوں ہی عسفا سیہ اور

# لکھنؤ کے مشاعرے

ایک زمانہ وہ تھا کہ ہندوستان میں اُردو کو ترقی دینے۔ اُردو کو ترقی کے زیورات سے آراستہ کر کے اسے دُلھن بنانے کے لیے کیا کیا کوششیں ہوتی تھیں ایک آج کا دن ہے کہ اردو عجب کس مپرسی کے عالم میں پڑی ہوئی ہے اور بجائے ترقی دینے کے اسکو رہے سہے درجے سے بھی گرانے کی کوششیں ہو رہی ہیں اس زمانے میں اُردو بیچاری کی جو کچھ بُری گت ہے وہی اسکی شاعری کی بھی ہے تاہم شاعری کے لحاظ سے ہندوستان میں لکھنؤ کا دم غنیمت ہے۔ آج کے لکھنؤ کے مشاعروں میں گو وہ چہل پہل نظر نہیں آتی جو اساتذۂ ماسبق کے زمانے میں نظر آتی تھی کہ ہر ہر مشاعرے میں سیکڑوں ہزاروں کا مجمع ہوتا تھا۔ اعلےٰ سے اعلےٰ کلام پڑھا جاتا تھا اور نہایت فراخدلی سے داد سخنوری دی جاتی تھی تاہم آج بھی لکھنؤ کے مشاعروں کی مختصر صحبتوں میں لکھنؤ کے زمانۂ عروج کی ایک جھلک نظر آتی ہے۔ باتکلف شعرا کے حلقے میں صاف سُتھرے حقوں اور نفیس پیچوانوں کے دائرے کا مشاعرے کی رونق کو دوبالا کرنا او سانچی جدا گانہ آوازے شعرا کا دل بڑھانا۔ مہماں نوازی کی اشیا سے حاضرین کی تواضع ہونا۔ ہر شاعر کے شعرا کے حلقے میں داخل ہونے سے تشریف فرما ہونے تک بسم اللہ۔ بسم اللہ کی آوازوں کا ہر چھوٹے بڑے کی زبانوں سے نکلنا اور حلے قدر مراتب آنے والے اشخاص کے خیر مقدم کے لیے محفل کے ہر ہر فرد کا جنبش میں آنا اور خاص اخلاق سے مزاج پرسی کرنا وہ سماں پیش نظر کرتا ہے جس سے نوابی اور شاہی زمانے کے اور [illegible]

وہ دلکش باتیں ہیں جو لکھنؤ کے مشاعروں کو دوسرے مقامات کے مشاعروں پر فوقیت دیتی ہیں۔

گو لکھنؤ میں کوئی بڑا مشاعرہ مہینوں دیکھنے میں نہیں آتا مگر چھوٹی چھوٹی صحبتیں آئے دن ہوتی رہتی ہیں جس میں بعض بعض شعرا اپنی کرشمہ نگاری کے چرچے کو تازہ کرتے رہتے ہیں۔ لکھنؤ میں ہمیں تین قسم کے مشاعرے دیکھنے کا اتفاق ہوا۔

(۱) معیار پارٹی کے مشاعرے جن میں لکھنؤ کے بیشتر مشاہیر شعرا شریک ہوتے ہیں اور اس میں لکھنوی خصوصیات کی خاص جھلک نظر آنے کے علاوہ پابندی وقت کا خاص طور پر خیال رکھا جاتا ہے۔ کاش کہ ہم یہ لکھنے کے قابل ہوتے کہ ان مشاعروں میں تمام مشاہیر شعرائے لکھنؤ شریک ہوتے ہیں۔ معیار پارٹی کے مشاعروں میں بھی شعرا کی تعداد تیس پینتیس سے تجاوز نہیں کرتی اور سامعین بہت ہی کم ہوتے ہیں۔ برخلاف اور شہروں کے جہاں شعرا سے سامعین کا مجمع بہت زیادہ ہوتا ہے۔

ذیل میں ہم معیار پارٹی کا ایک اطلاع نامہ درج کرتے ہیں جس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ حضرات لکھنؤ اردو اور اردو شاعری کی کس طرح خدمت کرتے ہیں اور کرنا چاہتے ہیں۔

(اطلاع نامہ جو جناب ایڈیٹر صاحب رسالہ معیار کی طرف سے جاری ہوا۔

وہ اپنی خو نہ چھوڑینگے ہم اپنی وضع کیوں چھوڑیں
سبک سر بنکے کیا پوچھیں کہ ہم سے سرگراں کیوں ہو

عرصہ سے اس بات کی سخت ضرورت محسوس ہو رہی ہے کہ لکھنؤ میں جو کہ اردوئے معلیٰ کا مرکز مانا جاتا ہے ایک مستقل بزم ادب قائم کی جائے اور وہ اردو شاعری کا ایک ایسا اسکول ہو جو تمام شعرا کا مطمح نظر ہو سکے۔ مگر افسوس ہے کہ یہاں کئے با اثر شعرا نے

ابتک کوئی توجہ ادہر نہ فرمائی بلکہ فی الحال بعض اسباب سے میدان غزل گوئی میں وہ اگلی سی چہل پہل نظر نہیں آتی۔ قاعدہ ہے کہ جو جسکا مذاق ہوتا ہے اُسکو اپنے ہم مذاق میں زمانے کے نشیب و فراز سے جو جو اثر پڑتا ہے مخصوص ہوتا ہے اور وہ اپنے جذبات پر ذوق کے خلاف تغیر و تنزل کا زیادہ اثر لیتا ہے ازبسکہ میرا خلقی محبوب مشغلہ شعر و شاعری ہمدردی زبان اُردو واقع ہوا ہے مجھ سے چپ چاپ نہ بیٹھا گیا۔ لہذا اب ایک حد انتظار کے بعد قطعی ناامیدی ہوئی کہ کوئی اور انشاءاللہ کا بندہ زبان کا بہی خواہ اُردو شاعری کا دلدادہ اسطرف متوجہ ہوگا آخرکار اپنی فطرت سے مجبور ہوکر ہمت کی کہ ایک مشاعرہ شروع کردیا جائے اور اپنے خاص خاص احباب کی مدد سے اپنے ارادوں میں کامیابی کی آرزو کی جائے مہینے میں صرف ایک مرتبہ سرفرازی کی زحمت دی جائے گی امید ہے کہ آپ میری امداد کرنے میں عمداً کمی نہ فرمائیں گے۔

(عریضۂ ادب)

ہندوستانی چوتھا مہینہ ۱۳۳۰ھ بحساب ۳۰۔ دس تاریخ شب ماہ ۱۲ بجے باندہ والی گلی میں نواب حاجی بیگم صاحبہ کے مکان پر زحمت تشریف آوری گوارا فرمائیے احسان ہوگا مشاعرہ حتماً ۸½ بجے انشاءاللہ شروع کردیا جائے گا

طرح بہار آئی ترقی ہے جنون فتنہ ساماں کی۔

برائے مطلع۔ زنداں۔ گریباں۔

(دیگر قوافی)

پیکاں۔ درماں۔ جاناں۔ پریشاں۔ بیاباں۔ زنداں۔ ساماں۔ سوزاں پنہاں

آبر بقلم

(اغراض مشاعرہ)

(۱) اُردو ادب کے ترقی کی دلچسپ اور سنجیدہ عملی کوشش
(۲) مذاق سلیم کی معنوی واضع اور نمایاں انتہائی قوت کی عملی نمائش سے تحریک پیدا کرنا۔
(۳) باتباع مذاق سلیم اردوے معلی کی نیرنگ داشت کرنا
(۴) محاورات و اصطلاحات کی بلا تصرف و تغیر حفاظت۔
(۵) الفاظ زوائد سے پرہیز اور بازاری بول چال سے احتراز۔
(۶) مضامین رکیک کے شایستہ عنوان سے انسداد کی ترغیب دیتے رہنا۔
(۷) دوسری زبانوں کے غیر مانوس الفاظ سے کنارہ کشی۔
(۸) غیر زبان کے مانوس الفاظ بھی اُسوقت تک نہ صرف کرنا جبتک کہ اپنی زبان میں اُسکا بدل موجود ہو۔

(خلاصہ مذاق سلیم)

(۹) ایسا شعر جو مہذب گروہ میں باپ اپنے فرزند کے سامنے اور بیٹا اپنے باپ کے سامنے پڑھ سکے۔

(آداب مشاعرہ)

الف پہلے اردو زبان کے متعلق ایک نہایت مختصر لکچر۔
ب۔ بپابندی وقت اساتذہ کے کلام سے مشاعرہ شروع کرنا۔
ج۔ مہمانوں کی تعظیم و تکریم میں مساوات ملحوظ رکھنا اور مصرع برابر پڑھنا داد سخن دینا۔
د۔ اشعار طنزیہ و فخریہ نہ خود پڑھنا نہ دوسروں کا پڑھنا پسند کرنا۔
ھ۔ صرف طرحی غزل کے بخیال طوالت وقت پندرہ شعر خود بھی پڑھنا اور ہم معاصرین سے اُمید کرنا۔

د - بانیِ مشاعرہ کو نہایت توجہ سے اس بات کی اصلاح کرتے رہنا کہ شعرا میں باہمی کوئی سرگرانی نہ پیدا ہو۔

ح - دوسرے شہر کے نو وارد شعراء کو پہلی مرتبہ آداب مشاعرہ سے آزاد سمجھنا۔

ط - بانیِ مشاعرہ کا ہر شاعر سے خلوص اخلاق سے غزل طلب کرنا اور عذر و انکار سے بددل نہ ہونا۔

ی - بعد ختم مشاعرہ نہایت شائستگی سے مہمانوں کا شکریہ ادا کرنا اور آیندہ سرفرازی کی تمنا کرنا۔

## نوٹ

ہر طرح کے ساتھ چند قوافی پیش کرنا اگرچہ میرا نصب العین ہے تاہم جو شعرا اس پابندی کو ناپسند فرمائیں وہ اپنی رائے عالی کے مختار ہیں۔

آبر نقلم

ہم معیار پارٹی کے ایک مشاعرے کی چند غزلیں ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں یہ مشاعرہ حضرت بلیغ کے مکان پر منعقد ہوا تھا:

جناب سید علی صاحب آبر لکھنوی ایڈیٹر رسالہ معیار

دیکھتا ہوں جہاں میں کیسا نہ ہوا — کام کوئی مگر مرا نہ ہوا
بس بنا لی وہیں یہ خلوت گاہ — نہیں جگہ کوئی دوسرا نہ ہوا
ضبط غم بات میں جو فرق آیا — حق وفا کا کوئی ادا نہ ہوا
ظلم سے پہلے شکوہ سنجیِ ظلم — اک [illegible] گلا نہ ہوا
[illegible] — جو [illegible] آشنا نہ ہوا
ایسی صورت پہ ہے نظام فلک — کوئی نالہ مرا رسا نہ ہوا
[illegible]

دیکھتا کوئی دیکھے آئینہ — اس جگہ ہائے دل مرا نہ ہوا
جسکو دیکھے دل نے پیدا کیا — شکر ہے وہ مرا خدا نہ ہوا
جستجو میں نہ اپنی شعلہ آیا — قطع جب تک یہ آسرا نہ ہوا
وہ بھی ہیں ہم زبان [illegible] — کبھی کوئی مرا کہا نہ ہوا
غم دنیا میں [illegible] — کیا ہوا ہم سے اور کیا نہ ہوا
دل کی حرکت [illegible] — شکر ہے درد لا دوا نہ ہوا
نزع میں [illegible] — کو بُرا وقت تھا بُرا نہ ہوا

پڑھ لیا [illegible] پیشانی
جب تو میں قسمت آزمانہ ہوا

حضرت محشر لکھنوی

ادب عاشقی ادا نہ ہوا — اُن سے [illegible] اور نشانہ ہوا
تم نے دنیا اُلٹ دی [illegible] — اک قیامت ہوئی گلا نہ ہوا
شرم آتی ہے [illegible] — کیا ہوا زندگی میں کیا نہ ہوا
اس جوانی [illegible] صدقے — دل سے تیرا اپنا خود جدا نہ ہوا
ہائے ہم خون دل [illegible] — ناوک ناز کا کھلا نہ ہوا
ہم نشان وفا [illegible] — [illegible] ادا نہ ہوا
او جفا کیش [illegible] کیا — وعدۂ ظلم بھی وفا نہ ہوا
یوں میں [illegible] بیٹھا — دوست دشمن کوئی خفا نہ ہوا

رمز غیب عشق [illegible]
[illegible] ہم سے وہ [illegible] نہ ہوا

[illegible] لکھنوی

عشقِ مظلوم بے خطا نہ ہوا    حُسن اچھوں میں بھی بُرا نہ ہوا
سونے والوں کو کیا خبر شبِ ہجر    کیا ہوا ایک شب میں کیا نہ ہوا
ایک مدت ہوئی ہے غم سہتے    دل مگر درد آشنا نہ ہوا
وصل کی رات بھی ہوا نہ تمام    ہجر کی شب ہوئی گلا نہ ہوا
ہنس کے بھی رو کے بھی کہا لیکن    مطلب دل کبھی ادا نہ ہوا
بستر اُٹھا نہ کوئے قاتل سے    شکر ہے پاس بوریا نہ ہوا
اک بلا تھی جو یہ گرہ کھلتی    عقدۂ دل بھلے کو وا نہ ہوا
کیا کہے بے زباں اسیرِ قفس    کیوں ہوا قید کیوں رہا نہ ہوا
جانگزا تھا غمِ فراق مگر    آپ خوش تھے تو کچھ بُرا نہ ہوا
آشنا تھا مذاقِ عشق سے دل    تلخکامی سے بے مزا نہ ہوا
میں کہاں تک فروتنی کرتا    جب تمھیں پاس وضع کا نہ ہوا
میں عجب گھر میں ہوں کہ جس کا در    بند ہونے کے بعد وا نہ ہوا
غم دیا ہے تو کچھ اضافہ کر    دینے والے مرا بھلا نہ ہوا
کھنچ گئی حشر میں زمینِ لحد    کوئے قاتل سے میں جدا نہ ہوا

حسرتِ ذبح رہ گئی ثاقب
یہ فریضہ مرا ادا نہ ہوا

## حضرت بلیغ لکھنوی

طے محبت کا راستا نہ ہوا    تو ہی جبتک کہ رہنما نہ ہوا
ٹکنے دیتا جو در پہ وحشی کو    کوئی اتنا بھی آشنا نہ ہوا
کبھی نکلی نہ آرزو دل کی    ایک دن اُنکا سامنا نہ ہوا
ترا دربار سمجھ کے کو نہ پھرا اس لکھا کہ [illegible] نہ ہوا

اپنے زمانے کا رنج ہے تو یہ ہے　　تیرے در پہ یہ واقعہ نہ ہوا
نہ اٹھا درمیان سے پردہ　　آج بھی طے یہ مرحلہ نہ ہوا
نہ کسی نے خبر لی آہ بلیغ
نہ ہوا کوئی آپ کا نہ ہوا

بقیہ غزلوں کا انتخاب آئندہ نمبر میں درج ہوگا۔

دوسری قسم کے مشاعرے وہ ہیں جنکا تعلق معیار پارٹی سے نہیں ہے۔ ان میں لکھنوی تکلفات کے علاوہ پابندی وقت اور خاص خاص حضرات کے انتظار میں ہندوستانی وضعداری کو بہت زیادہ دخل ہے انکو معیار پارٹی کے قواعد سے کوئی تعلق نہیں ہوتا ان میں بعض بعض مشاہیر شعرائے لکھنؤ بھی شریک ہوتے ہیں۔

تیسری قسم کے مشاعرے یعنی طلبا کے مشاعرے لکھنؤ کے بعض مدارس میں شام کو ہوتے ہیں اور کالج میں بھی چنانچہ ہمیں کیننگ کالج کے سالانہ مشاعرے میں شریک ہونے کا اتفاق ہوا اس میں نہ تو لکھنوی تکلفات کو کوئی دخل تھا نہ یہاں لکھنؤ کے مروجہ اخلاق تہذیب کا اتباع زیادہ ضروری سمجھا جاتا تھا بعض مشاہیر شعرائے لکھنؤ اسمیں شریک نہیں تھے جسکے دو وجوہ بیان کیے جاتے ہیں ایک یہ کہ مشاہیر شعرائے لکھنؤ ایسی صحبتوں میں شریک ہونا پسند نہیں کرتے دوم غالب کا طرفدار گروہ اس وجہ سے شریک نہیں ہوا کہ کالج کے کسی گذشتہ مشاعرے میں کالج کے کسی طالب علم نے چند بے تکے الفاظ جوڑ کر ایک بے معنی غزل پڑھی اور اسکو غالب کے رنگ کی غزل بیان کیا تھا۔ اس مشاعرے میں حضرت ظریف لکھنوی (جو لکھنؤ کے بہترین ظریف شاعر ہیں) بھی شریک جلسہ تھے مگر انکی غزل بعض صاحبان کی غزلوں سے قبل پڑھی گئی جس سے ان لوگوں کی غزلوں

اخر بڑا ۔

لکھنؤ کے چند مشاہیر شعرا ایسے بھی ہیں جو اکثر مشاعروں میں شرکت نہیں کرتے اور یہ وہ شکایت ہے جو اکثر مقامات پر بعض شعرا کی نسبت کیا کی ہے ذیل میں ہم کیننگ کالج کے چار طلبہ کی غزلیں درج کرتے ہیں۔ پہلے یہ کالج کے طلبا کی طرف سے دوران مشاعرہ میں تمغہ جات دیئے جانے کا اعلان ہوا رگھونندن کشور صاحب شوق کو حضرت چکبست لکھنوی کی رائے پر تمغہ دیا گیا جو بہترین غزل پڑھنے والے طالب علم کے لئے پروفیسر رائے صاحب کی طرف سے رکھا گیا تھا اور شعرا اور سامعین کے نزدیک غیر معمولی طور پر اچھا تھا پیش کیا گیا تھا۔ لیکن بعض مشاہیر شعرا ہاشمی صاحب کی غزل کو ترجیح دیتے ہیں۔

(ایڈیٹر)

جناب سید ... صاحب شاد

تڑپے تھے عمر بھر خلش انتظار میں ... بعد قضا بھی چین نہ آئی مزار میں

گردش وہی ہے بعد فنا بھی غبار میں ... کیونکر جیرے نہ سوق ہو انتشار میں

تقسیم تھا جو درد و الم روزگار میں ... سب کھنچ کے آگیا ہے دل بیقرار میں

کہتا ہے عشق دیکھ لو عاشق کو مرتے دم ... کتنا سکون قرب ہے آسودہ خاک میں

شہ رگ کے ساتھ منزل ہستی بھی کاٹ دی ... دو مرحلے تھے ایک ترے خنجر کی دھار میں

ذوق فنا بھی کشمکش شوق دید بھی ... لب تشنگی سے نکلا ہے دم انتظار میں

اک دل ہی رہ گیا تھا کہ تھا جس پہ ناز عشق ... بیٹھا ہوں اس سے چھوٹ کے بزم نگار میں

دل خون ہو گیا پہ نہ چھوٹے تیرے قدم ... مشغول ہے حنا بستہ پائے روزگار میں

ناشاد راز عشق کا شکوہ نہ کیجئے ... قابو میں ہے زبان نہ دل اختیار میں

دریاں کی اک نگاہ نے سب کو فنا کیا ... کیا کیا تھے ... امیدوار میں

ترا در یاد مجھے لو ... ... ...

غش میں ادھر رہا ارنی گوئے اوج طور — آواز گونجتی رہی واں کوہسار میں
ذات وداں سے ایک تلاطم ہوا بپا — کس حد کا اضطراب تھا مشت غبار کو
کھلنے سے فصد جوش جنوں اس کی توبہ — یہ درد بڑھ گیا ہے دل بیقرار میں
رہ رہ کے آپ خواب سے کیونکر نہ چونک اٹھیں — شاید تڑپ رہا ہے کوئی انتظار میں
دینے لگا دوا کے عوض اب تسلیاں — یہ کیا سما گئی دل تیماردار میں
نکلا نہیں ہے دم یہ کسی بے گناہ کا — دنیا الٹ گئی نظر ہوشیار میں

اے شاد دیکھو آتش گل کے فروغ نے
خود اپنے گھر میں آگ لگا دی بہار میں

## کلام کنور صاحب شوق

کیوں خاک اڑا رہی ہے صبا کوئے یار میں — یہ شوخیاں یہ بے ادبی اس دیار میں
بوئے وفا نہیں چمن روزگار میں — کیسی بہار آگ لگے اس بہار میں
پابند کب تھے اہل جنوں عقل کے مگر — وحشت اب اور بڑھ گئی فصل بہار میں
کچھ پھول سرخ سرخ ہیں کچھ پھول زرد زرد — رنگ خزاں شریک ہے رنگ بہار میں
نیند آئے گی نہ وعدۂ فردا کی یاد میں — آنا اگر کبھی نہ ملے گا مزار میں
یہ جانتے ہیں فرشتوں کے کون آسکتا یہ — گرمی غضب کی ہے مری خاک مزار میں
تصویر انقلاب ہے ہر چیز دہر کی — رکھا ہے کیا زمانۂ بے اعتبار میں
آئینہ کیا ہے دنگ ہوا آئینہ ساز بھی — شان الٰہ دیکھ کے روئے نگار میں
زلف سیاہ آپ کی ہو جائے گی سفید — فرق آئے گا نہ گردش لیل و نہار میں
مردہ دلوں کو جام محبت کا کیا مزا — پنہاں ہے بوئے عشق مئے خوشگوار میں
رخ سے نقاب الٹ کے وہ نکلے ہیں سیر کو — یا جانی نے کھیت کیا ہے بہار میں
دنیا میں نیکیوں کا عوض ہے سلوک بد — پتھر لگائے ہیں شجر میوہ دار میں

کثرت میں بھی فقیر کو آئے خدا نظر
مجنوں نے دیکھا محمل لیلیٰ غبار میں

آنکھیں ہیں بند اور تصور ہے آپکا
کیا جان پر بنی ہے شب انتظار میں

آئیں گے غش یہ عرش ارنی گو سے طور کو
ظالم پھبن غضب کی ہے تیرے نکھار میں

آئیں گے بعد قتل اگر فاتحہ کو آپ
دیت اسی کو سمجھینگے عاشق مزار میں

کافی ہے بہر سیر مری چشم اشک ریز
کیا جا کے آپ دیکھیے گا آبشار میں

مانا کہ میرے دیدۂ گریاں کا ہے جواب
لیکن یہ زور شور کہاں آبشار میں

دیوانگیِ شوق عجب رنگ لائی ہے
اترا ہے پھٹ کے پیرہن آخر غبار میں

چودھری رحم علی صاحب ہاشمی تلمیذ حضرت عزیز لکھنوی

شعلے بھرے ہوئے ہیں دل داغدار میں
یہ آگ جل رہی ہے کسی یادگار میں

یہ اضطراب تھا مجھے شب ہائے تار میں
یا بجلیاں بھری تھیں دل بیقرار میں

کیا جاؤں انکے سامنے لے آرزوئے شوق
وہ رقت ہے کہ دل ہی نہیں اختیار میں

قاصد یہ مشق ناز و ادا کر رہے ہیں وہ
گھٹ گھٹ کے مر رہے ہیں یہاں انتظار میں

کمہلا گیا جو پھول چڑھایا گیا کوئی
گرمی ہے اسقدر مری خاک مزار میں

صحت مریض غم کی ہے موقوف موت پر
آتی نہیں یہ بات دل غمگسار میں

جوش نمو سے بال و پر طائر قفس
کیا رنگ لائے دیکھیے اب کی بہار میں

آنکھوں پہ ہاتھ اور ندامت سے سر ہے خم
کیا چیز دیکھ لی ہے انھوں نے غبار میں

کیا آ گیا ہے آبلہ پا دشت میں کوئی
تیزی پھر آ گئی ہے ہر اک نوک خار میں

دفتر ہے ایک اہل محبت کے واسطے
پوچھو کیا ہے زندگی مستعار میں

آنکھیں پھری ہیں ہاتھ جگر پر دھرا ہوا
یوں ہے مریض ہجر ترے انتظار میں

پیدا ہوئی مرے نفس مضطرب کے ساتھ
ذرات کی کشش چمن روزگار میں

دونوں جہان تیری نگاہوں میں ہیچ ہیں
کیا چیز آ گئی ہے دلِ بیقرار میں

یارب یہی دعا ہے ہر اک اہلِ درد کی
سو بار زندہ ہو کے مریں انتظار میں

روتے ہوئے وہ گورِ غریباں سے آئے ہیں
شاید پڑھا ہے کچھ کسی لوحِ مزار میں

وہ دن گئے کہ محوِ طلسمِ خیال تھے
اب زندگی ہے کشمکشِ روزگار میں

آئے بھی اور چلے بھی گئے رہروانِ عشق
ہم ہیں کہ تھک کے بیٹھ رہے کوئے یار میں

عادات کے مطیع خیالات سے تمام
افسوس ہے کہ دل ہی نہیں اختیار میں

دل جائے کیا [illegible]
اک آگ سی لگی ہے دلِ بیقرار میں

چودھری تربھون ناتھ صاحب بسمل

محفل کا رنگ اُنہیں کے ہے بس اختیار میں
[illegible] جو پیکے اُٹھتے ہیں خمار میں

جوشِ جنوں کا ہے یہ تقاضا بہار میں
اُلجھے نہ رہیے پیرہنِ تار تار میں

بیٹھا تصورِ دُرِ دندانِ یار میں
موتی پرو رہا ہوں میں آنسو کے تار میں

اک وہ جنہوں نے وعدہ وفائی کبھی نہ کی
اک میں کہ ساری عمر کٹی انتظار میں

ہیں سخت جاں حضورِ نزاکت کی جان پر
گردن مری کٹے گی بھلا ایک وار میں

بدمست ہو کے رند چلے میکدے سے پھر
کیا جانے کیا اثر ہے ابرِ بہار میں

آ جائیے کہ دل کو میسر سکون ہو
گھبرا رہی ہے روح مری انتظار میں

پھیلی ہوئی ہے داغِ محبت کی روشنی
دل ہے کہ اک چراغ ہے کنجِ مزار میں

فریاد و آہ و نالے پہ شکوہ نہ کیجیے
ہم کیا کریں کہ دل ہی نہیں اختیار میں

تم کو غرورِ حسن ہے مجھ کو جنونِ عشق
میں اختیار میں ہوں نہ تم اختیار میں

چھٹتے ہیں اب کہ دیکھیے ہوتا ہے حکمِ قتل
صد شکر ہم بھی آ گئے ہیں اُنکے شمار میں

ابھی ہیں لطف کیا تری وعدہ خلافیاں
بیٹھا ہوں [illegible] شبِ انتظار میں

ہوتا ہے جو بھی ہو کے رہے گا وہ ایک دن — کیا دخل ہے مشیت پروردگار میں
محدود تھا نظام وفا تا فنا سے دل — ذرے یہ اب وہی ہیں پریشاں غبار میں

خنجر بکف وہ شوخ نہ تڑپوں تو کیا کروں
بسمل بھرا ہے جوش دل بیقرار میں

### جناب نواب حامد علیخانصاحب حامد لکھنوی بیرسٹر ایٹ لا

منحرف ہم سے گو زمانہ ہوا — پر کسی کا کبھی گلا نہ ہوا
ایک بھی گو مرا کہا نہ ہوا — آپ راضی رہے برا نہ ہوا
مجھکو جب تیرا آسرا نہ ہوا — سب برابر ہوا ہوا نہ ہوا
منقلب ایسا کچھ زمانہ ہوا — دوستی میں بھی کچھ مزا نہ ہوا
دل کی قوت کو کیا بھلا جانیں — تو ہی جب صبر آزما نہ ہوا
یوں تو سب کچھ ہوا زمانے میں — ہم نے چاہا وہی ذرا نہ ہوا
جو کیا تو نے وہ کیا سب نے — جو کہا اس کے ماسوا نہ ہوا
سارا عالم مطیع ہے تو ہو — کیا ہوا جبکہ تو مرا نہ ہوا
انقلاب ایسے میں نے ہی دیکھے — سب ہوا پر مرا کہا نہ ہوا
زندگانی سے کیا ہوا حاصل — جب وہ جان جہان مرا نہ ہوا
فائدہ ایسے وعدہ کرنے سے — بھولے سے جو کبھی وفا نہ ہوا
پیٹھ پیچھے شکایتیں لاکھوں — شکر ہے رو برو گلا نہ ہوا
آئے وہ پر نہ آنے کے وعدے پر — ہاں ہوا پر مرا کہا نہ ہوا
یاد جو ملک کو رہے زیبا — ایک کام اے مرے خدا نہ ہوا

ہائے حامد انہیں جو یاد رہے
مر کے بھی ایسا واقعہ نہ ہوا

# حسن سعادت

(سلسلہ کے لیے اپنا نمبر ملاحظہ ہو)

(۴)

قیصر نے وہی سامان شروع کرنے دوسرے ہی شام کو علیگڈھ روانہ ہوگیا چلتے وقت اپنے جمیلہ کو محبت اور شکرگزاری کی میٹھی نظروں سے دیکھکر غمگین آواز سے خدا حافظ کہا جو کانوں کی راہ سے اسکے نازک دل میں اتر گئی بڑی بڑی مخمور آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے اور اُس وقت قیصر کا دل بھر آیا لیکن وہ مرد تھا ضبط سے کام لیا اور ... اتنا کہتا ہوا رخصت ہوا اس بے موقع تبسم نے غریب جمیلہ کو دھوکے میں ڈالدیا لیکن وہ قیصر سے بدظن نہ ہوئی دل میں بہت بدگمانیاں پیدا ہوئیں مگر وہ ندی کی لہروں کی طرح اچھل کود کر نکل گئیں اور اسکا آئینۂ دل گرد کدورت سے پاک رہا ۔

قیصر کے جانے کے بعد جمیلہ نے اپنی بدمزاج ساس کے خوش رکھنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا معمول تھا کہ صبح اٹھ کر وضو کرتی سحری ادا کرتی پھر تلاوت قرآن میں گھنٹہ بھر مشغول رہتی ... صفائی کی تاکید کرکے اپنی نگرانی میں کھانا پکواتی ... کو کھلا کر خود کھاتی گھر کا حساب لکھتی خرچ دیتی دوپہر کو جب ... ہوتیں تو انکے پاس بیٹھکر آہستہ آہستہ ... آجاتی ۔ شام کو پھر اسیطرح انتظام کرتی ... رات کے ... کاموں سے فارغ ہوکر سونے لیٹتی لیکن ... رات گئے تک نیند نہ آتی ... قیصر کے بغیر گھر سونا معلوم ہوتا دن جدائی کی

مصروفیت میں کچھ معلوم نہ ہوتا لیکن جدائی کا جانگسل درد رات کو جگر میں نشتر چبھویا
کرتا اور وہ قیصر کے خیال میں پہروں پیکر بیحس کی طرح ساکت وصامت پڑی
رہتی اسی انہماک کے عالم میں ٹھنڈی ہوا کے تیز جھونکے لوریاں دے دیکر سلادیتے۔

اسی طرح دو ہفتے گذر گئے اس مدت میں اس نے خورشید امن کو ناراض ہونے کا
موقع نہ دیا لیکن عادت کے مطابق وہ اپنی نیک اطوار بہو پر دن میں دو ایک بار
بک جھک لیا کرتیں مگر جمیلہ نے آیہ کہہ کر قصور ہوا بات کو مختصر کر دیتی خصوصاً جیسے
نوکروں پر آفت آتی تو وہی ان لوگوں کا الزام اپنے سر لیتی اور جن مصائب اور
سختیوں کا مقابلہ ہوتا انھیں نہایت علو حوصلگی سے برداشت کرتی ایک روز کا
ذکر ہے جمیلہ سے اسکی ہجولی ملنے آئی جسکی خاطر تواضع کی وجہ سے وہ باورچیخانے
نہ جا سکی اتفاق سے اسی روز سالن میں نمک تیز ہو گیا جب دسترخوان چنا گیا
اور سب کھانے بیٹھے تو کسی نے کچھ نہ کہا لیکن جمیلہ کی ساس نے حشر برپا کر دیا
سالن کا پیالہ اٹھا کر انگنائی میں پھینکا۔ نمک کے عوض غریب جمیلہ کو سیکڑوں
صلواتیں سنائیں مگر اس نے اپنی زبان سے ایک حرف نہ نکالا سر جھکائے سنا کی
جب وہ بک جھک کر خاموش ہوئیں تو جمیلہ ہاتھ جوڑ کر عفو تقصیر کی خواستگار ہوئی
یوں مطلب نہ نکلا تو قدموں پہ سر رکھ دیا لیکن انھوں نے بڑی بیدردی سے سر
ٹھکرا دیا یہ جابرانہ برتاؤ دیکھ کر قیصر کے والد سے نہ رہا گیا بیتاب ہو کر بول اٹھے۔

افسر حسین۔ یہ تمھیں کیا ہو گیا ہے جمیلہ کا کیا قصور ہے اگر خطا بھی ہوتی تو تمھیں
معاف کرنا لازم تھا دیکھو کس عاجزی سے ہاتھ جوڑے قدموں پہ گری ہے سر اٹھا کر
سینے سے لگا لو۔

افسر حسین کی اس ہمدردی سے وہ اور چراغ پا ہوئیں نتیجہ یہ ہوا دونوں میں
طول کلام ہوا جمیلہ نے بہت کوشش کی کہ افسر حسین خاموش ہو رہیں لیکن کام نہ

آخرکار افسر حسین نے سنجیدہ ہوکر جمیلہ کو سمجھا بجھا کر اسکے میکے سوار کردیا گو وہ اس امر پر کسی طرح رضامند نہوتی تھی لیکن خسر کی سدول جلی ہوتے دیکھکر مجبور ہوگئی اور زار زار روتی ہوئی میکے سدھاری۔

(۵)

جمیلہ کے جاتے ہی اسکی مغلوب الغضب خوشدامن نے قیصر کو ایک خط لکھا جسمیں جمیلہ کی نسبت نہایت نا ملائم الفاظ تحریر کیے اور جہاں تک اسکی بدسرشت طبیعت نے یاری دی ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر برائیاں رقم کیں اور نہایت احتیاط سے اپنی مہر لگا کر لفافہ بند کرکے ڈاک میں ڈالنے کو دیا۔

بیچارے افسر حسین کو مطلق اطلاع نہوئی کہ انکی مطیع و عفت مآب بہو کی نسبت کیا کیا زہر اگلا گیا ہے انہیں خیال تھا تھوڑی دیر میں بیوی صاحبہ کا غصہ اتر جائے گا پھر خود ہی بہو کو بلوا لیں گی لیکن انکا خیال اغوا اور گمان غلط ٹھہرا انکی زوجہ کو زیادہ غصہ یہ تھا کہ انھوں نے تاانکہ برابر لونڈیا کی جنبہ داری میں میری عزت و وقعت کا خیال نہ کیا وہ بہو سے پورا انتقام لینے پر آمادہ تھیں اور اپنی پوشیدہ کارروائی میں بہت کچھ کامیاب بھی ہوئیں یعنی گڈھ خط روانہ ہونے کے چوتھے روز قیصر کا خط افسر حسین کے پاس آیا جسمیں اول سے آخر تک جمیلہ سے اظہار ناراضگی کیا گیا تھا اس نے لکھا تھا مجھے وہم و گمان بھی نہ تھا کہ جمیلہ کا یک اسکا مزاج بدل جائے گی وہ تو دیکھنے میں مستقل مزاج سنجیدہ اور خلیق معلوم ہوتی تھی اب تجربے سے معلوم ہوا کہ اسکے پہلو میں نہایت ذلیل دل تھا جو میری غیبت میں کھل کھیلا اگر اماں جان کی اطاعت کرنا ناگوار ہے تو اسے جبتک میں نہ آؤں میکے میں رہنے کا حکم عنایت فرمائیے میں وہاں پہنچکر جو مناسب سمجھوں گا طریقہ اختیار کروں گا آخر میں تحریر کیا تھا کہ جو میری کمال تاسف میں آیا تحریر کیا اب آپکو اختیار ہے جو مناسب تصور فرمائیے کیجیے

خط پڑھ کے افسر حسین کا چہرہ سرخ ہو گیا اسی طرح غصے میں بھرے ہوئے زنانخانے میں آئے بیوی میاں کو غضب آلود دیکھ کر ڈر گئیں وہ گرچہ [illegible] واقف تھیں لیکن جب میاں کو محیط غضب میں بھرا ہوا دیکھا تو [illegible] مزاج بھول گئیں تھوڑی غور کیا آج کیوں اور کس وجہ سے یہ حالت ہے لیکن کچھ سمجھ میں نہ آیا اتنے میں میاں افسر حسین ہاتھ میں کھلا ہوا خط لیے [illegible] آ گئے اور [illegible] کہنے لگے۔

**افسر حسین:-** کیوں جی تم نے خط کے ذریعہ سے کیا زہر اگلا ہے جو قیصر نے ایسا ناشایستہ خط لکھا ہے [illegible] سمجھایا [illegible] ان بیہودہ حرکات سے باز آؤ مگر ایک نہ مانی تمھیں شرم نہیں آتی ضعیفی میں ایسے شرمناک افعال کر گذرتی ہو ذرا اپنے سفید بالوں کی لاج رکھو [illegible] غریب جیسا [illegible] تمھارا کیا بگاڑا تھا خود ہی تو تم نے اسے ہزاروں [illegible] مارنے اٹھیں میں نے سمجھایا تو مجھ سے [illegible] لڑکے کو خط لکھ بھیجا"

**شکیلہ بیگم:-** آنچل سے آنسو پونچھ کر آج خدا نے [illegible] نہیں کیا ہو گیا ہے نئی نائکہ کے آئے ہو جو ایسی ایسی باتیں زبان سے نکالتے ہو [illegible] عمر تمھاری کنیزی میں تیر ہوئی لیکن آج تک کبھی ایسی باتیں سننے کا اتفاق نہ ہوا تمھیں انصاف کرو میرا کیا قصور ہے تم تو ہمیشہ سے [illegible] کرتے ہو اس روز اس نے جان بوجھ کر مجھے [illegible] سالن [illegible] نمک جھونک دیا میں جو بولی تو تم بگڑ گئے [illegible] تو میرے ساتھ [illegible] دشمن ہو گیا ہے ہر کام میں ہر دم [illegible] کرتی ہے بھلا ان باتوں [illegible] نے مجھ سے بیان کیا کہ دولہن [illegible] سالن [illegible] نمک ڈال دیا اگر میں نے قیصر کو ان باتوں کی اطلاع دی تو کیا گناہ ہوا۔

**افسر حسین:-** بلا وجہ تو نمک حرام [illegible] کو دیکھ [illegible] جاتی ہے

اوس نے جو میاں کو یہ کہتے سنا دہل گیا چپکے سے اپنی گٹھری بقچی بغل میں دبا جان بچا کر نکل گئی میاں بیوی میں خوب ہوئی انجام یہ ہوا کہ نصرحسین بگڑ کر [illegible] روانہ ہوگئے چلتے وقت بیوی سے ملنے آئے تمکین تشفی دی اس نے بعد ان تمام گلہ میری وجہ سے تمہیں بہت تکلیف ہوئی آپ کیوں مفت میں درد سر مول لیتے ہیں اس معاملے کو یہیں ختم کر دیجیے جو کچھ میرے نصیب میں ہوگا جھیل لوں گی نصرحسین نے جمیلہ کو گلے لگا کر کہا بیٹا تم بے فکر رہو خدا اچھا ہی کرے گا کسی کی اتنی مجال نہیں جو میری زندگی میں تمہیں گھر سے نکال دے میں ایسا نادان نہیں ہوں جو کچھ کرتا ہوں خوب سوچ سمجھ کے کرتا ہوں تمہیں کیا معلوم اس میں خاص مصلحت ہے اس کارروائی کے بعد تمہاری خوشدامن بالکل سیدھی اور خوش مزاج ہو جائیں گی بدمزاجی کی وجہ یہ ہے کہ میں نے ہمیشہ انکی ناز برداری کی انھوں نے جو کچھ برا بھلا کہا خاموشی سے سن لیا کبھی جواب دے کر بات نہ بڑھائی ہر وقت انکی خوشی اپنی خوشی پر مقدم رکھی نتیجہ یہ ہوا کہ بدمزاج بنا دیا اگر ذرا سی سختی سے کام لیتا تو یہ انجام نہ ہوتا لیکن اب انکی بدمزاجی مجھ تک محدود نہیں رہی رفتہ رفتہ ہر شخص سے یہی برتاؤ ہونے لگا اسوقت میرا گھر چھوڑ کر چلا جانا بہت اثر کرے گا امید تو ہے غیرت میں آکر اپنی عادت ترک کر دیں۔

جمیلہ اپنے شوہر کی مصلحت دریافت کرکے خاموش ہو رہی مگر یہ عرض کیا کہ محض میری وجہ سے یہ کارروائی نہ کی جائے کیونکہ میں ان کی بہو ہی نہیں بلکہ لونڈی بنکر رہنے کے لئے آئی ہوں اور لونڈی کے مقابلے میں مالک کو غیرت دلانا بہت نامناسب ہوتا ہے لیکن نصرحسین نے اس رائے کو پسند نہ کیا جمیلہ کو میکے میں مقیم رہنے کی ہدایت کرکے قیصر کے پاس روانہ ہوئے۔ (باقی آئندہ)

مرزا فدا علی خنجر لکھنوی

# غزلیات

حضرت حسرت موہانی[1]

مایوس نہ یوں ہوتے تو دور اگر ہوتا — ہم کچھ نہ تجھے کہتے مجبور اگر ہوتا
تھا شوق نظر کامل پھر بھی تو نہ چھپ سکتا — سو پردوں میں وہ جلوہ مستور اگر ہوتا
تاریک نہ یوں رہتی تقدیر سیہ مستی — شیشہ مے گلگوں سے پُر نور اگر ہوتا
جب میں نے وفا کی تھی وہ کیوں نہ وفا کرتے — ایسا ہی محبت کا دستور اگر ہوتا
پاس اور تھا اپنے کچھ بڑھ کے دل و جاں سے — ہم وہ بھی فدا کرتے مقدور اگر ہوتا
ظاہر میں جفا کرتے باطن میں وفا ہوتی — سو ڈھب سے کرم ہوتا منظور اگر ہوتا

کچھ داد وفا حسرت ہم کو نہ ملی ۔ ملتی
دنیا میں یہ افسانہ مشہور اگر ہوتا

حضرت آرزو لکھنوی

کرینگے ظلم وہ قابو میں پھر سے لا کے مجھے — کہ چاہتے ہیں صفائی گلے لگا کے مجھے
وہ سامنا نہیں کرتے جھلک دکھا کے مجھے — جفائیں ہونے لگیں شیفتہ بنا کے مجھے
ادھر ادا کی شوخی کہ ادھر ہے ناز کی چھیڑ — ستاتے ہیں سبھی تو غریب پا کے مجھے
کچھ امتحان وفا کی نہ ہے جزا نہ سزا — تمھیں سکتا ہے کا ہے کا آزما کے مجھے
سزائے جرم محبت نہ دے سکے آخر — جفائیں بھول گئے سامنے بلا کے مجھے
میں آہ سرد کے اٹھتے اثر سے نالاں ہوں — جلائے دیتے ہیں جھونکے اسی ہوا کے مجھے
غضب کیا کسی پردہ نشیں کی شوخی نے — اسے کہیں کا نہ رکھا جھلک دکھا کے مجھے

---

[1] یہ غزل ... مشاعرے میں پڑھی گئی تھی جو ۹ فروری ۱۹۱۲ء کو منعقد ہوا تھا۔

پڑی ہے بالوں پہ کچھ خاک کچھ ہے دامن پر
بتاؤ اور تمھیں کیا ملا مٹا کے مجھے

ہیں اُن پہ حشر میں دعوے، خوں کرو پکڑ کر
جو ذبح کرنے کو آئے تھے منہ چھپا کے مجھے

وہ آج اشک بہاتے ہیں خود بھی صورت شمع
جنھوں نے خاک کیا ہے جلا جلا کے مجھے

یہ ذرہ تھا کہ نہ شکوہ نہ جور کہیں
کبھی مزاج نہ پوچھا ملول پا کے مجھے

ہوا جو بیخودیِ شوق کا رہِ بت تنا کی
حجاب آنے لگا سامنے خدا کے مجھے

چھڑا سکینگے نہ دامن سے داغ بدنامی
جو اشک پونچھ رہے ہیں لہو رلا کے مجھے

یہ احتیاط ہے کاہے کی آرزو جو وہ آج
شریک بزم ہوئے ہیں الگ بٹھا کے مجھے

حضرت بیخود موہانی

جہاں بیتاب سالک چلنے کی صدا آتی ہے محفل سے
وہ زنداں گونجتا رہتا تھا آواز سلاسل سے

ٹپکتا ہے پسینہ کیوں جبین ابروئے قاتل سے
یہ آخر کیا ٹپکتا تھا نگاہ یاس بسمل سے

ہمیشہ دل سے بسمل کے تڑپنے کی صدا آئی
کٹی تو زندگی کٹنے کو لیکن اتنی مشکل سے

ہر اک کے سامنے ہے اک نئی دنیا اداؤں کی
تماشائی ترے جلوے کے یوں اُٹھے ہیں محفل سے

یہ ہم کہ بھول بیٹھا تھا ہم اسکو چھوڑ بیٹھے تھے
تعارف اُنکے صدقے میں ہوا ہے آج پھر دل سے

نگاہ مست تھی پڑھتی ہوئی اک لہر مستی کی
مزے میں جھومتے سب کر اُٹھے ہیں ساقی کی محفل سے

ہمیشہ ہر طرف دریا سے موج چڑھتا نظر آیا
یہ بدلہ خون ناحق نے لیا بیدرد قاتل سے

ابھی ہر اک کو محویت کچھ ایسی تھی بزم مستی میں
نہ جانا اہل محفل نے کب اُٹھا کون محفل سے

نہ پیر تھا اثر ہر موج بھی زنداں نفس سے آیا
اسیران بلا چھوٹے تو کیا چھوٹے سلاسل سے

وفور ذوق میں مجنوں حدیث شوق کہتا تھا
زمیں سے چرخ سے زنداں سے بیڑی سے سلاسل سے

ابھی کچھ دن رہیگا ہستیِ موہوم کا زنداں
کہیں اہل جنوں کا پاؤں تو نکلے سلاسل سے

وہی جانے یہ دنیا کیا ہے وہ خود کیا ہے ہم ہے تو
قیامت تک نہیں اک نظر دیکھا وہی مشکل سے

کہیں پامال ہوتا ہے کہیں برباد ہوتا ہے
برنگ نقش پا ہم چھٹ گئے یاران منزل سے

نفس کی آمد و شد کی قسم یہ ذوق گردش تھا
ہمیشہ مثل گرد کارواں پھر آئے منزل سے

نظر کر رمز فطرت پر کہ ان مجبوریوں پر بھی
دل مجبور نے سمجھا نہیں مجبور ہوں دل سے

اب اسکی اور دنیا ہے اب اپنا اور عالم ہے
گئے وہ دن کہ ہوتی تھیں باتیں ہم سے اور دل سے

تم اے جویائے راز بزم ہستی خبر سنتا جا
صدائیں آ رہی ہیں کیا کچھ کسی اجڑے ہوئے دل سے

فضا کا ذرہ ذرہ محشرستان تجلی ہے
خدا جانے یہ پردہ ہٹ گیا ہے کسکی محمل سے

حضرت عزیز منصورپوری

آ ... ہے ہر حال رسا ہو جانا
چاہیے صبح رسا در پہ صدا ہو جانا

کم نہیں حسن پہ کچھ جرم جفا ہو جانا
آنکھ ملتی ہے جہاں ہوش کو وا ہو جانا

بلبلے مٹتے ہیں دریا میں سکوں ہونے سے
... ہے ... تلاطم کا بسیا ہو جانا

عکس پڑتا نہیں آئینہ کسی بے رخ کا
صاف باطن سے پلٹنا ہے فنا ہو جانا

لذت بیم و رجا ہے مجھے مانع ...
باب تاثیر کا کھلنا ہے دعا ہو جانا

شمع سادہ ہو کہ کافوری ہوا میں کیا ہے
مان ہے پردے کو ہر رنگ فنا ہو جانا

حسن کا صبر پڑے اسکے گنہگار رہے
ان کی چشمک سے ہوا اسکو برا ہو جانا

ناخدائی کا بڑا پاس ہے جو دیکھا منصور
نظر آیا تجھے آسان خدا ہو جانا

جزر میں بھی ہے وہی ظرف سمندر کا
گوارا ہے رہتا ہے ساحل سے جدا ہو جانا

حسن اور عشق کی محرم تو ہی ظالم ہے
دور کیا چاہیے خلد اسکے سوا ہو جانا

حسن ہے خندۂ گل گاہ ... گریہ ...
چاہیے عشق کو ہر حال بجا ہو جانا

... سے کیا کرتا ہوں ... کا علاج
شمع مرقد کے ہوتا گئے ہوا ہو جانا

... لبریز ... ساقر ...
ہائے محفل میں نگوں سار ترا ہو جانا

قیس پر رحمت حق [illegible] اسی کا [illegible] — دشت گردی [illegible] قبلہ نما ہو جانا

عشق [illegible] اسا [illegible] اسیر کیا

[illegible] پر [illegible] جانا

[illegible] ہو گیا

[illegible] نظر ایک ہی خواب آتا ہے

دل [illegible] کا یہ خواب آتا ہے

[illegible] انکو عتاب آتا ہے

بیٹھتے ہیں [illegible] جواب آتا ہے

[illegible] آئینہ [illegible] ستمگر کو حجاب آتا ہے

[illegible] لب پر [illegible] ذکر شراب آتا ہے

[illegible] ظالم [illegible] خانہ خراب آتا ہے

گنتے ہیں [illegible] نہیں اور حساب آتا ہے

بزم دشمن [illegible] آنکھوں کو حجاب آتا ہے

عرس میں [illegible] یاد [illegible] آتا ہے

اب کہاں [illegible] سحاب آتا ہے

[illegible] اس قدر سے رکاب آتا ہے

اُنکے لب پر مری نسبت [illegible] میری ہر بات کا یہ ایک جواب آتا ہے

اپنے ساقی کی کلائی کی نزاکت کے نثار — جھر جھر آتا ہوا [illegible] مئے ناب آتا ہے

[illegible] اللہ کا ہے عشق بتوں کا [illegible] — عشق [illegible] جو قیامت کا عذاب آتا ہے

[illegible] کیا آتا ہے [illegible] کر [illegible]

[illegible] آتا ہے

### حضرت تخیر مشہدی لکھنوی

اُن کے دلِ نازک پہ جو آہوں کا اثر ہے — چہرا متغیر ہے پریشان نظر ہے
اب جائیں گے چھوڑیں رُخِ روشن پہ نقابیں — اُف آج کی کیا تیرہ و تاریک سحر ہے
چھپتی ہی نہیں لاکھ چھپائے اسے کوئی — کمبخت عجب چیز محبت کی نظر ہے
ہے زنگولہ بندی قدم موج ہوا میں — عالم کو مرے دل کے دھڑکنے کی خبر ہے
پہچان ہی لیتے ہیں محبت کی نگاہیں — ان تاڑنے والوں کی بھی آفت کی نظر ہے
دن ڈھلنے سے ظاہر ہے اب آتی ہے شبِ ہجر — وہ میں ہوں جسے موت کے آنے کی خبر ہے

ہو جاؤں فنا دل سے جو اس بت کے میں نکلوں
پتھر میں ہی میں رہتا ہوں مرا نام تخیر ہے

### جناب مولوی محمد تقی صاحب تقی گیاوی

بڑھا دی زخمِ دل نے اور بھی تاثیر نالوں کی — سُنی فریاد اُس نے غور سے آشفتہ حالوں کی
گلوں کی رنگ و بو سے ہے عیاں اُس یار کا جلوا — فزوں ظل ہما سے چھاؤں ہے تازہ نہالوں کی
لیے شراب میں سجدے جو آئی یاد ابرو کی — زیارت عیدِ قرباں میں ہوتی ہے دو ہلالوں کی
اسیرانِ محبت کے مشامِ جان ہوئے تازہ — صبا خوشبو اُٹھا کر لائی جب اُس گل کے بالوں کی
کسی کی نرگسی آنکھوں کا سرمہ جب نظر آیا — دفورِ شرم سے جھک جھک گئیں آنکھیں غزالوں کی
ملے مٹی میں لیکن ہمت عالی نہیں جاتی — ہوا کے دوش پر ہے خاک تیرے پائمالوں کی

کسی کے روئے رنگیں کا [illegible] دل کو تصور ہے
بہاریں کیا دکھاتے ہیں مجھے گُل اپنے گالوں کی

دغا۔ جس میں بازاری عورتوں کے تریا چلتر کا خاکہ تقدس نما لوگوں کے فن فریب کا نقشہ بتاہ کن محبت کا کرشمہ ناولوں کی صورت میں دکھایا گیا ہے طرز ادا دوسرے ناولوں سے جداگانہ ہے مصنفہ ڈاکٹر محمد محمود صاحب انصاری - قیمت مجلد ۱۲ر پتہ دفتر مدن پل جھاؤلال - لکھنو۔

# تمدن اور معاصرین تمدن

اس وقت تک ملک کے بیشتر اخبارات نے "تمدن" کے موجودہ دور پر اظہار رائے کیا ہے جس کے لیے ہم اپنے معاصرین کا مشکور ہونا چاہیے کہ انھوں نے "تمدن" کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کرکے ہماری حوصلہ افزائی کی اور ہم کو مزید اصلاح کی طرف متوجہ کیا۔ معاصرین کا شکریہ ادا کرنے کا اس سے زیادہ بہتر اور کوئی طریقہ نہیں ہوسکتا کہ انکے آرا کو "تمدن" کے فائل میں جگہ دی جائے اور اسطرح اُن خریداروں کو بھی اس پرچے کے متعلق ملک کے اخبارات و رسائل کے خیالات معلوم ہوجائیں جسکی وہ خود تمنا کرتے ہیں۔ ہم نہایت ادب سے اُن معاصرین کا شکریہ ادا کرتے ہیں اور دیگر معاصرین سے جنھوں نے اسوقت تک "تمدن" پر ریویو نہیں لیا توقع کرتے ہیں کہ وہ بھی توجہ فرما کر ہم کو شکریہ کا موقع دیں گے۔

**اخبار مساوات** الہ آباد — مورخہ ۲۴ر فروری ۱۹۱۲ء۔ یہ رسالہ لکھنؤ سے زیر ایڈیٹری مسٹر ایم اے تائب علیگ خلف اکبر جناب قاری محمد مرزا حسین صاحب شایع ہوتا ہے۔ اسکی تختی ڈمائی ⅛ ہے اسمیں ۶۴ صفحات ہوتے ہیں اور اسمیں بھی ملک کے مشہور اہل قلم کے مضامین نظم و نثر درج کیے جاتے ہیں ہمارے دوست سید سجاد حیدر صاحب بی۔ اے علیگ جنکی ادبانہ خدمت و مذاق کی اُردو زبان ممنون احسان ہے اور جو گویا ادبی دنیا سے اب علحدہ ہوگئے تھے پھر اس رسالہ میں جلوہ افروز ہوئے ہیں۔ ہم "تمدن" کو مبارکباد دیتے ہیں کہ اُسنے ہمارے قابل دوست کے ادب و تخیل سے مستفید ہونے میں کامیابی حاصل کی۔ ہم اس رسالہ کو نظارہ سے اسلیے بہتر سمجھتے ہیں کہ ہمارے نزدیک اس رسالہ کے مضامین میں زیادہ حسن انتخاب و بلند خیالی کا پتہ چلتا ہے یہ رسالہ پہلے دہلی سے شایع ہوتا تھا اور اسکا مقام اشاعت لکھنؤ غالباً کسی مصلحت سے قرار دیا گیا ہے ہم اس رسالہ کو ملک کے لیے مفید خیال کرتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ یہ جلد کافی اشاعت حاصل کرے گا۔

**اخبار الخلیل** بجنور — مورخہ یکم فروری ۱۹۱۲ء۔ یہ ماہوار رسالہ نہایت آب و تاب کے ساتھ اردو زبان اور اچھوتے خیالات کے اعلے نمونے لیے ہوئے لکھنؤ سے شائع ہونا شروع ہوا ہے۔ اردو زبان کی جان گویا دہلی و لکھنؤ کے منتخب مشاہیر زباندان اہل قلم کی ہمدردی اسکے ساتھ ہے علاوہ نثر کے نظم کا ایک خاص بہترین حصہ ہوتا ہے اسکے مضامین ادبی اخلاقی تاریخی اور علمی اعتبار سے ملک کے لیے بیش بہا خزانہ ہیں انگریزی اعلے لٹریچر بلند پایہ مضامین کا اچھوتا ترجمہ "تمدن" کا خاص حصہ ہے۔ حجم چار جزو۔

**اخبار ذو القرنین** بدایوں — مورخہ ۔ جنوری ۱۹۱۲ء یہ رسالہ پہلے دہلی سے شایع ہوتا تھا اب دہلی سے لکھنؤ منتقل ہوا ہے ایم۔ اے قاری صاحب علیگ اسکے ایڈیٹر ہیں اس لیے

بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ جس قوم میں یہ ہر پانچ باتیں پائی جاتی ہیں وہ ہی فارغ البال کہلانے کی مستحق ہے۔ قبل اسکے کہ ہم کسی قوم کو مشترکہ یا جداگانہ رنگ میں فارغ البال کہیں یہ دیکھنا چاہیے کہ فارغ البالی کا مفہوم کیا کچھ ہو سکتا ہے

فارغ البالی کا موٹے الفاظ میں یہ مفہوم ہو سکتا ہے کہ

جب کسی قوم کے افراد کثیرہ اپنی اپنی جگہ بلا احتیاج احدے ذاتی طور پر اپنی ضروریات لازمیہ کے کفیل ہوں نہ صرف مالی اسباب ہی کی وجہ سے بلکہ فعلی۔ انفعالی اور دیگر اسباب مادی کی وجہ سے بھی۔

جب فارغ البالی کا مفہوم نری دولتمندی اور خوش حالی ہی کہا جاتا ہے تو فارغ البالی کا مفہوم محدود کر دیا جاتا ہے خوش حالی اور فارغ البالی میں فرق ہے خوش حالی کا اطلاق مالی اسباب تک ہی ختم ہو جاتا ہے لیکن فارغ البالی کا مفہوم اُن سب اسباب پر محیط ہے جو دیگر وجوہ سے بھی لازمہ انسانی زندگی کے ہیں اگر ایک قوم دولتمند ہو کر بھی زیور علم و فراست سے عاری ہے تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ وہ فارغ البال ہے اگر ایک قوم باوجود علوم و فنون رکھنے کے بھی اقتصادیات سے بے بہرہ ہے تو اس حالت میں بھی اُسے فارغ البال نہیں کہا جا سکتا قومی فارغ البالی سے مطلب یہ ہے کہ کوئی قوم ہر رنگ میں فارغ البال ہو اور وہ فارغ البالی محض نمائشی نہ ہو بلکہ اُسکی بنیادیں مستقل اور جاری ہوں اور اسکے ساتھ یہ بھی کہ قوم اور قوم کے افراد کثیرہ کی حسیات اُس فارغ البالی کی حس اور ادراک رکھتے ہوں جو حسین اپنے حُسن کی حس نہیں رکھتا اگرچہ وہ حسین ہوتا ہے لیکن اُسکا حُسن اپنی قیمت خود نہیں جانتا ہر کمال اور ہر حُسن کے واسطے لازمی ہے کہ ہم خود اُسکی قیمت اور قدر سے واقف ہوں اور اُسی صورت میں کوئی فارغ البالی مستقل خیال کیا جا سکتی ہے

کہ جب اُنکا ہمیں بھی علم یا حس ہو۔

جو لوگ صرف دولتمندی یا تموّل کو ہی فارغ البالی سمجھتے ہیں وہ فارغ البالی کی قدر و قیمت گھٹاتے ہیں۔ بیشک دولتمندی اور تموّل ایک حد تک فارغ البالی ہے لیکن کیا یہ نہیں دیکھا جاتا کہ بہت سے لوگ باوجود دولت مند اور متموّل ہونے کے بھی حقیقی رنگ میں فارغ البال نہیں ہوتے علوم و فنون اور اقتصادیات کی کمی اُن کی دولت مندی اور تموّل کے واسطے ایک خطرناک روک ہوتی ہے یا ایک ایسی کمی جو دولت مندی اور تموّل کی عظمت بھی کھو دیتی ہے۔

قومی فارغ البالی کا شروع شخصی یا افرادی فارغ البالیوں سے ہوتا ہے ضرورت یہ ہے کہ افرادی اور شخصی فارغ البالیاں کثرت سے اور مستقل طور پر ہوں جسطرح قوم افراد سے بنتی ہے اسی طرح قومی فارغ البالی بھی افرادی کی فارغ البالیوں سے ترکیب پاتی ہے اگر کسی قوم میں فیصدی پچاس افراد بھی حقیقی رنگ میں فارغ البال ہیں تو کہا جائے گا کہ وہ قوم فارغ البال ہے جب کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ کوئی قوم فارغ البال ہے تو اسکا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ فیصدی سو ہی اسمیں سے فارغ البال ہیں بلکہ یہ کہ فیصدی کا اکثر حصّہ اس رنگ میں ہے اور جو باقی کا حصہ ہے وہ بھی حسیات فارغ البالی سے ناواقف نہیں ہے حسیات کا نشو و نما بھی بجائے خود ایک مستقل فارغ البالی ہے۔ وہی قومیں ذی حس شمار ہوتی ہیں جو قومی افراد کی ترقی میں منہمک ہو کر اُنکے جذبات اور حسیات سے بہ خوش اسلوبی کام لیتی ہیں ایک درسگاہ یا ایک اسکول اور کالج میں قوم کے سب افراد ہی داخل نہیں ہوتے۔ بلکہ چند افراد۔ یہی طریقہ شخصی حسیات کے اُبھارنے کا ہے اور اسی سے افرادی جذبات رفتہ رفتہ نشو و نما پاتے ہیں۔ کسی قوم کی عام فارغ البالی اُس وقت ہو سکتی ہے۔

"جب اُس میں حرفت وصنعت اور اقتصادیات کا ولولہ ہو"

"صحیح اصول پر تجارت پائی جاتی ہو"

"آپس میں قومی اتفاق اور قومی خلوص ہو۔

جس قوم میں یہ باتیں نہیں پائی جائیں وہ فارغ البال نہیں کہی جاسکتی ۔ نہ صرف یہی باتیں بلکہ وہ اصولی باتیں بھی جو علمی اور عملی رنگ میں قوموں کے افتخار اور زیب وزینت کا باعث ہیں بیشک ہر ایک قوم میں چند ارکان تو ہر ایک اعلےٰ درجہ کی حالت اور پوزیشن رکھتے ہیں لیکن دیکھنا یہ ہے کہ دیگر حصۂ کثیر کیا کچھ حالت اور کیفیت رکھتا ہے بیشک ماہتاب اپنے اندر ایک خاص نور رکھتا ہے لیکن ستارے اور سیارے بھی اُسکی رونق اور شہرت کا باعث ہیں صرف ایک ماہتاب ہی بغیر ان ستاروں اور سیاروں کے کوئی وقعت عظیمہ نہیں رکھتا

بیشک کسی قوم کے افراد کثیرہ بڑے بڑے کمالات اور درجوں دولت منک وتمول ومعارج علمی وعملی سے نسبتاً کم ہوتے ہیں لیکن انکا مجموعہ بجاے خود ایک طاقت کا کام دیتا ہے ہمیشہ چھوٹی طاقتیں اور چھوٹے جذبات بڑی طاقتوں اور بڑی قوتوں نے جذبات کی کفیل اور سہارا ہوتی ہیں اس صداقت انکار کرنا خود صداقت انکار کرنا ہے یہ بات مسلمہ ہے کہ ایک قوم کے سب افراد ایک ہی سبیل نہیں اختیار کرسکتے اور نہ اسپر چل کر کامیاب ہو سکتے ہیں ایک اسکول کے طالب علم اگرچہ ایک ہی درسگاہ میں تعلیم پاتے ہیں لیکن اُن سب کا مذاق مختلف ہوتا ہے اور اُن کی مابعدی زندگی مختلف حالتیں اور مختلف اشکال اختیار کرتی ہے نظام قدرت کا بھی یہی مدعا ہے کہ لوگ مختلف کاموں اور مختلف مقاصد میں مصروف رہیں یہ ایک ایسا منفعت اور آرام وہ نظام ہے کہ کوئی دوسرا نظام اسکا مقابلہ نہیں کرسکتا ہماری انسانی کائنات کا مدار ہی اسپر ہے اور یہی ہماری ساری ترقیات اور حسن وخوبی کا موجب بھی ہے

عام فارغ البالی اور عام آسایش نظام قدرت کے ماتحت عام امور اور عام کاموں ہی کی وجہ سے ملتی ہے اگر ایک مقام میں دس ہزار دولتمند ہوں اور پچاس ہزار حرفت کار اور ایک لاکھ معمولی حالت میں تو کہا جائے گا کہ وہ قوم ایک حد تک فارغ البال ہے بشرطیکہ ایک لاکھ بقیہ یہ حس رکھتا ہو کہ فارغ البالی کا مستحق وہ بھی ہے اور اسکا حاصل کرنا لازمی ہے اور اسکے بغیر دوسری قوموں کے روبرو اسکا کوئی احترام و عزت نہیں تمام قوم لکھپتی اور کروڑپتی نہیں ہو سکتی لیکن قوم کا ایک کثیر حصہ حرفت کار اور اپنی حد میں خوش حال ہو سکتا ہے - اسی مجموعی اور عام فارغ البالی کے حاصل کرنے کے واسطے لازمی ہے کہ قوموں کا کثیر حصہ -

" حسیات فارغ البالی رکھتا ہو -

" اُن کی ضرورت سے آشنا ہو -

" اُن کاموں میں مصروف رہے جو عامۂ آسایش کے کفیل ہیں -

یہ ایک بڑی غلطی ہے جو ہم کبھی کبھی صرف دولتمندی تمول اور علم و فن ہی کو محدود حالات میں فارغ البالی سے تعبیر کرتے ہیں اور اُن ہی کو موجب اور کفیل عامہ آسائش خیال کرتے ہیں درحقیقت تمام ہماری جزوی اور کلی آسایشوں کی بنیاد وہی باتیں اور وہی کام ہیں جو عام مخلوق کے ہاتھ سے نکلتے ہیں یا جنکی ذمہ دار عامہ مخلوق ہے ایک متمول دولتمند اور ایک عالم فاضل کا علم و فضل اُس حالت میں کیا کچھ مفید ثابت ہو سکتا ہے کہ جب عامہ ہاتھ اُس کا مددگار نہو یہ تمام حرفت کار صنعت کار دست کار مشینیں وغیرہ وغیرہ اُن اعلےٰ ارکان کے عملی رنگ میں مددگار ہیں جو نسبت اُن کے ایک خاص حالت یا ایک ممتاز درجہ رکھتے ہیں اور جنھیں بمقابلہ عوام ایک تفوق اور امتیاز حاصل ہے ایک امیر اور ایک رئیس بیشک اپنی ریاست اور امارت کی وجہ سے ایک خاص حالت اور ایک خاص امتیاز

رکھتا ہے لیکن کیا یہ تسلیم کر لیا جائے گا کہ اسکی اس امارت اور ریاست کے اکثر کاروبار دوسروں کے محتاج نہیں ہیں اور کیا وہ تن تنہا یا اسکی دولتمندی اور تمول براہ راست بلا امداد دیگر افراد کے اسکے واسطے مفید ثابت ہو سکتا ہے اگر ایسا نہیں ہے تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ چھوٹی یا جزوی طاقتیں بڑی طاقتوں کی حامی اور سہارا ہیں جس قوم میں اور جس قوم کے افراد کثیر میں اقتصادیات اور حرفت وصنعت نہیں ہے اور جو قوم ایسی حسیات نہیں رکھتی وہ قوم فارغ البال نہیں ہے وہ ہر ایک رنگ میں ایک مفلس اور نادار قوم ہے وہ کوئی صحیح نہیں رکھتی اسکی دماغی اور ضمیری حالت بوسیدہ ہو کر اپنی ہستی کھو بیٹھی ہے اور اسکے وہ جذبات کمزور پڑ چکے ہیں جن پر قومی زندگی اور قومی تصرفات کا مدار ہے۔

قدرت نے جو درجہ بندیاں کر رکھی ہیں ان میں سے ہر درجہ میں ایک خصوصیت رکھی ہے جب تک ہم درجہ بندیوں سے کام نہ لیں تب تک ہم خود بھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔

کائنات انسانی کا کوئی کام اسوقت تک انصرام نہیں پا سکتا جب تک درجہ بندی کا نظام نہ جاری رکھا جائے اگر ایک طرف قدرت مساوات کا سبق دیتی ہے تو دوسری طرف درجہ بندی بھی سکھاتی ہے دیکھو خود انسان کے جسم کے اندر کسقدر درجہ بندیاں ہیں گو جسم ایک ہی ہے لیکن اجزاے جسم جداگانہ حقیقت رکھتے ہیں سر بجاے خود ہے اور پاؤں بجاے خود مجموعہ کو افراد کام دیتے ہیں اور مجموعہ ان کی ترکیب اور ان کے نظام کا ذمہ دار ہے دیکھو اعضاے رئیسہ اسقدر نہیں ہیں جسقدر اعضاے غیر رئیسہ ہیں اگر یہ اجزا غیر رئیسہ نہوں تو اعضاے رئیسہ کی قوتیں بھی کمزور پڑ جائیں۔

قانون ٹیکس اور جزوی مطالبات یا قانون مال کے ملاحظہ سے ظاہر

ہو سکتا ہے کہ سب حکومتوں میں وہی اجزاے صغیرہ ٹیکس دینے اور مطالبہ مالی ادا کرنے کے ذمہ دار ہیں جو قوم میں ایک عام حالت اور ایک عام درجہ رکھتے ہیں کچھ شک نہیں کہ ارکان عظمٰے پر بھی مطالبات حکومت کا بوجھ پڑتا ہے۔ لیکن کثرت سے افراد کثیرہ ہی اسکے متحمل ہوتے ہیں۔

اس قسم کی تمام مثالوں سے یہ ثابت ہے کہ کوئی قوم بحیثیت ایک قوم کے اس وقت تک فارغ البال نہیں رہ سکتی جب تک اُسکے افراد کثیرہ حیات فارغ البالی نہ رکھتے ہوں اور جب تک اُن کا حصہ کثیر مرفہ الحالی اور تملی رنگ میں فارغ البال نہ ہو زندگی کی بڑی بڑی ضرورتیں بڑے بڑوں ہی سے متعلق ہوتی ہیں اور اُن کی مقدار بھی کم ہوتی ہے چھوٹی چھوٹی یا عام ضرورتیں عام لوگوں ہی سے مخصوص ہوتی ہیں اور اُن ہی کا جز بڑا زیادہ ہوتا ہے اگر بڑی بڑی ضرورتیں بڑوں پر ختم ہو جاتی ہیں تو دوسری طرف چھوٹوں کی چھوٹی ضرورتیں بڑی ضرورتوں کی مددگار اور کفیل بھی ہوتی ہیں۔

قوموں کا فرض ہے کہ اپنے افراد کثیرہ کی بہتری اور سہولت کے واسطے علمی رنگ کو انتہائے مدارج تک پہنچائیں اور انکا عملی رنگ میں فائدہ اٹھائیں۔

دیکھو ہندوستان میں زیادہ تر حصہ ان ہی لوگوں کا ہے جن کی زندگیاں نسبتاً محدود اور ساری ہیں لیکن اُن ہی کی حالت اور بضاعت زندگی بہت کچھ خوفناک اور تنگ ہے

محاسبوں نے یہ حساب نکالا ہے کہ ۳۳ کرور نفوس ہند کا اوسط گذارہ ایک آنہ چھ پائی فی کس پڑتی ہے اگر اس میں سے ہم بڑے بڑے ارکان نکال دیں تو پھر شاید نو پائی یا ایک آنہ ہی پڑے گا کبھی سوچا بھی کہ سب دوسرے ممالک کے مقابلہ میں یہ کم سے کم اوسط کیوں آتی ہے صرف اس وجہ سے کہ ہندوستان کے

افرادکثیرہ کی وسعت معاش کوئی ذمہ دار کفالت اپنے ساتھ نہیں رکھتی ہندوستان کی مخلوق کے دو ہی زیادہ تر حصے ہیں۔

(۱) زمینداران

(۲) دستکاران

زمیندارہ کے واسطے قدرت نے جا بجا اگرچہ وسائل ارزانی بہت کچھ ہیں لیکن دوسری عملی مشکلات کی وجہ سے اس کا قافیہ ہی تنگ ہو رہا ہے اسوقت پیداوار زمیندارہ کی مانگ ہندوستان سے باہر بھی ہوتی ہے اور اپنے اخراجات بھی روبترقی ہیں جبتک عملی رنگ میں زمیندارہ سے فائدہ نہ اُٹھایا جائے تب تک اس سے معتد بہ فائدہ نہیں اُٹھایا جا سکتا ہندوستان کے زمیندارہ کی اگر اوسط زمینداری لگائی جائے تو شاید پندرہ یا بیس بیگھ سے زیادہ نہیں پڑے گی۔

اس اوسط قلیل کا اگر موجودہ اخراجات اور مطالبات سے مقابلہ کیا جائے تو ظاہر ہو سکے گا کہ زمیندارۂ ہند کا میدان کس قدر تنگ اور تکلیف دہ ہے۔

دستکاروں کی حالت اور بھی دن بدن ابتر او خراب ہو رہی ہے بیرونی دنیا کی مصنوعات اور دلاویز صنعتیں دن بدن اُمڈی چلی آتی ہیں اور اُس کے ساتھ ہی آسایش کا میدان اور قیمت بھی دن بدن بڑھتی جاتی ہے معمولی ضروریات زندگی بھی روز بروز اسقدر گراں ہوتی جاتی ہیں کہ بعض کنبوں کا اس سے کچومر نکل رہا ہے ایک طالب علم جو اسکول کی چوکھٹیں دیکھ لیتا ہے علاوہ فیس مقررہ دینے کے شعائری مصارف جسقدر چاہتا ہے اُس سے والدین کو پتہ لگ سکتا ہے کہ کہاں تک ضروریات رفتہ رفتہ طوالت پکڑتی جاتی ہیں اسکے ساتھ ہی بدقسمتی سے ہندوستان کی قومی تفرقیات اور متوہم امتیازات اور طرۂ نجابت کی وجہ سے صنعت وحرفت کی راہوں میں جو کچھ مزاحمتیں حائل ہو رہی ہیں

اُن کا شمار بھی کچھ کم نہیں ایک راجپوت۔ ایک زمیندار۔ ایک کھتری۔ ایک برہمن ایک سید اور ایک مغل اور ایک پٹھان باوجود شغلی معاشرت دستکاری و فنون سے جسقدر کراہت رکھتا ہے وہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اس خطہ زمین پر صنعت و حرفت اور دستکاری و فنون کی سخت بے قدری اور کساد بازاری ہے یہ ایک ایسا نقص ہے جو ہماری مالی حالت خراب کرتا جاتا ہے۔ [illegible] کی جدت اور نہادی رنگ یہاں کے اقتصادیات [illegible] دستکاری [illegible] کام کو بھی نہیں تقلید ہمیشہ [illegible] صنعت [illegible] اشتراکی رنگ میں جب کبھی کوئی کام شروع ہوتا ہے تو مقدمہ بازیاں بھی حائل ہوتی ہیں کہ بعض وقت اُن کا دور کرنا کٹھن ہو جاتا ہے۔

عروجی خیالات کے تحت اعلےٰ تعلیم ایک اچھا ارادہ اور اچھا شگون ہے لیکن کیا کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ سب اعلےٰ تعلیم پا کر ملک و قوم کے حق میں مفید ثابت ہو سکتے ہیں یا اُن کی کثرت ضروریات زندگی پر غالب آ سکتی ہے یہ ایک خیال ہی خیال ہے۔ یورپ خصوصاً انگلستان میں تعلیم کا بہت چرچا ہے لیکن فنی اور اقتصادی و کاروباری تعلیم بھی ایک بڑی حد تک مقدم اور ضروری [illegible] اور اس پر یورپ کی خوشحالی فارغ البالی اور علمی حرکات کا انحصار ہے جیسے ہماری زندگیوں کے مختلف شعبے ہیں اسی طرح قوم کے افراد بھی کچھ تعلیم اور تجربہ حاصل کرنے کے بعد مختلف راہیں اختیار کر کے اور اُن پر عملی رنگ میں سالک ہو کر اپنی زندگی کی ضروریات اور کفالتوں کو بخوش اسلوبی پورا کر کے اور قوم کی ذمہ داریوں سے سبک دوش ہوتے ہیں یہی راز ہے جو اقوام یورپ کو اُن ابھار دکھاتا ہے۔ فافہم۔

سلطان احمد

افراد کثیرہ کی وسعت معاش کوئی ذمہ دار کفالت اپنے ساتھ نہیں رکھتی ہندستان کی مخلوق کے دو ہی زیادہ تر حصے ہیں۔

(۱) زمینداراں

(۲) دست کاراں

زمیندارہ کے واسطے قدرت کی جانب سے اگرچہ وسائل ابتک بہت کچھ ہیں لیکن دوسری عملی مشکلات کی وجہ سے اس کا قافیہ ہی تنگ ہو رہا ہے اسوقت پیداوار زمیندارہ کی مانگ ہندوستان سے باہر بھی ہوتی ہے اور اپنے اخراجات بھی روبترقی ہیں جبتک عملی رنگ میں زمیندارہ سے فائدہ نہ اٹھایا جائے تب تک اس سے معتدبہ فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا ہندوستان کے زمیندارہ کی اگر اوسط زمینداری لگائی جائے تو شاید پندرہ یا بیس بیگہ سے زیادہ نہیں پڑے گی۔

اس اوسط قلیل کا اگر موجودہ اخراجات اور مطالبات سے مقابلہ کیا جائے تو ظاہر ہو سکے گا کہ زمیندارۂ ہند کا میدان کس قدر تنگ اور تکلیف دہ ہے۔

دستکاروں کی حالت اور بھی دن بدن ابتر اور خراب ہو رہی ہے بیرونی دنیا کی مصنوعات اور دلاویز صنعتیں دن بدن امڈی چلی آتی ہیں اور اس کے ساتھ ہی آسایش کا میدان اور قیمت بھی دن بدن بڑھتی جاتی ہے معمولی ضروریات زندگی بھی روز بروز اسقدر گراں ہوتی جاتی ہیں کہ بعض کنبوں کا اس سے کچومر نکل رہا ہے ایک طالب علم جو اسکول کی چوکھٹیں دیکھ لیتا ہے علاوہ فیس مقررہ دینے کے شائری مصارف جسقدر چاہتا ہے اس سے والدین کو پتہ لگ سکتا ہے کہ کہانتک ضروریات رفتہ رفتہ طوالت پکڑتی جاتی ہیں اسکے ساتھ ہی بدقسمتی سے ہندوستان کی قومی تفرقیات اور متوہم احتیاجات اور رطۂ نجاسات کی وجہ سے صنعت وحرفت کی راہ میں جو کچھ مزاحمتیں حائل ہو رہی ہیں

ان کا شمار بھی کچھ کم نہیں ایک راجپوت - ایک زمیندار - ایک کھتری - ایک برہمن ایک سید اور ایک مغل اور ایک پٹھان باوجود تنگی معاشرت کے دستکاری اور فنون سے جسقدر کراہت رکھتا ہے وہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اس خطہ زمین میں صنعت و حرفت اور دستکاری و فنون کی سخت بے عزتی اور کساد بازاری ہے یہ ایک ایسا نقص ہے جو دن بدن حالت خراب کرتا جاتا ہے [illegible] کی عادت اور [illegible] رنگ یہاں کے اقتصادیات اور [illegible] دستکاری میں [illegible] کو بھی نہیں تقلید ہمیشہ [illegible] صنعت اور [illegible] اشتراکی رنگ میں جب کبھی کوئی کام شروع ہوتا ہے تو [illegible] حائل ہوتی ہیں کہ بعض وقت اُن کا دور کرنا کار دشوار [illegible]

عروجی خیالات کے تحت اعلےٰ تعلیم ایک اچھا ارادہ اور اچھا شگون ہے لیکن کیا کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ سب اعلےٰ تعلیم پاکر ملک و قوم کے حق میں مفید ثابت ہو سکتے ہیں یا اُن کی کثرت ضروریات زندگی پر غالب آ سکتی ہے یہ ایک خیال ہی خیال ہے - یورپ خصوصاً انگلستان میں تعلیم کا بہت کچھ خیال ہے لیکن فنی اور اقتصادی و کاروباری تعلیم بھی ایک بڑی حد تک [illegible] اور اس پر یورپ کی خوشحالی فارغ البالی اور علمی [illegible] کا انحصار ہے جیسے ہماری زندگیوں کے مختلف شعبے ہیں اسی طرح قوم کے افراد [illegible] کچھ تعلیم اور تجربہ حاصل کرنے کے بعد مختلف راہیں اختیار کرتے اور ان پر عملی رنگ میں [illegible] اپنی زندگی کی ضروریات اور کفالتوں کو بخوش اسلوبی پورا کر کے [illegible] ذمہ داریوں سے سبکدوش ہوتے ہیں یہی راز ہے جو اقوام یورپ کو [illegible] دکھاتا ہے - فافہم -

سلطان احمد

# اعراب جاہلیت کا سالانہ مشاعرہ

(سلسلہ کے لیے مارچ نمبر ملاحظہ ہو)

## مشاعرہ کا تیسرا دور

تیسرا قصیدہ خانۂ کعبہ پر لٹکانے والا اپنے عہد کا ملک الشعرا زہیر بن ابی سلمیٰ ربیعہ بن ابی رباح بن قرہ ابن الحرث بن مازن بن ثعلبہ بن ثور بن ہرمہ بن الاصم ابن عثمان بن عمرو بن آد بن طابخہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان ہے یہ شخص بھی شعرائے جاہلیت سے بہت ذی وجاہت اور مشہور گذرا ہے بلکہ ایک یہ اور ایک امرؤ القیس اور ایک نابغۂ ذبیانی یہ تینوں شخص زمانۂ جاہلیت کے طبقۂ اولیٰ سے گذرے ہیں اکثر مورخین ان تین شخصوں سے قبل اور کسی شاعر کو نہیں لکھتے عرب کے آسمان شاعری پر سب سے پہلے چمکنے والے ستارے یہی ہیں سب سے پہلے انھیں نے عرب کے سنگلاخ اور مردہ وادیوں کو اپنے رنگا رنگ تخیلات سے ہمیشہ کے لیے رشک گلستاں بنا کے چھوڑا ہے انھیں کی ہستیوں پر عربوں کو ابدالآباد تک ناز رہے گا انھیں کے افکار الہامی نے عرب کے پُرخار صحراؤں اور چٹیل میدانوں کو اس قابل بنا دیا کہ آج چودہ سو برس کے بعد بھی وہ بے برگ و گیاہ صحرا ارباب علم و بصیرت کی نظروں میں لہلہا رہے ہیں اور وہ مردہ ہستیاں زندہ ہیں اور یوں زندہ ہیں کہ اُن کے ہر ایک خاک کے ذرے میں جداگانہ حسن و عشق کے عالم پوشیدہ ہیں وہ نقش و نگار جو چودہ سو برس قبل امرؤ القیس اور نابغۂ ذبیانی اور زہیر ابن ابی سلمیٰ بنا گئے ہیں اور وہ گلکاریاں جو ان کی خداساز طبیعتیں چپے چپے اور بوٹے بوٹے میں کر گئی ہیں آج تک اسیقدر

بلکہ اور بھی زیادہ خوبصورت ہم کو نظر آ رہی ہیں باوجودیکہ جاتی ہوئی دنیا سے نئے روز اک نیا لباس بدلا۔ تغیرات نے زمانے کے ہزاروں بلکہ کروڑوں ورق الٹ دیے حوادثات نے لکھ لکھا عالم مٹا دیے اعتباری فطرت کی طوفان خیز بادوں نے کتنی ہی ہستیاں نیست و نابود کر دیں زہریلی ہواؤں نے کتنی قومیں فنا کر دیں مگر انکے بچھائے ہوئے نقش ہستی کے کالبد پر کچھ ایسے جم کے بیٹھے کہ آج تک ہوا نے زمانے تغیر نے ان کا بال بھی بیکا نہیں کیا۔

حکمائے مادیین کے نقطہ خیال سے واقعی اگر دنیا غیر فانی ہے اور نفوس قدیم ہیں تو ہاں ہاں بیشک بیشک ان کی روحانی زندگی باقی ہے اور ضرور باقی ہے ہرگز ہرگز عالم اجسام سے انکا انتقال مکانی ان کو معدوم نہیں کر سکتا ہم کو آج بھی ان کی جانفشانیوں کی ویسی ہی داد دینا چاہیے جیسی اُن کی ظاہری موجودگی میں چاہیے تھی[1] ان ہی تینوں شاعروں کے متعلق جنکو مورخین شعراء طبقۂ اولیٰ سے تعبیر کرتے ہیں عمائدین و اعیان اعراب میں اختلاف ہے کہ ان میں سے کون سب میں اچھا تھا چنانچہ جریر نے زہیر ابن ابی سلمیٰ کو ترجیح دی اور یہی عمر ابن خطاب کی

---

[1] آج وہ نکتہ چین اور بے بصیرت ارباب فن ان کے کارناموں کو دیکھیں اور اپنے گریبانوں میں منھ ڈالیں جنکو باب شعر میں اپنے فن دانی پر بہت گھمنڈ ہے۔ مادۂ شاعری انسان میں ایک فیضان الٰہی ہے جو اپنے کمال میں کسی خارجی قوت و استمداد کا محتاج نہیں ہے اسکو مدرسۂ الٰہی میں تعلیم روحانی پہلے ہی دے دیجاتی ہے ارباب بصیرت کو گہری نظروں سے شعرائے جاہلیت کی قوت تخیل کو معیار فصاحت و بلاغت و اصول مفروضۂ عروض کے ساتھ ہی ساتھ دیکھنا چاہیے اور یہ جانچنا چاہیے کہ یہ کلام کب کا ہے اور دنیا میں علم عروض کب آیا۔ آیا طبیعت شاعری نے علم عروض و قافیہ کی تدوین کی ہے یا علم عروض و قافیہ نے طبیعت شاعری کو خلق کیا ہے ۱۲ منہ

[illegible] جو وہ لکھتے ہیں میر کے متعلق ہو شاعر الشعراء عرب کا ترجمہ ہے
[illegible] شعر [illegible] بیان اس ترجیح کے بہت سے اسباب لکھتے ہیں
[illegible] کلام منتخب اور [illegible] اور [illegible] پاک تھا دوسرے وہ اپنے
[illegible] مضامین [illegible] ڈھونڈا تھا تیسرے وہ کسی کی مدح
[illegible] پڑھتا تھا [illegible] قائل ہوتا تھا اسکی [illegible]
[illegible] کرتا تھا چوتھے [illegible] عشق شاعری کو دوسرے شعرا
کے مقابل میں [illegible] اسکے مضامین لطیف اور
شوخی الفاظ اور تصرفات شاعری انسان کو تعجب میں ڈالدینے والے ہوتے تھے
میری رائے میں [illegible] ترجیح کے لیے اپنے عہد کے معاصرین [illegible] کیا کم ہے
[illegible] کبھی کسی کی مدح نہیں کرتا تھا شاعری میں [illegible] سے
[illegible] عیب ہے اور [illegible] عیب ہے خوشامد [illegible] شاعر کے لیے
اختیار کرنا بہت بڑی اخلاقی کمزوری ہے اگرچہ ان عیوب مذکورہ سے بیشتر
اعراب جاہلیت کا کلام پاک ہے لیکن نسبتاً زہیر موجب مذکورہ [illegible]
[illegible] میں سب پر [illegible] وصف شعرا رہا ہے [illegible] وقت سے
[illegible] اعراب نے [illegible]
[illegible] خوشامد اور دربار [illegible] شاعری کی بنیاد
[illegible] کم ہوتا گیا ہے
[illegible] کی [illegible] زندگی ہے جس وقت
[illegible] شاعروں میں سے کون بہتر شاعر ہے تو اس نے
[illegible] پوچھنے والے نے سبب [illegible] کیا تو جواب دیا
[illegible] شعرا کے [illegible] کلام کے ساتھ [illegible] تنقید کی [illegible]

دیکھ لو۔ گو کہ ہم نے بہت مشکل سے زہیر ابن ابی سلمیٰ کے حالات تاریخوں سے چھانٹے ہیں۔ مگر اسکے کوائف زندگی مورخین نے لکھے ہی بہت کم ہیں لیکن پھر بھی ہم بہت کم کرکے لکھ رہے ہیں تاکہ ناظرین کو بار نہ ہو۔

زہیر زمانہ جاہلیت کا بڑا مشہور شاعر تھا ہر چند کہ غیر مسلم تھا لیکن اسکی صفت علم و ورع بہت مشہور ہے۔ اسکے اشعار کے متعلق مورخ اور مستانی نقادان فن کی رائے نقل کرتے ہیں کہ اسکا ہر شعر بے انتہا شوخی اور جودت میں ڈوبا ہوا تھا [illegible] ابن اعرابی کی رائے ہے جو مرتبہ زہیر کو طبقہ شعرا میں حاصل تھا وہ کسی کو [illegible] اس دور میں نہیں تھا گو کہ [illegible] عصر [illegible] تھا [illegible] شعر ہے تھا اسکا باپ بھی شاعر زبردست تھا اور اسکا ماموں بھی شاعر تھا اور اسکی بہن سلمیٰ بھی شاعر تھی اور اسکے دونوں بیٹے کعب و بجیر بھی شاعر تھے اور اسکی بیٹی خنسا بھی شاعرہ [illegible] اسکا پوتا عقبہ بن کعب بھی شاعر تھا [illegible] اس خاندان کا [illegible] شاعری کی تھا [illegible] محمد ابن سلام اسکے متعلق یہ رائے رکھتے ہیں کہ [illegible] زہیر کا ہے [illegible] طرح ان کے برے کلام سے الگ [illegible] زہیر کی [illegible] خصوصیت ہے کہ مسائل مضامین [illegible] اور الفاظ [illegible] شاعری بھی زہیر کا سب سے جداگانہ [illegible] ہے [illegible] کہ ایک سال میں ایک قصیدہ اسکا [illegible] پیش ہوتا تھا کیونکہ [illegible] چار مہینہ میں قصیدہ کہتا تھا اور چار مہینے تک نظرثانی کرتا تھا پھر چار مہینے تک [illegible] مخصوص شعرا کے پاس دورہ کرتا رہتا تھا اسکے بعد بازار میں پیش کرتا تھا اور بعض مورخین لکھتے ہیں کہ ایک شب میں قصیدہ تمام کرتا تھا اور سال بھر تک ترمیم و تنسیخ کرتا رہتا تھا چنانچہ یہ قصیدہ بھی جو خانہ کعبہ میں اس نے آویزاں کیا تھا [illegible] اسی کا [illegible] آئندہ [illegible] کلام پر انشاءاللہ روشنی ڈالیں گے۔

آشفتہ لکھنوی

(باقی آئندہ)

# تکوین

(گذشتہ سے پیوستہ)

اب اتنی بات اچھی طرح ظاہر ہوگئی کہ آفرینش واقعہ عالم زماں سے نہیں ہے واقعات کے اس تغیر اور تبدل کی، جسکو ہم ایک دریاے ذخار کی امواج سے مشابہ کہہ سکتے ہیں نہ کہیں ابتدا ہے اور نہ انتہا۔ گویا آفرینش ایک بحر ناپیدا کنار ہے جس میں نہ اُسکے اول کا پتہ چلتا ہے نہ آخر کا۔ زمانۂ ماضی پر ہم اپنی تخئیل کے زور سے کتنی ہی دور نظر کیوں نہ دوڑائیں وہاں ہم کو واقعات کا ایک عظیم الشان عالم ٹھیک اُسی طرح نظر آئےگا جس طرح آج سے پانچہزار برس قبل کے لوگوں کو دکھائی دیا ہوگا۔ اُسی طرح پر عالم استقبال کو تصور کرلو۔ وہاں بھی اک دریاے بے پایاں موجزن ہے جس میں سواے واقعات کے ہجوم کے اور کچھ محسوس نہیں ہوتا۔ یعنے دوسرے لفظوں میں یہ کہو کہ عالم کی زندگی ابدی ہے اس میں زمانے کی قید نہیں یہ ماضی مستقبل حال کی پابندیوں سے بری ہے آفرینش اس معنی میں ابتداے عالم کا مفہوم نہیں پیدا کرتی ہے

سُنی[۱] حکایت ہستی تو درمیاں سے سُنی
نہ ابتدا کی خبر ہے نہ انتہا معلوم

آفرینش کے معنی یہ نہیں ہیں کہ خالق اور مخلوق دو مختلف چیزیں اور متضاد وجود ہیں، مخلوق سے ہماری مراد مظاہر یا آثار عالم ہیں اور خالق سے مراد جوہر عالم ہے

[۱] یہ شعر موجودہ فلسفی شاعر خان بہادر جناب علی محمد صاحب شاد عظیم آبادی کا ہے کس پاکی شاعری کی ہے سارے مسئلۂ تکوین کو ایک شعر میں ادا کرکے دریا کو کوزہ میں بند کردیا ہے سبحان اللہ

یہ دو مختلف اور متضاد وجود نہیں ہیں بلکہ ایک عالم کے دو عنصر ایک تصویر کے دو رخ ہیں ایک تغیر پذیر یعنی حادث ہے دوسرا مستقل یعنی باقی ہے۔ مخلوق وہ ہے جو کہ بدلتا رہتا ہے خالق وہ ہے جو کہ اپنی جگہ پر قائم ہے اور جبکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ آفرینش کی ابتدا نہ تھی یعنی یہ واقعہ زمانی نہیں ہے تو میری مراد یہ ہوتی ہے کہ عالم تغیرات کی کوئی ابتدا نہ تھی۔

لیکن یہاں اک نئی بات یہ پیدا ہو جاتی ہے کہ اگر عالم ابدی ہے تو پھر آفرینش کا ذکر ہی فضول ہے۔ کیونکہ مسئلۂ آفرینش سے مراد مسئلہ تخلیق عالم ہے، تو کیا پھر کوئی شے ایسی بھی ہے جسکو ہم آفرینش سے تعبیر کر سکتے ہیں، اک ذرا غور کرنے سے معلوم ہو جائیگا کہ تغیر بذات خود آفرینش ہے تغیر مطلق ابدی ہے یعنی تغیر من حیث سلسلہ ابدی ہے لیکن ہر جزو تغیر جو کہ مل ملا کر اک سلسلہ قائم کرتا ہے ابدی نہیں ہے بلکہ اسکی ابتدا اور انتہا از منہ ثلاثہ میں ہوتی ہے۔ مناظر قدرت میں اسکی مثالیں بکثرت موجود ہیں، اس عالم ہی کو لو، سائنس کی بدولت ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ کس طرح نظام شمسی کا وجود ہوا، پہلے اسکی کیا ہیئت تھی کیونکر رفتہ رفتہ سیارے وجود میں آئے اور پھر کس طرح ہمارے سیارے یعنی دنیا کا وجود ہوا، کس طرح اسکی تہیں اور پرت قائم ہوئے، کیونکر پہلے جمادات کی ابتدا ہوئی، بعد اسکے نباتات اور حیوانات پیدا ہوئے زندگی کس طرح ہلکی پھلکی ابتدا سے پیچیدک اور قابض ہوتی گئی۔ کس طرح کسی آئندہ زمانے میں حرارت کے زائل ہو جانے سے ہماری دنیا ذی حیات کے بود و باش کے قابل نہیں رہے گی۔ اور کس طرح چاند ہماری دنیا اور دیگر سیارے جو کہ ہمارے نظام شمسی سے متعلق ہیں آفتاب کے دہکتے ہوئے شعلوں میں کھنچ کر معدوم ہو جائیں گے۔ یہ ساری باتیں جو کہ سائنس نے دریافت کی ہیں نظام کواکب کی تاریخ اور ترکیب کے عظیم سلسلے کا پہلا ورق ہیں۔ اگر ہمارا علم اور زیادہ وسیع ہوتا

تو ہم اپنے نظام شمسی سے گذر کر اُن نظام کواکب کے وجود کے متعلق تفتیش کرتے جس میں سیکڑوں ہمارے جیسے نظام شمسی بھرے پڑے ہیں، لیکن یہ ہم وجود مطلق تک پہنچنا دشوار محض ہے جسکی وجہ ظاہر ہے کہ ہم کو زمانہ ماضی کی کما حقہ خبر نہیں ہے اور نہ ہمارا علم اتنا بڑھا چڑھا ہے کہ ہر چیز کو قانون اسباب کی کسوٹی پر کس کر اسباب و علل کا پتہ بتا دیں اور جبتک ہم ایسا تعلق قائم نہیں کر سکتے کسی واقعہ گذشتہ کی نسبت کامل وثوق کے ساتھ کچھ بیان کرنا خلاف عقل ہوگا یقیناً یہی کیفیت اُسوقت تک پیش آئے گی جب کہ ہم زمانہ مستقبل پر نظر تجسس دوڑائینگے پس قدرت کا سلسلہ تغیر محض کا ایک ایسا کارخانہ ہے جسکی نہ ابتدا ہے نہ انتہا

یہ تو تغیر مطلق یعنی سلسلہ تغیر من حیث سلسلہ کا ذکر تھا۔ اب اگر انفرادی تغیرات کو لو تو معلوم ہو جائے گا کہ ہر مفرد شے کی ایک خاص ابتدا اور انتہا ہے کوئی زمانہ ایسا بھی تھا کہ جب نہ تو چاند تھا نہ سورج دنیا تھی نہ انسان، قوموں فرقوں خاندانوں کے عروج و زوال کا ایک خاص زمانہ ہوتا ہے بعد اُسکے وہ نقش غلط کی طرح صفحۂ ہستی سے معدوم ہو جاتے ہیں۔ دور کیوں جاؤ روز کے مشاہدات کو لو، غروب آفتاب کے وقت اگر فضاے آسمانی پر نظر دوڑاؤ تو دیکھوگے کہ اسکا رنگ بدلتا جاتا ہے وہ بادل کا ٹکڑا جو کہ چند ساعت قبل سُرخ تھا اب نیلا ہوگیا، لیکن سُرخ رنگ تھا۔ وہ آسمان پر ہماری نظروں کے سامنے موجود تھا ہم نے اُسکو بتدریج بڑھتے ہوے دیکھا اور رفتہ رفتہ غائب ہوجاتے ہوئے مشاہدہ کیا، ایک وقت وہ تھا جبکہ وہ نہیں تھا پھر وہ موجود ہوگیا، اور اب ہمیشہ کے لیے غائب ہوگیا۔ آج کا آسمان کل کے آسمان سے بہت ہی مشابہ نظر دکھاتا ہے لیکن آج کا نظارہ آج ہی تک محدود ہے اور آج اور جو کچھ کہ آج سے متعلق ہے اس دریائے ناپید اکنار میں جذب ہو جائے گا جسکو ہم ماضی سے

تعبیر کرتے ہیں، یہاں ہمارے سامنے اک ایسا واقعہ ہے جس سے ہم ہرگز انکار نہیں کر سکتے یعنی اُس شئے کا وجود میں آنا اور پیدا ہونا جو کہ موجود نہیں تھی اور اس کا فنا ہو جانا جو کہ موجود تھی۔ ہمارے سامنے تغیر کا واقعہ ہے، اور واقعات اور مشاہدات سے انکار محال ہے۔ ایسا ہی تغیر آفرینش ہے اور تغیر کی اس کشاکش میں جو نئی چیز کہ پیدا ہو جاتی ہے وہ مخلوق ہے۔

تغیرات کا یہ سلسلہ عالمگیر ہے، عالم کے اُن چند اصولوں کے سوا جو کہ مستقل ہیں اور جن کو ہم اصطلاح میں "جوہر" کہتے ہیں۔ ہر چیز بدل رہی ہے۔ آج کی دنیا کل (گذشتہ) کی دنیا ہرگز نہیں، گو کل کی دنیا اور آج کی دنیا کے مابین وہ مستقل وجود بھی ہے، جس کو ہم نے جوہر سے تعبیر کیا ہے۔ لیکن اُس وجود کے ساتھ ساتھ جو کہ کل (گذشتہ) کی دنیا کو آج کی دنیا سے متمائز کرتا ہے۔ تغیرات کا بازار گرم ہے۔ اور روز نئی نئی چیزیں خلق ہوتی رہتی ہیں۔ کل (گذشتہ) کی دنیا ختم ہو گئی اور اک نئی دنیا، یعنی آج کی دنیا اسکی جگہ موجود ہو گئی، اور یہی آج کی دنیا کل (آئندہ) کی دنیا کے لیے جگہ بنا رہی ہے۔ یہ سلسلہ من حیث المجموع کوئی ابتدا نہیں رکھتا، اور نہ اسکی کوئی خاص انتہا ہو گی۔ کوئی زمانہ ایسا نہیں تھا جبکہ آج کل (گذشتہ) کی جگہ لینے کو تیار نہ ہو اور نہ کوئی زمانہ ایسا تھا جب کہ آج کل (آئندہ) کے لیے جگہ خالی نہ کر رہا ہو۔ لیکن جو کچھ کہ سلسلۂ عالم میں بحیثیت مجموعی سچ ہے اسکی زندگی کے ہر ساعت میں سچ نہیں ہے۔ ہر ساعت اک نئی دنیا پیدا کرتی ہے اور اپنے خالق کا ایک نیا جلوہ دکھاتی ہے، عالم لمحی ایک لمحہ کے ساتھ وجود میں آتا ہے اور اسی کے ساتھ فنا ہو جاتا ہے، آفرینش وہ حادثہ نہیں ہے جو کہ کسی خاص زمانہ یا وقت میں واقع ہوتا ہے۔ بلکہ یہ اک ایسا واقعہ ہے جو کہ ہمیشہ موجود اور حاضر ہے یہ واقعات کا ہمیشہ وجود میں آتے رہنا ہے۔ یہ نئے حادثات اور مظاہر کا ہمیشہ پیدا ہونا اور

پُرانے جلوؤں کا آشکارا ہو جاتا ہے۔

لیکن اب یہ دیکھنا چاہیے کہ آفرینش عالم "کیونکر" ہوئی "کیونکر" منفرد چیزیں اپنی تغیر پذیر حالتوں کے ساتھ وجود میں آتی ہیں، قبل اسکے کہ اس سوال کا جواب دیا جائے "کیونکر" کس طرح کے اعلےٰ مفہوم اور معنی کو اچھی طرح پر سمجھ لینا چاہیے کیونکر تین معنوں میں مستعمل ہو سکتا ہے۔

اول کیونکر سے مراد وہ ذریعہ ہو سکتی ہے جس سے کوئی شے وجود میں آئے یا بنائی جائے یعنی وہ مادہ یا جنس جس سے اشیا کی ساخت مرکب ہو اور بنانے والے کی ذہانت اور صنعت اور وہ قانون قدرت مثلاً قانون اسباب اور کشش جن کے بغیر کوئی کام ہو ہی نہیں سکتا لیکن یہ مفہوم محض عمارت پر کرسی وغیرہ کی تعمیر یا صنعت و حرفت کے بہترین ایجادوں سے متعلق ہو سکتا ہے اور آفرینش سے یہ مراد ہرگز نہیں ہو سکتی، کیونکہ خالق عالم نے تو اینٹ پتھر جوڑ کر دنیا کی عظیم الشان عمارت تیار نہیں کی ہے اور ایسا خیال کرنا بھی محض عقل سلیم پر دھبہ لگاتا ہے۔

دوسرے ہم انسانی طریقۂ ایجاد و اختراع سے جدا ہو کر کیونکر کا اطلاق اُن قوانین قدرت یعنی قوانین اسباب و علل پر کر سکتے ہیں جن کے مطابق وہ تغیرات جو کہ عالم میں لاحق ہوتے ہیں وقوع میں آتے ہیں، قانون اسباب واقعات کا تواتر اور تسلسل کے ساتھ یکے بعد دیگرے واقع ہونے کا نام ہے۔ اب اگر ہم کیوں کر سے قانون اسباب مراد لیں تب جو کچھ کہ سائینس اسباب و علل اور دیگر قانون قدرت کے متعلق معلوم کر چکا ہے آفرینش سے ہماری مراد وہی قانون اسباب اور قدرت ہوگی۔

کیوں کر اک تیسرے معنی میں اور بھی استعمال ہو سکتا ہے اور یہی وہ مفہوم ہے جو کہ عموماً اس سوال کے جواب میں پیش کیا جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ کسی واقعہ سے محض اُس طریقے اور سلسلے کو بیان کر دینا جس طرح پر کہ وہ واقعہ وجود میں آیا۔

اس امر کو واضح نہیں کرتا کہ کیوں وہ واقعہ ٹھیک اُسی طرح پہ ظہور میں آیا جیسا کہ ہم برابر مشاہدہ کرتے ہیں کہ بھوس میں چنگاری پھینکنے سے آگ لگ جاتی ہے یا ایک حصہ تیزابیہ میں دو حصہ مائیہ ملانے سے پانی بن جاتا ہے لیکن ایسا کیوں ہوتا ہے کیوں چنگاری ہی پھینکنے سے آگ لگ جاتی ہے، پتھر پھول پھینکنے سے نہیں۔ کیوں تیزابیہ اور مائیہ ہی ملانے سے پانی بنتا ہے، تیزابیہ اور شوریہ ملانے سے نہیں، کیوں ہم کو موجودہ ہی عالم ملا ہے دوسرا عالم نہیں۔ کیا یہی ایک عالم ہے جو کہ وجود پذیر ہو سکتا تھا دوسرا عالم نہیں یا دوسرے لفظوں میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ کیا عالم کا وجود لازمی تھا اور اگر تھا تو یہ عالم ایسا کیوں ہوا جیسا کہ موجود ہے۔

اس امر کو ثابت کرنے کے لیے کہ وجود عالم لازمی تھا یعنی اس کا وجود خالق کی ذات یا طبیعت سے لازمی طور پر مستنبط ہو سکتا ہے اس بات کی ضرورت پڑتی ہے کہ ہم خالق اور مخلوق یا عالم میں ٹھیک ویسا ہی تعلق قائم کریں جو کہ کبریٰ اور صغرا کو نتیجہ سے رہتا ہے، اس لیے ہمارا کبریٰ ایسا ہونا چاہیے کہ جس سے ہم اصول منطق کے مطابق عالم کے وجود اور ہستی کو خالق کی ذات اور طبیعت سے لازمی طور پر مستنبط کر لیں۔ لہٰذا خدا کی طبیعت کا بیان ہمارے قضیے میں ہونا ضرور ہے جس کا کبریٰ ایسا ہو کہ صحیح بالذات ہو، اور جس کا لازمی نتیجہ یہ ہو کہ عالم کا وجود لازمی اور لابدی تھا، اور ایسا ہی ہونا لازمی تھا جیسا کہ موجود ہے۔

لازمیت سے مراد عقلی لازمیت ہے، یعنی یہ عالم ذات مطلق سے مستنبط ہو سکتا ہے اور لازمی صرف وہ چیزیں ہو سکتی ہیں جو کہ مستقل ہیں نہ وہ جو کہ تغیر پذیر ہیں اور جب ہم یہ بیان کرتے ہیں کہ لازمی مستقل ہے تو میری مراد یہ ہوتی ہے کہ یہ واقعی مستقل اور ابدی ہے، تب یہ عالم اُسی حالت میں ایک لازمی عالم ہو سکتا ہے جب کہ قانون اسباب اور دوسرے قانون مستقل ہیں یہ اک لازمی عالم اُسی

معنی نہیں ہے کہ اسکے تمام واقعات اور تغیرات قانون اسباب اور قانون تحفظ قوت (یا قانون اجتماع قوت) کے تابع ہیں۔

لیکن تھوڑی دیر کے لیے مان لو کہ خالق نے جس عالم کو پیدا کرنا چاہا تھا اسی کا انتخاب کیا اور اسی کو پیدا کیا یا دوسرے لفظوں میں یوں کہو کہ موجودہ عالم کی جگہ دوسرا عالم بھی ہو سکتا تھا۔

یہ بات ظاہر ہے کہ اگر اس موجودہ عالم کے ماسوا کوئی دوسرا عالم بھی ہو سکتا تو ہم ذات خالق سے اس موجودہ عالم کو ہرگز منتج نہیں کر سکتے ہیں کیونکہ ہم نے یہ مان لیا ہے کہ اس عالم کے ماسوا کوئی دوسرا ہی عالم اسکی ذات سے متفق اور مطابق ہوگا۔ جو لوگ اس خیال کے پابند ہیں وہ مسئلہ آفرینش کو اس حد تک پہنچاتے ہیں کہ جبکہ یہ طے پا گیا کہ کون سا عالم وجود میں آئے اسکے بعد کیونکر خالق نے اس عالم کو پیدا کیا، یعنی یہ مسئلہ یہاں آکر ٹھہر جاتا ہے کہ چند عالموں میں سے ایک خاص عالم کا انتخاب عقدہ لاینحل اور معمہ ہے، کیونکہ اگر وہ قابل حل ہوتا تو وہ لازمی طور ذات خالق سے مستنبط ہوتا، اس لیے جو شخص یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ خدا نے چند عالموں میں سے اسی عالم کو پسند کیا وہ یا تو اپنے اس عقیدے کو خیرباد کہے یا اس امر کا اعتراف کرے کہ عالم لازمی طور پر ذات خالق سے مستنبط نہیں ہو سکتا

اب ہمارا تعلق صرف ایک مسئلہ سے وابستہ رہ گیا ہے یعنی وہ مسئلہ جو اس امر پر زور دیتا ہے کہ یہ فلسفی کا فرض ہے کہ وہ عالم کو ذات خالق سے منتج اور مستنبط کرے۔

یہ دعوی محض مہمل ہے، کیونکہ اصول منطق کے رو سے صحیح نتیجہ نکالنے میں ہم کو اپنے کبریٰ اور صغریٰ سے آگے نہیں بڑھنا چاہیے، اور اگر ایسا کریں تو ہم مغالطہ کے مرتکب ہوتے ہیں، لیکن مسئلہ آفرینش کے متعلق تو ہم سے یہ کہا جاتا ہے کہ عالم [illegible] کی

ذات سے مشتق ہے جو کہ خود عالم سے جدا اور علیحدہ ہے یعنی یہ کہنا کہ وہ عالم جو کہ ذات خالق سے اس طرح لازمی طور پر مستنبط ہوتا ہے جس طرح ایک نتیجہ اپنے صغری اور کبری سے ضرور خالق سے مختلف اور جدا ہوگا سراسر نادانی اور بدعقلی ہے۔

لیکن یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا واقعی ہم سے (فلسفیوں) اس امر کی توقع کی جاتی ہے بیشک ایسا ہی ہے کیونکہ جس چیز کی تصریح ہم سے پوچھی جاتی ہے وہ تغیر ہے یعنی اس چیز کا وجود میں آنا جو کہ موجود نہ تھی اب یہاں پر دو ہی باتیں رہ جاتی ہیں یا تو وہ عالم جسکی تصریح اور تنقیح ہم سے پوچھی جاتی ہے بالکل نیا ہے۔ جدید ہے یعنی جو کہ پہلے نہ تھا یا وہ ہمیشہ سے ایسی طرح موجود ہے اگر وہ اول الذکر ہے، تو ہم اسکو ذات خالق سے مستنبط نہیں کر سکتے کیونکہ تب وہ لازمی طور پر مخلوق سے جدا ہوگا اور اگر موخر الذکر تو ہم لوگ سرے سے آفرینش ہی کے منکر اب یہی مجبوراً تغیر ہی سے انکار کرتے ہیں جو کہ بالکل خلاف مشاہدہ اور عقل[1] ہے۔

اب اُن تین مسئلوں میں سے آفرینش محض وہ مسئلہ رہ گیا ہے جس کا نمبر دوسرا ہے، تیسرا اہمل ہے پس غیر موزوں اور نامناسب ہے، پس مسئلۂ آفرینش بالکلیہ اس سوال سے تعلق رکھتا ہے کہ قوانین آفرینش اور قوانین حدوث واقعات کیا کیا ہیں، یعنی مسئلہ آفرینش سے گذر کر ہم مسئلہ ارتقا پر پہنچتے ہیں۔

(باقی آئندہ)

نصیر حیدر

---

[1] سپائی نوزا کا خیال یہ کہ آفرینش وہ ہے جو کہ خالق کی ذات سے یوں نتیج ہوتی ہے جس طرح ایک مثلث کے صفات اس کی تعریف سے اخذ کیے جاتے ہیں محض دور افتادہ ہے اور اسکو آفرینش سے کچھ بھی لگاؤ نہیں۔ مثلث کے صفات مستقل ہیں تغیر پذیر نہیں۔ درانحالیکہ ہم کو جو کچھ آفرینش میں واضح کرنا ہے وہ تغیر ہی ہے۔ حال اگر سپائی نوزا تغیر کو حقیقت تصور کرتا ہے تو اسکا یہ خیال غلط محض ہے، اور اگر وہ تغیر کا منکر ہے تو یہ خیال مشاہدہ اور عقل کے خلاف ہے۔

# دُکھیا

چوہتر پچہتر برس کا زمانہ ہوا کہ حضرت ابوالفتح مصلح الدین فریاجاہ سلطان عادل خاقان زماں محمد امجد علی شاہ بادشاہ اودھ نے چوالیس[۴۴] برس کی عمر میں تختِ سلطنت پر جلوس فرمایا۔

پہلے جب فردوس منزل کے انتقال کی خبر آئی تو حضور اپنے دولت خانے پر حسب دستور قدیم رزیڈنٹ بہادر کے منتظر تھے اتنے میں کپتان شکسپیر استقبال کو آئے اور اپنے ساتھ بادشاہ کو دردولت کی بارہ دری میں لائے حضور نے موافق رسم شاہان اودھ جلوس فرمایا۔

شہزادگان نے سب سے پہلے نذریں دیں اسکے بعد اقربا و متوسلین شاہی نے نذریں پیش کیں سلامی توپ کی شلک ہوئی شہر میں ڈھنڈورا پٹا ارباب نشاط نے تخت کے سامنے مبارکباد گائی۔

اتنے میں بیت الانشا کے ایک منشی نے فراشی سلام کرکے ایک نہایت خوشخط مطلا قطعہ پیش کیا جسکے حواشی پر مذہب شکارگاہ بنی ہوئی تھی قطعہ بیضاوی شان کی حدوں میں تھا جوڑ نہایت پاکیزہ کرسی درست بین السطور پھیلا ہوا کشادہ کہیں چاول برابر کمی بیشی نہیں قلم کی گردش منتی ہوئی سرخوں کی خوشنمائی نظر فریب قطعہ تو سرکار میں پیش ہو گیا مگر کسی نے اسکے حسن و قبح پر نظر نہ کی اور میر حسین علی کو اپنی محنت اور جانفشانی کی داد نہ ملی دلشکستہ دربار سے گھر واپس آئے مردہ دل افسردہ خاطر چہرے پر یاس ٹپک رہی تھی۔ میر صاحب لکھنؤ کے قدیم باشندوں میں تھے سعادت گنج میں مکان تھا دس روپیہ ماہوار کے دفتر بیت الانشا

میں ملازم تھے تنخواہ قلیل تھی مگر اس زمانے میں ایسی بھی بہت برکت تھی سستا
موسم تھا اس قلیل آمدنی پر ایک ماما بھی نوکر تھی۔

میر صاحب کی تقدیر منشی شمس الدین کی قسمت سے ملتی جلتی تھی اتنا بڑا
کامل فن اور شاہی زمانہ اور اس کس مپرسی کی حالت میں پڑا ہو۔

لیکن بات یہ ہے کہ میر صاحب خلقی کم گو واقع ہوے تھے اور ریاسی بھی نہ تھے
ان دونوں باتوں نے ان کو بیتی میں ڈال رکھا تھا۔

میر صاحب کا قول تھا کہ خداوندان دولت اہل نظر نہیں ہوتے یہ شہرت پسند
ہوتے ہیں مشہور اور نامور آدمی کی قدر کرتے ہیں گو وہ فن کے لحاظ سے کچھ بھی نہ ہو۔
یا اس شخص کی قدر کرتے ہیں جس کا ہاتھ لوگوں کی سعی سفارش سے ان کے دامن تک
پہنچ گیا ہو۔

اہل کمال کو اپنے فن پر ناز ہوتا ہے اسلیے اکثر دیکھا گیا ہے کہ ان کا فن اہل
فن اکثر چھین لیتے ہیں اور گنی لوگ ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہیں اور ان کی غذا
لخت دل اور خون جگر ہے۔

اس زمانے میں آغا عبدالرشید کا لکھا ہوا قطعہ اور حافظ نوراللہ کی
وصلی سو سو روپے فروخت ہوتی تھی۔

میر صاحب بھی اپنے فن میں ان کے ہم پلہ تھے بڑے بڑے لکھنے والے
ان کے آگے کان پکڑتے تھے مگر امراء و رؤسا میں ان کی تحریر کی خاک بھی قدر
نہ تھی ... بھی اسیر آفت یہ آئی کہ میر صاحب کی ملازمت کا سلسلہ بھی منقطع
ہو گیا بیت الانشا میں سرکار کی طرف سے تخفیف منظور ہوئی تو سب سے پہلے
ان کا نام کاٹ دیا گیا اب روزمرہ خرچ کی بھی تکلیف ہونے لگی اور
تفکرات سے میر صاحب کے حواس مختل ہو گئے۔

(۲)

آج سعادت گنج میں میر صاحب کا کچا مکان ایک عالیشان پختہ عمارت کی شکل میں نظر آتا ہے پھاٹک کی بغل میں ایک کمرہ نہایت وسیع فرش فروش سے آراستہ پیراستہ قطعات سے مزین نظر آتا ہے اُمراؤ کے لڑکے اصلاح کی غرض سے آتے ہیں کچھ وہیں بیٹھے ہوئے مشق کر رہے ہیں۔

ایک صاحب میر صاحب سے الگ گوشے میں کچھ سرگوشی کر رہے ہیں۔ آغا عبد الرشید کا لکھا ہوا ایک قطعہ نکالا ہے اور کہتے ہیں دیکھیے اسمیں بال برابر فرق نہ ہے۔ دس روپیہ حاضر خدمت ہیں میر صاحب نے پیش شدہ رقم بخوشی منظور فرمائی اور ایک کونے میں بیٹھکر نہایت اطمینان سے قطعہ کا چربہ اُتار لیا اور دوسرے روز تیز روشنائی سے بھر کر آغا کا نام لکھکر صاحب فرمایش کے سامنے اصلی اور نقلی دونوں قطعے پیش کیے۔ اگرچہ وہ بڑے مبصر تھے مگر کسی طرح دونوں میں امتیاز نہ کر سکے کہ اصل کون ہے اور نقل کون اس خوشی کے جوش میں میر صاحب کے ہاتھ چوم لیے اور کہا سچ تو یہ ہے کہ یہ آپ ہی کا حصہ ہے۔ اس طریقہ سے میر صاحب کو دس روپیہ ماہوار کی آمدنی ہے اور بہت سے تاجر میر صاحب کے ایجنٹ بنے ہوئے ہندوستان کے مختلف حصص میں تجارت کر رہے ہیں اور ان کو بہت نفع ہے۔ میر صاحب کے دوست ایک شیخ کلن صاحب ہیں جو بمثل حکاک مشہور ہیں بلور کو ہیرا یاقوت نیلم کھوراج ایسا بنا دیتے ہیں کہ بڑے بڑے جوہری ان کا لوہا مانے ہوئے ہیں ان کے وسیلے سے بھی ہزاروں آدمی روٹی کماتا ہے آدمی مخیر ہیں خیرات بھی حسب حیثیت کرتے اور کنبہ پرور بھی ہیں۔

وضع سیدھی سادی باتیں بھولی بھالی مروت کے پتلہ ہیں دونوں میں

مناسبت اور تعلقات دونوں کی ایک بڑی ننگی لکھائی ہے۔ اس زمانے تکلفیوں میں شرافت کی علامت میں شمار کی جاتی تھی اور کوئی صحبت اس سے خالی نہ تھی مرزا رجب علی بیگ سرور آفتاب الدولہ قلق وغیرہ میر صاحب کی صحبت میں ہمیشہ رکن اعظم تھے۔

گھر میں چار پانچ خدمتگار زنانے لڑکوں پر مشتمل ملازم مگر میر صاحب کی اکلوتی لڑکی عابدہ بیگم بہت نیک تھی وہ کہتے تھے میرے گھر میں خدا نے بھیجا ہے جب سے یہ پیدا ہوئی ہے میرے گھر میں حیرت انگیز ترقی ہو گئی ہے وہ دن تھا کہ میں ... کا ملازم تھا ... وہ زمانہ آگیا ... ہر طرف ہوا ... وقت روزی ... چیز کو ترستے تھے اب خدا کا دیا ہوا سب کچھ ہے ... جب سے ... عابدہ کی ... شادی ... لڑکی کی شادی ...

... کا سامان تو ... جہیز ... عابدہ بھی ... شادی کے ... طرف سے ... تھے لیکن میر صاحب ... پر فریب ... اور ... شادی کی ... والوں کا بیان ہے کہ ایسی تقریب میر صاحب ... نہ ہوئی تھی۔

(۳)

... گذر چکا ہے عابدہ اپنی سسرال میں ہنسی خوشی بسر کرتی

میاں بیوی میں اتفاق ہے گری ترا قے کی پڑرہی ہے دوپہر کو ہری ہری طاقم لگو یا کلیجے میں ٹھنڈک ڈالتی ہیں برسات کا آغاز ہوتے ہی تمام شہر میں ہیضے کی بیماری پھیل گئی اموات کی کثرت ہوگئی لوگ شہر چھوڑ کر بھاگنے لگے۔

احمد حسن عابدہ کا شوہر بہت دل کا کچا تھا بیوی سے صلاح کی شہر میں بیماری بہت ہے کہو تو تبدیل آب و ہوا کی غرض سے کہیں دیہات کو چلے چلیں مہینہ دو مہینے کے بعد پھر واپس آجائیں گے بیوی نے کہا تم بڑے ڈرپوک ہو مرد ہو کر اتنے ڈر گئے تم سے تو ہم عورتیں اچھی ایسی بات منہ سے نہ نکالنا لوگ ہنسیں گے تمہاری اوقات اتنی کہاں کہ پردیس کا خرچ اٹھا سکو اور خدا جانے وہاں کیا واقعہ پیش آئے یہاں دس عزیزوں کا تو سہارا ہے غیر شہر میں کون کس کا پوچھنے والا ہے اور اب تو میں سنتی ہوں بہت کم ہے۔

اس گفتگو کے آٹھ دس روز بعد بارہ بجے رات احمد حسن کی آنکھ دفعتاً کھل گئی سینے پر کچھ گرمی معلوم ہوتی تھی طبیعت مالش کر رہی تھی ہاتھ پاؤں ٹھنڈے تھے پیٹ میں اپھارہ تھا بیوی کو جگا کر کہا ذرا چراغ جلادو میں پیخانے جاؤں گا جب تک وہ نیک بخت چراغ جلائے جلائے آپ پانی لے کر اندھیرے میں چلا گیا بیوی نے پوچھا خیر تو ہے کچھ منہ سے جواب نہ نکلنے پایا تھا کہ ایک اسہال دست آیا تمام جسم عرق عرق ہو گیا طبیعت مضمحل ہوگئی مشکل پیخانے سے نکل کر پلنگ پر آیا دفعتاً ایک قے ہوئی اور غشی کی حالت طاری ہو گئی اس وقت عورت کو کیا ہو سکتا تھا مگر پھر بھی عورت ذات نے بڑی ہوشیاری کی فوراً حکیم کو طلب کیا دوائیں منگوائیں اور پلائیں مگر وقت پورا ہو چکا تھا بیماری اپنا اثر کر چکی تھی، دوا کارگر نہ ہوئی اور

صبح ہوتے ہوتے ہی احمد حسن نے انتقال کیا۔

اب غریب عابدہ اپنے بھائیوں کے ساتھ رہتی ہے باپ مرچکا سسرال میں کوئی پوچھنے والا نہیں مجبوراً بھائیوں کے یہاں زندگی کے دن پورے کر رہی ہے بھائیوں نے باپ کے ترکے کا ایک پیسہ بھی غریب کو نہیں دیا نہ وہ مانگ سکتی تھی نہ اسکی دوسری شادی کی کیونکہ یہ بات رواج خاندان کے خلاف تھی موٹا جھوٹا کپڑا اور روکھی سوکھی روٹی بھی چندروز کے بعد گراں ہونے لگی بات بات پر دبائی جاتی تھی اور ہر موقع پر غم کھانا پڑتا تھا وہ سوچتی تھی کہ اب دنیا میں انکے سوا میرا کون ہے لیکن بھاوجوں کی لگائی بجھائی سے اسکا ناک میں دم تھا بات بات پر شوہروں کو بھڑکاتی تھیں روز کی تکافضیحتی روز کا جھگڑا بکھیڑا جب بہت تنگ آتی تھی تو دل کی بھڑاس نکالنے کو اپنے رہنے کے کمرے کا دروازہ بند کرکے دو دو گھنٹے لگاتار زاروقطار رو لیا کرتی۔

جب دنوں میں کشیدگی بڑھ گئی اور بھائیوں نے غریب بیوہ بہن کو مجبور اور بے بس پاکر ہر وقت اپنا غصہ اُتارنا شروع کیا تو اس نے اپنے دل میں فیصلہ کر لیا چاہے بھائیوں کی ناک کٹے یا رہے میری تو اب اس گھر میں بسر نہ ہوگی۔ بھاوجوں کا بغض ایسا بیجا نہیں ہے اس لیے کہ وہ غیر ہیں مگر بھائیوں کی بے اعتنائی اور زباں درازی ہرگز قابل معافی نہیں خدا کے سوا میرا فریادرس دنیا میں کوئی نہیں باپ کا ترکہ میری پرورش کو کافی تھا مگر مجھے کون دے گا اس کا ذکر زبان پر لانا بے سود ہے۔

خیر میرے ہاتھ پاؤں سلامت رہیں محنت مزدوری کرکے کھاؤں گی اور اب اس در پر نہ آؤں گی ایک روز اسی طرح بہت شدت کی لڑائی ہوئی کہ محلے والے توبہ توبہ کرنے لگے عابدہ بیگم نے ہمسائی سے کہا تمہیں کوئی مکان

آٹھ آنے مہینے کا غریبانہ مل جائے تو مجھے دلوا دو ہمسائی نے کہا ہمارے نندوئی کا ایک مکان اسی محلے میں خالی ہے عابدہ نے دو مہینے کا کرایہ ایک روپیہ پیشگی دیدیا اور اپنا اگڑ کھنگڑ سمیٹ کر اٹھ گئی محلے کے لوگ جو اسکے باپ کے وقت سے تھے انکو بہت افسوس ہوا اور اس نے بھی ہمت کر کے اپنی زندگی چکی پر بسر کرنا شروع کیا کچھ مامائیں ترس کھا کر دو دو تین تین آٹھویں دن اسکو جنس خرید لا دیتیں اور اکثر بیکار مامائیں اسی کے یہاں رہا کرتیں۔

عابدہ بیگم کی اب زندگی سلائی پرائی کڑھائی پر بسر ہوتی ہے جب کچھ کام نہیں ملتا تو فاقے کی نوبت آتی ہے بہت کمزور اور نحیف ہو گئی ہے صورت نہیں پہچانی جاتی۔

ایک روز برسات کا زمانہ تھا موسلا دھار پانی برس رہا تھا اور اسکے ساتھ ہوا کا وہ زور کہ الحفیظ اور تند تند سے۔ عابدہ بیگم بھی پیس رہی تھی دفعتہً سہ دری کی اور دالان کی سب دھنیاں زمین بوس ہو گئیں لیکن دھنیاں کچھ اس طرح سے قینچی ہو گئیں کہ اسکی ہڈیاں پسلیاں چور ہونے سے بچ گئیں اور یہ اسی کے اندر پڑی رہی کچھ دیر ہوا کے نہ آنے سے دم گھٹنے لگا جب تک پانی برسا کیا کسی کو خبر بھی نہوئی کھلنے کے دو تین گھنٹے بعد ہمسایہ عورت نے ہمدردی کی راہ سے اپنے شوہر کو عابدہ بیگم کی خیریت دریافت کرنے بھیجا انھوں نے آکر دیکھا مکان گرا پڑا ہے گھبرا کر کئی آوازیں دیں جب کوئی جواب نہ آیا تو دوڑ کر اسکے بھائیوں کو اطلاع دی دونوں کے دونوں دوڑے آئے مزدور لگا کر دھنیاں ہٹوائیں تو دیکھا عابدہ بیگم بالکل بے حس و حرکت بیہوش پڑی ہے چارپائی پر لٹا کر باہر نکالا کچھ دیر کی مہمان تھی ہوا کے لگنے سے آنکھ کھولی بھائیوں سے کہا اچھا اب سب لوگ ہمارا کہا سنا معاف کرنا کچھ دیر کے مہمان ہیں اتنی چند روزہ زندگی پہاڑ ہو گئی تھی کسطرح کاٹے نہ کٹتی تھی۔

ہزاروں لڑائیاں جھگڑے رسوائیاں بدنامیاں جو جو قسمت میں لکھی تھیں پوری ہوئیں جیتے جی در پر بیٹھے دوبھر ہوگئے باپ دادا کی عزت کے خیال سے خاک میں مل گئے سلائی پیائی پر بسر اوقات کی ایک وقت بھی آدھا پیٹ کھانا بمشکل سے میسر آتا تھا ایسے آزمائش کے وقت میں بڑے بڑے خدا رسیدوں کے قدم ڈگمگا جاتے ہیں تو ہم دنیا کے کتے کیا ہیں۔

خدا کا شکر ہے کہ اس نے عزت آبرو سے محنت مزدوری سے ہماری چند روزہ زندگی بری بھلی طرح بسر کرادی اب آخری منزل درپیش ہے یہاں کی تکلیف تو ختم ہوچکی اب وہاں اسکے فضل و کرم سے اچھی ہے۔

میں تمہیں ایک وصیت کرتی ہوں جو بیوگی کی حالت میں جو مجھے تلخ تجربہ ہوا اس کا نتیجہ ہے کہ ہندوستان کے دستور کے موافق پردہ ایک ضروری چیز ہے اسکو قائم رکھنے کے بعد بے وارث عورتوں کا کس مپرسی کی حالت میں پڑا رہنا سب سے زیادہ دردناک واقعہ ہے گویا ہندوستان میں عورت اکیلی تنہا رہ کر زندگی بسر نہیں کرسکتی اور پھر پردہ کی زندگی یہ ہے ایک ایک چیز کو ترستی ہے ایک ایک کام کو نوکروں کی خوشامد کرتی ہے کسی نے ترس کھا کر بازار سے سودا لا دیا تو کھانا میسر آیا نہیں تو فاقہ ہے یہ ان کا ذکر ہے جنکے پاس پیسہ ہے یا کچھ محنت مزدوری کرکے دو پیسے پیدا کرلیتی ہیں۔

اور خدانخواستہ جنکے پاس پیسہ نہیں ہے اور ہاتھ پاؤں سے معذور ہیں محنت مزدوری کی عادت نہیں ہے ان کا تو اللہ ہی حافظ ہے ہندوستان میں مٹی خراب ہوتی ہے اگر باپ دادا کی عزت کا خیال ہے پردے سے باہر نکلنا نہیں چاہتی ہیں تو فاقے کرکے کوٹھری کے اندر جان دیدیتی ہیں۔

ان مصیبتوں کا مجھے خوب اندازہ ہو چکا عزیزوں کی بیوفائی دیکھی

بھائیوں کی بے اعتنائی دیکھی محلے والوں کی بے پروائی دیکھی ہمسایوں کی کج ادائی دیکھی رنڈیوں کی رُکھائی دیکھی جتنی تکلیفیں جتنی مصیبتیں تھیں سب کا مجھ پر خاتمہ ہوگیا اور یہ اس لیے کہ کوئی اپنا گلی والا وارث ایسا نہ تھا جو ہماری عزت کو اپنی عزت اور ہماری آبرو کو اپنی آبرو سمجھتا اس لیے میری دست بستہ سب بھائی بہنوں سے گذارش ہے کہ جہاں تک ہو سکے رانڈ بیوہ کے دو بول کسی شریف غریب کے ساتھ ضرور پڑھا دیں اور اس بد رسم کی ہندوستان سے بیخ و بنیاد نیست نابود کر دیں۔

اس بد رسم نے ہزاروں شریفوں کی آبرو خاک سیاہ کر دی۔ ہمارے باپ کی عزت و آبرو کا خیال کرو اور ہماری حالت کا اندازہ کرو تو دونوں میں زمین آسمان کا فرق پاؤ گے۔

عشرت لکھنوی

# پیمانِ وفا

(تمہید۔ لیڈی کلیر ایک ارل کی اکلوتی بیٹی خیال کی جاتی تھی اور لارڈ رونلڈ اس کا بھتیجا تھا۔ اسلیے وہ دونوں چچیرے بھائی بہن سمجھے جاتے تھے۔ لیڈی کلیر ارل کی وارثہ تصور کیجاتی تھی مگر اسکی بڈھی دایہ نے اس بات کا اقبال کیا کہ وہ اسکی ہی لڑکی تھی نہ کہ بڈھے ارل کی کیونکہ اسکی لڑکی ایام طفولیت میں مرگئی تھی۔ بدینوجہ لیڈی کلیر ارل کی وارثہ نہ تھی بلکہ اسکا بھتیجا لارڈ رونلڈ اسکا وارث تھا۔ اور حق دار تھا۔ اس سے شادی ہونے کے بعد لیڈی کلیر پھر بھی اسکی بیوی ہونے کی حیثیت سے لیڈی رہی)

لارڈ ٹینی سن نے اس واقعہ کو بعنوان لیڈی کلیر نظم کیا ہے جس کو میں آج اپنی زبان کا جامہ پہنا کر پیمانِ وفا کی سرخی سے ضیافتِ طبع ناظرین کے لیے پیش کرتا ہوں۔

جن دنوں چھا جاتا ہے ابر بہاری چرخ پر
جب کھلا کرتا ہے نیلوفر نہیں ایام میں

بال تھے جسکے سفید و صاف و نرم و خوبتر
اک ہرن رونلڈ لایا تھا پے نذرِ کلیر

اتنا کہہ سکتا ہوں ورو کر ہوئے دونوں جدا — دام الفت کے تھے وہ بیشک گرفتار قدیم
صبح اُن دونوں کی شادی ہونیوالی ہے ضرور — بس مبارک دن یہ ہو فضلِ خداوندِ کریم

میری عالی خاندانی سے نہیں الفت اسے — اسکو میری ملک بھی ہاں ہاں نہیں محبوب ہے
خوبیوں کی وجہ سے میری ہوا مائل ہے وہ — ہنس کے لیڈی نے کہا مجھکو یہی مطلوب ہے

بڑھی ایلس اسکی دایہ جو آئی اس گھڑی — اور پوچھا تجھ سے ملکر کون یہ اسدم گیا
ہنس کے لیڈی نے کہا میرا چچیرا بھائی تھا — قسمتیں کل دونوں کی وابستہ ہونگی برملا

ہنس کے دایہ نے کہا شکر خدائے ذوالجلال — یاس سے اب نکلیگی میری حسرتِ خاطر نشین
سچ تو یوں ہے فی الحقیقت تو نہیں لیڈی کبھی — وارثِ جائداد ہی ہے تو نہیں ہاں تو نہیں

دایہ میری دایہ پیاری دایہ لیڈی نے کہا — کیسی بہکی بہکی باتیں کرتی ہے تو یا یقیں
پھر تو دایہ نے کہا اس سے کہ خالق کی قسم — تو نہ میری لڑکی ہے جھوٹ اسمیں پیاری کچھ نہیں

سچ میں کہتی ہوں خدا شاہد ہے میری بات کا — اصل کی لڑکی مری سینے پہ ہے میرے ہائے ہائے
اپنے بچے کی طرح ہاں دودھ اُسکو کر دیا — رکھدیا پھر لال کو اپنے لگا اس کے بجائے

غمزدہ ہو کر کہا گر سچ ہے یہ سب پیاری ماں — تو برا بیشک ہوا بے شک ہوا یہ ناروا
ایسے پاک و صاف باطن نیک سیرت شخص کو — اتنی مدت پائے اسکے حق سے رکھنا یوں جدا

پھر تو ایلس نے کہا بیٹی نہ اب ظاہر ہو یہ — تا دمِ مرگ ابتو اسکی رازداری ہے ضرور
بعد شادی اُسکی بھی وہ ملکیت ہو جائیگی — لینے کو نہ احتمال وہ بیشک تقاضا ہی ہے ضرور

ہاں اگر میں ہوں فقیر تو اُس نے کہا — جھوٹ سے کیا کام سچی بات کردوں آشکار
میری پوشش سے نکالو کھینچ کر زریں بروچ — پھینکدو یہ سب گلے سے کہ یہ ہیرے کا ہار

ملتجی ہو کر کہا ایلس نے سن بیٹی مری — رازداری کر جہاں تک ہو۔ واسطے یہ ہیں
غیر ممکن ہے یہ ماں اُسنے دیا فوراً جواب — دیکھنا ہے مرد میں کچھ بھی وفا ہے یا نہیں

دور اندیشی سے دایہ نے کہا۔ کیسی وفا — وہ تو یہ سوچے گا۔ آخر کیوں نہیں حق کو تری

اس پہ لیڈی نے کہا ہاں اسکو ملنا چاہیے — آج ہی شب میں اجل سے خواہ ہم آغوش ہو بیاہ

ایک بوسہ اپنی پیاری ماں کو تاہم کر عطا — یہ خطا اے میری بیٹی کی فقط تیرے لیے
میری ماں اے پیاری ماں ہاں پیاری ماں اُسنے کہا — ہے تعجب خیز یہ بیشک بہت میرے لیے

تاہم اک بوسہ ہے اپنی پیاری ماں کے واسطے — اپنی ماں کے واسطے گریاں ہے بے ریب و ریا
دست شفقت اپنا میرے سر پہ رکھکر پیاری ماں — قبل میرے جانے کے کر میرے حق میں تو دعا

اس نے پہنا گندمی رنگت کا اک سایہ مگر — سچ جو پوچھو اب بھی پہلی سی وہ لیڈی کلیر
اپنے گیسوے معطر میں لگا کر اک گلاب — گھاٹیوں میں غار میں دوڑ گئی کھا کھا کے پھیر

وہ غزال رعنا ہاں رونلڈ جسکو لایا تھا — کود کر اپنی جگہ سے ہو لیا بس اسکے ساتھ
کیا کروں میں ہائے اسکے جذبہ الفت کا ذکر — سر پہ اسکے رکھا تھا لڑکی کا کس الفت سے ہاتھ

زینے سے نیچے اُتر کر لارڈ نے اس سے کہا — تم کو زیبا ہے کہ پوشش خوب و معقول ہو
کپڑے کیوں پہنے ہو تم دہقان زادی کی طرح — تم تو اے جان جہاں باغ جہاں میں پھول ہو

ہاں مرا ملبوس گر دہقان کی لڑکی سا ہے — انقلاب دہر یہ بھی ہے مری قسمت کا پھیر
سچ میں کہتی ہوں کہ میں پیدا ہوئی ہوں اک فقیر — اب یہ ظاہر ہو گیا ہے میں نہیں لیڈی کلیر

مجھ سے رہنے دو یہ فقرے لارڈ نے سنکر کہا — قول میں اور فعل میں ہیں ہوں تمہارا ان بیگماں
رہنے دو اپنے یہ فقرے لارڈ نے پھر یہ کہا — یہ معمہ میں نہ سمجھا کچھ کہو تو جان جاں

فخر سے اور ناز سے تن کر کھڑی سیدھی ہوئی — اور نہیں آنے دیا دل پر کوئی بار گراں
بعدہ رونلڈ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے — اپنی دایہ کی سُنا دی اُسنے ساری داستاں

اتنا سنکر وہ ہنسا جوش مسرت کی ہنسی — اسکو سینے سے لگایا اور کیا پھر اسکو پیار
اور کہا گر تم نہیں ہو وارثہ پیدایشی — اور میں ہوں خاندانی اور قریبی رشتہ دار

ہاں اگر پیدایشی وارث نہیں تم دار کی — ق اور میں ہوں وارث جو تم نے سنا اے جان جاں
تم رہو گی دیکھنا پھر بھی وہی لیڈی کلیر — عقد جب ہم دونوں کا ہو جائیگا کل بیگماں

باسط بسوانی

# مسلمانوں کے احسانات
# ایرانی علوم و فنون پر

(۱)

بعض علماے یورپ کے تعصب یا تاریخ دانی کا کس سے اچھی طرح اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ مسلمانوں پر اکثر یہ الزام لگاتے ہیں کہ انہوں نے تمام دنیا کے معلومات علمیہ میں عرب ہسپانیہ کے فلسفہ کی خدمت کی اور نہایت بیدردی سے ہم پر یہ تمام دنیا کے علوم و فنون تباہ و تاراج کرنے کا الزام لگاتے ہیں اور زیادہ افسوس اسکا ہے کہ بعض اوقات خود مسلمان بھی اس معاملہ میں انکے ہمزبان ہوجاتے ہیں حال ہی میں میرے ایک انگریزی خوان دوست نے بڑے زور سے دعویٰ کیا کہ یقیناً ایران کے علوم و فنون مسلمانوں ہی نے حضرت عثمان کے حکم سے برباد کردیے لطف یہ ہے کہ میرے دوست یہ بھی فرماتے تھے کہ "اسمیں کیا مضائقہ ہے اگر ایرانیوں کے نتیجائے افکار برباد کر دیے گئے تو کیا ظلم ہوا؟" میں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ یقیناً یہ انگریزی خوان جماعت ہم عربی خوانوں سے بھی زیادہ گرفتار تقلید ہے اور اسکا ایمان ہم سے کہیں زیادہ پختہ ہے کیونکہ اگر ہم کو اسکا یقین ہوتا کہ مسلمانوں نے قصداً کتب خانوں کو ضائع کردیا ہے تو ہم یقیناً انکو ظلم و وحشت خیال کرتے اسکے ساتھ یہ بھی خیال ہوا کہ ایران کے علوم و فنون کے متعلق ایک مختصر سا مضمون لکھنا چاہیے

جو جماعت کچھ بھی اسلامی تاریخ سے واقف ہے اس اعتراض کو حقارت آمیز ہنسی کے ساتھ سنکر خاموش ہوجاتی ہے، حالانکہ یہ اعتراض اگر رفع نہ کیا گیا تو آئندہ عام غلط فہمی پیدا ہوجانے کا اندیشہ ہے نوفل آفندی جو بیروت کا ایک

مشہور عیسائی مورخ ہے اپنی کتاب صباحۃ الطرب میں لکھتا ہے "یہ بات نہایت حیرت انگیز ہے کہ اہل عرب جو ہر قدم پہ تمدن وتہذیب کو برباد کرتے تھے جنھوں نے حضرت عمر کے حکم سے اسکندریہ کا کتب خانہ جلا دیا جنھوں نے حضرت عثمان کے حکم سے فارس کے علوم وفنون تباہ کر دیے جنکے فاتحانہ حملوں کے ساتھ ہی انطاکیہ اور بیروت کے مدارس فنا ہو گئے جنھوں نے مصر کی مشہور یادگاروں ابو الہول اور اہرام کے مٹا دینے کا ارادہ کیا وہ کیونکر دوسری اقوام کے معارف علمیہ کی طرف متوجہ ہوئے" ہم کو اس موقع پر مصنف کی تقیہ پے در پے غلط بیانیوں سے غرض نہیں بلکہ اسوقت ہم صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ مسلمانوں نے فارس کے علوم وفنون کی حفاظت کی یا برخلاف اسکے ان کو ضائع کر دیا۔

حیرت ہے کہ مسلمانوں پر کیونکر ایران کے علوم وفنون برباد کرنے کا اتہام لگایا جاتا ہے حالانکہ فارسی لٹریچر کے ساتھ مسلمانوں کو جو تعلق ہے وہ کسی اور زبان سے ہرگز نہیں علم الحرب میں پہلا سبق مسلمانوں نے اہل ایران سے لیا چنانچہ خندق کھود کر دشمنوں کا مقابلہ کرنا خود شارع علیہ السلام نے حضرت سلمان فارسی سے معلوم کیا، عرب کا نظام حکومت اگرچہ خود جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وسلم قائم کر چکے تھے مگر باایں ہمہ مسلمانوں نے بہت سی باتیں اہل عجم سے معلوم کیں چنانچہ حضرت عمر نے دفتر کو اہل عجم کے طریقہ پر ترتیب دیا اسی بنا پر اسکا نام دیوان (جو خالص عجمی لفظ ہے) رکھا گیا، عرب میں دستاویزوں پر تاریخ نہیں لکھی جاتی تھی جس سے طرح طرح کی مشکلات کا سامنا ہوتا تھا سب سے پہلے حضرت عمر نے سلمان رض فارسی کے مشورہ سے سنہ ہجری کی بنیاد رکھی۔ فارسی لٹریچر کی طرف مسلمان صحابہ کرام ہی کے زمانے سے متوجہ ہو گئے تھے چنانچہ حضرت مغیرہ جو ایک جلیل القدر صحابی تھے فارسی سے خوب واقف تھے حضرت عمر کے دربار میں ایران کے

ایک ناصح آیا تو انھوں نے اس سے فارسی میں گفتگو کی[51]۔ پہلی صدی کے ختم ہوتے ہوتے فارسی لٹریچر سے اسقدر ذوق پیدا ہوگیا تھا کہ کثرت حدیثیں فارسی کی فضیلت میں گڑھی گئیں یہاں تک کہ محمد بن [illegible] ابن ودیہ نے جو خود عربی النسل تھا فارسی کی محبت میں یہ حدیث وضع کی إِنَّ اللهَ إِذَا غَضِبَ أَنْزَلَ الْوَحْيَ بِالْعَرَبِيَّةِ وَإِذَا رَضِيَ أَنْزَلَ الْوَحْيَ بِالْفَارِسِيَّةِ خدا جب غضب آلود ہوتا ہے تو عربی میں وحی بھیجتا ہے اور جب خوش ہوتا ہے تو فارسی میں[52]۔ دوسری قوموں کے علوم و فنون سے آجکل جسقدر ہمیں نفرت ہے اس سے بمشکل یقین آتا ہے کہ مسلمانوں کو بھی کبھی دوسروں کے علوم وفنون سے محبت رہی ہوگی مگر واقعہ یہ ہے کہ مسلمانوں نے اپنے وجود کے ساتھ ہی دوسری قوموں کے لٹریچر کی طرف توجہ کی چنانچہ خود رسالتمآب صلعم نے حبر الامۃ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عبرانی سیکھنے کا حکم دیا اور پھر خود انھوں نے اپنے شوق سے سریانی زبان سیکھی۔ یہاں پر یہ بھی خیال رکھنا چاہیے کہ سریانی بھی (اگرچہ یہ یورپی زبانوں میں سے نہیں ہے مگر) فارس کی علمی زبانوں میں سے ایک زبان تھی جیسا ہم آگے چلکر بیان کریں گے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اگرچہ عبری زبان سے واقف نہ تھے مگر حضرت کعب احبار فرماتے ہیں کہ یہود کے مذہب پر سب سے زیادہ حضرت ابوہریرہ کو عبور تھا[53]۔ ناظرین یہیں سے قیاس کرسکتے ہیں کہ غیر قوموں کے لٹریچر کے ساتھ مسلمانوں کا طرز عمل کیسا تھا۔

فرض کیا جائے کہ عربوں نے حضرت عثمان کے حکم سے ایران کے علوم و فنون ضائع و برباد کردیے لیکن پھر بھی سوال کیا جاسکتا ہے کہ کب اور کیونکر؟ مسلمانوں سے قبل ایران میں صرف ایک کتبخانہ تھا جسکا نام کتبخانہ کہندز ہے۔ یہ کتبخانہ جی رستاق اصفہان میں تھا ہم اس کتبخانہ کے حالات آگے چلکر بالاختصار بیان کردینگے لیکن

---

[51] فتوح البلدان صفحہ ۴۷۷ [52] اللآلی المصنوعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ [53] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱

اسوقت سوال یہ ہے کہ مسلمان اگر اس کتبخانہ کو برباد کرنا چاہتے بھی تو کیونکر برباد کر سکتے تھے۔ اگر یہ اعتراض حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر کیا جاتا تو ممکن تھا کہ تھوڑی دیر کے لیئے ہم باور کر لیتے کہ شاید فتوحات کے عام جوش میں اس خزانۂ علوم پر بھی کوئی آفت آگئی ہو مگر جب ہم کو یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ اصفہان کیونکر فتح ہوا تو اصل حقیقت کھل جاتی ہے۔ ۲۳ھ میں جب اسلامی فوج اصفہان کی طرف بڑھی تو اسوقت وہاں کا گورنر قاذوسقان نامے ایک افسر تھا جس نے مسلمانوں کے امیر لشکر (کمانڈر) حضرت عبد اللہ بن بدیلؓ سے کہا اس سے کیا فائدہ ہوگا کہ دونوں طرف سے خون کا دریا بہے آؤ صرف ہم تم باہم لڑیں جو غالب آئے وہی فاتح تسلیم کیا جائے چنانچہ مقابلہ ہوا اور عبد اللہ بن بدیلؓ غالب آئے آخر کار قاذوسقان نے اس شرط پر صلح کر لی کہ جسکو مسلمانوں کی حکومت پسند ہو جزیہ دیکر ذمیانہ حقوق حاصل کرے اور رہے اور جسے ان کی حکومت ناپسند ہو اپنا اسباب لے کر جہاں جی چاہے چلا جائے" چنانچہ تیس آدمیوں کے علاوہ تمام مرد و زن نے نہایت خوشی کے ساتھ مسلمانوں کا سایۂ عاطفت قبول کیا، عہد نامہ میں یہ شرط بھی تھی کہ مسلمان ان کے جان و مال کی حفاظت کریں گے اور اسکے عوض میں اہل اصفہان کو جزیہ دینا ہوگا اور ان کے مال و اسباب جان و مذہب سے کسی قسم کا تعرض نہ کیا جائیگا[1] اب سوال یہ ہے کہ اس صورت میں مسلمان یہاں کے کتب خانہ کو کیونکر غارت کر سکتے تھے جب تمام مورخین کو یہ تسلیم ہے کہ اوائل اسلام میں عموماً اور حضرت عمرؓ کے عہد میں خصوصاً جب مسلمان کوئی معاہدہ کر لیتے تھے تو اسپر ضرور عمل کیا جاتا تھا۔ کہندز[2] کے علاوہ ایران میں کسی اور کتب خانہ کے موجود ہونے کا گمان ہو سکتا ہے تو وہ جندی سابور میں ہو سکتا تھا

[1] معجم البلدان باب الالف [2] لغوی معنی پرانا قلعہ

شہر جندی سابور بھی سنہ ۱۹ھ میں انھیں حضرت عبد اللہؓ دیلی کے ہاتھوں پر بغیر ایک قطرہ خون گرے مفتوح ہوا۔ عہد نامہ میں یہ شرط تھی کہ اسلحہ رکھنے کے علاوہ اہل جندی سابور کے مال سے کسی قسم کا تعرض نہ کیا جائیگا۔ پھر ان روایات کے ہوتے ہوئے کیونکر یقین کیا جا سکتا ہے کہ ایران کے علوم وفنون کو مسلمانوں نے حضرت عثمان کے حکم سے برباد کر دیا۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ایران کے معارف علمیہ کے تباہ کرنے کا جو الزام دیا جاتا ہے بالکل غلط اور بے بنیاد ہے۔

(۲)

خلافت راشدہ کے بعد بنو امیہ کی حکومت قائم ہو گئی اس زمانہ میں ان علوم کے تباہ ہونے کا کوئی ثبوت قابل ذکر موجود نہیں۔ خاندان بنی امیہ کے وقت سے مسلمانوں کو دوسری قوموں کے علوم حاصل کرنے کا شوق پیدا ہو چکا تھا۔ حجاج بن یوسف کے زمانے تک عراق کا دفتر فارسی میں تھا [illegible]ھ میں فارسی سے عربی میں منتقل کیا گیا۔ اب ناظرین خود سمجھ سکتے ہیں کہ دفتر منتقل کرنے میں کن کن فنون کو عربی میں نقل کرنے کی ضرورت پڑی ہو گی مثلاً عراق کا دفتر اسی لیے فارسی میں رکھا گیا تھا کہ اہل عرب حساب کتاب سے بالکل ناواقف تھے لیکن جب یہ دفتر عربی میں منتقل کیا گیا ہوگا تو بقدر ضرورت علم الحساب بھی عربی میں منتقل کیا گیا ہوگا نیز اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اس وقت تک بہت سے مسلمان فارسی لٹریچر سے واقف ہو چکے تھے انھیں آسانیوں کی وجہ سے ولید بن ہشام کے عہد میں فارسی زبان سے عربی میں کتابوں کا ترجمہ کرنے کے لیے ایک باقاعدہ دفتر ترجمہ قائم کیا گیا جس کا سکرٹری یا رئیس المترجمین جبلہ بن قاسم تھا اس نے اور لوگوں کی مدد سے بہت سی کتابوں کے ترجمے کیے اسی زمانے میں فارس کی ایک عجیب وغریب کتاب کا ترجمہ کیا گیا یہ کتاب ایران کے

تمدن کی ایک کمل و مفصل تاریخ تھی اسمیں ہر بادشاہ کی مکمل سوانحعمری اور اُسکی تصویر دے کر اسکی وضع، قطع، اخلاق و عادات سے بحث کی گئی تھی، ہر زمانے کے قانون میں جو کچھ رد و بدل ہوتا رہا علیحدہ علیحدہ عنوانات کے تحت میں مندرج تھا، ایران کی تمام عمارتوں کی مختصر تاریخ، انکے علوم و فنون، انکی صنعت و حرفت سبکو ایک ایک کرکے علیحدہ علیحدہ عنوانات کے تحت میں لکھا گیا تھا مسعودی کا بیان ہے کہ اسنے خود اپنی آنکھوں سے اس کتاب کو اصطخر کے کتب خانہ میں دیکھا مورخ مسعودی کا خیال ہے کہ جسقدر کتابیں قدیم فارسی میں موجود ہیں اُن میں سے کوئی کتاب اس سے زیادہ مبسوط و مفصل نہیں ہے[1] ان واقعات کے معلوم ہونے کے بعد ہمیں امید کرنی چاہیئے کہ ناظرین اس نتیجہ تک پہنچے ہونگے کہ مسلمانوں نے جنکو علوم سے اسقدر ذوق تھا ایران کی بیش بہا دولت یعنی وہاں کے معارف علمیہ کو ہرگز ضائع نہ ہونے دیا ہوگا۔

بنی امیہ کے بعد بنی عباس کا زمانہ آتا ہے ابوالعباس سفاح نے بہت کم مدت حکومت کی اسکے بعد منصور خلیفہ ہوا اسکو فارسی علوم کے ساتھ جسقدر شغف تھا محتاج بیان نہیں ہے منصور پر عجمی مذاق اسقدر غالب تھا کہ ہر بات میں وہ اہل عجم کا تتبع کرتا چاہتا تھا دربار کا عام لباس بھی اس نے وہی اختیار کیا جو فارسیوں کا قومی لباس تھا، ایرانیوں کو اپنے دربار میں اس رتبہ تک پہنچایا کہ خود عرب ان پر رشک کرنے لگے، اگرچہ سیاسی حیثیت سے یہ طرز عمل بہت خراب تھا مگر حسن اتفاق سے جن لوگوں کو منصور کے دربار میں رسوخ حاصل تھا وہ ارباب فضل و کمال تھے اور علم کا ذوق رکھتے تھے چنانچہ اس عہد میں طب و فلسفہ کی جسقدر نادر کتابیں دستیاب ہوسکیں مہیا کیں اور انکا عربی میں ترجمہ کرایا

[1] مروج الذہب للمسعودی ۱۲

طب و فلسفہ تو خیر کار آمد علوم تھے اسی زمانہ سے ایرانیوں کے قصص و افسانے بھی ترجمہ کیے جانے لگے، برزویہ نوشیرواں کے مشہور اطبا میں سے تھا سب سے پہلے اس نے فارسی میں کلیلہ دمنہ کا سنسکرت سے ترجمہ کیا، یہ کتاب انھیں ایرانی النسل درباریوں کے ذریعہ سے منصور کو ملی جس کا نہایت کد و کاوش سے عربی میں ترجمہ کیا گیا[1]

مامون الرشید کو فارسی علوم سے ایک خاص تعلق تھا کیونکہ ماں کی طرف سے وہ خالص ایرانی النسل تھا، شہزادگی کے زمانہ میں مرو میں قیام رکھتا تھا اس زمانے میں اسپر عجمیت اسقدر غالب تھی کہ ہمیشہ صرف فارسی زبان کی کتابیں پیش نظر رکھتا تھا اسوجہ سے فارسی زبان کی تصنیفات کثرت سے مہیا ہوئیں عباسین کی حقیقی ترقی و عروج کا زمانہ وہ تھا جب برامکہ وزارت کے پردہ میں خلافت کا کام انجام دے رہے تھے۔ یہ خاندان خالص ایرانی تھا اور اسے اپنے خاندانی معارف علمیہ سے انتہا درجہ کا عشق تھا مزید براں برامکہ کے ہاتھ جسقدر فیاض واقع ہوے تھے دنیا اسکی نظیر پیش نہیں کر سکتی، لیے ان کو جسقدر کتابوں کا پتہ چل سکا دار الخلافت بغداد میں منگا کر انکا فارسی سے عربی میں ترجمہ کرایا۔

فارسی تصنیفات سے جو فرقہ سب سے زیادہ واقف تھا وہ شعوبیہ تھا یہ ایک عجمی گروہ تھا جو عرب کی مذمت اور عجم کی مدح کرنا نہایت ضروری امر خیال کرتا تھا، جب سلطنت کو معلوم ہوا کہ یہ فرقہ عجمی علوم سے خوب واقف ہے تو خلیفہ وقت ہارون نے انکو اپنے دربار میں باریابی کا موقع دیا چنانچہ بیت الحکمۃ بغداد میں فارسی کتابوں کے دفتر تراجم کا سکرٹری علان شعوبی مقرر کیا گیا، اس عہد میں غیر قوموں کے معارف علمیہ نقل کرنے کے لیے ایک باقاعدہ دائرۃ المعارف یا بیت الحکمۃ قائم ہو چکا

[1] طبقات الاطبا ۱۲

اسمیں بہت بڑے بڑے علما و فضلا ایسے مامور تھے کہ دوسری زبانوں سے نایاب و نادر کتابیں جمع کرکے عربی میں انکا ترجمہ کریں چنانچہ فضل ابن نوبخت، عبد اللہ بن مقفع جو ایک مشہور ادیب بھی تھے، یوسف بن خالد، موسیٰ[۲] بن خالد، علی بن زیاد، حسن ابن سہل، احمد بن یحییٰ بلاذری، جبلہ بن سالم، موسیٰ بن عیسیٰ کردی، زادویہ اصفہانی، محمد بن بہرام، بہرام بن مردان وغیرہ، ان صاحب فارسی علوم کا ترجمہ کرنے کے لیے ملازم تھے۔

مسلمانوں نے فارسی علوم کی تحصیل و حفاظت میں جو کوشش کی اس کا اس سے زیادہ کیا ثبوت دیا جا سکتا ہے کہ خود منصور کے پوتے ابراہیم بن مہدی نے فارسی علوم میں اچھی مہارت حاصل کرلی تھی۔ ابراہیم کی ماں طبرستان کی ایک خاتون تھی۔ [illegible] کہ ابراہیم نے فن موسیقی میں کتاب الغنا ایک مستقل کتاب تالیف کی تھی۔ اس زمانے میں [illegible] ایرانی علوم کا [illegible] ترجمہ ہو چکا تھا کہ فن موسیقی میں ایک مستقل کتاب [illegible] ابراہیم لکھ سکتا [illegible] اس نے یقیناً یہ فن اپنے ننہال والوں سے سیکھا ہوگا۔ اس نے ظرافت میں بھی ایک کتاب لکھی تھی جس کا نام ادب ابراہیم ہے۔

(باقی آئندہ)

جلال ندوی

---

## رباعی

حضرت رسا ہمدانی گیاوی

آہنگ عزا ہے نغمہ خوانی میری  
تربت کے پھول گلفشانی میری  
احباب میں ہوں بدنام رسا  
سنتا ہے بھلا کون کہانی میری

---

۱؎ کتاب الفہرست لابن ندیم۔ ۲؎ فہرست ابن ندیم۔

# طبیعت

جس طرح انسان کو زندگی میں لیاقت سے فتحیابی ہوتی ہے اُسی طرح طبیعت سے بھی کامیابی ہوتی ہے۔ انسان کی بنیادی کامگاری اور آسودہ حالی خاصکر اسپر منحصر ہے کہ اُسکے مزاج میں تحمل، استقلال اور بردباری ہو اور اُن لوگوں کے ساتھ عنایت و مہربانی کی جائے جو اُسکے گرد و پیش جمع رہتے ہیں۔ فلاں صاحب کا یہ قول فی الحقیقت بہت صحیح ہے کہ جو لوگ دوسروں میں خوبیوں کے جویاں بنتے ہیں خود اُن میں بھی عمدگیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ بعض طبیعتیں خوبیوں سے اس درجہ مملو ہوتی ہیں کہ وہ کل چیزوں کو بھلائی کی نظر سے دیکھتی ہیں اور کیسی ہی بڑی تکلیف کیوں نہو لیکن وہ اُن سے راحت و اطمینان کے نتائج مستخرج کرتی ہیں جیسے آسمان پر کیسا ہی ابر سیاہ محیط ہو لیکن اُنھیں آفتاب کی روشنی میں جو چمک ہوتی ہے وہ ضرور نظر آ جاتی ہے۔ گو آفتاب نہ دکھلائی دے لیکن وہ اس خیال سے مطمئن ہو جاتے ہیں کہ آفتاب ضرور ہے۔

اس قسم کی طبیعت پر لوگ حسد کرتے ہیں کیونکہ اُنکی آنکھوں میں ایک ایسی شعاع ہوتی ہے جسکی روشنی میں خوشی، راحت، کامگاری اور مذہبی مسرت نظر آتی ہے۔ آفتاب کی چمک گویا اُن کے دلوں کے قریب ہے اور جو کچھ کہ گرد و پیش نظر آتا ہے وہ گویا ہوائی و مافی روشنی ہے۔ جب اُنہیں کسی قسم کی دقت پیش آتی ہے تو وہ اُس سے نہ گھبراتے ہیں نہ اُسکی شکایت کرتے ہیں اور نہ فضول گریہ وزاری کرتے ہیں بلکہ نہایت بشاشت سے اُسکو برداشت کرتے ہیں اور دلیری سے کامیابی کی کوشش کرتے ہیں جسکا لازمی نتیجہ یہ

ہوتا ہے کہ وہ اپنے دامن تمنا کو گل مراد سے بھر لیتے ہیں۔

یہ بڑے دانشمند اور عالی دماغ آدمی کا کام ہے کہ وہ برائیوں کی ظلمت سے بھلائی کی تجلی کو دیکھکر تعجب کرے یا حالت فلاکت میں وہ اپنی آئندہ فلاح کی امید قائم کرے یا دکھ درد میں وہ اپنے محنت کے ذریعوں کو پہچان لے۔ یا تکلیف و مصیبت و رنج و غم میں وہ اپنے میں استقلال اور دلیری علم و ادراک پیدا کرے۔

جب جرمی ٹیلہ کی کل دولت وملکیت چھین لی گئی اور مال و اسباب سب ضبط کر لیا گیا اور وہ مع اپنے خاندان کے نکالدیا گیا تو باوجودیکہ وہ ایسی مصیبت کی حالت میں گرفتار تھا لیکن ایسے وقت میں جو مضمون اُسنے لکھا نہایت قدر کے قابل ہے۔ وہ کہتا ہے "اگرچہ برباد کرنے والوں نے میری معاش و جائداد کل ضبط کر لی اور کوئی چیز میرے پاس باقی نہ رہنے دی۔ لیکن تاہم اُن لوگوں نے میرے واسطے آفتاب و مہتاب۔ زمین و آسمان کو چھوڑ دیا ہے۔ میری بی بی کو میرے پاس رہنے دیا ہے۔ میرے بہت سے دوست ایسے موجود ہیں جو میرے حال پر ترس کھاتے ہیں اور مدد کے واسطے حاضر ہیں۔ اور اب بھی میں اون چیزوں کی فہرست پیش کر سکتا ہوں جو کہ مجھ سے نہیں چھینی گئی ہیں اور میرے پاس موجود ہیں۔ یعنی میری دلجمعی۔ میری دلیری اور کانشنس اُن لوگوں نے خدا کی رزاقی۔ کتاب مقدس کے وعدے اور آخرت کی امیدیں میرے واسطے چھوڑدی ہیں۔ بہرکیف میں اب بھی کھاتا ہوں۔ پیتا ہوں سوتا ہوں پڑھتا ہوں اور غور کرتا ہوں۔

اگرچہ زندہ دلی ایک پیدائشی بات ہے لیکن تاہم جسطرح اور عادتوں کی درستی ہوتی ہے اُسی طرح اسکی بھی تربیت ہوسکتی ہے۔ ہمکو اختیار ہے کہ چاہے ہم اپنی زندگی خوش اسلوبی سے بسر کریں یا بد اطواری سے ضائع کریں ہمارے ہی

اور پر منحصر ہے کہ اس سے عیش و عشرت حاصل کریں یا تکلیف و صعوبت پیدا کریں۔ طرز زندگی کی تقسیم دو طرح پر ہے جسے ہم اپنی خواہش کے مطابق پسند کر سکتے ہیں خواہ تاریک خواہ روشن۔ ہم انتخاب کر سکتے ہیں اور اپنی قوت ممیزہ کو درست کر سکتے ہیں جس سے ہم میں زندہ دلی کی صفت پیدا ہو جائے یا برعکس اسکے بالعوض اسکے کہ ہم اپنی طبیعت کو تیرگی کی طرف مائل کریں ہم اپنے مزاج میں اس امر کی تحریک پیدا کر سکتے ہیں کہ وہ مادہ ضیائی کی جانب متوجہ ہو۔ علاوہ اسکے کہ زندہ دلی سے آرام و آسایش کے ساتھ زندگی بسر ہوتی ہے اس سے چال و چلن کی بھی حفاظت ہوتی ہے۔ اس سے طبیعت میں رونق و صفائی ہوتی ہے یہ تحمل اور دانشمندی کی بنیاد ہے۔ ڈاکٹر مارشل نے اپنے بیماروں سے کہا کہ جملہ امراض کی قوی اکسیر دوا زندہ دلی ہے۔ اور سالومن کا قول ہے کہ زندہ دلی کا ایسا ہی عمدہ اثر ہوتا ہے جیسا دوا کا جب لوتھر سے افسردگی کا علاج پوچھا گیا تو اس نے جواب دیا کہ زندہ دلی اور دلیری ہے جو بوڑھے و جوان حزین و غمگین سب کے واسطے یکساں مفید ہے۔ باوجودیکہ لارڈ پامرسٹن ایک ضعیف اور سن رسیدہ آدمی تھا لیکن آخر وقت تک مستعدی سے کام کرتا رہا اسکی یہی وجہ ہے کہ وہ زندہ دل اور مستقل مزاج تھا۔ اس نے اپنے میں تحمل و برداشت کی ایسی عادت پیدا کر لی تھی کہ سخت دشنام ملائم الفاظ سن کر بھی اسے غصہ نہیں آتا تھا۔ ہومر۔ پیرسس۔ ورجل۔ جان ملٹن۔ شکسپیر اور کروانٹیس کی سوانحعمری کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ بڑے زندہ دل تھے۔ اسی طبقہ میں لوتھر مور۔ بیکن۔ رفیل۔ مکائل کا بھی شمار ہے کیونکہ یہ لوگ ہمیشہ کام میں مشغول رہتے تھے جسکے باعث ان کا دماغ مفرح و شگفتہ رہتا تھا۔ ملٹن جو طرح طرح کی تکلیفات و مکروہات میں گرفتار رہا تاہم ایک زندہ دل آدمی تھا

اندھے ہونے کی وجہ سے اگرچہ اُسکے دوستوں نے اُس سے ترک رفاقت کردی اور گو وہ ایک ایسی مصیبت کی حالت میں گرفتار تھا کہ اُسکے آگے تاریکی اور اُسکے پیچھے خطرے کی آواز تھی لیکن تاہم اُس نے اپنی ہمت و دلیری نہیں چھوڑی

ڈاکٹر جانسن کا مقولہ ہے کہ جسقدر آدمی کا سن بڑھتا جاتا ہے اُسیقدر وہ اچھا ہوتا جاتا ہے۔ گویا طبیعت کا اطلاق عمر کے ساتھ ہے۔ اگرچہ یہ خیال نوع انسان کی زندہ دلی پر منطبق ہے لیکن لارڈ چیسٹر فیلڈ کی رائے ہے کہ عمر کے ساتھ انسانی طبیعت کی درستی میں ترقی نہیں ہوتی بلکہ روز بروز سخت ہوتی جاتی ہے اور زندگی کے لحاظ سے دونوں اصول صحیح ہیں کیونکہ طبیعت کی جسکا انسان ہر حالت میں محکوم و مطیع ہے اگر قواعد تجربہ اور خود اختیاری کے ساتھ تربیت کی جائے تو عمدگی ظاہر ہوگی نہ کہ خرابی۔ سر والٹر اسکاٹ ایسا رحمدل اور نرم مزاج آدمی تھا کہ ہر شخص اُس سے محبت کرتا تھا وہ کپتان باسل ہال کے لڑکپن کا ایک واقعہ بیان کرتا ہے جس سے اُس کی طبیعت کی نرمی ظاہر ہوتی ہے کپتان نے ایک کُتّے کو جو اُسکے پاس آرہا تھا ایک پتھر کھینچ مارا جس سے کُتّے کے پاؤں میں سخت چوٹ آئی لیکن بہرکیف کُتّے میں اتنی طاقت تھی کہ وہ اُسکے پاس آیا اور پاؤں چاٹنے لگا۔ کُتّے کے اس فعل سے کپتان کو نہایت ندامت و پشیمانی ہوئی۔

ایازٹ جو ایک فلسفی تھا اُسکے تحمل و استقلال کی حکایت بیان کی جاتی ہے کہ اُس نے ستائیس برس کی محنت میں مقیاس الہوا کے قواعد مرتب کیے تھے اور اُن اصولوں کو روزانہ ایک کاغذ پر قلمبند کرتا جاتا تھا۔ اور جسقدر اُسکو روز بروز جدید تجربے ہوتے جاتے تھے اُنکو بھی کاغذ پر لکھتا جاتا تھا۔ ایکمرتبہ اُسکے خدمتگار نے مکان صاف کرانا شروع کیا اور اپنی مستعدی دکھلانے کے لیے

ایارنٹ کے کمرے میں جو فرنیچر تھا اُسکے کاغذات بھی درست کیے۔ اور جو اجزا کہ لکھے ہوے تھے اُنھیں اُٹھا کر علیحدہ کردیا اور بجاے اُسکے نئے کاغذ رکھ دیے۔ جب ایارنٹ کمرے میں داخل ہوا تو اُس نے دریافت کیا کہ مقیاس الہوا کے جو کاغذات تھے وہ میز پر سے کیا ہوئے خدمتگار نے جواب دیا چونکہ وہ بالکل ردی تھے اس وجہ سے میں نے اُنھیں جلا دیا اور بجاے اُنکے صاف و سادے کاغذ رکھ دیے۔ ایارنٹ نے یہ سن کر ایک آہ سرد کھینچی اور کہا کہ ستائیس برس کی محنت سے جو نتیجہ حاصل کیا گیا تھا اُسکو تم نے غارت کر ڈالا۔ اور نہایت آہستگی سے صرف یہ کہا کہ آیندہ سے اس کمرے کی کوئی چیز مت چھوا کرو۔

علم طبیعات کی تحصیل میں ایک غیر معمولی طور پر زندہ دلی اور استقلال کی ضرورت ہوتی ہے اور اکثر تجربے سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ دوسرے فنون کے ماہروں کی نسبت علم طبیعات کے ماہروں کی عمریں زیادہ ہوتی ہیں۔ چنانچہ [illegible] کی فہرست سے جس میں ماہران علوم طبیعات کی عمر مندرج ہے معلوم ہوا کہ اس قسم کے چودہ آدمیوں میں سے دو کی عمر نوے برس سے زیادہ تھی [illegible] اسی برس سے زیادہ اور دو کی ستر برس سے زیادہ ہیں اوسط نکالنے سے [illegible] کی عمر پچھتر برس کی ہوتی ہے۔

زندہ دلی کی اصل بنیاد محبت و تحمل ہے۔ کیونکہ اس سے دوسروں کے دلوں میں الفت پیدا ہوتی ہے ہوریس (شاعر) ایک لڑکی کا قصہ بیان کرتا ہے کہ جو شخص اُس لڑکی سے واقف تھا اُسے عزیز رکھتا تھا چنانچہ بعض آدمیوں نے اُس سے پوچھا کہ تم سے لوگ کیوں محبت کرتے ہیں اُس نے جواب دیا کہ اسکی وجہ یہ ہے کہ میں خود بھی لوگوں سے الفت رکھتی ہوں۔ یہ مختصر قصہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ اگر ہم دوسروں کے ساتھ اخلاق و مہربانی سے

برتاؤ کرینگے تو وہ بھی ہم سے الفت و محبت کے ساتھ پیش آئیں گے۔

فی الحقیقت دنیا میں مہربانی کا بہت بڑا اثر ہوتا ہے۔ لی ہنٹ نے بہت ٹھیک کہا ہے کہ جسمانی قوت میں مہربانی کے مقابلہ میں نصف تاثیر بھی نہیں ہے۔ اور ایک انگریزی ضرب المثل ہے کہ بہ نسبت سرکے کے شہد سے بھڑوں کی زیادہ تعداد پکڑی جائے گی۔

مہربانی صرف بخشش پر منحصر نہیں ہے بلکہ اسکی بنیاد نرمی اور طبیعت کی فیاضی پر ہے۔ انسان روپیہ تھیلی سے نکال کر دیتا ہے لیکن مہربانی نہ کرنے سے طبیعت کے اندرونی جوش سے باز رہتا ہے روپیہ دینے سے جو مہربانی ظاہر کی جاتی ہے وہ چنداں اثر پذیر نہیں ہوتی بلکہ جسقدر بھلائی کی اُمید ہے اُتنی ہی بُرائی کا بھی خیال ہے لیکن ہمدردی کے ساتھ جو مہربانی یا توجہ کے ساتھ مدد کی جائے ممکن نہیں کہ اسکا کوئی عمدہ نتیجہ نہ ظاہر ہو۔

خودستائی۔ وہم اور خود غرضی انسان کی زندگی میں نہایت خرابی پیدا کرتی ہیں۔ اور گو قدرتی طور پر یہ باتیں ہوتیں ہیں تاہم ہمیشہ خیال کرنے سے اسکی ایک صورت قائم ہو جاتی ہے۔ خودستائی قریب قریب کفر کے ہے کیونکہ اس سے اپنی خواہشات وخیالات و توجہات کل اپنی ہی جانب رجوع ہوتی ہیں جسکے سبب سے وہ خود اپنے دل میں ایک علنحدہ چھوٹا سا خدا قائم کر لیتا ہے۔

بدترین انسان میں سے وہ شخص ہے جو اپنی قسمت سے ناراض رہے ہمیشہ بُرا بھلا کہے لیکن کبھی اُسکی درستی کی جانب نہ متوجہ ہو۔ اس قسم کے شکایت کرنے والے آدمی بھی اپنی زندگی میں کوئی فائدے کا کام نہیں کرتے اور چونکہ کاہل ہوتے ہیں اسوجہ سے ہمیشہ شکوہ و شکایت کے واسطے مستعد رہتے ہیں

کیونکہ وہی پیسہ خراب سمجھا جاتا ہے جسمیں سے آواز آتی ہے۔

سینٹ ڈی زونسس کا قول ہے کہ انسان کو ہمیشہ نیکیاں کرنی چاہیئں لوگوں نے اُس سے پوچھا کہ نیکیوں سے آپ کا کیا مطلب ہے اُس نے جواب دیا کہ تحمل - بردباری - مہربانی - خوش اخلاقی - نرمی - رحمدلی - ہمدردی - عنایت زندہ دلی - اور پھر اُس نے کہا کہ انسان کسی حالت میں ہو لیکن اُس کو نرمی اور مہربانی سے کبھی باز رہنا نہیں چاہیے - کیونکہ انسان کی طبیعت کی ایسی ساخت واقع ہے کہ وہ غیظ وغضب کا تحمل کرے جس طرح پانی سے آگ کا شعلہ ٹھنڈا ہو جاتا ہے اُسی طرح نرم وملایم جواب سے غیظ غضب بھی فرو ہو جاتا ہے

برائیوں کی صرف پیشبندی کر لینی ایک طریقہ تحیابی کا نہیں ہے - بلکہ جب کوئی ایسا امر واقع ہو تو نہایت دلیری وستعدی سے اُسپر عملدرآمد کرنا چاہیے - پریقس نے ایک نوجوان کو جو افسردگی وپژمردگی کی حالت میں تھا نہایت عمدہ نصیحت کی۔

" امید اور اعتبار کے ساتھ اپنا کام شروع کرو اور پھر اُس نے کہا کہ ایک ایسے شخص کی نصیحت تمہارے دل میں ہے جس نے زمانے کا گرم اور سرد بہت کچھ دیکھا ہے - پس جو کوئی امر واقع ہو جائے تو اُس پر نہایت استقلال اور زندہ دلی سے ثابت قدم رہنا چاہیے -

زندہ دلی میں تحمل بھی شامل ہے جس سے دنیاوی کاروبار میں کامیابی وکامگاری کی امید ہو سکتی ہے - جارج ہربرٹ کا قول ہے کہ جو شخص اپنی مقصد برآری چاہتا ہے اُسکو صبر کرنا چاہیے -

آخری اور آسان ترین برکت انسان کے واسطے امید ہے جو عام طور سے ہر شخص کے قبضہ میں رہتی ہے - امید غریبوں کی مددگار ہے اور اسکا دوسرا نام

مفلسوں کی قوت ہے۔

سکندر اعظم کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ جب وہ میکڈن میں تخت نشین ہوا تو اُس نے اپنے باپ کی جائداد کا بڑا حصہ اپنے دوستوں کو تقسیم کر دیا چنانچہ جب پرڈیکاس نے اُس سے پوچھا کہ آپ نے اپنے واسطے کیا رکھا تو سکندر نے جواب دیا کہ میں نے اپنے واسطے افضل ترین مقبوضات میں سے رکھ چھوڑا ہے اور وہ امید ہے (مترجم)

(راقم) طبیعت کی جملہ مسرتیں امید پر منحصر ہیں اور یہ کل محنتوں کوششوں کی بنیاد ہے جملہ امور دنیاوی امید ہی پر منحصر ہیں

نرمدا پرشاد ورما عاصی گیاوی

## غزل

مت چھیڑو ہمیں ناصح گردوں کو ہلا دینگے — اک طرفہ قیامت سی عالم میں مچا دینگے
مذہب کے تقاضوں نے ملت کو مٹا ڈالا — معشوق خدا جانے کس کس کو مٹا دینگے
صیاد کے تیروں سے دل نے یہ سبق سیکھا — ہم قید میں آہوں سے اک آگ لگا دینگے
منکر وہ خدا سے ہے ہونے دو غنیمت ہے — محشر کے مناظر میں خالق بھی دکھا دینگے
کافی ہے غنیمت ہے گستاخ کی بیباکی — یہ داغ جدا دینگے وہ داغ جدا دینگے
احباب گئے آگے اب اپنا تقاضا ہے — ظلمات کی موجوں میں ہم زہر ملا دینگے
گلچین کا کیوں شکوہ پھولوں کی شکایت کیا — اک برق نگاہی سے خرمن کو جلا دینگے

کیوں شورش خاطر میں ہوش ہے لے انورؔ
ہم ان کو ہنسا دینگے وہ ہم کو رلا دینگے

نذر محمد انورؔ سیالکوٹی

# نظارۂ خرابات

(سلسلہ کے لیے دیکھو نمبر ۱۰ ماہ گذشتہ)

کعبہ کی راہ چھوڑ کے جاتا ہے تو کہاں    مسلم بسان طائر گم کردہ آشیاں
آ ورنہ کوئی دم میں مٹا نام اور نشاں    کب سے بلا رہا ہے موذن تجھے یہاں

ہنستے ہیں تجھ پہ کہ عجب حق پرست ہے
پیمان شکن ہے بادۂ غفلت سے مست ہے

خاتم وہی ہے جو ہو مرصع نگین سے    ہے عظمت مکاں متعلق مکین سے
دیکھ اپنی گمرہی نظر دور بین سے    بیدار ہو صدائے سخن آفرین سے

دل تیرا متاع دین سے تہی دامن ہے
اسیر ہی کیوں جہان میں جینے کی آس ہے

کمبخت کیمیائے سعادت کو کھو دیا    وہ قسمت ہوئی نصیب تو دولت کو کھو دیا
آئین حق گذاری و طاعت کو کھو دیا    آئینۂ جمال شرافت کو کھو دیا

غیروں کے گھر میں نصیب آفتاب ہے
اک تو ہی ہے جہاں میں کہ خانہ خراب ہے

آتا نہیں خیال سراغ وطن ترا    کس کی ہوا اڑا گیا رنگ چمن ترا
دشمن کی پیروی نے بگاڑا چلن ترا    ناجنس کس طرح ہو شریک محن ترا

گلچین تو کر رہا ہے عیاں اپنے ناز کو
بلبل کے دل سے پوچھ محبت کے راز کو

جنچا تھا بیکسوں سے وہ گلشن اجاڑ ہے    گلہائے دلفریب کا خرمن اجاڑ ہے
ارشاد خدا جو ناز سے وہ مخزن اجاڑ ہے    طوطی خوشنوا کا نشیمن اجاڑ ہے

بستاں میں دود آتش گلگون بلند ہے
ہر جا نوائے نوحہ و شیون بلند ہے

تجھسا بھی ہوگا کم کوئی فرزند ناخلف    بیٹھا ہوا لٹا کے ہے سرمایۂ سلف

سرشار علم تھے وہ نقد [illegible] / اس [illegible] کا کہاں ہے شناسا تو خیر کف

دنیا میں باپ [illegible] سے شرف رہا
بیٹا [illegible] مثال [illegible] رہا

پیش [illegible] وہ فضل و ہنر [illegible] / فرزند پھر رہا ہے پریشان ہر طرف
[illegible] چاند سے گہن میں [illegible] / [illegible] کو ہر [illegible]

[illegible] کمال [illegible] زوال ہے
تاج [illegible] کا مال ہے

[illegible] ایک دوسرا [illegible] / [illegible] ایک ہے جام جہان [illegible]
ہے آب ان میں ایک ہے اک [illegible] / [illegible] میں اک [illegible]

اک [illegible] ہے
اک جام سے [illegible] ہے

بے شک ہے گرچہ [illegible] بہت دور [illegible] / [illegible] درگاہ سے
دیکھ اپنا عیب [illegible] تعافل [illegible] / [illegible] سے

[illegible]
[illegible]

عیب و ہنر سے تیرے [illegible] / کچھ تجھ سے دشمنی نہیں [illegible] کچھ نہیں
جز داستانِ دیدۂ خوں [illegible] نہیں / تجھ سے [illegible] تو خطا وار کچھ نہیں

اس انجمن میں جو ہے وہ بادہ پرست ہے
[illegible] ساقی [illegible] ہے

میں رند ہوں مجھے نہیں کچھ [illegible] / مجھ کو نہ تیرے کفر [illegible] اسلام سے غرض
سرمست کو [illegible] / [illegible] ہے کبھی تو کبھی جام سے غرض

عشرت نہیں جو ساقیِ فرخندہ پے نہیں
کیا لطف زندگی کا اگر دور سے نہیں

(باقی آیندہ)

آغا غلام حسین ارشد

# حُسنِ سعادت

(۶)

(سلسلے کے لئے گذشتہ نمبر ملاحظہ ہو)

قیصر کو علیگڈھ آئے بہت روز گذر گئے اس نے لکھنے پڑھنے میں نہایت کوشش اور سعی بلیغ سے کام لیا پروفیسروں اور ممتحن عالموں نے کامیابی کی بہت کچھ امید دلائی ہے وہ تمام دن اور گیارہ بجے رات تک کتابوں کے مطالعہ میں مشغول رہتا ہے اسوجہ سے جمیلہ کا خیال نہیں آتا لیکن شب کو سوتے وقت اسکی دلفریب صحبت اور میٹھی میٹھی خوش آیند باتیں یاد آکر بیچین کر دیتی ہیں اور قیصر تکیہ پر اُس پُرلطف خیال کے مزے لوٹا کرتا ہے مگر یہ خیال اسے گھلا دیتا ہے کہیں ایسا نہو میری عدم موجودگی میں اماں جان سے ملال کی صورت پیدا ہو جائے اگرچہ جمیلہ بیگم کے خصائل حمیدہ سے کافی امید ہے کہ وہ کوئی ایسی بات نہ کریں گی جو باعث رنجش ہو لیکن اماں جان کا مزاج انوکھی باتیں اختراع کر کے ایک نہ ایک فساد پیدا کر دینے کا عادی ہے

قیصر کے اندیشہ کی تصدیق بہت جلد اس خط سے ہوگئی جو شکیلہ بیگم نے جمیلہ سے ناراض ہو کر تحریر کیا تھا اس نے لکھا تھا میں تمھیں اپنے حق کی قسم دیتی ہوں اس خط کے دیکھتے ہی اس بلا (جمیلہ) کو میرے گھر سے دفان کر دو اس نے میرا جینا دشوار کر دیا ہے تمھارے باواجان نے جب سے اسکی طرفداری کی ہے اپنے آپ میں نہیں ہے بڑے چھوٹے کسی کا لحاظ نہیں جو جو منہ میں آتا ہے کہہ گذرتی ہے۔

قیصر کے سر پر بجلی گرتی تو بھی شاید اتنی حیرت نہوتی جو خط کا مضمون پڑھکر ہوئی کسی طرح یقین نہ آتا تھا جمیلہ اتنا جلد بدل جائے گی خط میں ایسا طلسم تحریر تھا جسکا حل اسکی عقل سے دشوار تھا اسکا دل کسی طرح جمیلہ کے خلاف کوئی لفظ لکھنے پر

رضا و رغبت نہ ظاہر کرتا تھا لیکن والدہ کے تاکیدی حکم سے سرتابی ممکن نہ تھی اس نے قلم اٹھا کر بجبر و اکراہ وہ خط لکھا جسکی وجہ سے افسر حسین شکیلہ سے خفا ہو کر علیگڈھ روانہ ہوئے۔

خط تحریر کرنے کے بعد سخت فکروں میں مبتلا ہوا ہر وقت غمگین رہنے لگا اسے معلوم تھا اس خط سے جمیلہ کے نازک دل کی کیا حالت ہوگی وہ جانتا تھا میں عمداً ایک معصوم پر الزام لگا رہا ہوں اور جو سزا تجویز کی ہے وہ سنگین تر ہے لیکن اس نے دیدہ و دانستہ نہیں بلکہ جبراً والدہ کے حکم سے اس برائی کا مرتکب ہوا تھا جس سے منفعل تھا لیکن اپنا حکم واپس لینا یا خفیہ طریقہ سے جمیلہ کو اصلی واقعات کی اطلاع دینا اسکے اختیار سے باہر تھا کیونکہ اسکی والدہ نے یہ بھی لکھا تھا اگر تم نے آج سے کوئی خط جمیلہ کو بھیجا تو میں اپنا دودھ نہ بخشوں گی اسلیے غریب قیصر بالکل مجبور تھا اگرچہ جمیلہ کے کئی خط آئے لیکن وہ جواب نہ لکھ سکا اس بد خلقی کی ندامت نے اسکا کھانا پینا ترک کرا دیا تھا اسکے چہرے سے پژمردگی اور نقاہت نمایاں تھی گو اوقات مقررہ پر کتابوں کا مطالعہ ہوتا تھا لیکن وہ انہماک کہاں کالج کے ملاقاتیوں سے بات چیت کرتا مگر طرز سے پریشانی ٹپکتی اس کایا پلٹ سے اسکے کلاس فیلو متحیر ضرور تھے لیکن سبب نہ معلوم کر سکے ہنوز ہفتہ قریب اختتام تھا کہ افسر حسین بغیر کسی اطلاع کے وارد ہوئے اور قبل اسکے کہ قیصر سے کوئی بات کریں اسکی غلطی پر جو اسنے اپنی والدہ کے لکھنے سے کی تھی سخت نفرین کی اور کہا اسی وقت جمیلہ کو معذرت نامہ تحریر کرو ورنہ قیامت تک میرا دل صاف نہ ہوگا۔

اب قیصر عجیب کشمکش میں تھا اسکے پائے استقلال کو جنبش ہونے لگی اس نے اپنی والدہ کا خط پیش کیا افسر حسین نے اول سے آخر تک پڑھا ایک ایک لفظ پر چہرا سرخ ہو جاتا تھا خط تمام کر کے کہا بہتر ہے تم اپنے ہاتھ سے نہ لکھو میں تمھاری

جانب سے جمیلہ کو خط تحریر کرتا ہوں یہ کہکر ایک خط لکھا جسمیں تفصیل وار کل واقعات لکھے اور قیصر کی مجبوری پر روشنی ڈال کر عفو تقصیر چاہی آخر میں یہ بھی رقم کیا قیصر خط لکھنے سے مجبور ہے لیکن اپنی بے بسی سے برداشتہ خاطر ہے رات دن خاموش بیٹھا رہتا ہے مگر تم دل میں ذرا بھی پریشان یا متفکر نہ ہونا۔

(۶)

جمیلہ نے میکے آکر قیصر کو آٹھ دس خط لکھے اور ہر خط میں اپنی بیگناہی کا اظہار کیا لیکن کسی خط کا جواب نہ ملا دو ایک خطوں تک تو اس نے دل کو یہ کہکر بہلایا شاید یہ سب مراسلے خط وہاں تک نہ پہنچے ہوں گے یا پڑھنے لکھنے سے مہلت نہ ملی ہو گی مگر متواتر خطوط روانہ کرنے کے بعد بھی جواب نہ ملنے سے ماتھا ٹھنکا اور یقین ہو گیا ساس کے ساتھ شوہر بھی ناراض ہو گیا یہ خیال روح فرسائی کو کافی تھا وہ سب کی نظر بچا کر تنہائی میں پہروں رویا کرتی اور عفو تقصیر کی تدبیریں سوچتی لیکن کوئی بات ذہن نشین نہوتی اسی ادھیڑ بن میں کئی ہفتے گذر گئے شباب و امید کا سارا رنگ زعفرانی ہو گیا عارض مرجھا گئے کٹورا سی آنکھیں نکل آئیں کئی مرتبہ قصد کیا سسرال جاکر روٹھی ہوئی ساس کو منانے کی کوشش کرے لیکن افسر حسین کی ممانعت سے مجبور ہو گئی کسی کام میں دل نہ لگتا تھا ہر وقت منہ لپیٹے پڑی رہتی تھی ہمسن لڑکیاں یہ حال دیکھکر غم غلط کرنے کے خیال سے رات دن اسکے پاس بیٹھی رہتیں ہنسی مذاق میں بہلانا چاہتیں لیکن جمیلہ بجائے بہلنے کے زیادہ افسردہ ہو جاتی اگرچہ نمائشی انکی باتوں کا جواب دیا کرتی کبھی کبھی جھوٹی ہنسی بھی ہنس لیتی مگر پہلو میں دل رویا کرتا۔

ایک روز حسب عادت کمرے میں تنہا بیٹھی ہوئی بحر خیال میں شناوری کر رہی تھی کہ ماما نے ایک خط دیا اس نے لفافہ پر نظر ڈالی مہر پڑھی معلوم ہوا علیگڈھ سے

آیا ہے دل کو کسی قدر ڈھارس ہوی مگر یہ معلوم کر کے کہ قیصر کے ہاتھ کی تحریر نہیں ہے خوشی غم سے بدل گئی لاپرواہی سے خط ایک طرف رکھدیا اور اسی طرح عالم خیال میں منہمک ہوگئی تھوڑی دیر بعد کچھ سوچکر خط اُٹھایا لفافہ چاک کر کے عبارت پر نظر ڈالی نگاہوں سے جو جو مضمون گذرتا جاتا تھا چہرے پر بحالی آتی تھی آخر ہونٹوں پر تبسم نمایاں ہوا اور آہستہ سے کہا اخاہ خط نہ آنے کی یہ وجہ تھی جو ابا جان نے تحریر کی ہے اب مجھے کوئی شکایت نہیں واقعی وہ بے قصور ہیں یہ کہکر اسیوقت ایک خط لکھا جسمیں اپنا مطمئن ہونا رقم تھا لفافہ بند کر کے روانہ کردیا وہ دن نہایت خوشی میں بسر ہوا رات کو جب کھانے سے فراغت کر کے کمرے میں سونے کو جارہی تھی اسکی سسرال سے ایک ماما نے آکر اطلاع دی آپ کی امی جان سخت علیل ہیں صبح تک اچھی تھیں شام کو پُروسنے میں درد کی تکلیف محسوس ہوی اسوقت کسی کروٹ آرام نہیں مچھلی کی طرح تڑپ رہی ہیں گھر کے نوکر نوکری چھوڑ چھوڑ کر بھاگ گئے کوئی مرد موجود نہیں جو حکیم ڈاکٹر بلائے جب سے بڑے میاں باہر تشریف لے گئے گھر کا اور ہی رنگ ہوگیا ہے یہ سنتے ہی جمیلہ بدحواس اپنی والدہ کے پاس دوڑی گئی کل حال بیان کر کے کہا میں جاتی ہوں آپ کسی حکیم کو بلوا کر فوراً بھیجے

کہاروں کا اڈا قریب تھا جلدی سے چوپہلا لگایا گیا جمیلہ سوار ہو کر سسرال پہنچی دیکھا گھر پر بیرونقی چھائی ہے ہر طرف کوڑا کرکٹ جمع ہے ایک کمرے میں اسکی خوشدامن پلنگ پر پڑی ہوی درد کی تکلیف سے کراہ رہی تھی درد اُٹھے گھنٹوں سے زیادہ نہوا تھا لیکن صورت سے ہفتوں کی بیمار معلوم ہوتی تھی یہ حالت دیکھکر جمیلہ نے سمجھ لیا افسر حسین کے جانے سے اسے کسقدر صدمہ پہنچا ہے پلنگ کی پٹی پر بیٹھ گئی اور آہستہ آہستہ دبانا شروع کیا۔

درد کی تکلیف معمولی نہ تھی جو شکیلہ بیگم جمیلہ کو پہچان سکتی وہ اسی طرح کراہا کی

تھوڑی دیر میں حکیم صاحب کے آنے کی اطلاع ہوئی جمیلہ کے والد نے پردہ کرایا حکیم صاحب تشریف لائے مریضہ کی نبض دیکھی نسخہ لکھا اور کچھ تسلی آمیز باتیں کر کے رخصت ہوئے جمیلہ کے والد خود جا کر دوائیں لائے جمیلہ نے انھیں جوش کر کے حسب ہدایت استعمال کرایا گھنٹہ بھر میں کچھ سکون واقع ہوا مریضہ نے آنکھیں کھولیں جمیلہ کو پاس بیٹھے دیکھا لیکن پہچان نہ سکی کیونکہ اسے اتفاقیہ واقعہ نے بہت لاغر کر دیا تھا۔ کلا سا رنگ و روپ باقی نہ تھا تھوڑی دیر میں پہچان کر شکیلہ اپنے کیے سے پشیمان ہوئی اور فرط خجالت سے آنکھیں بند کر لیں یہ پچھتاوا ہوتا تھا یہ جمیلہ کی زبانی دریافت سے شکیلہ کے دل پر چوٹ لگی اور وہ بہت علالت پر پرسے ہوئے تھی اپنے خود کردہ غلطیوں کی تعداد خواہ مخواہ دل میں صفائی کا نور جھلکا رہا تھا اس نے خلوص دل سے عہد کر لیا کہ میدان میں دیر نہ کر کے آئندہ ان حرکات ناشائستہ کی مرتکب نہ ہوگی وہ اپنی بری خصلتوں کو چھوڑنے پر نہایت استقلال سے آمادہ تھی۔

جمیلہ اسکی خاموشی کو غشی سمجھ کر پریشان ہو گئی مڑ کر دیکھا تو کمرے میں بجز ایک خادمہ کے کوئی نہ تھا کیونکہ سب عورتیں بدمزاجیوں کی تاب نہ لا کر بھاگ گئیں تھیں وہ خود اٹھی الماری سے کیوڑے کی بوتل نکالی اور مریضہ کے منھ پر چھڑک کر پنکھے کی ہوا دینے لگی اس خالص برتاؤ نے شکیلہ پر بڑا اثر کیا اس نے آنکھیں کھول کر دونوں ہاتھ پھیلا دیے مطلب سمجھ کر جمیلہ سینے سے چمٹ کر رونے لگی تھوڑی دیر تک دونوں دل کی بھڑاس آنسوؤں کے ذریعہ سے نکالا کیے پھر مریضہ نے ملائم آواز سے کہا۔

شکیلہ بیگم - بیٹا میں نے تمہیں اپنی بدمزاجی سے بہت تکلیف پہنچائی جسکی ندامت آنکھیں چار کرنے کی روادار نہیں تمہاری جگہ اگر دوسری لڑکی ہوتی تو زندگی بھر

ایسی ساس کی صورت نہ دیکھنی لیکن تم فرشتہ ہو جو مجھ سے ابتک صفائی برتتی ہو میرا سعیاں رویاں تمھارا ممنون احسان ہے اگر تم میرے گذشتہ گناہوں کو معاف کرکے سینے سے غموں کی بھاری سل ہٹا دو تو میری زندگی ہو جائے۔

جمیلہ۔ ہاتھ جوڑکر، امی جان آپ کیا فرماتی ہیں ہر بزرگ چھوٹوں کو تربیت کرتے ہیں میری عزت صرف اسی میں ہے کہ آپ کے قدموں پر پڑی رہوں اتنے دن قدموں سے جدا رہ کر زندگی تلخ ہوگئی تھی شکر ہے جو دوبارہ چہر قسمت نے انھیں مبارک قدموں پر لا ڈالا۔

شکیلہ بیگم۔ جمیلہ مجھے زیادہ خجل نہ کرو۔

جمیلہ۔ بات کاٹ کر، آپ زیادہ بات نہ کریں تھوڑا آرام فرمائیے کہیں ایسا نہ موذی درد پھر اُٹھ کھڑا ہو اور دشمنوں کی طبیعت بیچین ہو شب بخیر صبح کو باتیں ہوں گی۔

(باقی آئندہ)

مرزا فدا علی خنجر لکھنوی

# فلسفۂ غزل

چار حد دہر میں جب سے ہوا لطفی عمل — قدر کے بازار میں ممتاز ہے صنفِ غزل
فکر کے سانچے سے جو اشعار نکلے بر محل — خلعت تحسین لیا اور ہوگئے ضرب المثل

طبقۂ اعلےٰ میں رکھا تنے پیارے ہوگئے
آسمانِ نظم کے روشن ستارے ہوگئے

ہے غزل بھی جوہر معیار معنی و بیاں — راز حسن و عشق ہے جسکے مضامیں میں نہاں
جسکی بندش سے اثر پاتی ہے شاعر کی زبان — واقعات حال ہوجاتی ہے کہنہ داستاں

دی تسلی جس نے مجنوں کے دل ناشاد کو
داد دے کر بھر دیا زخم سر فرہاد کو

جسکے دو مصرعوں میں مضمر قوت تقریر حسن  جو بتاتے ہیں اثر رکھتے ہیں اعجاز حسن
اور جسکے زور سے بڑھتی گئی توقیر حسن  معتبر دنیائے دل میں ہے یہی تفسیر حسن

دفتر جذبات ہے تعبیر خواب عشق سے
حسن کا مطلع ہے طغرائے کتاب عشق ہے

اے غزل تو نے کیے وہ منتخب الفت نواز  حسن کو خود چاہیے جنکی وفاداری پہ ناز
تیرے عالم میں وہی ہے سر بلند و سرفراز  پڑ چکی ہے عشق کی جس پر نگاہ امتیاز

روح لے لی استخواں ہائے بیاباں زار سے
پیکر مجنوں کے اجزا چن لیے انبار سے

تو نے محفل گرم کر دی حسن کے اذکار سے  دل کو آگاہ کر دیا رنگ مزاج یار سے
کام کیا لیتے ہیں اپنے نزاکت بار سے  تیر کی حاجت نہ کچھ مطلب انھیں تلوار سے

ہو کے بے پروا جہان حسن میں کرتے ہیں راج
کس ادا سے خوں بہا دیتے ہیں یہ رنگیں مزاج

تو نے جسدم صفحۂ قرطاس کو رنگیں کیا  پھر سے تازہ حسن کا اور عشق کا آئیں کیا
ہجر کی بیچینیوں کو خوگر تسکیں کیا  عشق کے مارے ہوؤں کو خوب یہ تلقیں کیا

کس طرح دل کو وفا کی نذر کرنا چاہیے
جب فلک دے رنج کیونکر صبر کرنا چاہیے

عقل باقی ہے جہانتک وسعت علم نظر  حب کا ہر موجود پر ہے بدو فطرت سے اثر
افضل مخلوق ہی ٹھہرا تو کیا ذکر بشر  سنگ کے دل میں بھی قدرت نے ودیعت کی شرر

عشق کے جوہر سے خالی ہیں تو سب بیکار ہیں
آج انسانی ہیولے جسقدر تیار ہیں

اختر لکھنوی

# غزلیات

## حضرت مولانا صفی لکھنوی

نہیں اُٹھتے جہاں صبحِ جدائی دیکھ لیتے ہیں　　اجل کا راستہ تیرے فدائی دیکھ لیتے ہیں
جب اپنی آہ کی بیدستی و پائی دیکھ لیتے ہیں　　نگاہِ یاس سے بامِ رسائی دیکھ لیتے ہیں
جو ناممکن ہے واں تک ہم رسائی دیکھ لیتے ہیں　　درِ جاناں پہ شوقِ جبہ سائی دیکھ لیتے ہیں
اُنھیں جب قابلِ زور آزمائی دیکھ لیتے ہیں　　کبھی بازو کبھی ہنسکر کلائی دیکھ لیتے ہیں
یہ کسکا سر دکھا دو پوچھتے ہیں اپنے درباں سے　　جو چوکھٹ پر نشانِ جبہ سائی دیکھ لیتے ہیں
ہلالِ عید کہہ دیتے ہیں اُس خود بیں کے ابرو کو　　اسی حیلہ سے دم بھر کج ادائی دیکھ لیتے ہیں
فدا کرتے ہیں نقدِ جان و دل ہم بھی حسینوں پر　　مگر اس شرط سے جب پارسائی دیکھ لیتے ہیں
سحر کو آنکھ کھلتے ہی اسیرانِ جنوں تیرے　　درِ زنداں بامیدِ رہائی دیکھ لیتے ہیں
نظر نبضِ دلِ انساں ہے اسکے دیکھنے والے　　ہر اک دل میں صفائی ناصفائی دیکھ لیتے ہیں
ہمارا دل تہوں کا رنج تماشا گاہِ عالم ہے　　اسی عینک سے ہم ساری خدائی دیکھ لیتے ہیں

صفی کم فرصتی میں جب غزل کی فکر کرتے ہیں
فقط شعروں میں بندش کی صفائی دیکھ لیتے ہیں

## حضرت ارشد تھانوی

حاصلِ زیست ہے ممنونِ قضا ہو جانا　　زندگانی کا نتیجہ ہے فنا ہو جانا
اسقدر دوزخ و جنت کو سمجھتا ہوں میں　　ایک خوش ہونا ترا ایک خفا ہو جانا
کر دیا جادۂ تسلیم سے کوسوں پیچھے　　آ گیا کیوں مری آہوں کو رسا ہو جانا
ہوش کے ساتھ رہے گی من و تو کی تمیز　　بیخودی ہی تو ہے معروفِ انا ہو جانا

سب تازگی و رونق دل ہے اُداس
عالم یاس میں مصروف دعا ہو جانا

حضرت آرزو لکھنوی

تڑپا جو کوئی سرد نفس کھینچ کر کہیں
خلوت میں جھلملا گئی شمع سحر کہیں

پھر کاتو کھائے بھیپ کے قاتل نظر کہیں
گردن رگڑ لوں آپ ہی تلوار پر کہیں

اے عشق ہر جگہ تری تاثیر سے ہے فرق
آرام دل کہیں ہے تو درد جگر کہیں

تڑپے چمن کے شوق میں کیا قیدی قفس
ڈر ہے اکھڑ اکھڑ کے نہ گر جائیں پر کہیں

تم اپنی یاد دے گئے تھے کیا اسی لیے
لینے نہ دے قرار مجھے عمر بھر کہیں

تربت میں ہے دریدہ کفن اس گلی میں لاش
ہم ہیں کہیں سفر میں تو رخت سفر کہیں

آتا ہے اب لگی کا بجھانا اسی طرح
جب دل بھر آیا رونے لگے بیٹھ کر کہیں

آتے ہی ذکر عشق میں پہلے سے رو دیا
ڈر تھا گریں نہ اشک ترے نام پر کہیں

آنکھوں سے نیند دیکھنے والوں کی اڑ گئی
سوتے ہیں اپنا ٹھیکانہ کئے یوں بے خبر کہیں

جب کہتے کہتے تھک گئے خاموش ہو رہے
ہوتا ہے ورنہ قصۂ غم مختصر کہیں

اقرار جرم عشق میں ہے راستی بری
تلوار مار دے نہ وہ ترچھی نظر کہیں

خالی پھری ہے بجھ کے نشیمن میں ڈھونڈھ کے
بجلی گرے نہ خانۂ صیاد پر کہیں

ہمت کچھ اور اے سر شوریدہ چاہیئے
زنجیر کھڑکھڑانے سے کھلتا ہے در کہیں

آ نا ہے اے اجل تو بس آ وقت ہے یہی
رہتا ہے دل کا درد دو پہر دو پہر کہیں

وہ آرزو چلے گئے منھ دیکھتے ہوئے
حسرت بھری نظر نے دکھایا اثر کہیں

حضرت مرزا ثاقب قزلباش لکھنوی

دل کو مجبو لذت آزار رہنے دیجیے
خوش ہے جس حال میں بیمار رہنے دیجیے

کچھ وفا کچھ ظلم کے آثار رہنے دیجیے — خون میں ڈوبی ہوئی تلوار رہنے دیجیے
بیخودی کی قید میں رکھیے مجھے یا محوِ خواب — دل کو اپنی یاد میں بیدار رہنے دیجیے
شرم آئی کس لیے آئینہ رکھا کس لیے — جسکو دیکھا اُس سے آنکھیں چار رہنے دیجیے
دل میں رہ کر کیجیے گا کیوں علاجِ زخمِ تیر — آپ ہیں۔ تو روزنِ دیوار رہنے دیجیے
یادگارِ عشق ہے یہ صحبتِ تیغ و گلو — اور دم بھر حلق پر تلوار رہنے دیجیے
میں ابھی تک بیخودی کی راہ سے واقف نہیں — ہوش میں ہوں آپ اگر ہشیار رہنے دیجیے
روح و جاں میرے لیے دونوں ہیں اُن بن بارِ گلہ — آپ جسکو چاہیے بیکار رہنے دیجیے
کیوں بجھا کر دیجیے مرنے سے شمعِ قبر کو — ایک کو تو میرا ماتم دار رہنے دیجیے
آپ یوسف ہیں تو باندھی ہے کمر کیوں قتل پر — کوئی دم تو رونقِ بازار رہنے دیجیے

روئیے جب تک ہو رلوا سے ثاقب دردِ دل
آنکھ کو جب تک رہے خونبار رہنے دیجیے

حضرت باسط بسوانی

دیکھتے ہیں دور ہیں دل تھام کے — دل کے ٹکڑے ہیں کہ ساقی جام کے
ہو گئی صبحِ قیامت آشکار — رنگ لائے خوب نالے شام کے
پھر گئی ساقی کی پھر چشمِ کرم — رنگ دیکھو گردشِ ایام کے
در پہ نالاں ہے کوئی خستہ جگر — دیکھ تو او سونے والے بام کے
دور ہم بیٹھے ہیں اے ساقی مگر — نظریں بوسے لے رہی ہیں جام کے
چارہ گر اب ضعف کا عالم نہ پوچھ — دردِ دل اُٹھا کلیجا تھام کے
خونِ دل پیتے ہیں یا خونِ جگر — اب کہاں دن بادۂ گلفام کے
بلبلوں نے باغ میں گھیرا اُنھیں — صدقے ہوتی ہیں رخِ گلفام کے
بس تڑپنے نے مرے کھویا مجھے — کس گئے کچھ اور حلقے دام کے

ضعف سے کروٹ بدلنا ہے محال
یہ بھی دو پہلو گئے آرام کے

میکدے سے دل شکستہ ہم چلے
ٹکڑے ہو جائیں نہ ساقی جام کے

جیب ہو جن سے نہ داماں تار تار
ٹوٹ جائیں ہاتھ وہ کس کام کے

آج با مطلب اسی نے کہہ دیا
تم سے دیوانے مرے کس کام کے

حضرت خلیق دہلوی

کدورت خاکساروں سے نہ رکھا آئینہ رکھ کر
مٹے جاتے ہیں ہم خود ہی تو اپنا دل نہ میلا کر

اشارہ کر کے مژگاں سے نہ عاشق کو دبایا کر
خدا کے واسطے ظالم نہ کانٹوں میں گھسیٹا کر

دم تیغ آزمائی دل میں قاتل کچھ نہ سوچا کر
کسی کی جان جائے یا رہے تو کچھ نہ پروا کر

کہا یہ پیش داور بھی تو اُس نے مجھ سے دہکا کر
کسی کے روبرو میرا نہ شکوہ کر نہ دعوی کر

کہاں تک تجھکو سمجھائیں جنوں کو نہ جگایا کر
تو اتنا اے دل مضطر نہ تڑپا کر نہ تڑپا کر

جن آنکھوں سے ہمارے دشمنوں کو دیکھتا ہے تو
انھیں آنکھوں سے اے ظالم کبھی ہمکو بھی دیکھا کر

مدیں ابرو ہیں آنکھیں رائے ہیں خال نقطے ہیں
دکھا دو بسم اللہ زلفیں اپنی لٹکا کر

تری وہ کونسی ہے بات جو میں نے نہیں مانی
ارے ظالم کسی دن تو ہمارا بھی تو کہنا کر

ہماری انتظار دید میں پتھرا گئیں آنکھیں
تو اب آنکھوں سے اے پردہ نشیں ہرگز نہ پردہ کر

تری منت خوشامد کرنے سے انکار کس کو ہے
فقط ہم سے منا لینے کی خاطر تو نہ روٹھا کر

لگی تو دل کی بجھ جائے ارے یونہی سہی ظالم
پلا کر آب خنجر ہی کلیجا میرا ٹھنڈا کر

مرے قاصد سے کیا احوال غم دریافت کرتا ہے
گذرتی ہے جو میرے اپنے میرے دل سے پوچھا کر

تڑپ آئے ترے جانباز اپنی جان پہ کھیلیں
تو اپنے لطف سے بیٹھا تماشا انکا دیکھا کر

وہاں جا کر نہ بے پر کی اڑائے مرغ نامہ بر
یہاں سے اسکو طوطے کی طرح بھیجا ہے سمجھا کر

خلیق خستہ خلاق سخن سمجھے ہر اک تجھکو
بنے ہے عجز بیاں تو بات میں سے بات پیدا کر

# ریویوز

## شعلہ

دہلی سے ایک ماہواری رسالہ شعلہ نامی کوئی ۷ ماہ سے نکلنا شروع ہوا ہے۔ اسکے مضامین زیادہ تر تصوف کا رنگ لیے ہوئے ہیں اور اس خاص حیثیت میں ممتاز درجہ رکھتے ہیں۔ ہندوستان کے بعض مشہور مضامین نگار جو کسی رسالہ یا اخبار میں بلا معاوضہ مضمون نہیں دیتے وہ بھی بعض اوقات اپنے جدت طراز تخئیل کے ساتھ شعلہ کے اوراق میں نمودار ہوتے ہیں اور جہانتک ہمکو معلوم ہے ایسے حضرات کی ہمدردیاں بغیر کسی معاوضہ کے شعلہ کے ساتھ ہیں اور یہ یقینا شعلہ کے لیے فال نیک ہے۔ شعلہ کے ایڈیٹر مولانا سید محمد ناصر صاحب خلف مولانا شاہ سید حمزہ صاحب قبلہ ہیں۔ وہ یقینا رسالہ کے اپنے تھوڑے عرصہ میں اتنا زیادہ مقبول بنانے میں مبارکباد کے مستحق ہیں کہ پہلی جلد کے خاتمہ پر ہی رسالہ کی قیمت میں تخفیف کر کے ملک کے اُن غریب ناظرین کو بھی شعلہ سے مستفید ہونے کا موقع دیے سکے جو اسکی ابتدائی قیمت بہار نہ دے سکتے تھے۔

شعلہ اپنے موجودہ رنگ میں اگر دوسرے علمی ادبی رسالوں کی شان بھی پیدا کرسکے تو غالباً اس حالت میں ملک کے تمام افراد کے دلوں میں گرمی پہنچانے میں کامیاب ہو سکے گا اور یہی اسکا دعوے اور مقصد ہے۔

افسوس ہے کہ شعلہ اپنی اس چھوٹی سی عمر میں بھی پریس کی بدعنوانیوں سے نہ بچ سکا اور اُسکی اشاعت میں چند ان سے بے قاعدگی واقع ہوگئی تھی مگر شکر ہے کہ مولانا نے اب پھر اسکو وقت کی پابندی کی بندش میں کرلیا ہے۔ یہ رسالہ ۱۸ - ۲۲ تقطیع پر ۴۸ صفحوں کے حجم میں شائع ہوتا ہے۔ عوام سے قیمت عہ۸ ہے۔ نمونے کے لیے ۴ ر کے ٹکٹ دفتر رسالہ شعلہ محلہ چوڑیگران دہلی کے پتے پر روانہ کیجیے۔

## النظامیہ

یہ علمی - مذہبی - تاریخی ماہواری رسالہ ہندوستان کے مشہور دار العلوم یعنی فرنگی محل لکھنؤ سے مولوی صبغت اللہ صاحب شہید انصاری کی ایڈیٹری میں پابندی

وقت کے ساتھ شایع ہوتا ہے۔ اسکے مضامین زیادہ تر مذہبی ہوتے ہیں مگر ہم دیکھتے ہیں کہ جناب شہید صاحب رسالہ کی مقبولیت کے راز کو پہچان کر رسالہ کو مقبول عام بنانے کے لیے کوشاں ہیں چنانچہ النظامیہ کے آخیر پرچے کو ہم اسکے تمام گذشتہ نمبروں پر ترجیح دیتے ہیں اسمیں تمام مضامیں نہایت عمدہ اور محنت و قابلیت سے لکھے گئے ہیں اگر ہمارے کرمفرما جناب شہید صاحب نے اسی رفتار ترقی کو جاری رکھا جسکی جھلک انھوں نے آخر نمبر میں دکھائی ہے تو ہم پیشین گوئی کرتے ہیں کہ النظامیہ بہت جلد ہندستان کے ممتاز پرچوں میں شمار ہونے لگے گا اور اس کی اشاعت کو بھی قرار واقعی فائدہ پہنچے گا

بعض اوقات النظامیہ میں ایسی خبریں درج ہوجایا کرتی ہیں جو ایک رسالہ کی شان سے کوئی تعلق نہیں رکھتیں۔

اسوقت طبقۂ علمار کو جناب شہید کا مشکور ہونا چاہیے کہ انھوں نے فرنگی محل کی شاندار روایات کو قائم رکھنے بلکہ ان میں چار چاند لگانے کے خیال کو مدنظر رکھ کر ایک ایسا رسالہ جاری کیا آیندہ انشاءاللہ بہت سے دوسرے طبقہ بھی حلقۂ ممنونیت میں شامل ہوجائیں گے۔ رسالہ کا حجم ۳۶ صفحہ تقطیع ۲۰-۲۶ قیمت عہ/ پتہ انتظامیہ - فرنگی محل لکھنؤ ہے۔

# خونی منظر

اس نام کی ایک کتاب جناب منشی مقرب حسین صاحب مقرب دہلوی نے لکھی ہے اس کتاب میں کربلاے معلےٰ کے واقعات روح فرسا کا اس خوبصورتی اور درد انگیزی سے ذکر کیا گیا ہے جس سے کوئی مسلمان متاثر ہوے بغیر نہیں رہ سکتا۔

اس موضوع پر بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں مگر جس ادبی خصوصیت کو جناب مقرب صاحب نے مدنظر رکھا ہے وہ اسے دوسری کتابوں پر فوقیت دیتی ہے -

ملک میں اس امر کی بہت زیادہ ضرورت ہے کہ امور دینی کو اس قسم کا خوبصورت اور دلچسپ لباس پہنا کر پیش کیا جائے اور اس لیے ہم جناب مقرب صاحب کو

[illegible] اس پہلی تصنیف پر مبارکباد دیتے ہیں۔ "تمدن" میں جناب مقرب کے [illegible] مضامین چھپتے رہتے ہیں اس لیے ناظرین "تمدن" پر زبان کی سلاست و [illegible] خوب روشن ہو سکتی ہے جسکو انھوں نے اپنے اس ہدیہ میں نہایت خوش [illegible] اسلوبی سے پیش کیا ہے۔
کتاب کی لکھائی چھپائی بہت اچھی ہے حجم ۳۲ صفحہ۔ تقطیع ۱۸×۲۲ - یہ خوبصورت کتاب ۴ر۔ چار آنے قیمت پر ہلالی پریس دہلی سے مل سکتی ہے۔

# عطر انتخاب

جناب چودھری رحم علی صاحب الہاشمی متعلم بی۔ اے کلاس کیننگ کالج لکھنؤ آنریری سکرٹری صیغۂ اخلاقی گوکھلے اسٹوڈنٹ برادرہڈ نے الٰہ آباد یونیورسٹی کے ایف۔ اے اور بی۔ اے کے عربی کورس کے چند عربی قصائد کا منظوم ترجمہ ایک ایک چھوٹی سی ۱۴ صفحہ کی کتاب کی صورت میں شایع کیا ہے۔ مترجم نے حسّان ابن ثابت فرزدق ابن ثالث کے قصائد کو ترجمے کے لیے منتخب کیا ہے۔ ترجمہ بہت محنت اور قابلیت سے کیا گیا ہے۔ یہ کتاب عام لوگوں کے علاوہ اُن حضرات کے لیے بہت مفید ہے جنھوں نے الٰہ آباد یونیورسٹی کی اعلےٰ جماعتوں میں عربی لے رکھی ہے۔ کتاب ۲ر کے ٹکٹ آنے پر مصنف کے پاس کیننگ کالج بورڈنگ لکھنؤ کے پتہ پر مل سکتی ہے۔

---

**ضروری گذارش** "تمدن" بلا طلب جن حضرات کی خدمت میں نمونتاً یا کسی معزز دوست کی تحریک سے پہنچے براہ کرم فوراً اپنے ارادہ خریداری سے مطلع فرمائیں ورنہ خاموشی رضامندی سمجھی جائے گی اور دوسرے ماہ میں انکا نام درج رجسٹر کر کے تیسرے ماہ کا پرچہ ذریعہ وی۔ پی بھیجا جائے گا جسکا وصول کرنا اُن کا قومی اور اخلاقی فرض ہوگا۔ جو حضرات "تمدن" کو قیمتاً نہیں منگا سکتے وہ اگر آخر مئی تک "تمدن" کی مستقل خریداری عنایت فرمائینگے اُنکی خدمت میں یک سال کے لیے تمدن مفت حاضر ہوگا۔ جو صاحب دو مستقل خریدار عنایت فرمائینگے اُن کے پاس چھ ماہ تک یہ رسالہ مفت حاضر ہوگا۔

# تمدن

معاشرتی، تمدنی، ادبی، فلسفی، اخلاقی، تاریخی، اور علمی مضامین کا

مخزن

ایڈیٹر ایم اے قادری (علیگ) دہلوی خلف اکبر جناب قادری

محمد سرفراز حسین صاحب (علیگ) عزمی دہلوی سیاح جاپان و انگلستان

## فہرست مضامین




پستہ خط و کتابت [illegible]

نامی پریس لکھنؤ میں چھپا [illegible]

[illegible] حسن قادری

قیمت سالانہ [illegible] [illegible]

اسلام کے علمی کارناموں اور عام حالات کو بالکل قلم انداز کر دیا ہے گویا اُن کے نزدیک عورتوں کے قابلِ تقلید واقعات کا بھی ظاہر ہونا ویسا ہی جرم تھا جس طرح خود اُن عورتوں کا پردے سے باہر ہونا جرم ہے۔ قابلِ شرم امر ہے اگر حُسنِ اتفاق سے کسی نے اس صنف کے ساتھ ہمدردی کی ہے تو صرف اتنی کہ چند خواتین کے تذکرے میں اُن کے حالاتِ زندگی کو دو تین سطروں میں ختم کر دیا ہے۔ اکثر نہایت مشہور خواتین کے حالات میں آپ صرف اتنی قدر عبارت لکھی ہوئی ہے کہ "کانت عاملة فاضلة ادیبة شاعرة" اور یہ ظاہر ہے کہ ان چند کنایوں سے اُن بیشمار خواتین کے حالات پر بالکل روشنی نہیں پڑ سکتی جو علم و فضل کے آسمان پر ہلال بنکر طلوع ہوئیں اور بدر بنکر چمکیں

چونکہ زمانے کی شدید ضرورت اس بات کو چاہتی ہے کہ خواتین اسلام کے حالات سربمہر اسرار سمجھنے کے بجائے روشنی میں لائے جائیں اسلیے مسلمانوں کا یہ فرض ہے کہ اس طرف بھی وہ اپنی خاص توجہ مبذول کریں اور اس کی صورت یہ ہے کہ جو لوگ اس مقصد کے پورا کرنے کی ہمت نہ رکھتے ہوں وہ عام اسلامی تاریخ کے مطالعہ کرنے کی زحمت گوارا فرمائیں جن میں ضمناً خواتین کے بہت سے حالات آ گئے ہیں اور ان منتشر حالات کو ایک مستقل کتاب کی صورت میں جمع کر دیں۔ اگرچہ یہ کام بڑی جانفشانی سعی بلیغ اور ہزاروں تاریخی صفحات کی ورق گردانی کے بعد پورا ہو سکتا ہے مگر جو شخص اس اہم خدمت کو انجام دے گا وہ حقیقت میں قوم کی ایک بہت بڑی ضرورت کے پورا کرنے کا کفیل ہوگا۔ اس مختصر سی مگر ضروری تمہید کے بعد ہم چند خواتین کے حالات بیان کرنا چاہتے ہیں جو سرزمین اندلس کے لیے مایۂ ناز تھیں:

تاریخ اسلام میں اندلس نہ صرف اسلیے زیادہ مشہور ہے کہ وہاں صدیوں اسلامی

سلطنت نہایت شان و شوکت سے قائم رہی بلکہ اپنے بھی اسکی شہرت ہر جا
چار چاند لگ گئے ہیں کہ اس نے علوم و فنون کو اپنی آغوش میں لے کر پرورش کیا
جس سے ہزاروں علما و ارباب فضل و کمال پیدا ہوئے اور طبقہ اناث میں بھی
ایسی خواتین کی کچھ غیر معمولی تعداد ظاہر ہوئی جو بلحاظ اپنے تبحر علم، قدرت کلام
شاعری اور آزادی کے سبب ضرب المثل تھیں بلکہ بعض اوقات وہ اپنے زمانے
کے بڑے بڑے علماء پر بھی سبقت لے گئی تھیں سلاطین وقت بھی ان کو تعظیمی
الفاظ کے ساتھ یاد کرتے تھے

چوتھی صدی ہجری کی ابتدا میں قرطبہ کی رہنے والی عائشہ بنت احمد ایک نہایت عالمہ
شاعرہ خاتون گذری ہیں۔ ان کا زمانہ اندلس میں علم و فضل، فصاحت و بلاغت کا
جوہر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ یہاں تک کہ اس زمانے میں یہ عام خیال تھا کہ اسکے
چچا ابو عبد اللہ جو ایک مشہور ادیب اور شاعر تھے ان سے اگر اس خاتون کو ترجیح
دی جائے تو بالکل بجا ہے۔ خدا جانے اس خاتون میں کیا کیا خوبیاں تھیں کہ
اسکی شان میں یہ الفاظ استعمال کیے گئے [illegible]
[illegible] ایک مقام پر انکی تعریف میں
خاص الفاظ یہ ہیں لم یکن فی زمانها من حرائر اندلس من یعدلها علما و فهما و ادبا و شعرا و فصاحة۔ یعنی اندلس کی حریت پسند
عورتوں میں کوئی ایسی نہ تھی جو علم و فہم، ادب، شعر اور فصاحت میں اس خاتون کے
مساوی ہو۔ اس عبارت سے ایک اور نتیجہ مستنبط ہوتا ہے وہ یہ کہ خاتون
موصوفہ کے زمانے میں ایسی خواتین کی تعداد کثرت سے تھی جو اپنے
علم و فضل اور جذبات و خیالات کے اظہار کرنے میں آزاد تھیں مگر وہ سب
کی سب خاتون موصوفہ سے علمی لیاقت میں کم درجہ رکھتی ہوں۔

خاتون موصوفہ کا خط نہایت پاکیزہ ہوا کرتا تھا وہ اکثر قرآن پاک لکھا کرتی تھیں، شادی اپنی تمام عمر میں نہ کی اسکی وجہ یہ تھی کہ وہ جس قسم کا شوہر چاہتی تھیں نہیں ملتا تھا چنانچہ ایک شاعر نے جب نکاح کا پیغام بھیجا تو صاف انکار کر دیا اور اسکے جواب میں دو شعر لکھ بھیجے جسکا مفہوم یہ ہے "آپ تو آپ میرے معیار میں بہت بڑے بڑے لوگ پورے نہیں اُترتے" اس جواب سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ خاتون موصوفہ کا انتہائے خیال کیا تھا اور وہ اپنے تبحر علم کے سامنے بڑے بڑے شعراء کو ہیچ سمجھتی تھیں۔

اندلس کی خواتین تعلیم کی اسقدر دلدادہ تھیں کہ وہ مرد اور عورت دونوں سے علوم سیکھتیں، معلمات اپنی علمی لیاقت، زباندانی میں نہایت ممتاز ہوتیں۔

پانچویں صدی ہجری میں مریم بنت ابی یعقوب انصاری ایک بہت بڑی مشہور شاعرہ اور ادیبہ خاتون تھیں اُنکے ذاتی فضل اور مذہبی خوبیوں نے عزت و احترام کے آسمان پر ان کو بدر کامل بنا رکھا تھا، عورتوں کو فن ادب کی تعلیم دیا کرتی تھیں، اُنکے فضل و کمال کی تعریف اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتی ہے کہ خود سلطان مہدی اپنے ایک خط میں اُن کے علم و فضل و زہد و تقوی کا نہایت گرم جوشی سے ذکر کرتا ہے بلکہ یہ بادشاہ خاتون موصوفہ کے خداداد قوت نطق کی ثنا کرتا ہے۔ سلطان مہدی نے ان کے پاس کچھ دینار اور خط میں یہ چند شعر لکھ بھیجے۔

مَالِي بِشُكْرِ الَّذِي أَوْلَيْتِ مِنْ قِبَلِ — لَوْ أَنَّنِي حُزْتُ نُطْقَ اللَّسَنِ فِي الْحِلَلِ

جو کچھ میں نے دیا ہے اُسکا شکریہ نہیں چاہتا — ہاں مجھ کو یہ تمنا ہے کہ وہ طلاقت لسانی جو اہل حلہ میں ہے [illegible]

يَا فَذَّةَ الظَّرْفِ فِي هَذَا الزَّمَانِ وَيَا — وَحِيدَةَ الْعَصْرِ فِي الْإِخْلَاصِ وَالْعَمَلِ

اے ظرافت میں یکتائے روزگار — اور اے اخلاص و عمل میں فرد زمانہ

أَشْبَهْتِ مَرْيَمَ الْعَذْرَاءَ فِي وَرَعٍ — وَفُقْتِ خَنْسَاءَ فِي الْأَشْعَارِ وَالْمَثَلِ

تو تقوی میں مریم عذراء کے مشابہ ہے     اور اشعار و مثل میں خنساء سے فوقیت لے گئی ہے

خاتون موصوفہ نے شاہانہ عطیہ شکریہ کے ساتھ قبول کر لیا اور سلطان کے خط کا جواب شعر ہی میں دیا جسکا پہلا شعر یہ ہے۔

مَنْ ذا یُجَابِیکَ فِی قَوْلٍ وَفِی عَمَلٍ     وَقَدْ بَدَرْتَ اِلَی فَضْلٍ وَلَمْ تُسَلِ

قول و فعل میں آپ کا کون مقابلہ کر سکتا ہے     آپنے تو بے مانگے مجھپر احسان کرنے میں جلدی کی ہے

اُنھوں نے آخر عمر میں اشبیلیہ میں سکونت اختیار کر لی، عمر بھی دراز پائی تھی جسکا اظہار ان بیتوں میں کیا ہے۔

وَمَا یُرتَجی مِنْ بِنْتِ سَبْعِیْنَ حِجَّةً     وَسَبْعٍ کَنَسْجِ الْعَنْکَبُوتِ الْمُهَلْهَلِ

ستر برس کی بڑھیا سے کیا امید کی جا سکتی ہے     جسکی تمام زندگی تار عنکبوت کی طرح گذری

تَدُبُّ دَبِیْبَ الطِّفْلِ تَسْعیٰ عَلَی الْعَصَا     وَتَمْشِی بِهَا مَشْیَ الْاَسِیْرِ الْمُکَبَّلِ

وہ بڑھاپے سے چھوٹے بچے کیطرح عصا پر ٹیک لگائے ہوئے چلتی ہے     اور اس قیدی کے مانند چلتی ہے جسکے پیروں میں بیڑیاں ڈالدی گئی ہیں

آخر کے شعر میں ایک اور خوبی ہے وہ یہ کہ جب انسان کی عمر زیادہ آجاتی ہے تو اسکی کمر خم ہو جاتی ہے اور وہ سیدھا نہیں چل پاتا خاتون موصوفہ نے اپنی اس ہیئت کو چھوٹے بچے اور اُس قیدی کی چال سے تشبیہ دی ہے جسکے پیروں میں بیڑیاں پڑی ہوں، جو نہایت ہی موزوں ہے۔

جذبات اور تخیل کو موزوں الفاظ میں ظاہر کرنا اگرچہ ایک خوبی ہے لیکن معنی خیز مفہوم میں فی البدیہہ شعر کہنا ہر ایک کا کام نہیں، اسلام کی تاریخی روایات کا اگر مطالعہ کیا جائے تو بہت سی ایسی عورتیں ملیں گی جو اس وصف سے موصوف تھیں، چونکہ ہمارا موضوع اسوقت "خواتین اندلس" ہے اس لیے عام خواتین کا ذکر چھوڑ کر اسی سرزمین کی خاتونوں کی مثال پیش کرنا چاہتے ہیں۔

ام الہنا قاضی ابو محمد عبد الحق کی صاحبزادی تھیں تعلیم باپ ہی سے حاصل کی تھی

علم و فہم و عقل و ذکاوت میں بینظیر تھیں نی البدیہہ شعر کہہ دینا خاتون موصوفہ کے نزدیک کوئی بڑی بات نہ تھی۔ ایک دفعہ قاضی صاحب دمریہ (ایک مقام کا نام ہے) کے قاضی بنا کر بھیجے جانے لگے چلتے وقت اپنی حویلی میں گئے۔ سوئت انکی آنکھوں سے وطن اور اہل و عیال کی مفارقت میں آنسو جاری تھے طبیعت دار لڑکی نے باپ کی یہ حالت دیکھکر برجستہ چند شعر کہے

| | |
|---|---|
| يا عين صار الدمع عندك عادة | تبكين في فرح وفي احزان |
| اے آنکھ! کیا رونا تیری عادت ہو گئی ہے | کہ خوشی میں بھی روتی ہے اور غم میں بھی روتی ہے |
| غلب السرور علي حتى انه | من فرط ما قد سرني ابكاني |
| مجھپر خوشی کا اس قدر غلبہ ہوا | کہ [illegible] مجھے رولا دیا |
| فاستقبلي بالبشر يوم لقائه | ودعي الدموع لليلة الهجران |
| ہنسی خوشی ملاقات [illegible] | [illegible] |

خواتین اندلس تعلیم حاصل [illegible] کو [illegible] کرتی تھیں [illegible] بھی اپنی علمی [illegible] کی [illegible] ایک خاتون تھیں [illegible] پڑھا کرتی تھیں ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ وہ اس نابینا شخص کے پاس [illegible] کہ ایک شخص وہاں پہنچا اور مخزومی کو [illegible] لیکن یہی کاش مجھے معلوم ہوتا [illegible] مخزومی [illegible] کوشش کی کہ اس مصرعہ کا کچھ جواب دوں مگر کوئی بات اسکو نہ سوجھی [illegible] متفکر [illegible] گو شاعرہ نے فی الفور کہا جب کا پچھڑ گیا ہوا ایک مصرعہ یہ ہے [illegible] حتى لا خلا له یعنی تو اسکی پازیب کی جھنکار سنتا تو [illegible] مطلب اسکا یہ ہے کہ [illegible] تو ہکا بکا سا رہ جاتا تیری زبان گنگ ہو جاتی اور تو بول نہ سکتا۔

خاتون موصوفہ کو کثرت سے اشعار اور ضرب الامثال یاد تھیں، انکی شیریں زبانی طلاقت لسانی اور وسعت علمی کی بدولت وزراے سلطنت بھی ان سے مذاکرہ و مراسلہ کا سلسلہ جاری رکھتے تھے چنانچہ وزیر ابو ... اور خاتون موصوفہ میں اکثر مذاکرہ ہوا کرتا اور مراسلات جاری رہا کرتی تھیں۔

اس تذکرہ سے یہ بات نہایت تعجب سے سنی جائیگی کہ ایک شخص منصب قضا پر [illegible] مقدمات کے فیصلہ کا [illegible] حاصل ہے لیکن [illegible] خاتون [illegible] کیونکہ قاضی صاحب کو تمام مقدمات کے فیصلہ کرنے میں [illegible] کے لیے اس خاتون کی طرف رجوع کرنا پڑتا تھا۔ یہ خاتون قاضی [illegible] کی حرم محترمہ تھیں جنکی راے کے بغیر مقدمہ فیصل نہیں ہوتا تھا قاضی صاحب کے کسی منچلے دوست نے اسپر پھبتیاں اڑائیں اور خط میں دو شعر لکھ بھیجے۔

بلوشۃ قاضٍ له زوجۃ — وَاَحکامُها فِی الوریٰ ماضِیَہ
لوشہ کے قاضی صاحب کی ایسی بیوی ہیں — کہ انھیں کے احکام لوگوں میں جاری ہوتے ہیں
فَیا لَیتَہٗ لَم یَکُن قاضِیَہ — وَیا لَیتَہا کانَتِ القاضِیَہ
کاش میاں صاحب قاضی نہ ہوتے — اور انکے بجاے انکی بیوی قاضی ہوتیں

قاضی صاحب نے اپنی بیوی کو اسکی اطلاع دی جنھوں نے فی الفور دو شعر جواب میں لکھ بھیجے جسکا آخری شعر یہ تھا

کَلّا لَئِن لَم یَنتَہِ — لَنَسفَعاً بِالنّاصِیَہ
دیکھو اگر وہ اس سے باز نہ آیا — تو اسکے سر کے بال پکڑ کر کھینچ لاؤں گی

یہ قرآن پاک کی ایک آیت ہے جسکے دو ٹکڑے کر دیے شعر بن گیا۔

احمد اللہ ندوی

# نظّارۂ خرابات

(گذشتہ سے پیوستہ)

ہاں پھر ضیائے بادۂ روشن صدف ہو آج ، پھر میکدے میں نور خدا ہر طرف ہو آج
ذرہ بھی آب و تاب میں دُرِ نجف ہو آج ، پھر آشکار جلوۂ بیت الشرف ہو آج
پروین و مہر و ماہ و کواکب ہوں سب بہم ، حور و ملک بھی کھائیں تو اس رات کی قسم
چہرہ ہے زرد آج اسے گلرنگ رنگ رنگ ، دکھلائے جو بہار کے خوش رنگ رنگ رنگ
دے ساغر نشاط یہ آہنگ رنگ رنگ ، خوب آپ ہم نشیں سے مچے رنگ رنگ رنگ
باب تجلی سحر عید کھول دے ، اے رشک ماہ چشمۂ خورشید کھول دے

وہ رات ہے یہ رات جو شب قدر سے ہے ، تابندگی میں جسکا ستارہ بھی بدر ہے
شب ہائے محتشم میں یگانہ ہے صدر ہے ، میں کیا بیاں کروں کہ بڑی اسکی قدر ہے
بخشش یہ بحر ابر کرم ہے کھلا ہوا ، نیدوں پہ آج ہے در رحمت کھلا ہوا

چرخ اک طاق زمیں کی عجب آن بان ہے ، دامان دشت خاک جو اختر فشان ہے
تشبیہ دوں فلک سے تو یہ کسر شان ہے ، وہ آسمان ہے تو یہ عرش آستان ہے
ہیں سربلند نور کے پارے زمین سے ، مانگے ہے عرش چاند ستارے زمین سے

کہتا ہے آسمان زمیں سے بتا سبب مجھے ، اپنی چمک دمک یہ دکھاتی ہے کیا مجھے
دنیا میں سب سے پہلے ملی تھی ضیا مجھے ، بولی زمیں تو خاک ہے سمجھا ہوا مجھے
جوہر نہاں بہت سے ہیں اس خاکسار میں ، دونوں جہاں کا نور ہے میرے کنار میں

دیکھ اس طرف کہ معدن لعل و گہر ہوں میں ، کس چیز پر ہے ناز تجھے تخت زر ہوں میں
بولا فلک کہ پست ہے تو اوج پر ہوں میں ، ہنس کر کہا زمیں نے کہ ہاں بے خبر ہوں میں
تو خم کمر ہے دوراں میں کس دن ہرا بھرا ، دامن میرا ہمیشہ رہا ہے ہرا بھرا

گردوں کو اس سخن سے ہوا رنج بے حساب ، پوچھا بطنز یہ تو بتا اے فلک جناب
میں تیرہ تھا مجھے جو اگر تا سب آفتاب ، سیراب ہوتی روز و شب جو گرتا تجھے سحاب
ملتا نہ تیرے رنگ لعل یہ آب گہر تجھے ، سب میرا فیض ہے کہ ملا سیم و زر تجھے

آغا غلام حسین ارشد

# اعراب جاہلیت کا سالانہ مشاعرہ

(سلسلے کے لیے مئی نمبر ملاحظہ ہو)

ناظرین تمدن کو گذشتہ نمبر میں یاد ہوگا کہ میں نے زہیر ابن ابی سلمیٰ کے حالات لکھتے ہوئے اسکے کلام پر آئندہ نمبر میں روشنی ڈالنے کا وعدہ کیا تھا حسب وعدہ اُسی قصیدے سے بعض شعر پیش کرتا ہوں یہ قصیدہ بحر طویل میں ہے اور مقبوض بھی ہے اسکا قافیہ متدارک ہے تقطیع فعولن مفاعیلن فعولن مفاعلن دو بار۔ اس قصیدے میں درحقیقت زہیر نے حارث ابن عوف اور ہرم ابن سنان کی مدح کی ہے یہ دونوں شخص اکابرین مرہ سے ہیں اسکا تفصیلی واقعہ یہ ہے کہ مرہ اور عبس یہ عرب کے قبائل سے دو بڑے قبیلے ہیں ان میں باہمی مخالفت یوں قائم ہوئی کہ عبس کے قبیلے کے ایک شخص ورد ابن حابس نے مرہ کے قبیلے کے ایک شخص کو جسکا نام ہرم ابن ضمضم تھا کسی مخالفت کی وجہ سے قتل کر ڈالا چونکہ اس عہد میں عرب کی قوم متمدن قوم نہ ہوئی تھی نہ انکے دماغ علوم سے روشن تھے نہ ان کا کوئی بادشاہ تھا جس کے زیر اثر تمام قبائل عرب ہوتے اخلاقی حالت بھی بہت کمزور تھی قتل و غارت عام طور سے شعار تھا لہذا مار ڈالنا یا لوٹ لینا ایک بالکل معمولی سی بات تھی بلکہ قبائل میں باہم خانہ جنگیاں ایک روز کا دلچسپ مشغلہ تھا یہ واقعہ قتل ان دونوں قبیلوں کی آتش فساد بھڑکا دینے کے لیے بہت کافی تھا تمدنی حالت یہ تھی کہ ہر ہر قبیلہ بجائے خود ایک ایک اپنا اپنا شیخ اپنے قبیلے سے مقرر کر لیتا تھا اور اُسکے احکام کی تعمیل میں حسب مقتضائے وقت حتی الامکان کوشش کرتا تھا اُس زمانے میں اس قوم کے لیے اتنا بھی بہت تھا جبکہ [illegible] اخلاقی و تمدنی قیود سے کم و بیش آزاد ہو رہی تھیں میری رائے میں یہ بھی خصوصیت اسی قوم کے ساتھ

پائی جاتی ہے کہ ایسی غیر متمدن قوم جیسی عرب کی تھی اتنا جلد متمدن ہوگئی کہ آپ اپنی عالم میں نظیر سمجھی جانے لگی ہر قبیلے کو اس عہد میں شیخ قبیلہ مقرر کرنے کی ضرورت یوں محسوس ہوئی کہ یا تو اندرونی نزاعیں اس طرح ختم ہو سکتی ہیں کہ قبیلے کے کوئی بھی فرد باقی نہ بچے اور یا یوں انجام پذیر ہو سکتی ہیں کہ کسی ایک طاقت کے زیر اثر ہو کے باہمی متنازعہ قضایا کو فیصل کرائیں اور اسکے احکام مسلمہ نافذہ کی تعمیل کریں چنانچہ فطرت نے عربوں کی ایسی وحشی قوم کو صورت ثانی کے پسند کرنے کیلیے مجبور کیا اور ہر ہر قبیلے نے اپنے اپنے باہمی انتخاب سے ایک ایک شیخ مقرر کر لیا چنانچہ یہ رواج اسوقت تک ہے لیکن عہد جاہلیت اور عہد اسلام میں صرف فرق اسقدر نکل سکتا ہے کہ عہد جاہلیت میں ہر ہر قبیلہ ایک خود مختار حیثیت رکھتا تھا اور اکثر در پے اور باہم قبائل سے لڑا کرتا تھا سب قبیلے ایک طاقت کے زیر اثر نہ تھے اور عہد اسلام میں اسلام نے سب کو انداز گزاری اور اطاعت کی تعلیم دے کے سب قوتوں کو ایک مرکز پر جمع کر دیا اور ایک طاقت کے زیر اثر کرکے چھوڑا۔

ہرم ابن ضمضم مری کے قتل ہونے کے بعد حصین ابن ضمضم مری نے بھائی کے انتقام میں قسم کھائی کہ میں اپنے سر اور منھ پر پانی نہ ڈالوں گا جبتک کہ اپنے بھائی کے قاتل یا بنی عبس سے کسی شخص کو قتل نہ کر لوں گا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا کہ ایک شخص کو قبیلہ بنی عبس کے جو اسی کے گھر میں مہمان ہوا تھا اس نے قتل کر ڈالا۔ بھلا قبیلہ بنی عبس جیسے اپنی کثرت جمعیت اور شجاعت پر نازاں تھا اسکی خبر سنکر کب تاب رہ سکتی تھی وہ [illegible] آمادۂ فساد ہو کر چڑھ دوڑا اور بڑے عظیم قتل و غارت کا دفعتاً سامان جمع ہو [illegible] اسمیں شک نہیں کہ قبائل کا جوش اس حد پر پہنچ چکا تھا کہ اگر ہرم ابن سنان [illegible] ابن عوف اس شر کو اپنے سر نہ لے لیتے اور اپنے پاس سے ایکسو گھیرے اونٹ [illegible] میں دیتے تھے قبیلہ بنی عبس سے مصالحت نہ کر لیتے تو عرب کی ریتلی سرزمین پر [illegible]

عبس کی نہریاں بہ جاتیں - لیکن اس نازک موقع پر حارث ابن عوف نے بڑا کام کیا سو اونٹ اور اپنے جوان لڑکے کو لے کے قبیلہ بنی عبس میں جا پہنچا اور کہا کہ ان میں سے جو پسند کرو حاضر ہے یہ اونٹ بھی حاضر ہیں اور یہ میرا جوان لڑکا بھی موجود ہے خواہ اسے قتل کر کے آتش فساد کے بھڑکے ہوئے شعلوں کو دھیما کرو یا یہ خون بہا لے لو - یہ کوئی معمولی بات نہ تھی چنانچہ بنی عبس نے اونٹ لے کے مصالحت کر لی -

زہیر نے اسی واقعہ پر اس قصیدہ میں روشنی ڈالی ہے اور ان مصلحان قبیلہ کی مدح ہی نہیں کی [illegible] بلکہ زمین و آسمان شاعری کے قلابے ملائے ہیں - یہ قصیدہ زہیر نے اس زور کا لکھا ہے کہ تمام فصحاء عرب کو عرب کے قرآن فصاحت کی بابت تسلیم کرنے کے بعد خانہ کعبہ پر امرالقیس اور طرفہ کے قصیدے کے برابر جگہ دینی پڑی ہے - اس قصیدہ سے صرف تشبیب کے چند شعروں پر اکتفا کرنا اس غرض سے [illegible] مناسب سمجھتا ہوں کہ ناظرین کو صرف اعلیٰ قوت شاعری اور رنگ طبیعت کا اندازہ ہو جائے - پورے قصیدے کو پیش کرنا عدم گنجایش کی وجہ سے ممکن نہیں [illegible] یہ واقعہ سلسلے کے ساتھ نہ پیش کیا جائے کچھ لطف نہیں لہذا یہی مناسب ہے صرف تشبیب پر اس مضمون کو ختم کر دوں - اس قصیدے کی تشبیب واقعات [illegible] و [illegible] ام [illegible] ہے جو قبیلہ بنی [illegible] رہتے تھے - مطلع -

[illegible] وفی دمنۃ لم تکلم		بحومانۃ الدراج والمتثلم

دراج و متثلم دو مقاموں کے نام ہیں جہاں ام اوفی کے سفری مکانات یعنی خیمہ [illegible] تھے زہیر اس مطلع میں ان ہی منازل اور ام اوفی کے [illegible] کو پیش نظر رکھتے ہوئے اظہار تاسف کرتا ہے لیکن اس لطف کے ساتھ [illegible] اور [illegible] شوق کے ساتھ ہی ساتھ ام اوفی کی شان دلیری کا پارہ چڑھتا ہی [illegible] پوچھتا ہے کہ کیا ہی خراب دراج اور متثلم میں مری ام اوفی کے مکاں کے مٹے مٹے

نشانات میں جو میری باتوں کا جواب نہیں دیتے اور کلام نہیں کرتے۔ لم تکلم کی معنوی خوبیاں قابل ملاحظہ ہیں۔ یہ ایک لفظ صاحبان ذوق اور بالخصوص گرویدگان عشق و محبت کے جذبات ابھار دینے کے لیے میرے خیال میں کافی اور بہت کافی ہے۔

یا تو کلام نہ کرنے سے زہیر کا یہ مطلب ہے کہ زمانے کی گردشوں نے اُن مکانات کو اس قابل باقی ہی نہ رکھا کہ جو میرے کلام کا جواب دے سکیں۔ یا منازل ام اوفی کے مٹے مٹے نشانات بھی اس مٹ جانے پر بقدر خودداری اور خود پرستی کا جوہر لیے ہوئے ہیں کہ ام اوفی کا عاشق بیتاب اور حیران نصیب شیدائی خیال کر کے جواب دیتے ہیں۔ ام اوفی کی انداز دلبری اور معشوقی کی کمزوری اور بیکسی خیال کرتے ہیں۔ بہر صورت میری رائے میں اس مصرعہ لم تکلم کے دونوں پہلو [illegible] رنگ سے منقش ہیں۔

ودار لها بالرقمتين كأنها مراجيع وشم في نواشر معصم

تشبیہ کا لطف [illegible] آنکھوں میں کھنچ جائے اس شعر میں تشبیہ [illegible] ایک تصویر آنکھوں [illegible] کھنچ جاتی ہے [illegible] آنکھوں میں کھب کے دلوں میں چھپ جاتی ہے [illegible] کہ میری معشوقہ کی منزل دو سنگلاخ وادیوں کے درمیان واقع ہے [illegible] ایک سمت بصرہ میں ہے اور ایک سمت مدینہ میں لیکن دیکھنا یہ ہے کہ [illegible] کو جو دو سنگلاخ وادیوں کے درمیان واقع ہے کتنی دلچسپ تشبیہ سے [illegible] کہ میری ام اوفی کے مکان کے نشان اس وادی میں یوں نظر آتے ہیں جیسے [illegible] نازک اندام حسینہ کی نازک کلائیوں کی سوئیں جیسا گودوں میں گودنے کے نشان ہوتے ہیں اور گودنا بھی وہ گودنا جس کے نشان ایک دفعہ مٹ جانے کے بعد پھر دوبارہ نئے سرے [illegible] گئے ہوں۔ بظاہر یہ تشبیہ اس خیال پر مبنی معلوم ہوتی ہے کہ زہیر اس طرف اس شعر میں توجہ دلانا چاہتا ہے کہ ہوا یہ کرتا ہے کہ کبھی اس سنگلاخ وادی کی چلنے والی ہوائیں گرد و غبار کی چادروں سے ان نشانات کو بالکل مبہم و غیر معلوم

بنا دیتی ہیں اور کبھی خاک کو اُڑا کے پھر ابھار دیتی ہیں۔

**بها العين والآرام يمشين خلفة — وأطلاؤها ينهضن من كل مجثم**

اس شعر میں زہیر ویرانی منزل کی تصویر کھینچتا ہے اور یہ دکھاتا ہے کہ اللہ اللہ رے زمانے کے تغیرات اُف اُف رے فلک کی تجزنمائی وہ منزلیں جو ایکدن میرے دل وجان کی مالک اور حسن وجمال کی دیوی ام اوفیٰ کی قیام گاہیں تھیں وہ منزلیں کہ جنہیں ایکدن کسی کے انتخاب حسن وجمال کی جلوہ گاہ بننے کا فخر تھا آج اسقدر غیر آباد و ویران ہوگئیں کہ دنیا کے وحشی ترین جانور ہرن اور نیل گائیں اور اُنکے بچے ہر مقام پر دوڑتے ہوئے اور اُٹھتے ہوئے نظر آرہے ہیں ناظرین ویرانی کے ثبوت میں بہت سی چیزیں پیش کی جا سکتی ہیں مثلاً یوں کہدیتا کہ اب وہ آباد مقام بالکل چٹیل میدان ہے برگ وگیاہ نظر آرہے ہیں یوں کہدیتا کہ اب اُن مقاموں پر خونخوار حیوانات کا مسکن ہوگیا۔ یوں کہتا کہ منزلوں آدمی کا نقش نظر نہیں آتا لیکن نہیں نہیں ہرگز نہیں کبھی نہیں۔ شعر میں یہ لطف کبھی نہیں پیدا ہوسکتا تھا جو اسوقت پیدا ہوا۔

ام اوفیٰ کے رہنے کی آباد منزلوں میں سوائے آہوان صحرائی کے طبیعت اور فطرت حسن کسی کو اجازت دے ہی نہیں سکتے تھے فلسفہ وحشت کا ثبوت اس سے بڑھ کے اور کسی طریقے سے کامل طور پر ادا ہی نہیں ہوسکتا تھا۔

**وقفت بها من بعد عشرين حجة — فلأياً عرفت الدار بعد توهم**

اسکے بعد کہتا ہے کہ آج میں بیس برس کے بعد یہاں کھڑا ہوا ہوں اور البتہ زمانے نے اس مدت میں اتنے ورق الٹ دیے کہ ام اوفیٰ کی منزل اور اسکو اتنی دیر تامل کرنے کے بعد پہچان سکا۔ سچ ہے استاد بیان شاعر اگر شاعری کا مذاق خداداد سے تو اتنا زور بھی نہ طبیعت میں کہ واقعات کے بیان کرنے میں اور سادہ تخیلوں میں اتنا تو اثر ہو جتنا زہیر کے کلام میں ہے۔

اتانی سفعا فی معرس مرجل ونویا کجذم الحوض لم یتثلم

اُن نشانوں کو اُن علامتوں کو بتا رہا ہے جن علامتوں سے اس نے منزل معشوق کو پہچانا ہے کہتا ہے چولھے کے اُن سیاہ سیاہ پتھروں سے میں نے منزل کو پہچانا جنکے بیچ میں بخارات دھا بنکے گھر کر لیا ہے۔ اس نہر سے پہچانا ہے جو خیمونکے گرد میں کھود دی جاتی ہے جو ام اوفی کے خیمے کی یاد میں اسوقت تک چشم منتظر بنی ہوئی ہے۔ اور تغیرات جسکو اسوقت تک نہیں مٹا سکے ہیں۔ واقعی اس میں کوئی شک نہیں کہ واقعات کو جس خوبی سے اعراب اور خصوصاً اعراب جاہلیت ادا کر گئے ہیں اتنی بے ساختگی اور اثر اوروں میں ملنا مشکل ہے۔

واضح ہے کہ پتھر کا جرم جس طرح عسیر القبول ہے اُسی طرح عسیر الترک بھی ہے جس طرح یہ مشکل سے کسی اثر کو قبول کرتا ہے اُسی طرح قبول کرنے کے بعد مشکل سے ترک بھی کرتا ہے۔ آگ کا اثر یعنی دھواں جب پتھروں کی رگ رگ میں اُتر جاتا ہے تو پھر نہیں صاف ہوتا۔ اسی طرح سنگ لاخ وادیوں میں جو کھودکے نشان بنا دیئے جاتے ہیں وہ بھی نہیں مٹائے مٹتے۔ یہی وہ علامتیں ہیں جنھوں نے جذبۂ کشش باطنی کے ساتھ مل کے زہیر کو منزل ام اوفی کو پہنچوا دیا۔ (باقی آئندہ)

آشفتہ لکھنوی

## تصحیح

مئی کے پرچے میں حضرت رسا ہمدانی گیاوی کی رباعی مندرجہ صفحہ ۴۰ میں کاتب کی غلطی سے پہلے شعر کا دوسرا مصرع اور دوسرے شعر کا پہلا مصرع غلط ہوگیا ہے۔ ناظرین اس طرح سے پڑھیں

آہنگ عزا ہے نغمہ خوانی میری تربت کے ہیں پھول گلفشانی میری
احباب میں ہوگیا ہوں بدنام رسا سنتا ہے بھلا کون کہانی میری

# ایک لڑکی اور شیر کا عشق

پیرس میں ایک شخص موسیو بویو کا یہی مشغلہ تھا کہ وہ ہر قسم کے جانوروں کو پالے اور اُنکی تعلیم و تربیت حفاظت و نگرانی کرتا تھا۔ نایاب اور نادر الوجود حیوانات و طیور اُسکے یہاں موجود تھے اور ہر ایک کے رہنے کے لیے اُس نے اپنے باغ میں محفوظ مقامات مخصوص کر رکھے تھے۔ ہر جانور اُس سے محبت کرتا تھا اور اُسے اپنا آقا و ولی نعمت سمجھتا تھا۔ ان جانوروں میں ایک شیر بھی تھا جسکو موسیو نے ایک مہینے کا بچہ خرید لایا تھا اور اُس سے بہت محبت کرتا تھا۔ شیر بھی اس سے بے انتہا مانوس تھا جسوقت موسیو اُسکے پاس جاتا تو وہ کُتے کی طرح اُسکے قدموں پر لوٹنے لگتا تھا۔

موسیو بولیو کی ایک حسین و جمیل لڑکی تھی جس کی عمر مشکل سے تیرہ چودہ برس کی ہوگی۔ وہ بھی شیر کے پاس آیا جایا کرتی تھی۔ اور رفتہ رفتہ اُسے شیر سے اس درجہ محبت ہوگئی تھی کہ اکثر دن دن بھر شیر ہی کے پاس بیٹھی رہتی تھی اور رات کو بادلِ ناخواستہ اُسکے نزدیک سے آتی تھی۔ کبھی کبھی کھانا بھی شیر ہی کے پاس بیٹھ کر کھاتی تھی اسی طرح شیر بھی لڑکی سے محبت کیا کرتا تھا۔ اُسے بھی بغیر اسکے چین نہیں آتا تھا اور اگر لڑکی کسی وقت شیر کے پاس نہ پہنچ سکتی تو اسکا کھانا پینا حرام ہو جاتا تھا اور لڑکی اُسکے پاس جاتی تو شیر اُسکی گود میں آکر لیٹ جاتا تھا اور اُسکی صورت تکا کرتا تھا۔

غرض کہ اس حالت کو چار برس گذر گئے اس عرصہ میں شیر بھی اپنی پوری جسامت قد و قامت اور عمر کو پہنچ گیا اور اُسکی خونفشاں آنکھوں، غضبناک چہرے اور غرفش سے ڈر معلوم ہونے لگا۔ ادھر لڑکی بھی نشۂ جوانی سے بدمست ہوگئی اور اسکی اداؤں میں دلربائی، حُسن میں رعنائی، زیبائی اور بے پروائی ظاہر ہونے لگی۔

اچھی صورت کے ہزاروں خریدار ہوتے ہیں اسلیے ہر شخص شادی کے پیام سلام بھیجنے لگا۔ مگر ان سب میں سے ایک شخص موسیو ہنری منتخب ہوا۔ اور نسبت قرار پاگئی۔ یہ نہایت وجیہ و شکیل تھا۔ مردانہ حسن و جمال کی اسمیں تمام خصوصیات پائی جاتی تھیں۔ اور دولتمندی کی وجہ سے خوش حالی و فارغ البالی کے ساتھ اپنی زندگی بسر کرتا تھا۔ اور ہر طرح اس حسین لڑکی کا شوہر بننے کے قابل تھا۔

جب سے شادی کی نسبت قرار داد ہوئی تو ہنری لڑکی کے پاس روز روز آنے جانے لگا اور اپنا زیادہ وقت یہیں گزارتا تھا۔ لڑکی کو اس کی صحبت میں اتنی فرصت نہیں ملتی تھی کہ وہ حسب معمول شیر کے پاس جاتی اور بیٹھتی اور اسے اپنے منگیتر اور ہونیوالے شوہر کی پاسداری اور خاطر مدارات منظور تھی۔ اور اپنی محبت کو دو عاشقوں پر تقسیم کر دیا تھا۔ تاہم جب کبھی چلی جاتی تو شیر اسی طرح اس سے پیش آتا۔ ایک روز ہنری لڑکی کے ساتھ چہل قدمی کر رہا تھا تو اتفاق سے شیر کے پنجرے کے سامنے جا پہنچا۔ شیر نے جب ہنری کو اپنی آقا زادی کے ہمراہ اس بے تکلفی سے دیکھا تو اُسے غصہ آگیا۔ آنکھیں انگارے کی طرح سرخ ہوگئیں اور منہ سے کف بہنے لگے۔ وہ کبھی بیٹھتا کبھی کھڑا ہوکر ڈکارتا تھا۔ لڑکی نے موسیو ہنری سے کہا "جس طرح میں تم سے محبت کرتی ہوں اسی طرح اس شیر سے بھی محبت کرتی ہوں۔ یہ بھی میرا دوست ہے۔ اور مجھے بہت ہی پیار کرتا ہے۔ کہو تو میں اسکے پاس جاکر تمہیں تماشا دکھاؤں۔ ہنری نے کہا "یہ جانور ہے اسکا کیا اعتبار۔ اور اسوقت تو وہ غصے میں بھرا ہوا معلوم ہوتا ہے مصلحت یہی ہے کہ اسکے پاس اسوقت نہ جاؤ۔ لڑکی نے کہا نہیں کوئی اندیشے کی بات نہیں ہے تم بھی پنجرے میں چلے چلو یہ میری وجہ سے تم سے بھی کچھ نہ بولے گا۔ اور دیکھنا کس طرح پیار و محبت کرتا ہے" ہنری نے کہا کہ تمہاری یہ بات میں تو کبھی نہیں مانوں گا۔ بلکہ تم بھی نہ جاؤ تو اچھا ہے۔ لڑکی نے کہا "تم ناحق ڈرتے ہو مجھے اس پر ہر طرح اعتبار ہے"

کہکر لڑکی پنجرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوگئی۔ جیسے ہی [illegible] کھلا تو شیر نے چاہا کہ باہر نکل کر شہزادی پر حملہ کرے مگر لڑکی نے جلدی سے دروازہ بند کر لیا۔ اور اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر کہا کہ [illegible] ہے۔ [illegible] تو ہی کوئی غیر نہیں ہے۔ چونکہ اب ایسا شخص جو میرا شوہر بننے والا ہے۔ تو [illegible] خفا ہو جاتا ہے۔ [illegible] اس کہنے کا کچھ اثر نہیں ہوا اور شیر کے دل میں اس بات [illegible] پیدا ہو گیا یہ برعکس معاملہ دیکھ کر لڑکی نے [illegible] ہو تو میرے قدموں پر لوٹا کرتا تھا محبت کی نظر سے دیکھتا تھا۔ آج کیا بات ہے کیا اس قدر بگڑ رہا ہے۔ شیر [illegible] وہ [illegible] سمجھ [illegible] جاتا تھا۔ وہ اپنی دونوں پنجے لڑکی کے [illegible] کبھی شہزادی [illegible] کی طرف دیکھتا تھا۔ لڑکی نے کہا [illegible] دیکھ [illegible] سکون [illegible] شہزادی کی طرف [illegible] عنقریب [illegible] میری شادی ہو جائے گی۔ آج [illegible] دن باقی ہیں۔ شہزادے نے لڑکی سے یہ [illegible] سنا نہایت مسرت سے اپنا ہاتھ لڑکی [illegible] کا ہاتھ پر سے ہٹا لیا۔ اور دو تین قدم لڑکی کے آگے پاس چلا اور ایک طرف [illegible] شہزادی [illegible] لڑکی سے کہا شیر کو [illegible] بہت غصہ [illegible] نہیں [illegible] اتنا کہنا تھا کہ شیر نے جھپٹ کر [illegible] گیا۔ لڑکی نے شیر سے غضبناک ہو کر کہا [illegible] مجھے باہر جانے دے [illegible] جو ہمیشہ میرے حکم کو سر و چشم قبول کرتا تھا [illegible] اس وقت اپنے آپ سے باہر تھا اور سعدی کے اس شعر کا مصداق ہو رہا تھا۔

عاقبت گرگ زادہ گرگ شود

گرچہ با آدمی بزرگ شود

لڑکی [illegible] پر غصہ کی حالت میں شیر پیچھے تو ہٹ گیا مگر اس [illegible] زور سے

حملہ کیا کہ زخمی کے شانہ اور سینہ کا گوشت نکل گیا اور نفیس لباس سر سے پاؤں تک
تار تار ہو گیا اور اس کے بعد بھی دوسرا ایک اور حملہ بھی کر دیا بس کا یہ نتیجہ ہوا کہ لڑکی شیر
کے پنجے میں پھنس گئی [illegible] نے بھی تیز اور نوکدار ناخن بدن میں گھس گئے اور بہتے
چیخنا چلانا شروع کیا۔ شیر نے اپنے پنجے [illegible] میں جب لڑکی کو دم توڑتا ہوا دیکھا تو فرط محبت
سے اس کے پاؤں پر اپنا سر ٹیک لگا آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اور نہایت
[illegible] سے آہ کی اور یہ درد ناک منظر دیکھ کر [illegible] ہوتا ہے۔ [illegible] کی
[illegible] ہو گئی اور [illegible] پھر کر دیا جس سے شیر بھی لڑکی کے پاس آ
بے دم ہو کے رہ گیا اور شہزادی بھی [illegible] سے گر پڑا۔

مونتیو لولو نے شور [illegible] کی آواز سنی تو جھٹ [illegible] اور دوڑا ہوا
[illegible] کیا دیکھتا ہے کہ [illegible] سے خون [illegible] اور شیر
اس کے قدموں [illegible] اور [illegible] وقت
[illegible] جو رنج و غم ہوا اس کا بیان ممکن نہیں۔ اسے زندگی [illegible] معلوم ہوئی [illegible]
[illegible] سے [illegible] لوگ شادی میں [illegible] کے لیے
دور دور سے [illegible] مہمان [illegible] افسوس! وہ جنازہ اٹھانے میں شریک
ہوئے ۔۔ کیسے [illegible] دکھلا گئے
حسرت ان غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے

(ترجمہ) محمد اسحٰق ہاتف

---

انسانی [illegible] دنیا میں [illegible] سے بہتر کوئی چیز نام پیدا کرنے
یا اس کی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے نہیں ہے۔

"لارڈ لٹن"

# واردات فراق

ناتوانی سے نہ کیا اُس نے شب وعدہ بپا
ہم چلے شام سے رستے تو سحر تک پہنچے

ہجرت کا پہلا سال ہے اور ہمارے حضور مدینہ تشریف لے جا چکے ہیں مکہ میں [illegible] بھائی بھائی کا دشمن ہو رہا ہے حرم [illegible] پر اداسی چھائی ہوئی ہے اور کعبہ [illegible] صورتیں دھری ہوئی ہیں ان پر اداسی برس رہی ہے جو مسلمان ہیں ان کے گھروں [illegible] گھی کے چراغ جل رہے ہیں کہ اچھا ہوا کانٹا نکل گیا [illegible] پہاڑ کے نیچے ایک اونٹ بیٹھا ہوا ہے [illegible] کجاوہ کسا ہوا ہے اور کجاوے [illegible] ایک طرف ایک خوشرو نوجوان بیٹھا ہوا ہے جس کی عمر اندازاً تیس برس کی ہوگی اور دوسری طرف ایک خاتون محجوب بیٹھی ہوئی ہے جس کا سن و سال کوئی بیس کا ہوگا خاتون کے چہرے پر ایسی تجلی ہے جس پر نگاہ کا ٹھہرنا دشوار ہے۔ خاتون کی گود میں [illegible] گویا ایک گل اندام بچہ ہے جو کلکاریاں مار رہا ہے اور خاتون خوش ہو کر ہنستی ہے ماشاء اللہ ماشاء اللہ۔ نوجوان بالکل چپ ہے مگر مڑ مڑ کر مکہ کی طرف دیکھتا ہے۔ بچہ کھیلتے کھیلتے رونے لگا اور خاتون نے اسے اپنے سینے سے لگا لیا بچہ دودھ پینے لگا اور خاتون نے نوجوان سے کہا اے صاحب تم پیچھے کو کیوں مڑ مڑ کر مکہ کی طرف [illegible] ٹکٹکی کیوں باندھ رکھی ہے۔

نوجوان: [illegible] یہ دھڑکا لگا ہوا ہے کہ کہیں دشمن ہمارا پیچھا نہ کریں اور ہمیں مدینے نہ جانے دیں۔

**ہند یعنی خاتون**- پیارے تم مرد ہو کر ایسی بودی بات منہ سے نکالتے ہو تم نہیں جانتے کہ خدا ہمارے ساتھ ہے۔ ہند یہ کہہ ہی رہی تھی جو ہند کے خاوند نے گھبرا کر کہا اے ہند دیکھ تو۔ میں اسلئے ڈرتا تھا ہند نے مڑ کر دیکھا تو معلوم ہوا مکہ کی طرف سے بیس شتر سوار لپکے چلے آتے ہیں اور انکے نیزوں کی انیاں دھوپ میں بجلی کی طرح چمک رہی ہیں۔

**ہند**- کیا یہ ہمارے دشمن ہیں۔

**ہند کا شوہر**- ہمارے تمہارے کیا دشمن ہیں یہ تو خدا اور رسول کے دشمن ہیں۔

**ہند**- انا للہ وانا الیہ راجعون- ایک پلک جھپکانے میں بیسوں شتر سوار ان کے پاس آ گئے اور ان بیکسوں کے اونٹ کا محاصرہ کر لیا ان لوگوں کی شکلیں دیکھکر معلوم ہوا کہ انمیں دس سوار قبیلۂ بنی مغیرہ کے ہیں جنکی لڑکی ہند تھی اور دس سوار ہند کے جیٹھ دیور اسکی سسرال والے ہیں بنی مغیرہ والوں نے اپنی دسوں برچھیاں نوجوان کی طرف بڑھا کر کہا اے نادان تو کہاں جاتا ہے اور ہند کو اپنے ساتھ کیوں لیے جاتا ہے

**نوجوان**- میں اپنے آقائے نامدار محمدؐ کے پاس مدینے جاتا ہوں اور اپنی بیوی کو بھی وہیں لیے جاتا ہوں۔

**بنی مغیرہ والے**- اے بے عقل تو ہمارے جوش اور غیرت سے آگاہ نہیں ہے ہم اپنے گھرانے کی بیٹی کو کہیں باہر جانے دیں گے اگر ہمیں ہند کا لحاظ نہ ہوتا تو اسوقت یہ دسوں برچھیاں تیرے پہلو اور سینے سے پار نکل گئی ہوتیں تیری خیر اسی میں ہے کہ ہند کو ٹھنڈے پیٹوں ہمارے حوالے کر دے۔ ہند کا شوہر تھرا گیا اور ڈر کے مارے اسکے ہاتھ سے اونٹ کی مہار نکل گئی ایک مخالف نے جلدی سے مہار لپک لی اور ایک جھٹکا دیا تو اونٹ اس ہچکولے کے ساتھ بیٹھا کہ ہند اور اسکا

نازک بچہ دھڑام سے زمین پر گرا اور ہند کا شوہر بھی منھ کے بل نیچے آ رہا ایک شخص نے جلدی سے اُس بچہ کو اُسکی ماں کی گود سے چھین کر کہا اگر نبی پیغمبر کے خاندان کی بیٹی مکہ سے مدینے نہیں جا سکتی تو ہماری نسل کا بچہ بھی اُن ماں باپ کے پاس نہیں رہ سکتا جنھوں نے اپنے بڑوں کا مذہب چھوڑ دیا ہے ننھا سا بچہ جو کچھ دیر پہلے اپنی ماں کی گودی میں لیٹا ہوا چادر کے نیچے چھپ رہا تھا اب جلتی دھوپ میں بیرحمی اور بیدردی کے ساتھ دشمن کے بغل میں تھا اور منھ بنا بنا کر اور بلبلا بلبلا کر رو رہا تھا ہند کے بھی چوٹ آئی اُسکے شوہر کو بھی اونٹ پر سے گر کر صدمہ پہنچا مگر دونوں نے دم نہیں مارا ہند کے سسرال اور میکے والوں نے ہند پر بہت زور ڈالا کہ تو ہمارے ساتھ مکہ کو چل نہیں ہم تیرے بچے کو لیجائینگے اور یہ بے دودھ کے اور تیرے بغیر تڑپ کے مر جائیگا تو اُسکی جدائی میں تڑپ تڑپ کر جان دیدے گی مگر ہند کے دل میں نبی کے پیشوا کی نسبت سمائی ہوئی تھی اُسنے بیباکانہ جواب دیا کہ ایک بچہ نہیں اُس بندی کے سو لال خاک میں مل جائیں تو بھی اُف منھ سے نہ نکلے گی یاد رکھو تم مجھے مدینے نہ جانے دو گے تو میں مکہ بھی نہیں جاؤں گی پھر ہند نے اپنے خاوند کی طرف دیکھا کہا مجھے یہ لوگ نہیں جانے دیتے ہیں تو خیر خدا ان سے سمجھے مگر تم اپنی منزل کھوٹی نہ کرو مدینے کو سدھارو اور مردوں کے لیے اونٹ گھوڑے کی کیا حاجت ہے اُن کے پاؤں خدا نے سواری بنائے ہیں جو ننگ و ناموس اور اولاد آنکھوں کا تارا کہلاتی ہے مگر ہند کے شوہر کے دل میں بھی مدینے کا شوق ایسا لگا ہوا تھا کہ اُس نے اپنی آنکھوں سے یہ سب حال دیکھا مگر اُسے ذرا پروا نہ ہوئی بیوی کے کہنے سے وہ چل نکلا اور اُس نے کہا اے ہند تو سچ کہتی ہے اچھا میں نے تجھے اور تیرے بچے کو خدا کے سپرد کیا میں جاتا ہوں یہ کہکر ہند کا شوہر آگے بڑھا اور مکہ والوں نے ہند کو بہت سمجھایا کہ تو

ہمارے ساتھ چل ہم تجھے بڑے آرام سے رکھیں گے اور تیرے پاؤں دھو دھوکر پئیں گے مگر ہند نے انھیں ٹکڑا توڑ کر جواب دیدیا اور کہا سُن لو چاہے مجھے بن جنگل میں کھانے کو ایک دانہ اور پینے کو ایک بوند پانی کی نہ ملے شیر اور بھیڑیے مجھے پھاڑ کر کھا جائیں بچہ مر جائے گو کہ غارت ہو جائے راکھ ہو جاؤں کچھ ہو جائے مگر میں تمھارے ساتھ نہیں جاؤں گی مجھے تو اُسکی دُھن لگ گئی ہے جس کا میں نے کلمہ پڑھا ہے جب وہ لوگ سمجھاتے سمجھاتے مایوس ہو گئے تو انھوں نے ہند کو جنگل میں چھوڑا اور اُسکے بچے کو اور اُسکی سواری کے اونٹ کو لیکر چلے گئے دن تو جوں توں کرکے ہند نے کاٹا مگر جب آفتاب غروب ہوا اور چاروں طرف سے اندھیرے کا سمندر اُبلا تو ہند کا کلیجا دھڑکا رات کا سناٹا ہیبت اثر کرنے لگا پہاڑوں کا سلسلہ تاریکی میں آسمان سے ملا ہوا معلوم ہوتا تھا اور آسمان کے تارے پہاڑوں کی چوٹیوں سے ملے ہوئے دکھائی دیتے تھے ہند نے ریت پر تیمم کیا اور عشاء کی نماز پڑھکر وہ مدینے کی طرف منہ کر کے بیٹھ گئی اور اُس نے رونا شروع کیا پہلے وہ آنسوؤں سے روئی پھر اُس کی چیخ نکل گئی آخر چیختے چیختے اُسے غش آگیا خدا جانے کتنی دیر تک وہ غش میں پڑی رہی مگر جب اُسے ہوش آیا تو وہی پہاڑوں کا سلسلہ تھا وہی بالو ریت تھی وہی رات کا اندھیرا تھا اُس نے ایک جوش کے ساتھ کہا اے رحمۃ للعالمین تجھے خبر بھی ہے تیری لونڈی ہند پر کیا بن رہی ہے تو سات آسمانوں کے پرے ایک آن میں گیا اور پلٹ آیا کیا تو دم بھر میں مدینے سے میرے پاس نہیں آسکتا ہے اور مجھے اس عذاب سے رہائی نہیں دے سکتا ہے میرا ایمان کہتا ہے کہ تو بیشک آسکتا ہے اچھا پھر کیوں نہیں آتا ہے دیر کیوں لگائی ہے موت برحق ہے اور میں موت سے ذرا بھی نہیں ڈرتی ہوں ڈر ہے تو یہ ہے کہ کہیں تیری جدائی میں موت نہ آ جائے اور میں تیرے دیدار کے لیے تڑپتی

بچھڑ گئی تھی چلی جاؤں ۔ سے

چلا ہے وادیٔ فرقت سے مجنوں اپنی لیلیٰ کو ہجوم غم سے زیر تنگ ہے عرصہ بیاباں کا

انھیں وادی بانوں میں یا آوارہ ہی یاد عائیں رات گذر گئی اور آفتاب عالمتاب نے کوہ مشرق سے نکلنے کی تیاری کی ہند نے صبح کی نماز پڑھی اور اُسی بے چینی اور مصیبت میں اُس نے دو ہفتہ کاٹے نہیں نہیں معلوم کہ اُس بیابان میں وہ کب تک پھرا کرتے کہ ایک روز ایک دن شام سے قریب وہ منہ ڈھانکے رو رہی تھی جو اسے پیچھے سے بہت سے ہم ہوئی آنکھوں پر دیکھا ۔ ایک شخص تیز رفتار گھوڑے پر سوار کھڑا ہے جب ہند نے اُسکی طرف آنکھیں اٹھائیں تو سوار نے کہا اے عورت تو کون ہے اور اس لق و دق بیابان میں جہاں بڑے بڑے بہادر سپاہی ٹھہرتے ہوئے گھبراتے ہیں کیوں بیٹھی ہے اور اس بری طرح کیوں رو رہی ہے ۔

ہند ۔ مجھے ہند بنت ابی امیہ کہتے ہیں ۔ میرے باپ کا نام عاتکہ بنت عبدالمطلب ہے میرا شوہر ہرہ بنت عبدالمطلب کا بیٹا ہے میری قسمت اور سسرال والوں نے ملکر مجھے اس طرح برباد کیا ہے ۔ ہند نے اپنا سارا قصہ اس شہسوار کو سنایا تو اسکی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے اور اُس نے کہا یہ لوگ بڑے بے غیرت ہو گئے ہیں کہ اپنی قوم کی عورت پر یہ ظلم ڈھایا ہے اور دودھ پیتے بچے کو ماں سے الگ کر دیا ہے معاذ اللہ اُن کے دل ہیں یا پتھر ہیں اے ہند میں مکہ ہی کو جا رہا ہوں تیرے کنبہ والوں کو ضرور سمجھا دوں گا ۔

ہند ۔ خدا آپ کو بہت بھلا کرے مگر یہ تو فرمائیے آپ کس قبیلے سے ہیں سوار نے کہا میں قبیلہ بنی عامر سے ہوں اتنا کہکر اُس نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی تو شرارۂ آتش کی طرح آنکھوں سے غائب تھا بنی عامر کے سوار نے مکہ

پہنچتے ہی دونوں قبیلوں کو ایسا آڑے ہاتھوں لیا کہ اُن کے دھتر سے بکھیر دیے
اور شرم کے مارے اُنھیں پسینہ آگیا جو لوگ ہند سے بچہ چھین لائے تھے وہ
سب مل کر ہند کے پاس بچے کو لے کر پہنچے اور بچہ اُسکی گود میں ڈال کر کہا تو نے
مسلمان ہو کر ہماری ناک تو کاٹی ہی ہے مگر خیر اب ہم درگذر کرتے ہیں تجھے اختیار
ہے چاہے تو ہمارے یہاں رہ یا مدینے جا مگر ہمیں بدنام نہ کر اب ہم تیرے لائق
نہیں ہیں پیارا بچہ اپنی ماں کی چھاتی سے لگا ہوا تھا اور اشتیاق کی ماری
ماں کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جگہ ساون بھادوں کی جھڑی لگ رہی تھی
جب گھر والے چلے گئے تو ہند نے مدینے کی طرف سر ٹیک کر کہا اے خدا کے
پیارے رسول جس طرح تو نے میرے بچے کو مجھ سے ملایا ہے اُسی طرح تو مجھے
اپنا مدینہ بھی جلدی سے دکھا دے اے اللہ کے حبیب تو جانتا نہیں ہے کہ میں
عورت ذات بے زر بے پر جنگل میں پڑی ہوں [illegible] تیرے
شہر کا رستہ کٹھن ہے اور [illegible] دیکھا بھالا نہیں ہے مجھے [illegible] بلائے
ہند نے زمین پر سے سر اُٹھایا اور دیکھا ایک [illegible] شتر پر سوار [illegible]
ہند سے کہا اے [illegible] بچے ہو کہ جنگل [illegible]
پھول سے نازک بچے کو [illegible] تو جانتی نہیں ہے [illegible]
بیابانوں میں بادِ سموم (لو) کیسی چلتی ہے۔

ہند۔ سب کچھ جانتی ہوں مگر جب خدا کی مرضی یہی ٹھہری ہے کہ میں اور میرا
بچہ اس بیابان میں جل بھلس کر مر جائیں تو سر تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آئے
اسکے آگے ہند نے شتر سوار کو اپنی رام کہانی سنائی تو شتر سوار زار و قطار
رونے لگا پھر اُس نے اپنا اونٹ بٹھا کر اُسکا زانو باندھ دیا اور اپنی خورجین
میں سے کھانا نکال کر ہند کے سامنے دھرا اور چمڑے کی چھاگل [illegible]

قبول کرلیا۔ اس میں ٹھنڈا پانی بھرا ہوا تھا۔ خدا جانے کہاں سے [illegible] بی بی کی پیاس بجھی
اب اُسے کھانا کھا کر ایک کٹورہ پانی کا پیا اور اپنے منھ سے پیالہ [illegible] لیا۔ الحمدللہ
سوار [illegible] دیر تک اونٹ پر سوار رہو۔ کیونکہ مدینہ یہاں سے [illegible]
جلدی سے جلدی [illegible] پہنچیں گے تو بھی [illegible] دن میں پہنچیں گے [illegible]
[illegible] چھوٹی [illegible] اپنے بچہ کو لے [illegible] اونٹ کی طرف بڑھی [illegible]
[illegible] نے [illegible] اونٹ کی طرف [illegible] پھر [illegible]
سوار ہو گئی تو اُس نے [illegible] اونٹ کی [illegible]
[illegible] کی طرف لے چلا [illegible]
اونٹ [illegible] لگ [illegible]
[illegible] اسی طرح [illegible]
[illegible] دونوں نے [illegible]
[illegible] نہیں جانتا [illegible] اب [illegible] اونٹ [illegible]
[illegible] شہر میں داخل ہو جا

[illegible] بزرگ آپ جو کچھ [illegible] احسان [illegible]
[illegible] آپ بھی اپنی [illegible] چلے
[illegible] آپ نے [illegible] واسطے [illegible] اسکا بدلہ خدا
[illegible] آپ اپنا نام تو بتاتے جائیے۔

• [illegible] نام عثمان بن طلحہ ہے میں مکہ ہی [illegible] ہوں یہ کہ
[illegible] کو [illegible] اونٹ پر سے اُتری اور [illegible]
[illegible] طلحہ اونٹ پر سوار [illegible] کر مکہ [illegible] ہوا۔

(۲)

آقائے نامدار احمد مختار ابو ایوب انصاری کے مکان پر تشریف رکھتے ہیں اور آپ کے سامنے مہاجر اور انصار سر جھکائے حاضر ہیں صحابہ کے حلقہ میں ایک شخص دبلا پتلا زار و نزار آنکھیں بند کیے بیٹھا ہے مگر اسکی آنکھوں میں سے آنسو زمین پر ٹپک رہے ہیں حضور فرماتے ہیں اے میرے پھوپھی زاد بھائی آپ اپنا جی میلا نہ کیجیے اگر قوم نے آپ کے بیوی بچوں پر بڑا ظلم کیا ہے مگر ان دونوں کا خدا ضامن ہے اُن پر کسی طرح کی آنچ نہ آئے گی صحیح سلامت آپ سے آکر ملیں گے آہ ایک غمزدہ ایک مہجور کو تسلی دی جاتی ہے تو غم کی آگ بھڑک اٹھتی ہے ورنہ اسکا دل قابو سے بے قابو ہو جاتا ہے حضور کے اس فرمانے سے اُس مریض محبت کا جی بگڑ گیا اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا اسکے رونے سے حضور کا جی بھی بھر آیا حضور کی سرشار آنکھوں میں آنسو دیکھکر سب حاضرین بیتاب ہوگئے اور دربار نبوی میں ہلچل مچ گئی حضور والا نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے جو دفعتہً ایک عورت منھ پر نقاب ڈالے گودی میں بچہ لیے حاضر ہوئی اور اُس نے حضور کی طرف مخاطب ہو کر کہا السلام علیکم یارسول اللہ حضور والا نے سلام کا جواب دے کر ایک گہری نظر سے اُسے دیکھکر اَنْتِ هند بنت ابی امیه عورت نے کہا نعم یارسول اللہ روحی لک الفدا اور وہ دوڑ کر آپ کے قدموں پر گری حضور نے فرمایا مرحبا مرحبا اُدھر ہند کے شوہر نے آنکھ کھول کر دیکھا تو معلوم ہوا بیوی بچے دونوں موجود ہیں پھر کیا کہنا ہائے کہ ہند اپنے شوہر سے ملی اور اسکا شوہر اُس سے مل کر اور اپنے بچے کو دیکھ کر کس قدر خوش ہوا بس یہ سمجھیے ع

خوشا وقتے و خرم روزگارے — کہ یارے برخورد از وصل یارے

محدثین اور اہل سیر حضرت ہند کی کنیت ام سلمہ اور آپ کے شوہر کی کنیت ابوسلمہ اور جس نونہال کو مکہ والے چھین کر لے گئے تھے اسکا نام سلمہ لکھتے ہیں جنگ احد میں

ابو سلمہ زخمی ہو کر ایک مہینے کے بعد جمادی الاخرہ سنہ ہجری میں دارالبقا کو سدھارے اور ام سلمہ رانڈ ہو گئیں بچارا مہینے تک آپ کا آنسو نہیں تھما کیونکہ آپ اپنے خاوند کو بہت چاہتی تھیں عدت کے بعد شوال کے مہینے میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر نے ان کے پاس نکاح کا پیغام بھیجا تو آپ نے انکار کر دیا آپ بار بار کہتی تھیں کہ نہ ابوسلمہ سے بہتر مجھے خاوند ملے گا نہ دوبارہ نکاح کرے گی ہونا یک حضور پر نور صلے اللہ علیہ وسلم کی توجہ آپ کی طرف مائل ہوئی آپ نے کہلا بھیجا اول تو میں بچوں والی ہوں اور وہ میرے کلیجے کی کور ہیں انھیں میں چھوڑ نہیں سکتی اور جب انکی طرف جھکی رہوں گی تو حضور کی خدمت میں کوتاہی ہو گی اور میں گنہگار ہوں گی اس لیے مجھے معاف کیا جائے دوسرے میرے مزاج میں غیرت بہت ہے اور خدا نے حضور کے کئی گھر ہیں بھلا میری کیا گت بنے گی حضور نے جواب میں کہلا بھیجا میں آپ کے بچوں کو اپنا بچہ سمجھوں گا اور انکی طرف آپ کو مائل دیکھکر بہت خوش ہوں گا اور آپ کی تنک مزاجی کے لیے خدا سے تعالیٰ سے دعا کروں گا امید ہے کہ آپ سوکنوں میں ایسے میل ملاپ سے رہیں گی جیسی سگی بہنیں ان مہربانی کی باتوں کو سن کر حضرت ام سلمہ نے فرمایا جو حضور کی مرضی میں آپ کی لونڈی دل و جان سے بن گئی چنانچہ حضرت ام سلمہ ازواج مطہرات میں داخل ہو گئیں حضرت فاطمہ اپنی سوتیلی ماؤں میں سب سے زیادہ ام سلمہ کے ساتھ ہی محبت رکھتی تھیں اور حضرت ام سلمہ بھی حضرت فاطمہ اور ان کی اولاد کو اپنی سگی اولاد سے زیادہ چاہتی تھیں جب سیدنا و مولانا امام حسین علیہ السلام کوفے اور کربلا کو تشریف لیگئے ہیں تو اپنی صاحبزادی فاطمہ صغریٰ کو ام سلمہ کے پاس ہی چھوڑ گئے تھے ہمارے پیشوا چشتیوں کے سردار خواجہ حسن بصری انصاری نے حضرت ام سلمہ کے گھر میں ہی

پرورش پائی ہے اور حضرت ام سلمہ نے اپنا دودھ خواجہ حسن بصری کو پلایا ہے حضرت ام سلمہ حضور انور کی سب بیویوں میں بڑی خوش تقریر اور عاقلہ تھیں جب اور بیویاں کوئی اپنا مدعا حضور صلے اللہ علیہ وسلم تک کانوں تک پہنچانا چاہتیں تو ام سلمہ کو بیچ میں ڈالتیں آپ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے آگے اس فصاحت اور بلاغت سے اس بات کو ادا کرتیں کہ حضور آپ کے منہ کو دیکھا کرتے اور فرماتے بہت اچھا آپکا کہنا مجھے منظور ہے حضرت ام سلمہ نے ۵۹ھ میں وفات پائی۔

نقیر حقیر حکیم ناصر نذیر فراق دہلوی بخدمت گرامی مدیر رسالہ تمدن سکان میر ظریف حساحب

## غزل ظرافت

منڈا منڈا کے صاف گیسو جانانہ ہو گیا — پھل استرے کا اتنا گرا مستانہ ہو گیا
اچھا میں راگ گا کے دیوانہ ہو گیا — گاتے ہی گاتے ختم سب افسانہ ہو گیا
گذرا سن شباب تو پھر کون پوچھتا — اب ترک ان سے رسم رہ عیسانہ ہو گیا
افلاس جب سے آ گیا اُس شاہ حسن پر — عشاق کا مزاج گدایانہ ہو گیا
دوہرائیں اُن سے بیٹھ کے کیا سر دھریں — چھینک آ گئی تو ختم سب افسانہ ہو گیا
قاصد کی کوئی بات نہیں اب پوچھتا ہیں — محصول خط شوق کا آدھ آنہ ہو گیا
تیر نگاہ نے چلے آئیں بائیں شائیں — اندھا کوئی ہوا تو کوئی کانا ہو گیا
تیغ نگاہ شعبدہ ابرو کے تیر — چہرہ کسی حسین کا مسلخ خانہ ہو گیا
عشاق جا رہے ہیں قلابازیاں تمام — سرکس کا کھیل جلوۂ جانانہ ہو گیا
ایسا نہ ہو کہ دوڑ کے مجنوں کو کاٹ لے — لیلے کا اونٹ نجد میں دیوانہ ہو گیا
عشاق میں ہے آپ کے الو کی خاصیت — بیٹھے وہ جس جگہ وہیں ویرانہ ہو گیا
لائے گئے ظریف یہاں ہم لشکر کشاں — گویا مشاعرہ نہ ہوا تھانہ ہو گیا

مقبول حسین ظریف لکھنوی

# قعرِ ذلّت

اس مضمون میں ہم اس خاص اخلاقی کمزوری اور انسانی عیب پر بحث کرنی منظور ہے جو مرد اور عورت دونوں کے لیئے بے انتہا مضر اور بدنامی کا باعث ہے لیکن قبل اسکے کہ ہم کھلم کھلا اُسکی طرف اشارہ کریں ہم اُسکے چند ابتدائی اور ضروری متعلقات پر نظر ڈالتے ہیں اور وہ یہ ہیں۔

(۱) قانون فطرت کے موافق مرد اور عورت کی ساخت کا منشا یہ ہے کہ سن بلوغ کو پہنچنے کے بعد اُن کو ایک جگہ جمع کر دیا جائے تاکہ وہ منجملہ دیگر سوشل فرائض کے انجام دہی کے بقائے نسل انسانی کی اہم اور مقدس ضرورت کو پورا کریں۔ تہذیب، رواج اور مذہب نے اسکا نام بیاہ یا شادی رکھا ہے۔ اس میں چند قیود اور ذمہ داریاں بڑی بڑی مصلحتوں کے خیال سے رکھی گئیں ہیں۔ سب سے بڑی قید یہ ہے کہ مرد کے لیئے عورت کی تعداد معین ہو۔ سب سے بڑی ذمہ داری یہ ہے کہ جو اولاد اس اتحاد سے نصیب ہو اُسکی پرورش اور تعلیم و تربیت کی جائے۔ ان دونوں باتوں کے ملانے سے ایک ایسا گھر قائم ہوتا ہے جس میں قانون فطرت کا اتباع، سوسائیٹی کے بقا اور ترقی کا سامان۔ اور نسل انکے دیگر لطیف اور دلچسپ اجزا جمع ہوتے ہیں۔

(۲) محنت مشقت اور کاروباری زندگی کی تلخ کاموں میں محبت اور حُسن پسندی انسانی زندگی کو بہت کچھ سمو دیتی ہے۔ محبت میں جسقدر دل و دماغ اور وقت صرف ہوتا ہے اُسکا ادنی انعام یہ ہونا چاہیئے کہ ایسے ساماں مہیا کیے جائیں جس سے وہ محبت پائدار ہے حُسن پسندی جو علاوہ دل و دماغ کو خاص راحت پہنچانے کے دنیا کی ہنرمندی اور بعض علوم کی ترقی کا باعث ہوتی ہے اُسکا مقتضا یہ ہے کہ اغراض نفسانی کو

اُسمیں اسقدر رقم ملایا جائے کہ بالکل ہونے کے برابر ہو جائے۔ اور جہاں کہیں ضرورتاً ایسا کیا جائے وہاں اہم ذمہ داریاں قبول کرکے اسکا پورا ٹیکس ادا کیا جائے۔

(۳) اس سارے سلسلے کی بنیاد جوانی میں پڑتی ہے جو صورت شکل صحت اور اُمنگوں کے اعتبار سے زندگی کا بہترین حصہ ہے۔

(۴) عورت اور مرد کے اتحاد کو قائم رکھنے اور اُس سے مندرجۂ بالا فوائد حاصل کرنے کے لیے اشد ضروری ہے کہ آپس میں تپاک ہو۔ خیالات اور عادات پاکیزہ ہوں۔ اور جانبین میں ایک خاص اعتماد اور ہمدردی قائم ہو

جہاں یہ سب باتیں جمع ہوں اُسے ہم ایک مہذب اور خوش نصیب گھر کہینگے جہاں یہ نہوں وہ دوزخ سے بدتر ہے مگر اس مضمون میں ہمیں دیکھنا ہے کہ گھر سے باہر جو ایک رواجی انتظام مردوں کی عارضی تفریح کا قائم ہے اُسکی بنا کن اصولوں پر ہے اور اُس سے سوسائٹی کو کیا کیا نقصان پہنچتا ہے۔ باہر کی تفریح کی بنیاد اس اصول پر ہے کہ (اگر ہم سیدھے حساب سے اعلیٰ طبقہ میں) ایک حسین عورت کو شروع سے گانے بجانے کی تعلیم دی جاتی ہے سفلی مذاق کی عادت ڈالی جاتی ہے اور مردوں کی فطرتی کمزوریوں پر حملہ کرنے کے لیے جسقدر گولا بارود درکار ہے وہ ہزاروں جتنوں سے اُسکے پاس جمع کیا جاتا ہے اگر اس کل انتظام کا منشا یہ ہوتا کہ کوئی معقول مرد کسی معقول عورت کا گرویدہ ہوکر عمر بھر اُسے نباہے تو بات ہی اور ہوتی اور منشاء عقد نکاح کے قریب قریب پہنچ جاتی۔ مگر یہاں منشا اسکے عکس ہے اور وہ یہ ہے کہ بہت سے معقول مرد گرویدہ ہو جائیں مگر عورت اُن میں سے کسی ایک کی بھی گرویدہ نہو۔ اسکا عملی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جو مرد ایسے مشاغل میں پڑتے ہیں اُنمیں سے اکثر میں سے بیوی بچوں کو نباہنے کا مادہ بہت کچھ زائل ہو جاتا ہے۔ اور صحیح معنوں میں وہ خاوند یا باپ یا گھر کے

سرور بخش کے قابل نہیں رہتے۔ تھوڑے مرد ان میں ایسے بھی ہوتے ہیں جو باوجود باہر کی تفریحوں کے گھر کو بھی ادائے فرض سمجھ کر چلائے جاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم بڑا کمال کر رہے ہیں مگر غور سے دیکھا جائے تو یہ کچھ بھی کمال نہیں ہے۔ اگر وہ باہر کی تفریحوں میں نہ پڑتے تو گھر ہی پر اُن کی پوری توجہ صرف ہوتی اور اُس سے کیا کچھ اعلیٰ نتائج مرتب ہوتے۔ خیر ایسے مردوں کا تو جو کچھ حشر ہوتا ہے وہ ہوتا ہے ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ اُن عورتوں پر کیا گذرتی ہے جو باہر کی تفریح کی جان ہیں۔ غالباً اسی رعایت سے اکثر کے نام کے آخر میں جان ہوتا ہے۔ شاید یہ بھی اشارہ مضمر ہو کہ اس تفریح کے بدلہ میں جان تک برباد ہو جاتی ہے۔ روپیہ اور عزت آبرو تو ہے ہی کیا چیز۔ عورت پر یہ گذرتی ہے کہ ایک مرد کو گرویدہ کرنے کا جو خزانہ فطرت نے اُسے عطا کیا ہے وہ بہت مردوں کو گرویدہ کرنے کی کوشش میں تباہ ہو جاتا ہے اور اسلیے اُس عورت کو اپنے میں بیشمار مصنوعی کششیں پیدا کرنی پڑتی ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ رفتہ رفتہ وہ بجائے ایک دلکش انسان کے ایک مصنوعی کل رہ جاتی ہے۔ دوسرا نقصان عورت کو یہ پہنچتا ہے کہ چونکہ یہ زندگی فطرت۔ مذہب اور اخلاق کے خلاف صرف معاش کی خاطر بسر کرتی ہے۔ اس لیے ایک وقت میں اُسکا نصب العین صرف روپیہ رہ جاتا ہے۔ اور چونکہ روپیہ بھی بیشتر حالتوں میں اُسکے پاس نہیں رہتا وہ آخر میں خسر الدنیا والآخرۃ کے حبیب جنگل میں سرگرداں پھرتی ہے۔ ورنہ یا تو یوں ہی ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرجاتی ہے اور یا کسی اور عورت کو (اکثر صورت میں کسی معصوم لڑکی کو) اپنا جانشین بنا کر ایک مستقل عذاب کی مستحق ہوتی ہے۔

مرد جہاں تک ہو سکتا ہے روپیہ دیتے ہیں مگر اسکے علاوہ کوئی صحیح انسانی ہمدردی نہیں کرتے۔ اس لیے عورت بالکل ٹوٹے میں رہتی ہے۔

اگر مردوں کے سینوں میں دل اور دلوں میں خدا کا خوف ہو تو اسوقت سے ان بدنصیب عورتوں کو بچانے کی تدبیریں اختیار کریں۔ اس مختصر مضمون میں دیدہ و دانستہ ان مہلک امراض کا ذکر نہیں کیا گیا جن میں اس طبقہ کی بیشمار عورتیں مبتلا ہو کر جوانی ہی میں راہی ملک بقا ہوتی ہیں اور نہ ان بیشمار رکیک حرکات کا ذکر کیا گیا ہے جو اس طبقے کی ادنی عورتوں سے سرزد ہوتی ہیں۔ مقصد صرف یہ ہے کہ مردوں کو یہ حس پیدا ہو جائے کہ ہائے اگر ہم اپنی ناجائز تفریح ان سے وابستہ نہ کرتے تو ان میں سے کس قدر اللہ کی بندیاں سیدھی سادی۔ خوشحال۔ گھر والیاں ہوتیں اور خدا اور انسان دونوں کے سامنے سرخرو ہوتیں۔

"نسائی"

---

اپنی بریش دیکھکر بیری رنگ جاناں دیکھکر　　دیکھا کئے خنجر ابروے جاناں دیکھکر
چھلے تو مارا عشق نے انبوہ ارماں دیکھکر　　اب گرفتہ ہو گیا ہے دل کو ویراں دیکھکر
سر مرا ہوتا ہے خم ابروے جاناں دیکھکر　　دل تڑپ جاتا ہے نوک تیر مژگاں دیکھکر
زخم دل کو یاد ہیں چھیڑیں نگاہ ناز کی　　ہنس پڑے کیا کیا تمہارے [illegible] دیکھکر
ہجر کے دن رات کٹتے ہیں تصور میں ترے　　مہر تو دیکھکر اور ماہ تاباں دیکھکر
بال بکھرائے ہوئے بزم عزا میں آئے کیوں　　سب پریشاں ہو گئے تم کو پریشاں دیکھکر
رشک سے جل بھن گیا آتشکدہ [illegible]　　[illegible] سینے میں فروغ آہ سوزاں دیکھکر
دیدہ یا دل گلرخوں کو اب کہاں وہ تازگی　　ہنس رہی ہیں ہم کو یہ گلشن کی کلیاں دیکھکر
ہاں نہ گھبرا کر نکل جائے کہیں تصویر یار　　قلب مضطر ہیں ہجوم یاس و حرماں دیکھکر
تیر کیونکر خم نہ ہو شمشیر کیونکر جھک نہ جائے　　نوک مژگاں دیکھکر ابروے جاناں دیکھکر
ہائے کوئی بھی نہیں جو تختہ مشق ناز ہو　　چپ ہیں وہ خاموشی گور غریباں دیکھکر
آسماں پیر دم گریباں [illegible]　　سب پشیماں ہو گئے تم کو پشیماں دیکھکر
عالم دیوانگی ویرانی کب [illegible]　　[illegible] وحشت مجھے وا باب زنداں دیکھکر

کچھ برا وقت ہیں [illegible] ہاشمی
ہاتھ مل کر رہ گئے [illegible] زنداں دیکھکر

چودھری انجم علی الہاشمی

# عورت

(۲)

ہمارے کرمفرما دوست جناب مولانا خواجہ الیاس صاحب نے مذکورہ بالا عنوان پر مضامین کا ایک سلسلہ شروع کیا ہے جو انشاءاللہ کچھ دنوں تک جاری رہیگا چونکہ بعض اوقات سلسلے کے مضامین سے لوگ اکتا جاتے ہیں اس خیال کو مدنظر رکھکر خواجہ صاحب نے ارادہ کیا ہے کہ وہ اس موضوع پر جتنے مضمون لکھیں وہ ایک بڑی حد تک مکمل ہوں چنانچہ اس سلسلہ کا دوسرا مضمون درج ذیل ہے۔

ایڈیٹر

ابتدائے آفرینش سے طبقۂ اناث ہم انصاف اُن وصاف کے ساتھ چلا آیا ہے جو اُسکے انحطاط رتبی پر کافی روشنی ڈالتے ہیں۔ لیکن اس انحطاط سے یہ مراد نہیں ہے کہ عورت مرد کے قبضہ میں ایک مٹی کے کھلونے کی طرح ہے کہ وہ جو تصرف اُسمیں چاہے کرے اور کوئی اس سے باز پرس کرنے والا نہو بلکہ یہ وہ فطرتی اور نیچرل انحطاط ہے کہ جس کے مراتب کی تفصیل کہیں موقع سے ہم کرینگے۔

اسلامی نقطۂ نظر سے عورت کم سمجھ اور اُسکا احساس سہل القبول ہے وہ ایک شفاف اور نورانی جسم ہے جسکو شریعت حقہ اسلامیہ نے آبگینہ اور روشن قندیل سے تشبیہ دی ہے اور تعلیم کردیا ہے کہ اُسکو اس کام کی تکلیف نہ دو کہ جس کی طرف فطرتاً وہ غیر مستطیع ہے اُن کلمات سے اُسکو آگاہ نہ کرو کہ جن سے وہ اثر پذیر نہو سکے حتی کہ تشبیہ اشعار بھی اُسکے روبرو پڑھنا جائز قرار دی گئی تاکہ اس سے اُسکا احساس مخفی نہو دور جدید کے احرار یورپ کی تبعیت میں اُسکو جنس لطیف سے تعبیر کرتے ہیں۔

یہ دونوں عنوان اگرچہ اسی ایک معنوں پر دلالت کرتے ہیں کہ عورت مرد کے مقابلہ میں کمزور اور ضعیف خلق کی گئی ہے لیکن پھر بھی تشبیہ اول اپنے مقصود پر دلالت کرنے میں زائد واضح ہونے کے علاوہ اُسکی حالت کی ایک صحیح مثال اور اُسکے شعور کا ایک کامل معیار بھی پیش کرتی ہے۔

غرض کہ یہ تمام امور کافی طور سے اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ عورت اس مرتبہ تک نہیں پہنچی ہے کہ مرد کی طرح مشقتوں اور زمانے کی سختیوں کو برداشت کرسکے عورت کو جنس لطیف سے یاد کرنے والی یورپ کی وہ جدید قومیں ہیں جو مرد کے ساتھ اُسکی مساوات کو بہتر تصور کرتی ہیں لیکن تم خود سمجھ سکتے ہو کہ وہ اپنی اس خواہش میں کس حد تک صحت پر ہیں ایک نازک جنس کو ایک مضبوط جنس کے مساوی کرنے کا خبط اُن کے دلوں میں سماگیا ہے اُنکو چاہیے کہ اپنی اس خواہش سے دست بردار ہوں یا اس تشبیہ سے اعراض کریں ورنہ اس تشبیہ کے ادعا کے ساتھ اُنکی یہ خواہش ایک مجنونانہ اور جاہلانہ حرکت سے زائد وقعت نہیں رکھتی۔

اس ادعائے تساوی کو یورپ کی طرف منسوب کرنے سے تم اس دھوکہ میں نہ پڑنا کہ اہل یورپ کا عام مذاق یہی ہے کیونکہ یورپ نے ابھی تک اُن منصف مزاج طبیعیں کو مفقود نہیں کیا ہے کہ جو شروع سے اس رائے کو غلط تصور کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس مساوات کی خواہش کرنا گویا ایک محال امر کو ممکن بنانا ہے۔

ذیل میں ہم یورپ کے چند افراد اور بعض جماعتوں کے وہ اقوال نقل کرتے ہیں کہ جن سے ہمارا دعوی خود بخود صحت کی روشنی میں آجائے گا۔

تساوی دائرۃ المعارف کے مؤلفین کا فیصلہ ہے کہ عورت کی ترکیب جسمی بچوں کی ایسی ہے اور یہی وجہ ہے کہ اُسکا احساس سریع القبول ہے اور اُسکی طبیعت رنج وخوشی وغیرہ سے بآسانی متاثر ہوجاتی ہے اور چونکہ اس قسم کے موثرات اسکی طبیعت اور اُسکے تصوّر

بلا شرکت تعقل اثر کرتے ہیں لہذا بجاے دیر پا اور مستمر ہونے کے (مرد کے خلاف) جلد زائل اور رفع ہو جاتے ہیں اور انھیں وجوہ سے عورت ناپائداری کا نمونہ اور مرد قرار و ثبات کا آئینہ سمجھا جاتا ہے۔

پرودون ایک مغربی فلسفی اس امر کے متعلق اپنے خیالات کا اسطرح اظہار کرتا ہے کہ عورت کی عقل جسقدر ہماری عقلوں سے کمزور ہے اُسیقدر اُسکا وجدان ہمارے وجدان سے ضعیف ہے اُسکے اخلاق کا معیار ہمارے اخلاقی معیار سے گرا ہوا اور اُسکے اخلاق کی طبیعت ہماری اخلاقی طبیعت کے متضاد اور یہی باعث ہے کہ وہ جن اشیا پر اچھائی یا بُرائی کا حکم لگاتی ہے مرد کی عقل ہر جگہ اُسکی تائید نہیں کرتی اور بعینہ وہی فیصلہ نہیں کرتی کہ جو کسی عورت کی عقل نے کیا ہو اسی وجہ سے اگر عورت کو مرد کی نسبت کریکے بے ادب کہا جائے تو چنداں بیجا نہ ہوگا۔

محققانہ اور فلسفیانہ نظر سے اگر دیکھا جائے تو ظاہر ہو جائیگا کہ عورت بجاے عدل و مساوات کے افراط یا تفریط میں گھری ہوی ہے اور یہ کیوں محض اسلیے کہ عدم مساوات اُسکے ذاتی خواص اور فطری لوازمات سے ہے۔

توازن حقوق کہ جسکے بغیر مرد کبھی عافیت سے زندگی نہیں بسر کرسکتا اور نہ اسکو چھوڑ سکتا ہے۔ عورت کا رجحان کبھی اس طرف نہ پاؤگے بلکہ وہ سب سے زائد جس چیز کی دیوانی اور بندۂ بے دام ہے وہ باہمی امتیازات اور خصوصیات ہیں۔ اصناف لبشریہ میں بلا امتیاز امارت و غربت کے مساوات کا قائم رکھنا عورت کے لیے ایک تکلیف مالا یطاق ہے کہ جسکی وہ متحمل ہو ہی نہیں سکتی۔ ایک جرمنی جماعت کا خیال ہے کہ مرد عورت سے سمجھ بوجھ میں بڑھا ہوا ہے اور عورت تاثر اور پریشانی میں مرد پر سبقت لے گئی ہے۔

ان وجوہ اور استنباطات پر نظر ڈالتے کے بعد کہ جنکو اتبک ہم نے ذکر کیا ہے

# یار کی مہمانی

خوابِ راحت سے اچانک اُٹھا کر دعوت دینا اور فی الفور اپنے پاس بلا لینا کسی کو۔ اپنے محبوب کو۔ کیا خوب۔ دنیا تو ترستی ہے کہ ہمارا معشوق ہمیں دعوت دے اپنا مہمان بنائے۔ مگر یہاں اُلٹی بات، قاصد بھیجدیا، تاکید کہلا بھیجی۔ چلیے آپ کے چاہنے والے نے آپ کو بلایا ہے۔

او لامکان والے تیرے دعوتی کارڈ بھی نئے نئے مقام سے آتے ہیں۔ کسی کو طور پر چالیس دن مہمان رکھا کسی کو ڈنر کی دعوت دی مگر دور اور بہت دور بُلایا۔ برقی زینہ چٹکی بجاتے آٹھ نو منزل بلا تکلف پہنچا دیتا ہے مگر اُس برقی سواری میں کس قسم کی مقناطیسی قوت تھی جس نے آن کی آن میں قرب وبعد کے مدارج طے کر لیے۔

میرے مہمان آجا۔ قریب ہو جا۔ دوئی دور کر۔ اب پردہ کیسا نعلین پہنے چلا آ اب ہم۔ میں۔ یہ۔ وہ۔ تو۔ کچھ نہیں سب کو بُھلا دے۔ تو ہی خدا ہے، تیری خدائی ہے۔

اے میزبان ازلی! تمام جاندار ہستیاں تیری مہمان ہیں۔ تیری رحمت کا دسترخوان عام ہے۔ سُنا ہے جس پر تیری خاص عنایت ہوتی ہے اُسے نحن اقرب الیہ کا راز تو خود ہی کھول دیتا ہے۔

چھوٹا سا دل ہوں مگر شوخ، آنکھیں تیرے دید کی مشتاق دماغ میں سودائے خام۔ تجھے دعوت دینے اور مہمان بنانے کی اُمنگیں اور ولولے طبیعت میں جوش زن۔ آ آج میرا مہماں بن جا۔ خانۂ دل گو تاریک سے تنگ ہے مگر تیری رحمت سے منور اور وسیع ہو جائیگا۔ آنکھوں نے تیرے استقبال کے لیے آنسوؤں کے گرم گرم اور کھولتے ہوئے

چشمہ میں غوطہ لگا لگا کر یا انداز فرش کو صاف سرخ ٹول بنا لیا ہے۔ دل نے برسوں سے تیری آمد آمد کی خبر سن سن کر صفائی کر رکھی ہے۔

میرے سچے تسلی دینے والے مہمان۔ آجا بہت مت ترسا۔ اب انتظار کی طاقت نہیں۔ دل و دماغ قابو سے باہر ہے آنکھیں پتھرا گئیں۔

تجھکو مہمان بنا کر زندگی کا لطف اٹھاؤں گا۔ فخر کرونگا۔ تیری پچھلی صحبت کا لطف میری روح کو آج تک یاد ہے کبھی کبھی تیری یاد میں ایسی بیقرار ہو جاتی ہے کہ تیرے مہمان بننے اور تیری صحبتوں کا لطف اٹھانے کے لیے سامان سفر تیار کر کے روانگی کا عزم کر دیتی ہے۔ میری مان لے۔ بس ایک دفعہ میرا مہمان بن جا۔ تاکہ پچھلی صحبتوں کا لطف دوبارہ نصیب ہو جائے ع مدت ہوئی ہے یار کو مہمان کیے ہوئے

حکیم محمود علیخاں ماہر اکبر آبادی

---

# راز عشق

مدتوں دل لگایا ہے ہم نے ذوق الفت کا پایا ہے ہم نے
سخت دل خوب کھایا ہے ہم نے بار فرقت اٹھایا ہے ہم نے
جانتے ہیں کہ عاشقی کیا ہے
عشق صادق نہ ہو تو سودا ہے

یہ جہاں بے ثبات ہے یارو چند روزہ حیات ہے یارو
لازمی۔ شئے ممات ہے یارو باقی اللہ کی ذات ہے یارو
کس لیے عشق بے وفا سے کرو
گر محبت کرو خدا سے کرو

گو ہیں دنیا کے دلربا مشہور حوروش اور مہ لقا مشہور
چار سو ان کی ہے جفا مشہور ہیں یہ غدار و بیوفا مشہور
ان کو دل دے کے کون پچھتائے
مفت میں کون جان سے جائے

چاند سی آج جنکی صورت ہے جنکا بوٹا سا قد قیامت ہے
جنکی چھل بل غضب ہے آفت ہے جن پہ آئی ہوی طبیعت ہے
کل یہ کمھلا ئینگے گلاب کے مثل
دم میں مٹ جائینگے حباب کے مثل

پھر سو عارضی ہے حسن ان کا ان پہ ہوتے ہیں سب عبث شیدا
چند روزہ ہے حسن کا جلوا چار ہی دن ہے چاندنی کی ضیا
پھر یہ چھل بل نہ یہ ادا ہوگی
چاند سی شکل خاک پا ہوگی

عشق اس سے کرو جو کامل ہو دشمن و دوست جس پہ مائل ہو
نقش جس کا کبھی نہ باطل ہو خوبیوں کا زمانہ قائل ہو
کام آئے نہ صرف دنیا میں
ساتھ بھی دے تمھارا عقبیٰ میں

ہے رضا وہ رہ شریعت ہے اور یہی کالاتب طریقت ہے
یہی شمع حریم الفت ہے اور کلید در حقیقت ہے
تو بجشمان دل مبین جز دوست
ہر چہ بینی بدانکہ مظہر اوست

سید محمد اسمعیل رسا ہمدانی گیاوی

# اُردو علم صلہ

ہر زبان میں کچھ نہ کچھ ایسے الفاظ ضرور پائے جاتے ہیں جو مختلف الفاظ سے مل کر مختلف معانی پیدا کر دیتے ہیں۔ یہی الفاظ جو اپنی ترکیب کے بعد مختلف معانی پیدا کرتے ہیں۔ عربی اور فارسی زبان میں صلہ کہلاتے ہیں۔ مثلاً عربی میں رغبت کے معنی خواہش کرنے اور مائل ہونے کے ہیں۔ لیکن رغب کا صلہ جب عن آتا ہے تو اسکے معنی نفرت کرنے اور روگردان ہونے کے آتے ہیں۔ لفظ قال کے معنی کہنے کے ہیں قال لہ کے معنی اس سے کہا اور جب اسکا صلہ من لایا جائے تو قال منہ کے معنی اسکی طرف سے کہا ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح اشار الیہ کے معنی اسکی طرف اشارہ کیا اور اشار علیہ کے معنی اسکو مشورہ دیا۔

فارسی کا چمن بھی ان رنگا رنگ پھولوں سے خالی نہیں۔ فارسی زبان کے تجسس اور تلاش سے بکثرت ایسی مثالیں مل جائیں گی۔ میں یہاں اختصار کے طور پر محض سمجھانے کے لیے ایک دو مثالیں پیش کر دیتا ہوں۔ فارسی زبان میں زدن کے معنی مارنے کے ہیں لیکن اسی لفظ زدن کے بہت سے صلے ہیں جو ترکیب کے بعد مختلف معانی پیدا کر دیتے ہیں۔ مثالیں۔

نغمہ زدن گانا۔ حرف زدن بولنا۔ رہ زدن لوٹنا۔ گام زدن چلنا۔ جام زدن پینا۔ آتش زدن آگ لگانا۔ پنجہ در پنجہ زدن مقابلہ کرنا۔ نقش زدن لکھنا۔

اسی طرح کردن کے معنی صرف کرنے کے ہیں۔ لیکن جب اسکا صلہ نماز گل کنجہ اور رو لاؤ تو مختلف معانی ہو جاتے ہیں نماز کردن نماز پڑھنا

گل کردن ظاہر کرنا غنچہ کردن چھپا دینا - رو کردن متوجہ ہونا

اُردو زبان اپنی کمسنی کے باعث ان دو زبانوں کے آگے ابھی شیر خوار بچہ کہلانے کی مستحق ہے - اسکے پاس جو کچھ سرمایہ ہے وہ اس نے ان ہی دو زبانوں سے حاصل کیا اور حق یہ ہے کہ اُردو زبان اپنے ہر مفہوم کو ادا کرنے کے لیے ان ہی زبانوں کے چمنستان الفاظ کی گلچینی کرتی ہے اسلیے اسکا دامن بھی اسطرح کے گلہاے رنگا رنگ سے بھرا ہوا ہے

میں اس حصۂ تحریر کی زیادہ تشریح و توضیح اس مختصر مضمون میں تو نہیں کر سکتا - لیکن اسکی متعدد مثالیں پیش کردوں گا جن سے یہ واضح ہوگا کہ اُردو میں بھی بہت سے الفاظ ہیں جو اپنے مختلف صلوں سے ملکر مختلف معانی پیدا کرتے ہیں - یہ مضمون محض اپنی یادداشت سے لکھ رہا ہوں - اسلیے جہاں جہاں اساتذہ کے اشعار یاد آتے جائیں گے اُن کو بھی پیش کردونگا -

اُردو میں خاک کا لفظ اُڑانا چھاننا ڈالنا لے ڈالنا ان صلوں کے ساتھ مستعمل ہے - خاک اُڑانا خاک چھاننا کے معنی کسی کی جستجو اور تلاش کرنے کے آئے ہیں - میر مرحوم کے دو شعر یاد ہیں -

یہ میں نے خاک اُڑائی ہے یار تیرے لیے عجب نہیں جو فلک پر بھی ہو زمیں پیدا

ولہ

ہوئی نہ برباد زندگانی رہی نہ ہستی کی کچھ نشانی صبا نے ہر چند خاک چھانی نہ پایا مشتِ غبار میرا

خاک ڈالنا یعنی عیب پوشی کرنا جلال لکھنوی -

کیا تعجب ہے چھپا لے جو کفن عیبوں کو خاک شاید مرے اعمال پہ مدفن ڈالے

خاک لے ڈالنا اپنی غرض سے بار بار کسی کے در پر جانا جلال لکھنوی

میکدے کی خاک تک لے ڈالیے یہ دُمیں سے ہے کس خراباتی کی مٹی اپنی آب و گل میں ہے

دل کے لفظ کو دیکھو یہ اپنے مختلف صلوں سے مل کر کتنے مختلف معانی پیدا کردیتا ہے دل اُٹھنا دل برخواستن کا ترجمہ ہے جرات ؏

کیہ صبا جو ہووے گذر یار کی طرف　　دل سب طرف سے آپکے جانے سے اُٹھ گیا

دل بیٹھ جانا بھی اسی کے ہم معنی ہے تجرسے

قطع جب سے ہوئی اُمیدِ وصالِ جاناں　　اسطرح بیٹھ گیا دل کہ اُٹھا یا نہ گیا

دل بجھنا۔ دل بڑھنا۔ دل بھاری ہونا۔ دل پھٹ جانا۔ دل ڈوبنا (غمگین ہونا) آتش

اے عزیزو آج میرا دل نہ ڈوبا جائے کیوں　　اپنے یوسف کا مجھے چاہِ ذقن یاد آگیا

دل رکھنا (دلداری کردن) کا ترجمہ ہے۔ دل رُکنا دل بند ہونا۔ غالب کی ایک رباعی میں دل رکنا، دل بند ہونا دونوں بندھے ہیں۔ غالب

دکھ جی کے پسند ہو گیا ہے غالب　　دل رک رک کر بند ہو گیا ہے غالب

واللہ کہ شب کو نیند آتی ہی نہیں　　سونا سوگند ہو گیا ہے غالب

پاؤں اس لفظ کے بھی بہت سے صلے ہیں۔ پاؤں اُٹھا کر جانا شتاب روی۔ پا برداشتن کا ترجمہ ہے پاؤں اُٹھ جانا چلا جانا۔ بھاگ جانا۔ پاؤں اُڑانا ضرب حریف سے پاؤں خالی دینا یعنی بچا لینا۔ پاؤں بھاری ہونا عورتوں کے محاورے میں حاملہ ہونا پاؤں بھر جانا شل ہو جانا۔ پاؤں پکڑنا اور پاؤں چومنا قدمبوسی کرنا۔ پاؤں پھیرنا نئی دلہن یا زچہ کا اپنے اعزا و اقربا کے گھر جانا یہ خاص عورتوں کی زبان ہے۔

یہ جو کچھ میں اُردو کی وسعت کو دکھا چکا ہوں۔ یہ تو ہمارے زمانہ سے پیشتر کے بزرگوں کے مساعی اور جانفشانی کا نتیجہ ہے۔ اُردو کا موجودہ دور ترقی بہت خوش آیند اور مستقبل کے لیے بہت امید افزا ہے۔ اگر علمبرداران اُردو کی کوشش کا یہی سلسلہ رہا تو کچھ روز میں اُردو زبان لطیف و پاکیزہ محاورات، تمثیلات استعارات، کنایات اور ہر طرح کے تمدنی، معاشرتی، علمی اور اخلاقی [illegible] کی دولت سے مالا مال ہو جائے گی۔ اردو کی موجودہ رفتار سے [illegible] نئے پرانے محاورات

اور الفاظ کو متروک اور غیر فصیح بنا دیا ہے، اور بہت سے نئے محاورات اور الفاظ اپنے اندر پیدا کر لیے ہیں۔ آج اُردو کی ترقی کا یہ حال ہو رہا ہے کہ ایک مصنف جب اپنی تصنیف کو جو دو سال پیشتر کی ہو آج دیکھتا ہے تو اسمیں اسکو بہت سے جملے کاٹ دینے اور نکال دینے کے قابل نظر آتے ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ موجودہ رفتار ترقی میں بعض لوگ ایسی بے اعتدالیاں کر بیٹھتے ہیں جنکی روک تھام اگر اسی وقت نہ کی گئی۔ تو آئندہ بہت بُرے نتائج پیدا ہوں گے۔ اس سے زیادہ کسی زبان کی بدقسمتی نہیں ہو سکتی کہ اسمیں بے موقع الفاظ استعمال کیے جائیں۔ میرے ایک عزیز دوست ایک مجمع میں جہاں میرے ایک مکرم و محترم بھی تشریف رکھتے تھے یہ جملہ بول اُٹھے کہ میری روح فق ہوتی ہے میرے محترم جو وہاں تشریف فرما تھے انھوں نے اسکی صحت میں شک ظاہر کیا اور اسپر کچھ دیر تک بحث ہوتی رہی۔ میرے دوست اودھ کے رہنے والے تھے۔ انکی رائے میں اودھ کا باشندہ ہونا ہی اہل زبان ہونے کی سند ہے۔ جوش میں بول اُٹھے کہ اُردو میری زبان ہے۔ میں جو کچھ استعمال کردوں صحیح ہے میرے محترم میری طرف مخاطب ہو کر مجھسے پوچھنے لگے کہ اسکے متعلق تمھاری کیا رائے ہے۔ میں نے کہا کہ میرے نزدیک بھی یہ جملہ صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ کیونکہ فق ہونا اس خاص کیفیت کو کہتے ہیں جو انسان کے چہرے پر شرمندگی یا خوف کے وقت طاری ہوتی ہے جسکو دوسرے لفظوں میں ایک رنگ کا جانا دوسرے کا آنا بھی کہہ سکتے ہیں اسی لحاظ سے رنگ فق ہونا بولتے ہیں۔ ہاں چہرہ فق ہونا، رخ فق ہونا اور منھ فق ہونا بھی بولتے ہیں جیسے ذوق کے اس شعر میں ؎

اگر زخم سینہ سے پھاہا اُٹھاؤں — تو خورشید محشر کو تپ سے چڑھا دوں
دگر سینۂ داغ دل کو دکھاؤں — تو صبح قیامت کا منھ دم میں فق ہو

مگر ان تمام جملوں کی اصلیت میرے خیال میں یوں ہے۔ چہرہ کا رنگ فق ہونا۔

رخ کا رنگ فق ہونا۔ منہ کا رنگ فق ہونا۔ عوام الناس کی زبان اور ہر وقت کے بولے جانے والے جملوں میں جس طرح اور دوسرے تصرفات ہوتے رہتے ہیں اسی طرح ان جملوں میں بھی تصرف ہو گیا ہے اور کثرت استعمال کے باعث "کا رنگ" کا لفظ ان جملوں سے حذف ہو کر چہرہ فق ہونا رخ فق ہونا منہ فق ہونا رہ گیا ہے۔ روح ایک لطیف شے ہے وہ کوئی ٹھوس جسم نہیں۔ وہ سرخی، زردی، سیاہی اور سپیدی ان تمام رنگوں سے پاک صاف ہے۔ اسلیے اسکی صفت میں فق ہونے کا لفظ استعمال کرنا کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا۔"

بہت سی بے اعتدالیاں جو روز بروز بڑھتی جا رہی ہیں۔ انکی روک تمام بہت ضروری ہے۔ یہ بے اعتدالیاں کیوں پیدا ہوتی ہیں سکو میں اور کسی موقع پر نہایت تشریح و توضیح کے ساتھ بتاؤں گا۔ مختصر یوں ہے کہ کسی زبان میں محاورات بنانے، یا غیر زبان سے نقل کرنے، یا دوسری زبان کے الفاظ اپنی زبان میں استعمال کرنے کے لیے۔ بہت قابلیت، استعداد اور ذوق سلیم کی ضرورت ہے۔ ورنہ کم از کم ان دو زبانوں میں تو ناقل کو پوری دستگاہ ہونی چاہیے۔

**ابوالحسنات ندوی**

---

ضروری گذارش "تمدّن" بلا طلب جن حضرات کی خدمت میں نمونتاً یا کسی معزز دوست کی تحریک سے پہنچے براہ کرم فوراً اپنے ارادہ خریداری سے مطلع فرمائیں ورنہ خاموشی رضامندی سمجھی جائے گی اور دوسرے ماہ میں انکا نام درج رجسٹر کر کے تیسرے ماہ کا پرچہ ذریعہ وی۔ پی بھیجا جائیگا جس کا وصول کرنا انکا قومی اور اخلاقی فرض ہوگا۔ جو حضرات "تمدّن" کو قیمتاً نہیں لے سکتے وہ اگر "تمدّن" کو چار مستقل خریدار عنایت فرمائینگے ان کی خدمت میں ایک سال کے لیے "تمدّن" مفت حاضر ہوگا۔ جو صاحب دو مستقل خریدار عنایت فرمائینگے ان کے پاس چھ ماہ تک پرچہ مفت حاضر ہوگا۔ جو حضرات کمیشن پر "تمدّن" کی توسیع اشاعت میں کوشش کریں وہ خط و کتابت سے کمیشن طے کر سکتے ہیں۔ **مینیجر**

# مسلمانوں کے احسانات
# ایرانی علوم وفنون پر

(سلسلے کے لیے گذشتہ نمبر ملاحظہ ہو)

(۳)

اسلام سے کچھ پہلے چار زبانیں مستعمل تھیں (۱) دری یہ درباری زبان تھی اسمیں صرف قوانین اور ضروری کاغذات کارروائی تھے مسلمانوں نے اسکے ضروری معارف عربی میں نقل کرلیے (۲) پہلوی ایران کی علمی زبان تھی زیادہ تر اصفہان' آذربیجان' ماہ' نہاوند' ہمدان' رے وغیرہ اضلاع میں بولی جاتی تھی اس زبان کی جسقدر کتابیں دستیاب ہوسکیں عربی میں ترجمہ کی گئیں (۳) خوزیہ درباریوں اور شہزادوں کے سوا کوئی نہ جانتا تھا (۴) سریانیہ' یہ زبان اگرچہ ایرانی نسل کی زبان نہ تھی مگر ایران کے عیسائی زیادہ تر اسی زبان میں بولتے تھے' اور علمی سرمایہ بھی زیادہ تر اسی زبان میں تھا مسلمانوں نے اس زبان کے تمام بیش بہا جواہرات اپنے خزینۃ العلوم میں جمع کرکے عربی میں نقل کیا' مامون کے بیت الحکمت میں اس زبان کی کتابوں کا ترجمہ کرنے کے لیے ایک اچھا انتظام تھا جسکے رئیس المترجمین یعقوب کندی' اور ابن حنین جیسے یگانۂ روزگار حکما تھے اب ایک منصف مزاج شخص کو ضرور ماننا پڑے گا کہ مسلمانوں نے معارف ایران کی حفاظت کی نہ اضاعت [1]

اس زمانے میں فارس میں سات قسم کے خطوط مروج تھے (۱) ویش دبیریہ'

---

[1] طبقات الاطبا' کتاب الفہرست و تاریخ الحکما میں مختلف جگہوں پر یہ واقعات ملیں گے ۱۲

اسمیں ۳۶۵ حروف تھے اس طریقۂ نسخ میں صرف پانی کی آوازیں، ہاتھ پاؤں کے اشارے، چشم و ابرو کی حرکتیں لکھی جاتی تھیں، درحقیقت یہ ایک بہترین شے تھی اوائل میں مسلمانوں نے اسے سیکھا تھا اب غالباً کوئی اسکا واقفکار نہیں۔

(۲) راز سہریۃ، بادشاہوں کے علاوہ اور لوگوں کو سیکھنا جرم تھا، مسلمانوں نے اسے بھی کسی طرح سیکھ لیا تھا چنانچہ خود ابن ندیم کو معلوم تھی (۳) شاہ دبیہ اس طریقۂ کتابت کو بادشاہوں کے علاوہ وزرا اور بڑے بڑے افسر بھی جانتے تھے۔ عام پبلک کو یہ خط سیکھنا قانونی جرم تھا کیونکہ رموز سلطنت اسی کے حروف میں لکھے جاتے تھے جنکا پوشیدہ رکھنا ضروری سمجھا جاتا تھا (۴) کشتبج بادشاہ و وزیر کے علاوہ چھوٹے درجہ کے عمال سلطنت بھی سیکھ سکتے تھے کیونکہ فیصلہ جات احکام وغیرہ اسی خط میں لکھے جاتے تھے۔ (۵) نیم کشتبج ۲۸ حروف کا مجموعہ تھا، یہ خط کشتبج سے بہت مشابہ تھا طب و فلسفہ کی کتابیں انھیں حروف میں لکھی جاتی تھیں (۶) راس سہریہ ۲۴ حروف کا مجموعہ تھا منطق و طبیعیات کی کتابیں اس خط میں لکھی جاتی تھیں (۷) نامہ ملک کا عام رسم خط تھا شاہ سے لے کر گدا تک اسے سیکھ سکتا تھا اسلیے اسمیں علمی کتابیں کچھ نہ ہوں گی مسلمانوں نے ان ہر ایک رسم خط کو سیکھا اور ان کے معارف اپنی زبان میں نقل کیے[1]

نیز مسلمانوں پر یورپ کی طرف سے یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ انھوں نے فارس کے مذہبی لٹریچر کی کچھ بھی وقعت نہ کی اور اسکا ثبوت یہ دیا جاتا ہے کہ اسلام کے فاتحانہ حملوں کے بعد سے زرتشتیوں کی مذہبی کتابیں کثرت سے ضائع ہوگئیں مگر انصاف سے غور کرو تو معلوم ہو جائے گا کہ اسکا ذمہ دار کون ہے۔ جمشید سے پہلے

---

[1] فہرست ابن ندیم ۱۲

ایران میں کتابت کا رواج ہی نہ تھا اسکے بعد رواج ہوا مگر زردشت کے عہد تک کوئی کتاب تالیف نہ ہوئی، زرتشت کے بعد دارا کے وقت میں جب اسکندر مقدونی نے ایران پر حملہ کیا تو علوم عقلیہ کے علاوہ ایران کا تمام علمی سرمایہ برباد ہوگیا اسکے بعد ساپور کے زمانے تک کسی قسم کی تصنیف و تالیف نہ ہوسکی، اسکندر کے دست تطاول سے جسقدر کتابیں بچی ہوں گی وہ اب تک موجود ہیں اگرچہ کچھ اجزا ضائع گئے ہوں تو اسکے ذمہ دار موبدان ایران ہیں جنھوں نے اچھی طرح حفاظت نہ کی۔

دین یا شریعت زرتشت کے حالات ہمیشہ سلطنت ایران کی ترقی و تنزل کے ساتھ بدلتے رہے۔ کیونکہ اس مذہب نے بادشاہ کو ایک مذہبی پیشوا کی حیثیت دے رکھی تھی اسکا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ جس طرح بادشاہ کی کمزوری کا اثر ملک کی پولیٹکل حالت پر پڑتا ہے اسی طرح ملک کی مذہبی حالت پر بھی پڑتا۔ ایران کے بادشاہوں کو چھوڑو خود قباد کے عہد میں مزدک نے سلطنت پر پورا اثر جما لیا تھا۔ اس سے سمجھا جاسکتا ہے۔ کہ اس غلبہ کی وجہ سے آتش پرستوں کے مذہبی لٹریچر پر کیا اثر پڑا ہوگا جب خود قباد مزدک کے پیرووں میں سے ہوگیا تھا اور آتش پرستوں کو اپنی حمایت کے لیے نوشیرواں کو ملانا پڑا۔ اس فتنہ کے رفع ہوتے ہی سلطنت پر عیسائیت نے اپنا اثر جما لیا، یعنی خود نوشیرواں کا ایک بیٹا نوش زاد عیسائی ہوگیا اور اس نے باپ کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور شاہی خاندان کے بڑے بڑے ارکان نے اسکا ساتھ دیا، جو لوگ نوشیرواں کا دم بھرتے تھے انہیں سے بھی چند لوگ دل میں اسی کے طرفدار تھے چنانچہ جب نوکروں نے ایک دفعہ نوش زاد کو گرفتار کرلیا تو ان لوگوں نے دانستہ اسکو بھاگ جانے کا موقع دیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت سی کتابیں اس زمانے میں بھی ضائع ہوئی ہونگی[1]

[1] تاریخ ایران ابن اثیر طبری ۱۲

مسلمانوں کو اگر زرتشت سے عداوت تھی تو مانی سے بھی نفرت ہو گی۔ مانی شاپور کے زمانے کا ایک ایرانی عیسائی تھا جس نے نبی آخر الزمان (فارقلیط) ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ مسلمانوں کو اسکے ساتھ کوئی خاص خصوصیت نہ تھی (بلکہ مانی کو یقینی کاذب سمجھتے تھے کیونکہ وہ اگر سچا مان لیا جائے تو نعوذ باللہ رسول اللہ احمد موعود نہیں ٹھہرتے) مگر اسکے مذہب کی جسقدر کتابیں مل سکیں قدیم فارسی اور سریانی سے عربی میں ترجمہ کی گئیں چنانچہ خود مانی کے ۸۲ رسالوں اور چار کتابوں سفر العجائب سفر الاسرار، سفر الاحیاء، فرقماطیا کا عربی میں ترجمہ کیا گیا یہی چاروں کتابیں مذہب مانیہ کا اصل اصول تھیں۔ قباد کے زمانے میں مزدک نے ایک نیا مذہب ایجاد کیا، اسکا اصل اصول یہ تھا کہ دولت اور عورت کسی خاص شخص کی ملکیت نہیں ایک معمولی مزدور یا ایک بہت بڑے تاجر اور بادشاہ کی دولت میں قانوناً برابر کا حصہ دار ہے۔ مسلمانوں کو جسطرح زرتشت سے اجنبیت تھی اسی طرح مزدک سے بھی نفرت تھی لیکن اسکے مذہب کی کتابیں بھی عربی میں ترجمہ کی گئیں چنانچہ خود کتاب المزدک کا ترجمہ بنی عباس کے عہد میں کیا گیا۔[1]

طب، فلسفہ، قانون، فسانہ، تاریخ وسیر وغیرہ فنون کی جسقدر کتابیں مل سکیں بنی امیہ اور بنی عباس کے عہد میں فارسی زبانوں سے عربی میں ترجمہ کی گئیں انکے علاوہ اور فنون جو ایران میں موجود تھے لیکن فن کی صورت میں مدون نہ تھے مسلمانوں نے انکو بھی مدون کیا چنانچہ رازی، صولی، علی فلاح اور ابن الاقلیدسی وغیرہ نے صرف شطرنج اور نرد پر مستقل اور مفصل کتابیں تالیف کیں۔

(۴)

حیرت ہے کہ مسلمانوں کو ایران کے علوم وفنون ضائع کرنے کا الزام دیا جاتا ہے حالانکہ مسلمانوں نے اور قوموں پر تو صرف یہ احسان کیا کہ ان کے علوم وفنون

---

۱؎ فہرست ابن ندیم

عربی میں نقل کرکے ہمیشہ کے لیے زندہ کردیا لیکن فارسی لٹریچر پر اس سے بڑھکر احسانات کیے۔ فارسی شاعری کا سنگ بنیاد مسلمانوں ہی کے ہاتھوں رکھا گیا میں اوپر بتا آیا ہوں کہ سریانی بھی فارس کی علمی زبانوں میں سے ایک زبان تھی مسلمانوں نے جہاں اور قوموں کے علوم عربی میں نقل کیے وہاں بہت سے علوم کا سریانی زبان میں بھی ترجمہ کیا چنانچہ حکیم جارج حکیم جبرئیل، حکیم بختیشوع کے بیٹے بہت سی طبی کتابیں رومی و یونانی زبانوں سے سریانی میں ترجمہ کی گئیں۔

اب ہم دیکھنا چاہتے ہیں کہ اسلام سے قبل ایران میں کسقدر کتب خانے تھے اور کیا ہوئے، فرداً فرداً علماے ایران کے یہاں جسقدر فارسی کتابیں دستیاب ہوئیں سب عربی میں ترجمہ ہو گئیں، ایران میں کوئی مستقل کتبخانہ نہ تھا صرف ایک کتبخانہ کا پتہ چلتا ہے جسکا نام کُہَندَزْ (پرانا قلعہ) تھا اور زیادہ سے زیادہ ایک کتبخانہ جندی ساپور میں بتایا جا سکتا ہے، جندی ساپور کے تمام ارباب علم سلطنت عباسیہ میں اسی لیے ملازم تھے کہ نایاب و نادر کتابیں جمع کرکے عربی میں ترجمہ کرائیں اب ہم کو صرف کتبخانہ کہندز کے متعلق غور کرنا ہے۔

ابن ندیم کتاب الوزراء کا حوالہ دے کر لکھتا ہے:

کانت الکتب والرسائل قبل ملک گشتاسب بن لهراسپ قلیلة ولم یکن لهم اقتدار علی بسط الکلام واخراج المعانی بصحیح الالفاظ

گشتاسپ سے پہلے ایران میں کتابیں اور رسالے بہت کم تھے کیونکہ اہل فارس کو بتشریح بیان کرنے اور سلیس عبارت میں کچھ لکھنے کی قدرت نہ تھی۔

کتابت کا رواج جمشید کے عہد سے ہوا اور کیکاؤس تک صرف تین احکام لکھے گئے ایک تو خود جمشید کا حکم دوسرا فریدون کا تیسرا کیکاؤس کا وہ حکم نامہ جو رستم کو بھیجا گیا کہ میں نے تجھے غلامی سے آزاد کیا اور سب تجھے

سیستان کا والی مقرر کیا گشتاسپ کے بعد سے ایران میں پوری طرح سے کتابوں کا رواج ہو گیا، آہستہ آہستہ دارا کے وقت تک دو کتبخانے جمع ہو گئے ایک تو خود دار السلطنت میں تھا دوسرا اصطخر میں سکندر مقدونی کے حملہ میں شاہی کتبخانہ بالکل برباد ہو گیا حتیٰ کہ اس نے وہاں کے کتبے بھی توڑ پھوڑ کر پھینک دیئے مگر جب وہ اصطخر پہنچا تو اسی طرح سے پتہ چل گیا کہ یہاں ایک عظیم الشان کتبخانہ ہے سکندر کو طب و فلسفہ کی جو چند کتابیں ملیں انکو اسکندریہ بھیجدیا و باقی کتابیں جنمیں غالباً قصص و افسانے تاریخ و مذہب کی کتابیں ہونگی پھونک دی گئیں اسکے بعد مدت تک مذہبی اختلافات اور طوائف الملوکی کی وجہ سے ایران جہالت کی تاریکی میں پڑا رہا پھر ساپور ذی الاکتاف نے ان اختلافات کو مٹا کر از سرنو ایران کی تہذیب کو زندہ کیا، نوشیروان کے وقت تک فارس کا آفتاب خط نصف النہار پر رہا پھر بہت جلد جلد ڈھلکر ڈوب گیا ان بادشاہوں نے مصر۔ شام، روم۔ یونان چین، ہندوستان وغیرہ متمدن ممالک سے کتابیں منگا کر فارسی میں ترجمہ کرائیں اور ان کتابوں کو اصفہان میں جمع کیا، اسی کتبخانے کا نام کتبخانہ کہندز یا پرانا قلعہ ہے مسلمانوں سے بہت قبل یہ کتب خانہ گرکر خاک ہو چکا تھا چوتھی صدی ہجری میں معلوم ہوا کہ قدرت نے ہمارے لیے اصفہان میں جی رستاق کے کھنڈروں میں ایک عجیب و غریب دولت چھپا رکھی ہے، بڑی تلاش و جستجو کے بعد ۳۵۰ھ میں ابن العمید کو چند کتابیں پائیں جو بغداد بھیجدی گئیں مگر یہ کتابیں چمڑے پر لکھی ہوئی تھیں اسلئے مسلمانوں کو اور جستجو ہوئی کیونکہ اہل ایران توز یعنی خدنگ کی چھال پر کتابیں لکھتے تھے اس تفحص و جستجو کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۳۵۰ھ میں بہت سی کتابیں مسلمانوں کے ہاتھ آئیں جنکو بڑی دقت سے حل کیا گیا پھر بھی بہت سی کتابیں نہ پڑھی جا سکیں، اس کتب خانہ میں ایک کتبہ بھی ملا جسمیں ہے

ظاہر ہوا کہ منجموں نے حملہ اہل غرب (اہل عرب) سے ۲۳۱ سال ۳ ماہ قبل اس حملے کی پیشین گوئی کی نیز یہ بھی بتایا کہ اگر کتابیں اصفہان مین جمع کی جائینگی تو محفوظ رہ سکینگی چنانچہ اہل غرب (عرب) کے حملے سے ۲۳۱ سال ۶۰ روز قبل اس کتبخانے کی بنیاد پڑی۔

واقعہ بھی یہی ہے کہ اصفہان کے علاوہ کسی ایسی جگہ یہ کتابیں ہوتیں جہاں مسلمانوں اور ایرانیوں میں گھمسان کی لڑائیاں ہوئیں تو اس ہنگامہ رستخیز میں شاید یہ کتبخانہ بھی ضائع ہوجاتا کیونکہ فاتحانہ جوش کا سیلاب تمام ملک کو زیر و زبر کر دیتا ہے۔

بیشک علوم و فنون کا تباہ کرنا اگر انھیں احسانات کا نام ہے تو یقیناً ہم نے ساری دنیا کے علوم و فنون کو برباد کر دیا۔ (جس کی کوئی بیّن دلیل ہمارے سامنے پیش نہیں کیجاتی۔)

باقی رہا یورپ کے اعتراضات کا جواب تو کلکتہ کے بلیک ہول کا واقعہ بھی ایسا ہی دھوم دھام سے بیان کیا جاتا ہے گویا ایک مستند تاریخی واقعہ ہے اسکندریہ کا کتبخانہ جلانے کا واقعہ اس بلند آہنگی سے بیان کیا جاتا ہے گویا ایک مسلمہ امر ہے۔ عالمگیر کو اس طرح بدنام کیا گیا ہے کہ اسکے ظلم و جور کی داستانیں آج بچے بچے کی زبان پہ ہیں۔

جلال ندوی

ہم سب کے لیے یہ بڑی خوشی کی بات ہوتی اگر ہم بہتری کی اتنی ہی زیادہ قدر کرتے جتنی بدتری کی مذمت کرتے ہیں۔

"سوتھی"

# حُسنِ سعادت

(سلسلے کے لیے گذشتہ نمبر ملاحظہ ہو)

(۹)

شکیلہ چپ ہو رہی جمیلہ نے آرام دہ طریقے سے چپی کرنا شروع کی درد کی کمی اور راحت ملنے کی وجہ سے بہت جلد نیند آ گئی لیکن دماغ میں عجیب عجیب خیالات چکر لگا رہے تھے دل میں گزشتہ نادانیوں کا کانٹا کھٹک رہا تھا ایسا معلوم ہوتا تھا خود کردہ غلطیوں کا خمیازہ مل رہا ہے۔ سوتے سوتے چونک پڑتی تھی جیسے جمیلہ آزار کا باعث سمجھکر سہم جاتی نصف رات سے زیادہ گذر گئی ٹھنڈی ہوا سے خنکی محسوس ہونے لگی خاموشی کی فضا میں نیند نے غلبہ کیا خاصدان سے پان نکال کر کھایا آنکھوں کو پانی سے تر کیا نیند میں دو ڈھلی ہوئی اسوقت شکیلہ بیخبر سو رہی تھی بیماری کا مطلق اثر نہ تھا البتہ شرمندگی اور انفعال کی وہی حالت تھی اس نے خواب دیکھا کہ وہ ایک صحرائے لق ودق میں کھڑی ہے جسکے چاروں طرف خاردار درختوں کی گنجان جھاڑیاں حائل کیے ہیں آفتاب پوری حدت کے ساتھ سطح فلک پر جلالی شان و تجمل سے جلوہ گر ہے جنگل میں ہو کا عالم طاری ہے خون آشام درندوں کی خوفناک صدائیں ہلائے دیتی ہیں اس نے عالم اضطرار میں چاروں جانب نظر دوڑائی کوئی محرم و مددگار نظر نہ آیا انسان تو انسان اسکا نقش قدم بھی دکھائی نہ دیا گھبرا کر قدم اُٹھایا خدا کو یاد کرتی ہوئی ایک سمت روانہ ہوئی دھوپ کی تیزی سے ریگ بیابان آگ کی طرح جل رہی تھی خودرو درختوں کے بڑے بڑے کانٹے تلووں سے پار ہوئے جاتے تھے پیاس کی حد و انتہا نہ تھی لیکن وہ ہمت نہ ہاری اسی طرح تیزی سے مسافت طے کرتی رہی

چلتے چلتے دن قریب اختتام پہنچا پرندے چہچہک کر اپنے اپنے آشیانوں میں آ بیٹھے سواد شام کا پُر فضا منظر بھی اسی دشت ہولناک میں روح فرسا معلوم ہوتا تھا آخر تھک کر دم لینا چاہا تو دیکھا وہی مقام تھا جہاں سے صبح چلی تھی رات ہوئی دکھیا عورت پر خوف و رجا کا عالم طاری ہوا درندوں کی مہیب صدائیں جاڑے کی کثرت سے سرد ہواؤں کے دلدوز تیر فنا کیے دیتے تھے اسے ایسے تغیر نے استعجاب میں ڈالدیا دوپہر کو صحرا کا موسم نہایت گرم نمونہ دوزخ تھا رات ہوتے ہی رت بدل گئی سردی سے دانت کڑکڑانے لگے تاریکی بڑھ رہی تھی وہ چاروں طرف جائے امن تلاش کرنے لگی ایک مقام پر پتاور کا انبار معلوم ہوا وہ بیخوف اسمیں دبک کر بیٹھ رہی زہریلے کیڑوں کا خوف خون خشک کیے ڈالتا تھا لیکن وقت اور سردی سے بچنے کے لیے کچھ پرواہ نہ کی خدا خدا کر کے رات ختم ہوئی یہ عجیب بات ہے پو پھٹتے ہی آسمان سے پھر آگ برسنے لگی بجائے نسیم سحری کے سرد سرد جھونکوں کے لو کے تند جھکڑ چلنے لگے اس نے آج پھر سابق کی طرح وہاں سے نکلنے کی کوشش کی مگر آج دوسری جانب روانہ ہوئی پاؤں میں چھالے پڑ گئے تھے اور زبان شدت تشنگی سے سوکھ کر باہر نکل آئی تھی تمام بدن سے چنگاریاں اُٹھ رہی تھیں اور دل میں سمجھ لیا تھا اس جنگل سے جان سلامت بچانا ممکن نہیں ناامیدی کے بھیانک خیال نے ہمت پست کر دی اور وہ تھک کر گر پڑی نہیں معلوم غشی کی حالت میں کتنی دیر پڑی رہی مگر جب ہوش میں آئی تو اس ہولناک جنگل کا نشان بھی نہ پایا بلکہ اپنے کو قدرت کے زمردیں فرش پر ایک لالہ زار میں پڑے ہوئے پایا نہ زبان شدت تشنگی سے کانٹا تھی نہ پاؤں میں آبلے تھے ٹھنڈی ہوا کے دل خوش کن جھونکے چل رہے تھے اور صبح صادق کی نورانی منظر تک میووں کے خودرو درخت لہلہا رہے تھے ڈالیاں بار کے بوجھ سے زمین کی طرف جھکی پڑتی تھیں دو روز گذر چکے تھے منہ میں ایک کھیل بھی اُڑ کر نہ پہنچی تھی اندازہ

ہائے اس راحت سے اٹھی تھوڑے سے پھل توڑ کر کھائے عمر بھر میں ایسے لذیذ
میوے چکھنے میں آئے تھے جب شکم پری کر چکی تو اپنے ہمجنس بنی نوع انسان کی تلاش میں
ادھر ادھر گشت لگانے لگی تمام دن جدائی قریب شام ایک مقام پر تھک کر بیٹھ گئی
یہ معلوم کر کے اسکی حیرت کی کوئی حد نہ رہی کہ آسمان کی وہی کیفیت تھی جو اس نے
غفلت سے آنکھ کھول کر دیکھی تھی وہی صبح کا سہانا دلکش منظر وہی ٹھنڈی ہوا
کی مستانہ روش وہی سفیدۂ سحر کی نمود اس نے اپنے دل میں خیال کیا شاید
میں بہشت میں زندہ داخل کر دی گئی ہوں لیکن ایسا ممکن نہیں البتہ بعض نبی اس
مرتبہ پر فائز ہوئے ہیں ایک دنیادار عورت کا عضو عضو عصیان میں آلودہ
ہے کیونکر زندگی میں جنت کی سیر کر سکتی ہے اور ایسے جلیل القدر مرتبہ پر پہنچ سکتی ہے

ہنوز وہ اپنے خیالات میں مستغرق تھی کہ کسی غیر مانوس آواز نے چونکا دیا اس نے
سر اٹھا کر دیکھا سامنے ایک عالیشان عمارت نظر آئی جس طرح قصے کہانیوں میں
جواہر نگار مکان بنے ہوتے تھے آج آنکھوں سے دیکھ لیے قصر کی چوٹی پر ایک نشان
نصب تھا جس کا ضیا بار پرچم ہوا سے لہرا رہا تھا اور اسپر نور کی سیاہی سے جلی حرفوں
میں رقم تھا "نیک منزل" اس نے قصد کیا اٹھ کر محل میں داخل ہو لیکن آنکھ کھل گئی

نماز صبح کا وقت تھا جمیلہ اسی طرح بیٹھی ہوئی وظیفہ پڑھ رہی تھی۔

شکیلہ بیگم۔ بیا جمیلہ تم رات بھر نہیں سوئیں بیٹھے بیٹھے شل ہو گئی ہو گی۔

جمیلہ۔ مجھے بالکل تکلیف نہیں کئی مرتبہ سونے کا قصد کیا نیند ہی نہ آئی خدا نہ کرے
اب درد نہیں ہے۔

شکیلہ بیگم۔ شدنی تھی ہو گئی شکر ہے اب کوئی شکایت نہیں ہاں سونے میں ایک
خواب دیکھا ہے جو نماز پڑھ کر بیان کروں گی۔

اسکے بعد دونوں نے نماز پڑھی پھر شکیلہ نے اپنا خواب بیان کیا جمیلہ تعبیر سمجھ گئی

لیکن کچھ نہ کہا شکیلہ بیگم نے خود ہی کہا۔
شکیلہ بیگم۔ بیٹا وہ دشت پر خار جسے جہنم کہنا چاہیے اُن گنہگاروں کے رہنے کی جگہ ہے جنھوں نے اپنی حکومت کے زعم میں زیردستوں کو تکلیفیں پہنچائی ہیں اور وہ پرفضا صحرا جو نمونۂ بہشت تھا مع نیک منزل کے ان مستورات کے واسطے مخصوص ہے جنھوں نے دنیا میں نیکی اور پیار سے زندگی بسر کی بیٹا جمیلہ گو تم سن میں مجھ سے چھوٹی ہو لیکن مرتبہ میں افضل و اعلےٰ ہو میں تم سے دست بستہ معافی کی خواستگار ہوں اور خدا کو گواہ کر کے کہتی ہوں آیندہ کبھی بدمزاجی نہ کروں گی کیونکہ اسی کی بدولت قعر جہنم میں گرنے والی تھی شکر ہے بہت جلد سنبھل گئی۔
جمیلہ۔ "دست بستہ" امی جان آپ کیا فرماتی ہیں میں آپ کی ادنیٰ کنیز ہوں خطا کیسی قصور کہاں کا آپ مالک ہیں اگر صاحاً تنبیہ کی تو کیا ہرج ہو گیا اور اگر آپکی یہی مرضی ہے کہ میں چھوٹے منہ سے بڑی بات نکالوں تو آپ کی اطاعت مجھ پر فرض ہے کہ آپ کے ارشاد کی تعمیل کروں۔
شکیلہ بیگم۔ بیٹا میری یہی خوشی ہے ایکبار تم اپنی زبان سے کہدو میں نے معاف کیا۔
جمیلہ۔ بہتر ہے میں نے معاف کیا اب آپ بھی میرا قصور معاف کیجیے۔
شکیلہ۔ "گلے لگا کر" بیٹا تم فخر خاندان ہو میں نے معاف کیا میرے خدا نے معاف کیا۔

(۱۰)

قیصر اور افسر حسین علیگڈھ سے شاد کام واپس آ گئے ہیں قیصر کو صرف وکالت کا امتحان دینا باقی ہے وہ اپنی بیوی کی وفا شعاری کا تہ دل سے مشکور ہے خصوصاً اس بات سے نہایت مسرور ہے کہ اب اسکی ماں کسی پر غصہ نہیں کرتی وہ اپنی نیک نہاد بہو کو جان و روح سمجھنے لگی ہے اور افسر حسین سے بھی معافی مانگ لی ہے گھر میں خدا نے پہلے سے دس گنی برکت عطا فرمائی انتظام خانہ داری جمیلہ بیگم کے سپرد ہے جسے وہ

سلیقہ مندی و ستودہ خصلت انجام دیتی ہے قیصر اسی طرح ان کو ہر وقت خوش رکھتا ہے
سہ پہر کو چہل قدمی کر کے جب گھر واپس آتا ہے تو بیوی کو کاموں میں منہمک پاتا ہے آٹھ بجے شب کو
کھانا کھاتے فارغ ہو کر وہ بھی اخلاقی کتب کا دیا ہوا درس جمیلہ کو سناتا ہے۔ اتنے میں ہمیشہ کی طرح
علمی مشاغل اور مزیدار باتوں میں دل بہلاتے ہیں صبح سے پھر وہی روزانہ طریقہ ہو جاتا ہے
روز حسب معمول کھانا کھا کر دونوں میاں بیوی شوہر کے دالان میں مصروف تھے کہ جمیلہ نے کہا
**جمیلہ**۔ سچ ہے اللہ کچھ جو بھی ہو کسی موقع پر مرد بیوقوفانہ مراعات کرتے ہیں۔
**قیصر**۔ بالعموم نہ کہو کیونکہ خدا نے پانچ انگشت یکساں نہیں کیں۔ ایک مثال میں ہی ہوں۔
**جمیلہ** نے مسکرا کر کہا ابھی کل کی بات ہے غلطی سے تم نے جو ارشاد فرمایا تھا جمیلہ نے میکے
سواد کر دی جائے اگر تم ہو تو پھر قسمت کیا ہوتا ہے۔ اب بھی وہ سوچتی ہے یہی بات بھی
بات بھی کہ قیصر نے جب بیاہ کے بعد ٹال دیا تھا پھر جمیلہ نے کہا
جمیلہ یہ خیال دیکھ کر نادم ہو گئی اس نے تقریر کا ارادہ کیا تھا۔ مگر پھر سوچنے
لگی کس طرح اس ذکر کو اٹھانا چاہیے تھوڑے سکوت کے بعد بولی۔
**جمیلہ**۔ میں جانتی ہوں بہت شریف عورتوں کو طلاق کے بعد کسی کا نام لینا بھی منظور نہیں
اپنی کریم النفسی سے خطا کاروں کی تقصیر معاف کر دیتی ہیں مگر تمہاری ہی فرزند کی نے مجھ کو
کرنے پہ لکھنے پر مجبور کیا کہ میں نے تمہاری غلطیاں بطیب خاطر معاف کیں۔
**قیصر** خوش ہو کر میں معترف ہوں واقعی تم خدا کا نیک فرشتہ ہو جو میری زندگی کو بہشت
بنانے کے لیے بھیجا گیا ہے تم جنت کی حور ہو جسے خداوند عالم نے مجھے دنیا میں
عطا فرمایا ہے۔

اس مختصر تقریر کے بعد جمیلہ نے حیا بانہ انداز سے سر جھکا لیا اور قیصر کا دست
شوق دوہم آغوشی میں جمیلہ کی جانب دراز ہوا۔

**مرزا فدا علی خنجر لکھنوی**

# غزلیات

(حضرت سائل دہلوی)

بیٹھے بیٹھے اور دلِ ناکام یہ کیا ہو گیا
یاس کے بدلے طرفدارِ تمنا ہو گیا

تھا جنوں کا مادہ مجنوں کو سودا ہو گیا
جو اُسے عاشق بتاتے ہیں انھیں کیا ہو گیا

خاک تیرا خوگرِ بیداد اچھا ہو گیا
درد کے مٹنے کا دل میں درد پیدا ہو گیا

کیا بتاؤں میں ترے آنے سے کیا کیا ہو گیا
ہاتھ بھر دل بڑھ گیا دگنا کلیجا ہو گیا

رشک شوخی چاہیے تھی طالبِ دیدار کی
پوچھ تو لیتا تھا چھوٹے منہ تجھے کیا ہو گیا

تھا سبب رسوائیوں کا میرا ضبطِ بے محل
اس کا رونا ہے کہ رازِ عشق افشا ہو گیا

اس مثل کا اصل مطلب قبر کے اندر کھلا
چار دن کی چاندنی تھی پھر اندھیرا ہو گیا

ناگوارِ طبعِ نازک پہلے لاکھوں امر تھے
جب تمھیں دل دے دیا سب کچھ گوارا ہو گیا

دھجیاں خط کی اڑا کر نامہ بر کو سونپ دیں
[illegible] عرضِ تمنا ہو گیا

نیمجاں کی جانبری کا اب تو خدشہ کچھ نہیں
خوش ہوا دل آپ کا ٹھنڈا کلیجا ہو گیا

دیکھ لیتے تھے ترے کوچہ کے ہنگامے بہت
مجمعِ میدانِ محشر اک تماشا ہو گیا

ہاتھ کیا آیا دمِ نظارہ حیرت چشمِ تر
[illegible] پردہ ہو گیا

کام آئی قیس کے اگلے جنوں کی پختگی
[illegible] ہو گیا

تجھ پہ بنے [illegible]
[illegible] ہو گیا

میں نے سمجھا [illegible] سائل [illegible] شہرت [illegible]
لوگ کہتے ہیں [illegible] ہو گیا

حضرت [illegible] دہلوی

خانہ [illegible] تقاضا ہو
وہ اگر آئیں تو آ جائیں کھٹکا سا ہم کو

روبرو اُس گل صد برگ کے جانا ہوگا — پیرہن میں ہیں بہت پھول لبانے ہمکو
آسمانوں پہ ملائک سے کریں گے پروانہ — آگئے عقل سے اب پر بھی لگانے ہمکو
طائرِ دل کا نشیمن ہیں کسی کی زلفیں — دی ہے چوٹی کی جگہ بخت رسانے ہمکو
چل دیا قیس اُٹھا بادیہ گردی کی بہار — دشت میں چھوڑ گیا خاک اُڑانے ہمکو
نازشِ حسن شرف دیتا ہے شانِ مضمر — نعمتیں خود یہ عطا کی ہیں خدا نے ہمکو
ایک ہم دیکھو گئے جاتے ہیں بے دیکھے — ایک وہ دیکھ کے جانے کہ جانے ہمکو
بادو باراں سے مٹے قافلے کے نقش قدم — خضر کا کام دیا بانگ درا نے ہم کو
چاند سورج سے چکا چوند ہے یہ عالم میں — داغ دل اور بھی باقی ہیں دکھانے ہم کو

نام پہ حضرت ثاقب کے ہیں طالب جو نثار
نقد معنی کے لٹانے ہیں خزانے ہم کو

(حضرت صفی لکھنوی)

ابھی رہتے ہیں انتظارِ وعدۂ دیدار میں — ورنہ کب کے مر گئے ہوتے فراق یار میں
نامہ ہوں عشقِ ہلالِ ابروئے خمدار میں — انگلیاں اُٹھتی ہیں مجھ پر کوچہ و بازار میں
میرے پہلو میں کبھی ہے صحبتِ اغیار میں — کس قیامت کا تلون ہے مزاجِ یار میں
اب کہاں تک خاک چھانیں لے گا لے جوشِ جنوں — ہوگئے تلوے تو چھلنی وادیِ پرخار میں
بیشتر دل نے ہوا کھا کر ہرے ہوتے ہیں زخم — سینہ ریشان محبت جائیں کیا گلزار میں
ناتوانی سے بڑھی نازک دماغی اس قدر — سانس بھی آہستہ چلتی ہے تن بیمار میں
کیا کریں سیر [illegible] گوشہ گیر — کون کھائے ٹھوکریں اس راہ ناہموار میں
موت نے پوچھا نہیں آکر نہ تم نے لی خبر — ایڑیاں رگڑا کیے ہم عشق کے آزار میں
رشک سے دیکھا کیے ہم یار کو ہمراہ غیر — زہر قاتل بھی ملا تھا [illegible] میں
ہم غریبوں کا خدا جانے وہاں کیا حشر ہو — کون پوچھے گا بھلا اتنے بڑے دربار میں

سوتے ہیں کیا بے خبر کنج لحد میں وہ صفی
نیند آتی ہی نہ تھی جن کو مکاں ستار میں

حضرت آرزو لکھنوی

جب کبھی آئینۂ دل میں اپنی صورت دیکھی　　　چھپ سکے ہم نہ دیکھنے والے کی [illegible] دیکھی
سر حد ملک عدم ہے ترے کوچہ کی زمیں　　　نکلے جو وہاں پھر نہ پلٹتے کوئی تربت دیکھی
نشۂ عشق ہے بہ مطلب خواہش سے　　　نہ بہکتے کسی عاشق کی طبیعت دیکھی
سب کو اپنا دل بے تاب ہیں بہت یاد آیا　　　خواب ہوتے جو کسی شخص کی حسرت دیکھی
[illegible] دل نہ چھپا [illegible] سے چھپا　　　[illegible] تھمے اشک ٹپکتے ہوئے حسرت دیکھی
ہو گئے [illegible] جو ہی چار دن کی اُلفت تمام　　　کبھی دل کا کبھی دیکھا کبھی صورت دیکھی
بے دید [illegible] کبھی [illegible]　　　پھرتے اشک بھری آنکھوں نے قسمت دیکھی
رخصت [illegible] محبت نہ [illegible] گا　　　مر رہے یوں کہ [illegible] کی نہ طاقت دیکھی
آرزو بھی [illegible]　　　صبر کی دل سے یہاں [illegible] ہی رخصت دیکھی
[illegible] چھپ [illegible]　　　شمع [illegible] میں بھی روشن سر تربت دیکھی
[illegible] دل [illegible] کو قرار　　　پھر [illegible] سوچتے تھا یا کہ ضرورت دیکھی
[illegible] کے [illegible] سودا [illegible]　　　[illegible] کی نہ طاقت دیکھی
دل [illegible] تنگی　　　[illegible] نے پلٹ کر ہی صورت دیکھی
دونوں [illegible] قطرہ خون　　　[illegible] ہوئے دیدار کی حسرت دیکھی

[illegible] عالم [illegible]

صبح فرقت بھی کبھی شام مصیبت دیکھی

حضرت محشر لکھنوی

جو پاس جاتے [illegible] بھی الزام [illegible]　　　مرا دل لیجئے اے ساقی عطائے جام سے پہلے

تڑپنا ہمنفس کا کر نہیں آنکھوں نے دیکھے ہیں — خدایا مجھکو موت آئے دل ناکام سے پہلے

سحر تک اب جگایا کر نہ ہمسایا تو اے دنیا تو — گئے وہ دن کہ سوتے صبح ہم [illegible] شام سے پہلے

چلے ہو جلوہ گاہ دوست میں میرا [illegible] — [illegible] آج دکام سے پہلے

طلسم دلفریبی ٹوٹتے ہی ہو گئی عشرت — [illegible] آ گا دو دنیا والے تیرے نام سے پہلے

امید کامیابی [illegible] گی کہاں [illegible] — [illegible] دور جام سے پہلے

دل کا [illegible] — [illegible] الزام سے پہلے

اٹھا کر زیست کی [illegible] — [illegible] نہ تھا آرام سے پہلے

خداوندا [illegible] کی ہستی [illegible] — [illegible] غم انجام سے پہلے

جوانی آئے [illegible] قاتل [illegible] — [illegible] سمجھ کے نام سے پہلے

شب فرقت کی اندھیاری [illegible] — [illegible] گھر [illegible] شام سے پہلے

غم [illegible] وصال دوست کی امید ہے [illegible]

کہ [illegible] آرام سے پہلے

جناب سید محمد جعفر حسین عرف [illegible] صاحب بہار لکھنوی

شب غم ہر نفس [illegible] نکلتا ہے مرے دل سے — مصیبت کا ذرا سا وقت بھی کٹنا ہی مشکل ہے

معاذ اللہ [illegible] مشکل سے — [illegible] یاد میں [illegible] ہوں کسی حسرت بھرے دل سے

یہ کیوں [illegible] ناکامی میں [illegible] — [illegible] کر جانے والے کوئے قاتل سے

خلاف وقت تنہا قافلے والوں سے پوشیدہ — خدا جانے کہیں کس بن میں چل نکلا ہوں منزل سے

معاذ اللہ [illegible] ہوئی تقریر [illegible] — یہی نشتر وہ ہیں جن کی کھٹک جاتی نہیں دل سے

اشت تو یہ کھنچا رہنا بھی اُنکا کیا قیامت ہے — [illegible] بیٹھے ہیں [illegible] الگ ہیں ساری محفل سے

نظام عالم ہستی پسند آتا نہیں بالکل — خدا محفوظ رکھے میرے گھبرائے ہوئے دل سے

بھرے آتے ہیں آنسو خود بخود قاتل کی آنکھوں [illegible] — یہ کیسے [illegible] اٹھتے ہیں خون گرم بسمل سے

خداوندا کشش اتنی کسی کی کج ادائی میں
پھریں اسکی نگاہیں کیا کہ دنیا پھر گئی دل سے

زمانے بھر کی بےچینی خدائی بھر کی مایوسی
ہجوم رنج کا کیا پوچھنا آوارہ منزل سے

ہلا دیتے ہیں اب دنیائے حسن و عشق کو نالے
زمانہ منقلب ہونے لگا بے تابیٔ دل سے

مناسب جو نہیں تھا کار سازِ حسن و الفت کی
کوئی مختار ہے دل کا کوئی مجبور ہے دل سے

ہمارا اب اس امید و بیم کی دنیا میں جو کچھ ہو
اُٹھے جاتے ہیں ہم تو اک شکایت لیکے محفل سے

جناب نواب علی صاحب ہاشمی موہانی

محفل میں ترے شور کا جب سے ہے پڑا ضبط
کی ہم نے بھی فریاد و فغاں آہ و بکا ضبط

کچھ تو دلِ شوریدہ کی سوزش میں کمی ہو
دے ایک ہی نالے کی مجھے روزِ رضا ضبط

تھا خون بہا ٹھہرا لبِ جاں بخش کا بوسہ
ظالم نے مجھے قتل کیا اُسکو کیا ضبط

دیکھا جو لعلِ لبِ دلدار میں آ کر
خوں ہو کے بہا آنکھوں سے دل جب نہ ہوا ضبط

ہلا کہ غمِ ہجر پہ اُف تک نہیں کرتا
دل ضبط پہ عاشق ہے مرا دل پہ فدا ضبط

گو حق تھا پہ لب تک اُسے ہم لائے نہ ہرگز
کم ظرف تھا منصور جسے ہو نہ سکا ضبط

خاموشی پہ کیا ناز ہے آنسو تو نہیں بند
اے شمع ابھی سیکھ مرے دل سے ذرا ضبط

پوشیدہ رکھا دل نے تو الفت کا بہت راز
آنکھوں نے مگر فاش کیا جب نہ ہوا ضبط

کیا کہتا ہے ناصح کہ نہ کیوں تو نے کیا ضبط
فرقت میں رہا نالۂ دل کا نہ ذرا ضبط

ہو ہاشمی یثرب کو رواں ہند سے جلدی
اب آ نہیں سکتا دلِ بیتاب سوا ضبط

حضرت عشرت لکھنوی

ہم اسیرانِ ہوا و حرص ہیں دنیا قفس
سمجھے تھے جسکو نشیمن ہے وہی اپنا قفس

جسمِ مردہ میں ہی دم بھر نہ روحِ ناتواں
اُڑکے پہنچی باغ میں بلبل جہاں ٹوٹا قفس

| | |
|---|---|
| ایک دم کرتا ہے دم اپنا فراق یار میں | گھر نظر آتا ہے مجھ عاشق کو سہتا یا قفس |
| صدقے ایسی قید پر کیں سیکڑوں آزادیاں | مہرباں صیاد ہے اچھے سے ہے اچھا قفس |
| حیف ہے دہر میں آہوں کی گنجائش کہاں | آشیاں تو دور ہے چھوٹا سا ہے اپنا قفس |
| کچھ طبیعت ہی اسیری دوست ہے ورنہ اگر | آہ کروں تو جل کے خاکستر بنے سارا قفس |
| چاروں کی زندگی ہے بلبل ناشاد کی | اب اسیری ہو کہ آزادی نشیمن یا قفس |

زندگی بھر قید ی آلام سے عشرت رہا
چار دن ... صر تھی مجھے میرا قفس

حضرت مرزا ثاقب قزلباش لکھنوی

| | |
|---|---|
| دل سے میں کہہ رہا ہوں تجھ پر ہوا فدا میں | دل مجھ سے کہہ رہا ہے او بے خبر جلا میں |
| وہ نزع کی خموشی جام جہاں نما تھی | اک عمر کی کہانی دم بھر میں کہہ گیا میں |
| تڑپا دیا ہے دل کو شاباش ہم صفیرو | یوں ہی پھر اک صدا دو توڑا قفس چلا میں |
| اے کاہش محبت کیا اور چاہتی ہے | تیرا دیا مرض ہے پیتا نہیں دوا میں |
| دل کی جراحتوں کے مرہم کہاں سے لاؤں | پھٹتا رہا وہ دامن جس کو سیا کیا میں |
| ویرانہ قفس میں باتیں کروں تو کس سے | پہلے سے سننے والے ہوتے تو بولتا میں |
| راحت ملی علائق دنیا کے قطع کر کے | گلشن میں سب کھوے کھاتا رہا ہوائیں |
| دیکھتا ہے جذب کتنا اس کا نشانہ محبت | دل نے مڑ کے دیکھا دیتا رہا صدائیں |
| پھر اور کس طرح سے اجڑے مکاں کو بستا | غصہ لحد میں آکر تصویر ہو گیا میں |
| خاموش شمع محفل کیا تجھ سے ہم سخن ہو | تو بے زباں نہ ہوتی تو حال پوچھتا میں |

قبروں پہ میں نے ثاقب پھونکا دل و جگر کو
کچھ اور تھا نہ ممکن شمعیں جلا گیا میں

---

# المذہب

جو صاحب [illegible] بات [illegible] باوجود [illegible]

مجکو اپنی [illegible]

دیجا نکتہ چینی [illegible] نے دیگر

مذاہب کے [illegible] کا بھی معترف

ہوں [illegible] کیا جائے

جیسی [illegible] تعصبی

کے ساتھ [illegible] اہل مذاہب کا

ایک [illegible]

گروہ [illegible]

رسالہ المذہب [illegible] سے

جاری کیا [illegible] بنام

نیچر رسالہ [illegible]

[illegible] کے اہل قلم صحاب

[illegible] اور دیگر

حضرات [illegible]

مقصد [illegible] مذاہب کی روشنی

اور اخلاق [illegible] تہذیب اور

معروف [illegible]

خاکسار [illegible] قادری [illegible] انگلستان

جولائی ۱۹۱۶ء

# تمدن

معاشرتی، تمدنی، ادبی، فلسفی، اخلاقی، تاریخی اور علمی مضامین کا

مخزن


ایڈیٹر ایم اے قادری، علیگ، وبن خلف اکبر جناب قادری

محمد مرزا حسین صاحب (علیگ) عرضی ہادی سیاح جاپان و انگلستان


فہرست مضامین

صفحہ




... نادرصن ائیڈ یا پرنٹنگ پریس لکھنؤ میں چھپا ... پرنٹر

محمد عباس حسین قادری | نواب علی

قیمت سالانہ ۳ے۔ | مقام اشاعت پل جماؤلال لکھنؤ | نمونے کے پرچہ کی قیمت ۴ر

# قواعد

(۱) "تمدّن" ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو لکھنؤ سے شائع ہوتا ہے

(۲) ایسے مضامین جن سے اخلاق پر بُرا اثر پڑے یا ذاتیات سے بحث ہو یا سیاسی پہلو لیے ہوئے ہوں درج تمدّن نہیں ہوتے۔

(۳) مضامین نظم و نثر ہر ماہ کی ۱۰ تاریخ تک آجانے چاہئیں۔

(۴) جو مضمون کسی دوسرے رسالے میں درج ہو چکا ہو اُس کو تمدّن کے لیے ارسال نہ کرنا چاہیے۔

(۵) اگر کسی صاحب کے پاس ڈاکخانہ کی غفلت سے "تمدّن" کا کوئی نمبر نہ پہنچے تو اُسی ماہ کی ۲۰ تاریخ تک طلب کریں ورنہ پھر چار آنے کے ٹکٹ آنے پر روانہ ہوگا۔

(۶) نا تمام مضامین درج تمدّن نہیں ہو سکتے۔

# عجیب خبر

آلۂ سیرِ عالم کو سرہانے کے نیچے رکھکر سونے سے اندر والا جسم سے باہر نکل کر عالم بالا میں پرواز کرتا ہے تم سونے سے پہلے سیرِ عالم سے کہدو اور وہ تمھیں حسب منشا آبشار نیاگرا یا کشمیر کی پُرفضا سرسبز وادی یا سوئٹزرلینڈ کے سرِفلک پہاڑوں کی سیر دکھادیگا اور تمھیں ایسا معلوم ہوگا کہ گویا ہوا میں اُڑتے اُڑتے وہاں کی سیر کر رہے ہو اور جسم تمھارا گھر میں چارپائی پر پڑا ہوا ہے۔ ان مزیدار سیروں سے ایسی خوشی حاصل ہوگی کہ اسکے مقابل میں دنیا بھر کی خوشیوں کو ہیچ و پوچ سمجھو گے۔

نوٹ:- اوپر کی خبر پڑھکر تم کتنے حیرت کیوں بنے جاتے ہو۔ دیکھو تمھارے دل میں رفتہ رفتہ شک نے جگہ لینا شروع کی ابتک سوچ رہے ہو کہ ضرور راقم الحروف کوئی بے وقت کا اپرفول ہوگا۔ لیکن بھائی جان خداشاہد ہے اسمیں مبالغہ نام کو شائبہ نہیں دور کیوں جاؤ آج ہی روح معلمہ دی مسمریزم اوس کمپنی ملتان کے نام ایک خط لکھکر آزما دیکھو۔

# تمدن

## اپنے ساتھ وفاداری

زاں غم کہ بود در دل ما　　　کلہا بشگفت از گِل ما

وفاداری ایک ایسا جوہر ہے جسکی قیمت ہر وقت اور ہر بازار میں ہمیشہ خصوصیت رکھتی ہے جہاں وفاداری ہوتی ہے وہاں دیگر اچھی اچھی خصوصیتیں بھی قیمت میں گھٹ جاتی ہیں۔

حسن اور صباحت انسانی ایک ایسی صفت ہے جو بعض اوقات اپنی شہرت اور اپنی وقعت میں بہت کچھ برتری رکھتا ہے اور اسکے اثرات دل ودماغ کے واسطے ایک بڑی حد تک جاذب اور موثر ثابت ہوتے ہیں۔ حسن میں ایک ایسی طاقت خداداد ہوتی ہے کہ بڑے بڑے مضبوط دل ودماغ والے انسان بھی اسکی کشش سے کمزور پڑ جاتے ہیں اور اسکی زد سے بمشکل ہی بچ سکتے ہیں۔

آں چناں کرد عشق داغ مرا　　　کہ نہ دل ماند نے دماغ مرا

جو دل حس رکھتا ہے جس میں قدرت کی خوبیوں اور دلاویزیوں کا احساس ہے جو دماغ قدرت کے محاسن اور مناظر کا نقاد ہے وہ کسی قدرتی خوبی قدرتی عمدگی اور قدرتی دلاویزی کے مقابلہ میں متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا جو لوگ ایسا جذبہ نہیں رکھتے وہ گویا دل و جگر ہی نہیں رکھتے۔

احساس محاسن نہیں رکھتا ہے جو دل
کوئی اور بلا ہوگی ہے وہ دل نہیں ہوتا

حُسن صرف انسان کے ساتھ ہی مخصوص نہیں کائنات میں اور بھی صدہا ایسی ہستیاں ہیں کہ جو اپنی فطری۔ قدرتی دلاویزیوں اور خوبیوں کے اعتبار سے حُسن موثر حسن جذاب رکھتی ہیں اُن کا حسن انسانی حُسن سے کم نہیں ہوتا انسانی حُسن بیشک ایک حُسن ناطق ہے لیکن دیگر اشیاء کا حسن اور دلاویزی بھی زبان حال رکھتی ہے اگر بہت سی روحیں انسانی حُسن کی دلدادہ ہیں تو بہت سی دیگر حُسن کائنات کی بھی مشتاق۔ دلدادہ۔ اور دانو رہیں انسانی حُسن باوجود اس قدر عظمت احترام متاثرات اور جذبات کے بھی چند ہی روز کا مہمان ہوتا ہے بگڑ کر گیا فیصدی پانچ بھی افراد جذب نہیں رہتا بلکہ بمصداق اس فلسفے کے کہ جب کوئی لطیف شے لطیف ہستی بگڑتی ہے تو زیادہ بگڑتی ہے صدہا حسین مرد اور حسینہ عورتیں دنیا میں ایسی بھی گذری ہیں کہ جنکا حُسن جنکے حُسن کی دلاویزی ایک اعجاز رکھتی تھی لیکن چند ہی روز گذرنے کے بعد ایک ہی عارضہ سے اُنکا حسن اور اُنکے حُسن کی دلاویزی اور گرم بازاری ایسی سرد پڑی اور ایسی کافور ہوئی کہ اُن کے چاہنے والے بھی اُن کے ذکر اور اُن کے نام سے متنفر اور بیزار رہتے تھے۔

واقف نہ شد امروز کہ گشت آفت جانم
جانانہ کہ دیروز مرا راحت جاں بود

ظاہری شکل وصورت ظاہری ناز وادا ظاہری موثرات ظاہری جذبات اور ظاہری دلچسپیاں کچھ دنوں کے بعد قدیم پڑجاتی ہیں اور وہ شوق وہ آرزو جو شروع میں ہوتی ہے آخیر میں رفتہ رفتہ گھٹتی جاتی ہے اُس وقت ان سارے محاسن اور خوبیوں کے مقابلے میں حسینوں میں صرف ایک ہی خوبی دیکھی جاتی ہے صرف ایک ہی حُسن کو فوقیت دی جاتی ہے وہ کیا ہے جسے دنیا میں

"وفا کہتے ہیں"

"یا حُسن وفا"

ایک جانباز طالب کے واسطے اس سے زیادہ کسی مطلوب میں کوئی اچھی شئے اور کوئی بھی خوبی نہیں ہوتی جو (وفا) سے زیادہ قیمتی محترم موثر و جذاب ہو یہ خوبی یہ حسن ایک حسین کی تمام نقوشی اور ظاہری خوبیوں سے بازی لیجاتی ہے جب یہ خوبی نہیں ہوتی طالب کی طلب آرزو رفتہ رفتہ گھٹتی جاتی ہے اور ایک طالب کے واسطے ایک حسین یا ایک مطلوب کی ساری خوبیاں ایک سراب سے زیادہ قیمت اور زیادہ ہستی نہیں رکھتیں۔ جب ایک طالب ایک طرف نمائشی نقش وسراپا اور خط وخال دیکھتا ہے اور اپنے دل ودماغ میں تاثیرات کا ایک ہجوم اور تموج پاتا ہے اور دوسری طرف جب عہد وفا میں کمی اور انحراف دیکھتا ہے تو باوجود تاثیرات حُسن اور جذبات خوبی کے اُس کا دل اور اس کا دماغ فوراً ہی اپنے اندر اور اپنے جوف میں ایک ایسی نفرت اور کدورت پاتا ہے کہ تمام قسم کی دلاویزیاں جو حُسن مطبوع کی بدولت اُسکے دل ودماغ میں منقش اور متموج ہو چلی ہیں محو ہوتی جاتی ہیں اُسکا غصہ اُسکی نفرت اُسکی بیزاری اور اُسکا قلق یہانتک پہنچ جاتا ہے کہ وہ اس حُسن بعد اُس دلاویزی کے مقابلے میں ایک بے صورتی ایک بھدے پن کو اس وجہ سے فوقیت اور امتیاز دیتا ہے کہ ان بدنما

نقوش اور ناخوش آئند خط وخال کے ساتھ جوہر (وفا) وہ آب وتاب رکھتا ہے کہ تمام عیوب اور کمیوں کا ایک خوبی کے ساتھ معاوضہ حسنہ ہو جاتا ہے اور ایسے طالب کے تمام جذبات حسن یا انتخاب حسن بدصورتی کی جانب منتقل ہو کر صرف عہد (وفا) کے خادم اور تابع ہو جاتے ہیں اس سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ

حسن حسن کے ساتھ وفا نہیں جو خوبی وفا سے بعید ہے وہ محض نمایشی کیفیات کی وجہ سے بہت ہی کم پرستش طالبانہ کے قابل سمجھی جاتی ہے جو حسن جو بدصورتی عہد وفا کی پرستار اور نمایندہ ہے وہ اخیر تک طالب کی نگاہ میں ایک عزت اور ایک احترام رکھتی ہے اور باوجود مدتیں گزرنے کے بھی اور باوجود ظاہری خط وخال اور نقوش کی تبدیلی اور بھدے پڑ جانے اور سالخوردہ ہونے کے بھی اسکے تاثرات حسنہ اور جذبات موثرہ میں فرق نہیں آتا خط وخال (وفا) ہمیشہ قائم اور زندہ رہتے ہیں ان میں بجاے فرق اور کمی آنے کے ایک حسن اور ایک جوبن ترقی پذیر ہوتا رہتا ہے۔

جب عہد وفا کا یہ احترام اور یہ اکرام ہے تو اس سے ہم سمجھ سکتے ہیں کہ انسانی کائنات اور انسانی تمدن کے حق میں اسکی ضرورت کہاں تک ہوگی ہمیشہ لوگ اس بات کے خواہاں اور جویاں رہتے ہیں کہ

"دوسرے لوگ دوسری ہستیاں ان سے وفا کریں"

"یہ عہد ان کے ساتھ پورا ہوتا رہے"

"وہ اوروں کے ساتھ وفاداری سے پیش آئیں"

"اور لوگ انھیں وفادار جانیں"

"دنیا میں اور کائنات انسانی میں انکی وفا اور وفا شعاری کا سکہ جمے"

یہ خواہشیں یہ آرزوئیں نہایت مبارک اور نہایت ثمرآور ہیں ان کے حسن اور

احترام ت کے انکار ہو سکتا ہے دنیا کے کوان کی ضرورت ہے انسانی نوع کے
احترام و اکرام کا یہ بیش قیمہ ہیں سیرت کا یہ زیور اور کیرکٹر کا یہ حسن ان کے بغیر
کوئی قوم اور کوئی ہستی فخر پا ہی نہیں سکتی جس قوم اور جس قوم کے افراد میں
یہ باتیں نہیں وہ قوم اور اُس قوم کے افراد ہمیشہ اُس دولت اور اس حسن تمدن
سے معزا رہتے ہیں جو ترقی یافتہ قوموں کا زیور ہے کیا کبھی یہ بھی سوچا کہ
وفاداری ۔ اور وفا شعاری کی ضرورت صرف غیروں ہی کے مقابلے میں ہے
نہیں بلکہ اُسکی بڑی اور مقدم ضرورت خود اپنی ذات کے واسطے بھی ہے جو شخص
خود اپنے ساتھ وفادار نہیں ہے جو شخص اپنے ساتھ وفاداری نہیں کرتا جو
شخص اس بات سے ناواقف ہے کہ ہمیں خود اپنے ساتھ وفاداری کی کتنی
ضرورت ہے وہ دوسروں کے ساتھ بھی ایک نمائشی رنگ میں وفادار ہوگا
اُس کی ایسی وفاداری گو وفاداری تو ہوگی مگر اُس پر فقرہ ۔

(زاول خویش بعد درویش)

چھپاں نہیں ہو سکے گا ۔ اپنی وفاداری ہی سے دوسروں کی وفاداری کا دور
شروع ہوتا ہے جو شخص اپنے ساتھ وفادار ہوتا ہے وہ دوسروں کے ساتھ بھی
لازمی طور پر وفادار ہوتا ہے جو شخص اپنی عزت کا خواہاں ہے وہ صداقت کے
ساتھ دوسروں کی عزت بھی کرتا ہے یا عزت کرنا چاہتا ہے ۔ شاید بعض لوگ
پوچھیں کہ اپنے ساتھ وفاداری اور وفا شعاری کا کیا مطلب ۔

جسم انسان ۔ جان انسان ۔ قوائے انسان ۔ جذبات انسان اور محرکات
انسان اُس طاقت سے جداگانہ ہیں جس کا نام بہ الفاظ دیگر ضمیر کانشنس
اور روح ہے یہ کالبد انسانی اور کیفیات رکھتا ہے ایک جسمانی دوسرے
وجدانی و جبانیات میں بھی دو صورتیں پائی جاتی ہیں ۔

(الف) وجدانیات قائمہ۔

(ب) وجدانیات تابعہ۔

وجدانیات قائمہ وہ ہیں جن پر دوسرے وجدانیات کا مدار ہے یا اپنے دیگر وجدانیات کی ہستی کا اُن کے ساتھ ایک تعلق ہے جیسے چاند اور سورج کا یا علت اور معلول کا یہ جسم اور جسم کی قوتیں جسم کے جذبات سامان زندگی ہیں یہ زندگی جس طاقت پر موقوف ہے وقت اس کی موجب ہے جسے روح وغیرہ کہنا مناسب ہے۔ اصل عامل اور اصل محرک ہے جب اوس میں فرق آجاتا ہے تو انسان کی سب دیگر قوتیں اور دیگر جذبات بھی بارت ہو جاتے ہیں اسکے ساتھ وابستہ اور موقوف ہوا یہ ہے کہ

ہم اپنی قوتوں اپنے جذبات اپنے موثرات اپنی منترقیات اپنے محرکات کے استعمال میں حکمت فراست اور تدبر سے کام لیں اور جادۂ اعتدال سے باہر نہ ہوں مثلاً

(۱) ایک شخص بیمار ہو کر علاج نہیں کرتا۔

(۲) خود کو ایک تہلکہ میں ڈالتا ہے۔

(۳) خود کو ایک بار میں دیکھ کر چارہ نہیں کرتا

(۴) مخالف آب و ہوا میں بار بار شرارت کرتا اور کوئی سبیل صحت اور آب و ہوا کے تبادلہ کی تحقیق کرتا۔

(۵) بہتی نیک قوتوں اور نیک جذبات جو بری کاموں کی مشقت میں لگاتا ہے یا فطری قواعد کے مطابق اپنی صحت کی فکر نہیں کرتا۔

(۶) اقتصادی۔ تمدنی اور سوشل امور میں تدبیر اور حسن عمل سے کام نہیں لیتا وغیرہ

تو کہا جائے گا کہ ایسا شخص خود اپنے ساتھ وفادار اور وفا شعار نہیں ہے۔

خودکشی کیوں مذہباً۔ اخلاقاً و قانوناً منع اور مقبوح ہے اس واسطے کہ خودکشی کرنیوالا نہ تو اپنے ساتھ وفادار ہوتا ہے نہ اپنی سوسائیٹی کے ساتھ اور نہ اپنے خاندان اور کنبہ سے۔ جان اُسکی ساختہ نہیں ہے بلکہ اسکا بانی اور کارساز کوئی اور طاقت ہے وہ طاقت قدرت اور کارسازی خدا ہے جان بطور ایک امانت کے سپرد کی گئی ہے اور اُسکے ذمہ بہت سے کام اور فرائض لگائے گئے ہیں۔ ایک وفادار اور امانتدار کا یہ کام نہیں کہ وہ امانت میں خیانت کرے اور اس مطلب کو توڑ کر اسکو کھو دے اور اپنے مطالب میں لگائے جو اسکے مطلب نہیں اور جن کیلئے وہ مخلوق نہیں جو شخص ایسا کرتا ہے وہ امانت میں خیانت کرتا اور عہد وفا توڑتا ہے جو شخص اپنے دانت بلا ضرورت اور وقت سے پہلے نکلوا دیتا ہے وہ اپنے جسم اپنی جان اپنی خوبصورتی اپنی زندگی اپنے منہ اور اپنی ترکیب کے ساتھ بیوفائی کرتا ہے جو شخص اپنی آنکھ پھوڑ دیتا ہے وہ صرف آنکھ کے ساتھ ہی بیوفائی نہیں کرتا ہے بلکہ کل جسم کے ساتھ نہ صرف جسم کے ساتھ ہی بلکہ جان اور روح کے ساتھ نہ صرف جان اور روح کے ساتھ ہی بلکہ اپنی سوسائیٹی اور اپنی قوم کے ساتھ بھی نہ صرف اپنی سوسائیٹی اور اپنی قوم کے ساتھ ہی بلکہ قدرت اور منشاء قدرت کے ساتھ بھی۔ جو لوگ بعض اوہام کے ماتحت خود کو اور اپنی جان کو اپنی تندرستی اور اپنی فارغ البالی کو معرض ہلاکت اور معرض ذلت میں ڈالتے ہیں وہ اپنے ساتھ بیوفائی کرتے ہیں۔

جو شخص خدا کی دی ہوئی دولت و ثروت کے صرف میں اسراف سے وہ نہ صرف اپنی دولت کے ساتھ ہی بیوفا ہے بلکہ خود اپنے ساتھ بھی جو دنی الطبع بادشاہ کے خلافت کی تحدید نہیں کرتا اور اُسے گڑھے پر ڈالدیتا ہے وہ نہ صرف بادشاہ ہی کی رسوائی کا باعث ہوتا ہے نہ صرف بادشاہی کے انتخاب کی

(الف) وجدانیات قائمہ۔

(ب) وجدانیات تابعہ۔

وجدانیات قائمہ وہ ہیں جن پر دوسرے وجدانیات کا مدار ہے یا اپنے دیگر وجدانیات کی ہستی کا اُن کے ساتھ ایک مساوات ہے جیسے چاند اور سورج کا یا علت اور معلول کا یا جسم اور جسم کی قوتیں یا جسم کے جذبات سامان زندگی میں یہ زندگی جس طاقت پہ موقوف ہے وقت اس کا موجب ہے جیسے روح وغیرہ کہنا مناسب ہے۔ اصل عامل اور اصل محرک ہے جب اوس میں فرق آجاتا ہے تو انسان کی سب دیگر قوتیں اور دیگر جذبات بھی بارفتہ ہو جاتے ہیں اسیے سا تھو خودداری اور وفاشعاری یہ سب ہے کہ

ہم اپنی قوتوں اپنے جذبات اپنے موثرات اپنے متاثرات اپنے محرکات کے استعمال میں حکمت فراست اور تدبیر سے کام لیں اور جادۂ اعتدال سے باہر نہ ہوں مثلاً

(۱) ایک شخص بیمار ہو کر علاج نہیں کرتا۔

(۲) خود کو ایک تہلکہ میں ڈالتا ہے۔

(۳) خود کو ایک بلا میں دیکھ کر چارہ نہیں کرتا۔

(۴) مخالفت آب و ہوا میں یا دیگر ضرورت سے رہتا اور کوئی سبیل صحت اور آب و ہوا کے تبادلہ کی تحقیق کرتا۔

(۵) اپنی نیک قوتوں اور نیک جذبات کو بری کاموں یا مضر صحت شغل میں لگاتا ہے یا طبی قواعد کے مطابق حفظ صحت کی فکر نہیں کرتا۔

(۶) اقتصادی۔ تمدنی اور سوشل حالات میں تدبیر اور حسن عمل سے کام نہیں لیتا وغیرہ وغیرہ

تو کہا جائیگا کہ ایسا شخص خود اپنے ساتھ وفادار اور وفا شعار نہیں ہے۔

خودکشی کیوں مذہباً۔ اخلاقاً و قانوناً نا جائز اور مقبوح ہے اسواسطے کہ خودکشی کرنیوالا نہ تو اپنے ساتھ وفادار ہوتا ہے نہ اپنی سوسائیٹی کے ساتھ اور نہ اپنے خاندان اور کنبہ سے۔ جان اسکی ساختہ نہیں ہے بلکہ انسانی اور کارساز کوئی اور طاقت ہے وہ اسے قدرت اور کارساز کی جانب سے بطور ایک امانت کے سپرد کی گئی ہے اور اسکے ذمہ بہت سے کام اور فرائض عائد ہوگئے ہیں ایک وفادار اور امانت دار کا یہ کام نہیں کہ وہ امانت میں خیانت کرے۔ وہ ایسے مطلب کیلئے اسکو صرف کرے اور ایسے مطالب میں لگائے جو صحیح مطلب نہیں اور جنکے واسطے وہ مخصوص نہیں جو شخص ایسا کرتا ہے وہ امانت میں خیانت کرتا اور عہد وفا توڑتا ہے جو شخص اپنے دانت بے ضرورت اور وقت سے پہلے نکلوا دیتا ہے وہ اپنے جسم اپنی جان۔ اپنی خوبصورتی اپنی زندگی اپنے منہ اور اپنی ترکیب کے ساتھ بیوفائی کرتا ہے جو شخص اپنی آنکھ پھوڑ دیتا ہے وہ صرف آنکھ کے ساتھ ہی بیوفائی نہیں کرتا ہے بلکہ کل جسم کے ساتھ نہ صرف جسم کے ساتھ ہی بلکہ جان اور روح کے ساتھ نہ صرف جان اور روح کے ساتھ ہی بلکہ اپنی سوسائیٹی اور اپنی قوم کے ساتھ بھی نہ صرف اپنی سوسائیٹی اور اپنی قوم کے ساتھ ہی بلکہ قدرت اور منشاء قدرت کے ساتھ بھی۔ جو لوگ بعض اوہام کے ماتحت خود کو اور اپنی جان کو اپنی تندرستی اور اپنی فارغ البالی کو معرض ہلاکت اور معرض ذلت میں ڈالتے ہیں وہ اپنے ساتھ بیوفائی کرتے ہیں۔

جو شخص خدا کی دی ہوئی دولت و ثروت کے صرف میں مسرف ہے وہ نہ صرف اپنی دولت کے ساتھ ہی بیوفا ہے بلکہ خود اپنے ساتھ بھی جو دنی الطبع بادشاہ کے خلعت کی قدر نہیں کرتا اور اسے گدھے پر ڈالدیتا ہے وہ نہ صرف بادشاہ ہی کی رسوائی کا باعث ہوتا ہے نہ صرف بادشاہی کے انتخاب کی

تمام کرتا ہے بلکہ اپنے ساتھ بھی بیوفائی کرکے خود کو دوسروں کی نگاہوں میں ذلیل ثابت کرتا ہے

گر حفظ مراتب نہ کنی زندیقی

دنیا کے مختلف مناظر جو قدرت کی جانب سے ہمارے سامنے رکھے گئے ہیں اور یہ بساط قدرت جو اسقدر بوقلموں تھوں کے ساتھ ہمارے سامنے اس خوبی اور اس وسعت کے ساتھ بچھائی گئی ہے یہ بے مصرف نہیں اس کا منشا بھی کچھ ہے اس کا منشا یہ ہے کہ

ہم اسکے ساتھ اپنی حدود استعداد تک وفادار ثابت ہوں اسکے ساتھ وفاداری یہ ہے کہ ہم ان کے انکشاف نکات اور ادراک حقائق میں اپنی استعداد کے مطابق ساعی رہیں اگر ہم ایسا نہیں کرتے تو ہم سب سے اول خود اپنے ساتھ بے وفائی کرتے ہیں کیونکہ جو حق ہمیں دنیا اور جو احترام اور نفع ہمارے حصے میں رکھا گیا ہے اسکا نہ حاصل کرنا اور اس کا ہاتھ سے کھو دینا خود اپنے ساتھ ایک بے وفائی کرنا ہے کیونکہ ہماری قوتیں اور ہمارے جذبات جب اُن کے خواہاں اور جویاں ہیں تو ان کو اسکے حق سے محروم کر دینا انکے حقوق میں فرق لانا اور اُن کے عہد وفا کو توڑنا ہے۔

اگر ہم یہ سمجھ لیں کہ ہم پر

ہماری قوتوں اور ہمارے جذبات کے کیا کیا کچھ حقوق ہیں اور قدرت نے اُن کے متعلق ہم سے کیا کچھ اور کس رنگ میں عہد وفا لیا ہے تو ہم یہ جان سکیں گے کہ ہمیں خود اپنے ساتھ بھی وفاداری اور خیرسگالی کی کہاں تک ضرورت ہے یہ قانون اخلاق اور قانون سیاسی اور قانون مذاہب اور ہے کیا۔ وہی عہد وفا تو ہے جو اندرونی اور بیرونی رنگ میں ہم سے لیا جاتا ہے یہ تمام قوانین سب سے پہلے یہی سمجھاتے اور یہی سکھاتے ہیں کہ

"اپنے ساتھ یوں برتاؤ کرو"

"اور اغیار و خویشان کے ساتھ یوں"

بس ان ہی دو فقروں میں کائنات انسانی کے حسن کا خاتمہ ہے اور ان ہی دو فقروں پر تمام انسانی علوم و فنون کی بنیاد رکھی گئی ہے - اور ان ہی دو فقروں پر انسانی تمدن انسانی اقتصادیات انسانی محاسن اور انسانی مکارم وغیرہ کا انحصار ہے -

## تفسیر این دو فقرہ

جو شخص اپنے ساتھ اپنی قوتوں اپنے جذبات اور اپنے ضمیر کے ساتھ وفادار نہیں وہ دوسروں کے ساتھ کیسے وفادار ہو سکتا ہے

تو کار خود ی را نکو ساختی
کہ با دیگراں ہم نپرداختی

جو شخص خود داری اور خود داری کے مراحل و مقامات اور منازل سے بے بہرہ اور ناواقف ہے وہ انبیاء کے مراتب سے کس طرح واقف ہو سکتا ہے اور کس طرح جائز حدود میں ان کا احترام کر سکتا ہے جو شخص خود جھوٹ بولتا ہے خود شرمناک افترا اور مبالغہ کا عادی ہے وہ اگرچہ دوسروں کے جھوٹ اور دوسروں کے افترا اور مبالغہ سے خوش نہیں ہو سکتا لیکن جھوٹ اور مبالغہ کی برائیوں سے اس رنگ میں نفرت گزین نہیں ہو سکتا جس رنگ میں ایک صادق القول اور صادق الفعل ہو سکتا ہے -

اگر تم چاہتے ہو کہ لوگ تمہیں وفادار سمجھیں اور تمہاری وفا شعاری کا انہیں یقین ہو اور تمہارے احترام کے واسطے تمہاری وفاداری ایک سند ہو اور تم انسانی و تمدنی و اخلاقی نقطۂ خیال سے دوسروں کے ساتھ وفاداری کر سکو یا اوروں کے مقابلہ میں وفادار ثابت ہو تو تمہیں چاہیے کہ اپنے ساتھ وفادار رہو کہ اوروں کے ساتھ وفادار ہو سب سے اول تو تمہیں خود اپنے ساتھ وفادار ہونا چاہیے جو

شخص اپنی عزت کرتا ہے دوسرے بھی اُس کی عزت کرتے ہیں جو شخص خود اپنے احترام اور درجہ سے ناواقف ہے دوسرے بھی اُسکی عزت اور احترام نہیں کرتے اپنی عزت آپ اور اپنی مدد آپ کا یہی خلاصہ اور یہی نچوڑ ہے۔

بہ کیشِ ما نمی گردد مسلماں    نہ بندد ہر کہ زنار محبت

**سلطان احمد**

## غزل ظرافت

ہونے والی تو تھی مگر نہ ہوی    دل لگی ہو گئی سحر نہ ہوی

وہ خوشی جسکو لوگ کہتے ہیں عید    ایک دن ہو کے سال بھر نہ ہوی

شب فرقت کچھ اسطرح روئے    رات بھیگی پر آنکھ تر نہ ہوی

آہ نے توڑ دی کمر لیکن    فلک پیر کو خبر نہ ہوی

ڈر تھا عادت خراب ہو جاتی    آہ ہم سے بہت ... تر نہ ہوی

میرے اُنکے ہوی لڑائی یوں    آئی ڈی۔ ڈی۔ ٹی کو بھی خبر نہ ہوی

جب کہا میں نے اُنسے الفت ہے    ہنس کے کہنے لگے اگر نہ ہوی

گو پریشاں بہت ہوی لیکن    زلف اُس کی تتر بتر نہ ہوی

باندھکر تیغ گھومتے وہ ضرور    بہت اچھا ہوا اگر نہ ہوی

کہتی ہے یہ ادا سے یار کہ میں    حسن کے بتر ہیں مگر نہ ہوی

بید مجنوں کی ایک شاخ ہوی    وہ لچکتی ہوی کمر نہ ہوی

وہ بھی گونگے بنے رہے ہم بھی    گفتگو قصہ مختصر نہ ہوی

ایسی الفت کا اعتبار ہے کیا    جو نیر سے جو سینہ بر نہ ہوی

پھر کہیں سے کوئی ظریف غزل    طرح گریوں سے سر بسر نہ ہوی

**مقبول حسین ظریف لکھنوی**

# شاعری

ذیل میں ہم حضرت عزیز لکھنوی کی ایک نظم مذکورۂ بالا عنوان پر درج نقل کرتے ہیں جو ہمیں بہت سے سخت تقاضوں کے بعد ملی ہے۔ حضرت عزیز کی چند غزلیں اس سے قبل شائع ہو چکی ہیں۔ ذیل کی نظم جناب عزیز نے معیار پارٹی کے ایک گذشتہ مشاعرے میں پڑھی تھی۔

آیندہ ماہ کے "تمدن" کے لیے حضرت عزیز نے ایک لغت دینے کا ارادہ کیا ہے جس کو انھوں نے بہت محنت سے مرتب کیا ہے اس لغت میں وہ الفاظ داخل کیے گئے ہیں جو انگریزی سے اردو زبان میں اضافے کیے جا سکتے ہیں۔

ایڈیٹر

شاعری کیا ہے فقط اک جذبۂ طوفاں خروش — قوتِ تخئیل میں اک ولولۂ انگیختہ جوش
شاعری کیا ہے فقط تصویرِ جذباتِ نہاں — قوتِ تخئیل کے ہمراہ تاثیرِ زباں
ساغرِ جذباتِ باطن میں جب آ جائے ابال — دل کے سرچشمہ میں جب پیدا ہو جوشِ انفعال
دل پہ ہو جس وقت قدرت کے مناظر کا اثر — منہ سے کچھ باتیں نکل جائیں اثر میں ڈوب کر
صورتیں اس نے مجسم کیں امید و یاس کی — اسکی خاکستر میں ہیں چنگاریاں احساس کی
جب زبانِ شعلہ پانی میں وہی چنگاریاں — گلشنِ تخئیل میں دکھلاتی ہیں گلکاریاں
وارداتِ قلب کی تعبیر طولانی ہیں یہ — اک مجسم ہستیِ اغراضِ نفسانی ہیں یہ
روحِ تازہ اس نے پھونکی پیکرِ جذبات میں — مہرِ تاباں کر دیے خاکسترِ جذبات میں
اسکی رگ رگ میں لہو کرتا ہے دورہ اس طرح — دوڑتا ہے موسمِ گرما کا بادہ جس طرح
نغمۂ خوابیدہ کو اس نے جگایا خواب سے — سازِ ہستی اس نے چھیڑا ناخنِ مضراب سے

اسکے نالوں سے ہوئیں آباد لاکھوں بستیاں — جاگ اٹھیں آنکھوں کو ملکر سونیوالی بستیاں
یہ لسان الغیب بنکر دل میں بھر دیتی ہے جوش — ہے کہیں روح القدس یہ اور کہیں غیبی سروش
اک نگاہ شوق سے دل درد کا برما دیا — جلوۂ رنگیں دکھا کر روح کو گرما دیا
اک خلاصہ تھا وہ اسکے درد کی تفصیل کا — جب کہا تھا مرثیہ قابیل نے ہابیل کا
اک سخن اسکا ہے جو کچھ دہر کی محفل میں ہے — متن قدرت کی مفصل شرح اسکے دل میں ہے
ہیں جو ارباب صفا انکو تو کافی ہے یہی — روح موجودات کی تفسیر معانی ہے یہی
یہ دکھا دیتی ہے ہر آغاز میں نقش مآل — خرمن غفلت پہ گرتی ہے یہ بن کر اشتعال
دل ہے یہ اور عالم ارواح اسکا سینہ ہے — شاعری تصویر روحانی کا اک آئینہ ہے
بزم کی یہ روح ہے اور بزم کی یہ جان ہے — عشق کا قرآن ہے اور حسن کا ایمان ہے
سرزمین عشق پر سکہ ہے اسکے نور کا — سنگ بنیادی رکھا ہے اسنے کوہ طور کا
مدتوں بزم سلاطیں میں رہی یہ سرفراز — یہ وہ سلطاں ہے دل محمود تھا جسکا ایاز
دیتی ہے الفاظ کا خلعت یہ جب احساس کو — دل میں بھر دیتی ہے ظالم سودۂ الماس کو
اسکے گلدستوں سے زینت ہے بساط بزم میں — دل کو زرہوں پر بٹھا دیتی ہے دشت رزم میں
جڑتی پھرتی ہے ستارے منظر آفاق میں — بجلیاں دوڑا رہی ہے پیکر آفاق میں
غیر محسوسات کا ادراک کرتی ہے یہی — تخلیہ میں سیر ہفت افلاک کرتی ہے یہی
طبع قدرت کا لطیفہ قلب فطرت کی امید — ظلمت اسکی شام گیسو صبح اسکی صبح عید
دل مرا واقف ہے اس سے یا خدا آگاہ ہے — عالم وجدان و ذوق اسکا تماشاگاہ ہے

---

دیکھنا منظر تبسم صبح نورانی سحر — یہ پرندان فضا اور اُن کے یہ رنگین پر
جگمگاتی یہ ستاروں کی بھبھوکا انجمن — یہ مہکتی بزم پھولوں کی چمن اندر چمن
یہ شفق کی سرخ بیرق یہ روپہلا طیلسان — یہ حصار لاجوردی یہ چمکتی گھڑیاں

پردہ ہائے آسمانی یہ نگار نیلگوں فام　　یہ کرہ سونے کا جس سے ہے ثوابت کا نظام
وہ شفق کے رنگ میں پنہاں غروبِ آفتاب　　اک حسیں ڈالے ہوئے چہرے پہ نارنجی نقاب
نغمہ سنجانِ حقیقت طائرانِ خوش نوا　　کوئلوں کا کوکنا اور یہ پپیہے کی صدا
یہ خزاں کا رنگ اور یہ آمدِ فصلِ بہار　　شورِ طاؤس اور اُسکے مختلف نقش و نگار
آسمانِ حُسن کے ٹوٹے ہوئے تارے تمام　　وہ رخِ قدرت کی افشاں جگنوؤں کا اژدہام
مرغِ زریں بال ہو یا ہو تدرو خوش خرام　　حُسنِ دل آویز ہو یا ہوں چمن کے لالہ فام

نقش معنی خیز ہیں ایوانِ فطرت کے یہی
مختلف اشعار ہیں دیوانِ قدرت کے یہی

عزیز لکھنوی

# ملک الموت
اور
# محتضر

محتضر۔ اے میری جاتی ہوئی دنیا۔ اے میری ڈوبتی ہوئی نبضوں۔ اے میرے اکھڑے ہوئے دم۔ اے میری فنا ہونے والی ہستی اے میرے موت کے فرشتے کیا مجکو اتنی بھی اجازت نہیں مل سکتی کہ ایک کھلی ہوئی سانس لے لوں۔ اُن اُف اور ہے اور سے ساتھ چھوڑنیوالی سانسوں اسقدر سختی۔ شرم شرم عبرت عبرت اے بیوفا دنیا اے بیمروت زمانہ شرم۔ اسوقت کوئی بھی شریک نہیں اے میرے بیش بہا جواہرات اے میرے بھرے خزانوں مجھکو تم پر بڑا ناز تھا بہت کچھ غرور تھا بہت سے یتیم بچے سیکڑوں لاوارث بیوائیں ہزاروں فاقہ کش شریف ایکدن وہ تھا

کہ تمہاری ہی وجہ سے میرے در پر جبہ سائی کیا کرتے تھے اور میری ایک اونہہ اُنکی ساری کوششوں کا جواب ہوجاتی تھی ہر ایک ممتاز سے ممتاز اور وقیع سے وقیع طاقت میری نظروں میں ذلیل تھی کیا اسوقت تم میری کچھ مدد کرسکتے ہو اگر کرسکتے ہو تو اس موت کی ڈراونی اور بھیانک شکل کو میرے سامنے سے ہٹا دو نہیں نہیں کچھ نہیں میں نے دھوکا کھایا تمہارا اثر تو ہستی اور اُسکے اقتدار تک محدود ہے۔ اچھا اے میرے چاہنے والے باپ اے مجھپر نچھاور ہونے والی ماں اب دل کی رگیں ٹوٹتی ہیں اگر ممکن ہو تو اپنے کڑیل جوان کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو بحر فنا کے طلاطم سے نکال لو۔ ارے سنبھالو سنبھالو جلدی سنبھالو کیا تم بھی تصویر سے زیادہ بے حس ہوگئیں۔ کیا تمہارے محبت بھرے دل میں اتنے بھی جذبات باقی نہیں کہ تمہارے اس غیر معمولی سکون کو جنبش میں لے آئیں اے لو تم نے تو میرے دم توڑنے پر اور منہ پھیر لیا ڈھارس تھی کہ آس تھی وہ بھی گئی اچھا اچھا اٹھو ہٹو میرے بالین سے ہٹو۔ اے میرے پیارے احباب اے مجھپر تصدق ہونے والے دوستوں میرے دل کی بند ہونے والی حرکت کو آؤ آؤ روک دو روک دو ورنہ جسکی محبت کا تم دم بھرتے تھے وہ اب رخصت ہوتا ہے تم تو ہمیشہ میرے پسینہ پر خون بہانے کو موجود تھے یا آج دم نکل رہا ہے اور تم سانس بھی نہیں لیتے خیر۔ اے میری فنا ہونے والی قوتوں کا تماشا دیکھنے والی دنیا تونے تو ہمیشہ آنکھوں پر بٹھایا آج تیری آغوش میں تیرے نازوں کا پالا بڑی بیچینیوں سے دم توڑ رہا ہے اور تجھکو کچھ پروا نہیں ہے خیر جا تو بھی بیوفا ہے۔ اچھا اے کسی کے حسن عالم فریب تجھ میں تو جذب کہربائی ہے کشش ہے اور بلا کی کشش ہے میں نے تو ہمیشہ تیری محبتوں کا دم بھرا دین و دنیا کو تیری ایک نظر غلط انداز پہ نثار کردیا تیری بھولی بھولی باتوں نے ہمیشہ فرائض کے گہرے نقشوں کو محو

دل سے محو کر دیا تیرے گھٹنے گھٹنے سے یاد رب لانے والوں سے اسوقت تک
دل کی رگیں اور نظر کے رشتے الجھ رہے ہیں تو بھی ظالم اسوقت کچھ ساتھ دے
تیری نبض چشم کو دعوائے مسیحائی بھی ہے اس وقت میری رگ رگ کے آنے والی
سانس کو کم سے کم دم بھر کے لیے منتظم ہی کردے۔ مگر کچھ نہیں اسے بے اعتبار
دنیا تونے بڑا دھوکا دیا افسوس افسوس اسوقت کا کوئی شریک نہ نکلا پھر اسکو
بیکاروں کون سنبھلنے والے دل کو کون سنبھالے سچ ہے کہ برے وقت کوئی بھی
شریک نہیں۔

**ملک الموت۔** ہاں ہاں اعمال اعمال نیک اور بد اعمال۔

**بختنصر۔** لیکن افسوس وہ کہاں ان سے تو کبھی میں نے دلچسپی ہی نہیں لی۔

**ملک الموت۔** پھر اب خمیازہ اعمال بد بھگتنا یہاں کا حاصل ہے کیا تجھکو قدرت
کی کارسازیوں نے ہدایت کے جادے نہیں دکھلائے کیا تجھکو رہبران اسلام
کے پہچاننے کے لیے عقل سلیم و چشم بصیرت نہیں عنایت ہوئی کیا حکیم مطلق نے
ذرہ ذرہ کی ہستی کو تیرے لیے معیار معرفت نہیں قرار دیا۔ کیا مخلوقات کی تسبیح
قمری اور خالق کائنات کی ہیبت و جبروت نے کچھ اثر نہیں کیا۔ کیا تغیرات
عالم نے تجکو فنا آموزیوں کا سبق نہیں دیا۔ کیا خود تیرے وجدان نے کسی طاقت کی
طرف تجکو جذب نہیں کیا۔ کیا تونے مشرق سے طلوع کرنے والے آتشی کرہ کو ایک
لرزش و اضطراب کے ساتھ رکوع و سجود میں نہیں دیکھا۔ کیا تونے شب زندہ دار
ماہتاب کا چہرہ اندیشہ بازپرس سے سنسان راتوں میں فق فق نہیں دیکھا۔ کیا تجھے
فلک کے چلتے ہوئے تارے ٹوٹ ٹوٹ کے اظہار عبدیت کرتے ہوئے نہیں
سجھائی دیئے کیا امنڈ امنڈ کے آنے والے ڈراونے بادلوں نے عظمت الٰہی کے
ترانے تیرے دل نشین نہیں کرائے کیا تڑپ تڑپ کے گرنے والی بجلیوں نے

نگ قدرت کی ہیبت ناک تصویریں تیرے سامنے نہیں کھینچیں کیا، عدت ملک
قرب کی پُر زور آہٹیں تیرے کانوں کے پردوں تک نہیں پہنچیں۔

محتضر۔ نہیں نہیں اے میری موت کے زبردست فرشتے یہ سب کچھ ہوا بلکہ اس
سے زائد ہوا لیکن افسوس میری آنکھوں پر پڑے ہوئے غفلت کے پردوں نے
مجھ کو اندھا بنادیا تھا اسے تکبر و غرور کچھ اس طرح سے اُڑتی کہ پھر ہوش میں نہ رہا۔
شرک و کفر کی گھنگھور گھٹائیں فرط سے دل و دماغ پر اس طرح گھر کے جم گئیں کہ
تمام قوائے حس و حرکت اور اُنکے افعال باطل ہوگئے۔ پیران اسلام کی
صدائیں کانوں کے پردوں سے ٹکرائیں اور بار ہا ٹکرائیں مگر کفر کے ناقابل قبول
مادہ نے ہمیشہ جذب ہونے سے روکا وجدان نے اکثر تخلیہ میں عقل سلیم کو جنبش
دی لیکن افسوس مادیین کا قلادہ تقلید کچھ اس مضبوطی سے گردن میں پڑا تھا کہ
جس کا نکالنا ناممکن تھا۔ لعین کا نقش خیالی کچھ اس طرح جم کے دل پر بیٹھا تھا کہ
کبھی حج کی ایک وحشیانہ روپ سے زیادہ وقعت ہونے دی پابندی
مذہب کو دماغ کے بیہودہ خیالات سے زائد نہ سمجھنے دیا کشف کرامات و فوق عادات
کو اصول و قوانین فطرت کے خلاف سمجھا کے وہم پرستی کے دائرہ سے نہ بڑھنے دیا
خالق کائنات کے وجود کو خیال خام سے زائد نہ سمجھا یا بلکہ عالم موجودہ کو ہمیشہ ازلی
و ابدی سمجھا۔ نمائش گاہ عالم کو فیضان مادّہ تصور کیا عذاب و ثواب کو قید لا حاصل
خیال کیا ہائے اس وقت کا تو تصور بھی میرے دل و دماغ کے لیے محال تھا
پھر اسے میرے پیارے ملک الموت اب کیا کروں موت کا پسینہ ماتھے پر
ہے آخری ہچکیاں آرہی ہیں وقت کم اور بہت کم ہے سامان سفر
بالکل نہیں۔ ×

آشفتہ لکھنوی

# فردوسی طوسی

نام ابو القاسم بن اسحٰق۔ مولد و وطن شاداب (طوس) اُس کا باپ زمیندار اور حاکم طوس کے چار باغ میں خدمت باغبانی پر مامور تھا۔ شاید اسی نسبت سے یہ تخلص اختیار کیا گیا۔ فردوسی نے ملکۂ سخن آفرینی خداداد پایا بچپن ہی سے شعر موزوں کرکے "الشعراء تلامیذ الرحمٰن" کا ثبوت بہم پہنچایا۔ کھیت۔ باغ و چمن پہاڑ۔ میدان۔ ٹیلے اُسکی جولانگاہ اور طائران نغمہ سنج اُسکے ہمصفیر تھے۔

شمس العلماء مولینا آزاد مرحوم لکھتے ہیں کہ

"اگرچہ اُسکی طبیعت کو خالص انسانیت نے شائستگی دی تھی۔ اور امیروں کی صحبت اور دربار کی تکلفات سے محروم رکھا تھا لیکن خوبی اُسمیں یہ ہوی کہ وہ اُنکی خودآرائی اور ظاہر نمائی کے دھبوں سے بچ گیا۔ اس سے بڑھکر یہ کہ زور طبع اُس کا صحرا کے خلوت خانہ میں اپنے تئیں آپ ورزش دیتا رہا۔ غیروں کے کام اُسکے کلام کے لیے نمونہ نہوے۔ بلکہ علم کی اصلاح اور مصنوعی تکلف اُسکے لکھے کو علم نہ چھو سکے"

فردوسی کا کلام طوس میں خوب چمکا۔ حتیٰ کہ وہ مشہور شعرا کے زمرہ میں شمار ہونے لگا امیر طوس ابو منصور محمد۔ اُس کا مربی تھا۔ اِن دنوں سلطان محمود غازی کی شان و شوکت اور علم پروری کی حکایات۔ ایشیا میں کہانیوں کے طور پر سُنائی جاتی تھیں اُسکا دربار فضلا اور شعرا کا مرجع بنا ہوا تھا۔ حکیم عنصری۔ منوچہر بلخی۔ فرخی۔ اسدی رشیدی۔ عسجدی گویا اُسکے دربار کے نورتن تھے۔ امیر طوس کی ترغیب و تحریص سے

---

[1] سخندان پارس صفحہ ۲۷۴۔ لیکن صاحب تالیف التذکرہ" فردوسی کا نام حسن بن اسحٰق بن شرف لکھتا ہے ایک اور تذکرہ میں فردوسی کے باپکا نام "فخرالدین" لکھا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

فردوسی نے بھی عزم غزنی کا کیا۔

اس نے یہ بھی سُنا کہ غزنی کے شاہی خاندان کو شاہانِ عجم کی نظم تاریخ کا شوق ہے اور کہ دقیقی کی قبل از وقت موت نے اس کام کو ناتمام چھوڑ دیا ہے پس فردوسی نے پہلے اپنا امتحان آپ کیا۔ زوال جمشید اور ترقی ضحاک کے واقعات نظم کرکے اپنے احباب کو سُنائے۔ سب نے پسند کیے۔ اس سے اسکا حوصلہ بڑھا۔ اور وہ بلا جھجک غزنی جا پہنچا

---

۱؎ شاہ ایران (یزدجرد) نے شاہ کیومرث کے زمانہ سے لیکر خسرو پرویز کے عہد کے حالات قلمبند کرلئے تھے اس کتاب کا نام باستان نامہ ہے جب عربوں نے ایران فتح کیا تو یہ کتاب شاہی کتب خانہ سے دستیاب ہوئی۔ والی خراسان (یعقوب بن لیث) نے ابومنصور عبدالرزاق بن عبداللہ بن عبدالملک کو حکم دیا کہ باستان نامہ کو یزدجرد کے عہد تک کے واقعات سے مکمل کیا جائے چنانچہ سنہ ۳۶۰ھ میں باستان نامہ مکمل ہوگیا جب اس کتاب کی نقول منتشر ہوئیں تو ایک نقل والی بخارا کے بھی ہاتھ لگی ان دنوں بخارا سامانیوں کے زیر اقتدار تھا امیر نوح نے دقیقی کو اسکے نظم کرنے کا حکم دیا۔ پروفیسر آزاد نے دقیقی کے کام کو امیر نصر (غزنوی) کی تحریک کے ساتھ منسوب کیا ہے۔ خیر جو کچھ ہو اس معلومات سے ایک مورخ یہ معقول نتیجہ نکالتا ہے کہ شاہنامہ فردوسی کا ماخذ "باستان نامہ" ہے۔

دقیقی کا نام ابومنصور محمد بن احمد اور وطن بلخ یا سمرقند ہے۔ طبقہ اولیٰ کا شاعر ہے بقول مولانا آزاد اپنی عمر کے آخری دور میں امیر نصر غزنوی کے دربار میں نغمہ سنجی کی۔ بہاریہ۔ عاشقانہ اور مدحیہ ہر قسم کے مضامین میں طبع آزمائی کی اور کامیاب ہوا۔ امیر نصر کی فرمائش سے عجمی بادشاہوں کے حالات نظم کرنا شروع کیے مگر مسلسل نہیں بلکہ مختلف بادشاہوں کے ہزار شعر لکھ سکا تھا کہ ناگہاں اپنے غلام کے خنجر سے مقتول ہوا کہتے ہیں کہ وہ اسکی تیغ نگاہ کا بسمل تھا یہ حادثہ سنہ ۳۶۵ھ میں وقوع پذیر ہوا۔ فردوسی کہتا ہے ؎

یکایک از و بخت برگشتہ شد　　بدست یکے بندہ برکشتہ شد

مولینا آزاد لکھتے ہیں۔ کہ

"وہاں عنصری شاعر سے ملاقات ہوئی۔ سلطان محمود مدت سے نظم شاہنامہ کی فرمائش کر رہا تھا اور وہ ٹال رہا تھا۔ فردوسی اور اُسکے کلام کی شان و شوکت کو سنا سب حال دیکھا کہا کہ چند شعر بادشاہ کی تعریف میں کہو۔ اور چل کر دربار میں سناؤ۔ فردوسی نے اسی زمین میں چند اشعار کہے۔"

الغرض فردوسی۔ دربار محمودی میں جا پہنچا اور اُس نے مدحیہ اشعار بھرے دربار میں پڑھے ان میں سے چند حسب ذیل ہیں ؎

ز یزداں بر شاہ باد آفریں　　　کہ نازد بدو تخت و تاج و نگیں
جہاں دار محمود شاہ بزرگ　　　بہ آبشخور آرد ہمی شیر و گرگ
جہاں آفریں تا جہاں آفرید　　　چو او مرزبانے نیامد پدید
ز کشمیر تا پیش دریائے چیں　　　برو شہریاراں کنند آفریں
چو کودک لب از شیر مادر بشست　　　بگہوارہ محمود گوید نخست
بہ بزم اندرو آسمان وفاست　　　بہ رزم اندرو شیر جنگ آزماست

بہ تن زندہ پیل و بجان جبرئیل
بہ کف ابر بہمن بہ دل رود نیل

اسکے بعد اُس نے رستم و اسفندیار کی گفتگو کا ایک حصہ سنایا جو اُس نے طوس ہی میں موزوں کی تھی۔ تمہیدی اشعار ملاحظہ ہوں۔ ؎

کنوں خورد باید مئے خوشگوار　　　کہ مے بوئے آید از جوئبار
ہوا پُر خروش و زمیں پُر ز جوش　　　خنک آں کہ دل شاد دارد ز نوش
درم دارد و نقل و نان و نبید　　　سر گوسفندے تواند برید

پروفیسر آزاد لکھتے ہیں۔ کہ

"اُسکی نظم کے دبدبہ سے دربار گونج اُٹھا۔ محمود بہت خوش ہوا نظم شاہنامہ کے لیے حکم دیا ایک خانہ باغ اپنے حرم سرا کے زیر سایہ۔ وہیں انواع واقسام کے ہتھیار، شاہانِ سلف کے دربار اور مشہور معرکوں کے مرقع عجیب جانوروں کی تصویریں سجا کر ایک عجائب خانہ مرتب کر دیا"

سلطان نے فردوسی کی تنخواہ مقرر کر دی اور وہ چار سال تک غزنی میں رہا۔ گاہے گاہے سلطان کو اپنی نظم سنا آتا۔ اور بیش بہا انعام واکرام لیے آتا تھا۔ چار سال بعد سلطانی اجازت سے طوس گیا۔ جب فردوسی نہزار شعر لکھ چکا تو خواجہ احمد وزیر نے سلطانی حکم سے اُسے ہزار دینار بھیجے۔ پھر جب چہارم حصے کے قریب شاہنامہ نظم ہو چکا۔ تو اُس نے سلطان کی خدمت میں پیش کیا۔ بہت پسند آیا۔ فردوسی نے بیش بہا انعام پایا۔

کچھ عرصہ بعد دربار سلطانی میں شکایت کی گئی کہ فردوسی مذہباً قرمطی عقائد رکھتا ہے۔ کہتے ہیں کہ وزیر خواجہ احمد بن حسن میمندی فردوسی کا مربی تھا۔ اور خواجہ ایاز سے اُسکی نہ بنتی تھی۔ اور بنا شکایت یہی ناموافقت یا مخالفت تھی۔ فردوسی سے جواب طلب ہوا تو اُس نے کانوں پر ہاتھ رکھے مگر اسکے ساتھ ہی بحسن تعلیل اشعار ذیل میں معذرت خواہ ہوا۔ ؎

چو در ملک سلطان کہ چرخش ستود — بسے ہست ترسا و گبر و یہود
گرفتند در نخل عدلش قرار — شدہ ایمن از گردش روزگار
چہ باشد گر سلطان گردوں شکوہ — یکے کا شمار د یکے زان گروہ

فردوسی کا وظیفہ اور تنخواہ بحال رہی۔ مگر کہتے ہیں کہ دیندار سلطان کے دل میں اُسکی پہلی سی وقعت نہ رہی۔ آخر کار تیس سالہ جگر کاوی کے بعد فردوسی نے شاہنامہ مکمل کیا۔ اس میں پورے ساٹھ ہزار اشعار تھے کہتا ہے ؎

بسے رنج بُردم دریں سال سی    عجم زندہ کردم بدیں پارسی

جب مکمل شاہ نامہ خدمت سلطانی میں پیش ہوا تو سلطان بہت خوش ہوا۔ جوش مسرت میں اُسکی زبان سے نکلا ؎

بچشمم چو بکشود گنج دُگُہر    کنوں پیلوا نش دہم گنج و زر

سلطان نے حکم دیا کہ فردوسی کو ایک بارفیل اشرفیاں دی جائیں لیکن اُسکے مخالف وزیر دیا میں نے جو بااثر تھا ساٹھ ہزار درم اُسے دینا چاہے۔ فردوسی نے نہ لیے[1]۔ اور آزردہ ہو کر چلا گیا۔ اور ہجو لکھی۔ سکے بعد اُسے تلاش کیا گیا مگر نہ ملا۔ فردوسی، اقبال محمودی کے خوف سے کہیں رہ نہیں سکتا تھا۔ آخر طوس ہی جاکر سر چھپایا۔

ہجو کو منوچہر بن قابوس نامی رئیس نے شاہ نامہ سے علیحدہ کر دینے کی خواہش فردوسی سے کی۔ اور ایسو اسّی مثقال سونا پیش کیا۔ فردوسی نے منظور کیا۔

دربار سلطانی میں ایک لطیفہ ہوا۔ ایک گورنر سرکش ہو گیا تھا۔ اسے تنبیہاً مراسلہ لکھا گیا۔ اسوقت سلطان۔ وزیر خواجہ احمد بن حسن میمندی سے کہنے لگا اگر جواب حسب مراد نہ آیا تو پھر کیا کیا جائیگا؟ وزیر کی زبان سے دفعتہً نکلا ؎

اگر نہ بکام من آید جواب    من و گرز و میدان و افراسیاب!

یہ شعر فردوسی کا ہے۔ سلطان متاثر ہوا۔ ہاتجی کا قصور معاف کیا اور اُسکے لیے ساٹھ ہزار دینار بھیجے لیکن جب شاہی کارندے فردوسی کو ڈھونڈتے ہوے طوس پہنچے تو لوگ فردوسی کا جنازہ قبرستان لے جارہے تھے۔

واقعہ صرف اسقدر ہے۔ باقی افسانہ۔ اور افسانہ بھی محض فرضی۔ جسے واقعیت سے قطعاً تعلق نہیں۔ اور یہ متاخرین کی ایجاد ہے۔

---

[1] روایت دیگر کھڑے کھڑے خدمتگاروں کو وہ پیسہ تقسیم کر دیا۔

لیتھبرج صاحب بہادر تسلیم کرتے ہیں کہ۔

(۱) سلطان محمود کو شعر و سخن کا بہت شوق تھا۔ اور (وہ) شاعروں کی بڑی قدر کرتا تھا

(۲) (فردوسی) پر بادشاہ (محمود) کی بڑی نظر عنایت تھی

بایں ہمہ وہ لکھتے ہیں کہ

"اس بادشاہ کے تذکرہ میں ایک اور مشہور قصہ بھی قابل ذکر ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسمیں ایک عیب بھی تھا یعنی بعض اوقات انصاف پر طمع غالب ہو جاتی تھی۔۔۔ بادشاہ نے فردوسی کو شاہنامہ لکھنے کا حکم دیا۔ اور فی شعر ایک اشرفی عطا کرنے کا وعدہ کیا فردوسی نے بڑا خون جگر کھا کر ساٹھ ہزار شعر لکھے۔۔۔ ساٹھ ہزار شعر دیکھکر محمود اپنے وعدے سے پچھتایا۔ اور دون ہمتی سے فردوسی کو صرف ساٹھ ہزار روپیہ یعنی انعام موعودہ کا سولھواں حصہ دینے لگا۔ اس کو فردوسی نے منظور نہ کیا اور ناراض ہو کر غزنی سے چلا گیا۔ کہتے ہیں کہ پیچھے محمود نے نادم ہو کر فردوسی کے پاس پورا انعام بھیجا۔ مگر جب اسکے قاصد اشرفیوں کے توڑے لے کر فردوسی کے گھر پہنچے ہیں اسوقت فردوسی کا انتقال ہو چکا تھا"

اصل واقعہ پر اضافہ کا مفہوم صرف اسی قدر ہے کہ سلطان نے فی شعر ایک اشرفی دینے کا وعدہ کیا۔ مگر پورا نہیں کیا۔ جس کا نتیجہ لیتھبرج صاحب اور متاخر مورخین نے یہ نکالا ہے کہ سلطان میں بیشمار خوبیوں کے باوجود ایک عیب بھی تھا۔ کہ بعض اوقات انصاف پر طمع غالب آجاتی تھی۔ سلطان پر دون ہمتی کا الزام لگایا گیا ہے۔ لیکن سلطان کا دامن ایسے دھبّوں سے بالکل پاک و صاف ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ

(۱) سلطان کا فردوسی کو فی شعر ایک اشرفی یا دینار دینے کا وعدہ کرنا بھی غلط اور

(۲) وعدہ سے انحراف بھی خلاف واقعہ ہے۔

اس امر کے ثبوت موجود ہیں۔

(۱) یہ روایت متاخرین کی ایجاد یا اضافہ ہے متقدمین کے کان اس سے آشنا نہ تھے

(الف) سلطان کے کسی ہمعصر مورخ نے اسکا ذکر نہیں کیا۔

(ب) سلطان کی اولاد کے زمانہ کے مورخین نے بھی اس کا تذکرہ نہیں کیا۔

(ج) اگر یہ کہا جائے کہ مورخین وابستگان دولت غزنویہ نے خوف یا طمع سے اس واقعہ کو ارادتاً چھپایا تو ہم منہاج سراج کی تاریخ "طبقات ناصری" پیش کریں گے اس مورخ کا تعلق غوریوں کے ساتھ تھا۔ اور یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ غوری سخت دشمن تھے غزنویوں کے۔ اور ایک حد تک یہ بھی دولت غزنویہ کے زوال کے باعث اور بالآخر اسکے جانشین ہوئے۔ ہندوستان میں بھی غزنویوں کے بعد غوریوں ہی کا دور دورہ ہوا۔ پس اگر سلطان نے وعدہ اور پھر بد عہدی کی ہوتی تو اس کا ذکر طبقات ناصری میں ضرور آتا۔

(د) ہندوستانی مشہور مورخ ضیاء برنی نے عہد تغلق پایا۔ اس کی تصنیف تاریخ فیروز شاہی ایک نہایت معتبر اور مشہور تاریخ ہے۔ یہ مورخ ہر ایک بات خواہ اچھی ہو یا بری کھول کر بیان کرنے کا عادی ہے۔

ضیاء برنی امیر خسرو دہلوی کے کمالات اور علاء الدین خلجی کی گورنمنٹ کی قدردانی کی شکایت کرتا ہوا کہتا ہے کہ

"کاش! امیر خسرو جیسا باکمال عہد محمود میں ہوتا۔ اور فیاض و قدردان سلطان انعام و اکرام و جاگیرات اور خطابات سے امیر خسرو کو مالا مال کرتا"

ضیاء برنی کے اس بیان سے ہم دو نتائج اخذ کریں گے

(۱) اس تاریخ کی تدوین کے زمانہ (عہد تغلق) تک سلطان کی بد عہدی کی روایت ایجاد نہیں ہوئی تھی یہ زمانہ ما بعد کی ایجاد ہے۔

(ح) سلطان محمود غازی کی علم پروری اور قدردانی کا شہرہ افغانستان

ترکستان اور خراسان سے نکل کر ہندوستان تک آ پہنچا تھا۔
(۲) ہم نے واقعات میں لکھا کہ سلطان نے فردوسی کو ایک بار فیل زر دینے کا حکم دیا لیکن وزیر یا اور کسی درباری کی مخاصمت و مداخلت سے یہ رقم فردوسی کو نہ مل سکی ہم نے یہ بھی لکھا کہ فردوسی کے قرمط ہونے کی شکایت کی گئی۔
یہ خیالی اور قیاسی باتیں نہیں ہیں بلکہ ایک معتبر قلمی تاریخ سے ماخوذ ہیں۔ یہ تاریخ نویں صدی ہجری میں تحریر ہوی۔ اسکا نام ہے "تانیف التذکرہ" یہ کتاب کتبخانہ میاں صاحب واقعہ حصار (پنجاب) میں موجود ہے۔
(۳) تاریخ فرشتہ ایک معتبر تاریخ ہے۔ اسکے متعلق فاضل لیتھبرج کی راے ہے کہ
"ہند کی نہایت مستند انگریزی تاریخوں میں جو ہندی سلطنت اسلامیہ کا حال مندرج ہے وہ اکثر اسی (تاریخ فرشتہ) سے لیا گیا ہے"
اسی تاریخ فرشتہ میں مرقوم ہے کہ
"یہ قصہ (سلطان محمود کی بد عہدی) غلط ہے۔ سلطان علوم فنون کا نہایت قدردان اور سرپرست تھا"
(۴) دربار اکبری کا فاضل وزیر و مورخ ابوالفضل، فردوسی کو "لالچی" اور "سخن فروش" کے خطاب دیتا ہے گویا الزام فردوسی کے سر رکھتا ہے۔ اس سے بھی سلطان کی بد عہدی کی تردید ہوتی ہے۔
(۵) انگریزی مورخ مسٹر "الفنسٹن" صاحب کی راے کا مفہوم بھی تقریباً اسی قسم کا ہے۔ دیکھو اردو تاریخ الفنسٹن صاحب صفحہ (۵۵۴)
(۶) لیتھبرج صاحب بھی اسے واقعہ کی اہمیت نہیں دیتے بلکہ اسے "قصہ" کہتے ہیں
(۷) اس قسم کے معاہدے جنسے انحراف کا سلطان کو الزام دیا جاتا ہے محض تاجرانہ ہوتے ہیں۔ کتب فروش یا اہل مطابع ایسے معاہدے شعرا اور مصنفین سے

کیا کرتے ہیں۔ ایسا معاہدہ کسی بادشاہ خصوصاً کسی مشرقی صاحب تخت و تاج کی شان کے منافی اور اسکی توہین و تذلیل کا باعث ہے۔ مشرق میں حکومت و تجارت کے حدود باہم نہیں ملائے گئے۔ پس اگر اور تمام باتوں سے قطع نظر کرکے اس قصّہ کو اسی اصول سے دیکھا جائے تو اسکی اصلیت و حقیقت آئینہ ہوجاتی ہے۔

(۸) فردوسی کو تنخواہ اور وظیفہ ملتا تھا پس اس صورت میں تصنیف کے آخر میں کسی خاص رقم کا وعدہ کیسا؟ رہا انعام وہ اختیاری ہے۔ اور یہ لازمی نہیں کہ تنخواہ دار ملازم کو انعام بھی دیا جاے۔

(۹) فردوسی نے سلطانی مصاحبت اور جاگیر کی خواہش کی تھی۔ پھر وہ کسی گرانبہا انعام کا کیونکر متوقع اور مستحق ہوسکتا تھا۔ اگر اسے امید تھی تو یہ خود اُس کا قصور تھا۔

(۱۰) یہ ممکن ہے کہ فردوسی کو غلط فہمی ہوی ہو۔ شاہنامہ کے اول ہزار اشعار لکھے جانے کے بعد سلطان نے اپنے وزیر خواجہ احمد کی معرفت اسے ہزار اشرفیاں بطور انعام بھیجی تھیں۔ پس بہت ممکن ہے کہ فردوسی نے قیاس کرلیا ہو کہ اگر شاہنامہ میں میں ساٹھ ہزار اشعار لکھ سکے۔ تو مجھے ساٹھ ہزار دینار ملیں گے۔ اگر یہ صحیح قیاس ہے تو یہ خود فردوسی کا قصور ہے۔ اس سے سلطان پر کچھ الزام نہیں آسکتا۔

(۱۱) فردوسی، وزیر، یا کسی امیر کی ریشہ دوانی سے بغیر روپیہ لیے چلا گیا پھر سلطان کی ہجو کہی۔ اسکے بعد وزیر کے مُنہ سے اتفاقاً فردوسی کا شعر نکلا تو سلطان کو فردوسی یاد آیا۔ اُس کا قصور معاف کیا۔ اور اُسکے لیے زر سرخ بھجوایا۔

اگر بقول متاخرین۔ سلطان طامع تھا۔ تو اب وہ نقدی کیوں بھیجتا۔ اب تو اُسکے پاس بہانہ تھا اگر وہ ایک ایسے شخص کو جس نے سلطان کی ہجو کہی۔ اور جس پر قرمط ہونے کا الزام عائد ہوتا تھا۔ معاف نہ کرتا اور اُسے زر کثیر نہ بھیجتا تو سلطان پر کچھ ملامت نہیں کی جاسکتی تھی بلکہ فردوسی جیسی پوزیشن کا

آدمی مشرقی نقطۂ خیال سے گردن زدنی تھا۔ بادشاہ کی توہین بغاوت ہے
اور بغاوت کی معمولی سزا قتل! قرامطا کو سلطان نے اکثر قید و قتل کیا۔ بایں ہمہ
فردوسی کو معاف کر دیا گیا۔

(۱۲) یہ معلوم کر کے کہ فردوسی قرمطی عقائد رکھتا ہے۔ سلطان جیسے دیندار بادشاہ کا
اسکی جانب کم التفاتی کرنا قابل ملامت نہیں ہوسکتا۔ بالخصوص ایسی صورت میں
کہ جب خود فردوسی نے اپنے اشعار میں دبی زبان سے اس جرم کا اقبال کر لیا۔
اور کہدیا کہ "آخر سلطان کے زیر سایہ اور بھی تو کفار و مشرک رہتے ہیں۔ اور سلطان
اُن سے تعرض نہیں کرتا"

ہزار اشعار کے بعد فردوسی کو ہزار اشرفیوں کا انعام دیا گیا۔ ممکن تھا کہ سلطان
شاہنامہ کی تکمیل کے بعد ایسا بیش بہا انعام دیتا جو فردوسی کی توقع سے بہت بڑھا
چڑھا ہوتا۔ لیکن فردوسی کی بدقسمتی کا کیا علاج؟ کہ بیدینی کی تہمت اُسکے گلے کا
ہار ہوئی۔

(۱۳) سلطان کی علمی سرپرستیوں کی تفصیل سبکو معلوم ہے۔ ان سب پر ایک سرسری
نظر ڈالو پھر قیاس دوڑاؤ کہ کیا وہ فردوسی کے ساتھ بدعہدی کر سکتا ہے!؟!

یہ سوال ہوسکتا ہے کہ آخر اس ذہنی افسانہ نے اسقدر شہرت کیوں پکڑی
کہ وہ سلطان محمود اور فردوسی کی تاریخ کا جزو لاینفک بن گیا؟

حقیقت نفس الامری یہ ہے کہ جب کوئی اقبال مند اور حامل علم و فضل قوم
انحطاط کی طرف جاتی ہے تو اُسکے تمام معقول و منقول علوم و فنون کی قائم مقام صرف
شاعری رہجاتی ہے اور یہی ان لوگوں کے لیے مایۂ افتخار ہوتی ہے۔ گویا شاعری اور
زوال قوم کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ یہ کلیہ مسلمانوں پر بالکل منطبق ہے۔ بغداد جاؤ
یا اصفہان۔ دربار غزنی کو دیکھو یا دیوان خاص دہلی کی سیر کرو۔ تو ہر جگہ تمہیں اسی

بات کا ثبوت ملے گا۔

اب لے دے کے ان علمبرداران علم و فن کے پاس یہی اسلحہ شاعری رہ گیا تھا۔ اور وہ امرائے ہمعصر کو اسی سے زیر و مرعوب کرنا چاہتے تھے۔ ایران ہو یا ہندوستان ان میں ہر ایک مزا اسود اتھا۔ بلی کی قسمت سے چھینکا ٹوٹا۔ خوش قسمتی یا بدقسمتی سے فردوسی کا قصہ انکے ہاتھ لگا۔ اس میں نمک مرچ لگا کر ایک افسانہ گڑھ لیا۔ اور اسکا صور ایسی آہنگی سے پھونکا کہ اسکی گونج آج تک ہمارے کانوں میں موجود ہے۔ افراد قوم کی تاریخ سے ناواقفی اور بے اعتنائی مزید براں۔ کسی نے آنکھ کھول کر اتنا نہ دیکھا کہ درحقیقت بات کیا ہے؟!

استغفر اللہ!

بات یہ ہے کہ قومی ادبار کے زمانہ میں ایسے ہی شگوفے کھلا کرتے ہیں۔ جن افراد قوم کے اخلاق خود ادنیٰ درجہ کے ہوتے ہیں انھیں بے تکلف اپنے بزرگوں کے اخلاق میں بھی وہی کمزوری نظر آجاتی ہے۔ انسان اپنے ہی آئینہ میں دوسروں کو دیکھنے کا عادی ہے۔ سلطان محمود غازی کی دینی سرگرمی۔ جہادی جوش۔ فاتحانہ پیش قدمی، علمی سرپرستی۔ معدلت گستری، وغیرہ سب کچھ فراموش: مگر فرضی بدعہدی کا افسانہ ازبر!! حیف بر ما۔

پس سلطان محمود غازی نہ لالچی تھا۔ نہ زر پرست۔ اور نہ دون ہمت بلکہ فیاض۔ عالی ہمت۔ علم دوست اور علوم و فنون کا مربی تھا۔ اس نے غزنی میں دارالعلوم قائم کیا۔ بے شمار دینی و دنیوی مدارس و خانقاہیں ممالک محروسہ میں جاری کرائیں۔ اس کا دربار علما۔ فضلا۔ اور شعرا کا مرجع بنا ہوا تھا۔

حکیم مظفر حسین اظہر
دہلوی

# کوئل

پیاری کوئل! جو جگر سوز صدا دیتی ہے ہائے کیا چیز ترے دل کو دکھا دیتی ہے
صبحدم کوک تری کیا ہی مزہ دیتی ہے دل سوزاں میں مرے آگ لگا دیتی ہے

تیری آواز میں یہ درد کہاں سے آیا
سوز الفت کا مزا تو نے کہاں سے پایا

نہ چھپا مجکو سُنا اپنے دل زار کا حال کہدے جی کھول کے سب آہ شرربار کا حال
تجھکو معلوم ہے کچھ بلبل بیمار کا حال جس سے الفت ہے تجھے کہہ اُسی دلدار کا حال

کس پری نے تجھے دیوانہ بنا رکھا ہے
دام گیسو میں ترے دل کو پھنسا رکھا ہے

سوگ کس کا ہے جو ماتم میں سیہ پوش ہے تو رنج و اندوہ و مصیبت سے ہم آغوش ہے تو
کسقدر جام مئے عشق سے مدہوش ہے تو کبھی نالاں کبھی گریاں کبھی خاموش ہے تو

تیری آہوں میں ذرا سا بھی اثر ہے کہ نہیں
تیرے اس حال کی دلبر کو خبر ہے کہ نہیں

نالہ و آہ و فغاں ہر گھڑی نادان نہ کر مضطرب ہو کے تو اتنا بھی ہر آن نہ کر
ننھی سی جان کو تو مفت میں ہلکان نہ کر خود پریشان نہ ہو مجھکو پریشان نہ کر

کوکتے کوکتے اک روز تو مر جائے گی
اسی ماتم میں جہاں سے تو گذر جائے گی

سچ ہے دل میں [illegible] ہوا کرتی ہے رات دن دم جو محبت کا بھرا کرتی ہے
جان کیوں اپنی کسی گل پہ فدا کرتی ہے تو عبث نالہ و فریاد و بکا کرتی ہے

غافلی پہ ستمگار جہاں ہوتے ہیں
مہرباں یہ کسی عاشق پہ کہاں ہوتے ہیں

سید محمد اسمٰعیل ہمدانی گیاوی

# انسانی کمزوری

رات کو گیارہ بجے پلنگ پر لیٹا تو گرمی کی زیادتی، اور دن بھر کے تازہ حادثات اور پُر حسرت و افسوس واقعات نے پھر آ کر نیند کو اچاٹ کر دیا۔ ہزار کوشش کی کروٹوں پر کروٹیں، پہلو پر پہلو بدلے مگر نیند نہ آنی تھی نہ آئی۔ ایسے موقع پر جسقدر کوفت، اور تکلیف ہوتی ہے وہ ظاہر ہے۔ جب کروٹیں لیتے لیتے پسلیاں جلنے لگیں اور گھنٹہ بھر سے زیادہ عرصہ گذر گیا تو مجبوراً اٹھ بیٹھا۔ میز پر سے ایک کتاب اٹھا کے لیمپ کی روشنی میں پڑھنے لگا۔ مگر اس سے بھی پریشانی اور اضطراب میں کمی نہیں ہوئی۔ اور نہ صرف یہی بلکہ دو دشمن مچھر و کھٹمل آ آ کر حملہ کرنے لگے۔ اور میں عاجزانہ ان سے مدافعت کی تدبیریں اختیار کرنے لگا۔ مچھر میرے ہاتھ ہلانے سے ذرا الگ ہو جاتے تھے مگر دوسرے لمحے پھر پہلے سے بھی زیادہ زور دار حملہ کر دیتے تھے جس سے میرے رہے سہے ہوش و حواس بھی غائب ہو جاتے تھے کان کے پاس اس زور سے نعرہ مارتے تھے کہ میں سہم جاتا تھا۔ اور رات کے سنّاٹے میں خیالات کی یکسوئی میں مجھے یہ وارداتیں بہت ناگوار ہوتی تھیں۔ ادھر کھٹمل مجھ سے چمٹ گئے تھے۔ اور جونکوں کی طرح بے دھڑک خون چوسنا شروع کر دیا تھا۔ اگرچہ میں نے اپنی طاقت سے زیادہ مقابلہ کیا مگر اس سے نہ ان کی تعداد میں کمی واقع ہوئی نہ ان کی خونخواری، خون آشامی کا جوش ٹھنڈا پڑا۔ بلکہ ہر بار پہلے سے زیادہ زور و قوت سے حملہ کرتے تھے۔ پہلے تو میں نے خیال کیا "اچھا ہے فاسد خون نکل رہا ہے" مگر اس غلط خیال کو جلد اپنے ذہن سے نکال دینا پڑا۔ اور میں

ان کی بہادری، استقلال، اور قربانی کا قائل ہوگیا۔ مچھر کو دیکھیے کسقدر بے حقیقت جانور ہے۔ انسانی عظیم الشان، اور ذی اثر قوتوں کے مقابلہ میں اس بیچارے ضعیف البنیان کی کیا ہستی ہے مگر اس کی جرأت کو ملاحظہ فرمائیے کہ انسان کو دھوکے سے ایذا نہیں پہنچاتا۔ منافقوں کی طرح اس کا ظاہر و باطن ایک دوسرے کے خلاف نہیں ہے۔ وہ جب وار کرنے کی تیاری کرتا ہے۔ اور اپنے پختہ ارادے کی مدد سے انسان جیسی زبردست ہستی کے ڈھانے پر آمادہ ہو جاتا ہے تو پہلے آواز دے کر جتا دیتا ہے کہ ہم حملہ کرتے ہیں۔ خبردار ہو جاؤ۔ بخلاف اسکے حضرت انسان پانچ میل کی دوری پر بلّی کی طرح دبکے ہوے کسی خود ساختہ قبر نما، خندق میں بیٹھے رہتے ہیں۔ اور وہیں سے بغیر اطلاع گولی چلا کر اپنے ہمجنس کی عزیز جان کا خاتمہ کر دیتے ہیں۔ ذوق نے کیا خوب کہا ہے

پشّہ سے سیکھے شیوۂ مردانگی کوئی
جب قصد خوں کو آئے تو پہلے پکار دے

ابھی ان دونوں سے ذرا بھی فرصت نہیں ملی تھی کہ ایک تیسرا نیا دشمن اُٹھ کھڑا ہوا جس کا نام مکھی ہے۔ یہ بھی ان دونوں سے کسی طرح کم نہ تھا۔ اس ظالم نے یہ دیکھکر کہ دو کمزور ہستیوں نے انسان جیسے قوی الجثہ، دیو ہیکل، اور طاقتور مخلوق پر حملہ کیا ہے۔ اور پسپائی اور اکثر کو موت نصیب ہو چکی ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ انسان ان غریبوں پر غالب آ جائے۔ اسکے دل میں اپنے ہمجنس کی ہمدردی اور اعانت و دستگیری کا دریا لہریں مارنے لگا۔ اس نے لپک کر مجھپر حملہ کیا ہی تو سہی۔ اور اس زور شور، اس جوش و خروش کے ساتھ، کہ میں گھبرا گیا۔ اور مجھے اپنی بے بسی، اور عاجزی پر ندامت و حسرت ہوئی۔ ناچار میں دفعیہ کی کوشش کرنے لگا مگر وہ ہر وقت تیر کی طرح میرے منھ، ناک، کان پر آ کر

بیٹھی تھیں میں ہاتھ چلاتا تھا جو یقین ہے اُنکے کوئی بھی نہ لگتا تھا۔ سوا اس کے کہ میں نے اپنے ہاتھ تھکائے اس کا اور کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ مگر اسکے علاوہ اور کوئی صورت بحث کی فی الحال سمجھ میں بھی نہیں آتی تھی۔ اس لیے میں نے اس حرکت اضطراری کو ترک نہیں کیا میں اب بالکل تھک گیا اور مجھپر بدحواسی چھا گئی۔ مجھے اپنی کمزوری کا تجربتاً احساس کرنا پڑا۔ اور اپنی بے بسی پہ سخت شرمندگی ہوئی۔ تقریباً تمام رات اسی پریشانی میں بسر ہوئی صبح ہوتے ہوتے نیند نے غلبہ پانا شروع کیا تو ایک چھوٹا حریف یعنی چیونٹی میرے مقابلہ میں آگیا۔ اور اُس نے بھی میرے خلاف وہی طرز عمل اختیار کیا جو اُس کے ہمجنس کر رہے تھے اب تو مجھے ان چار ناچیز مگر غیر معمولی دشمنوں سے شکست کھائے بغیر چارہ نہ تھا۔ مجبوراً میں دولائی اوڑھکر لیٹ رہا مگر ان کا زور ذرا بھی نہ گھٹا۔ خاص کر مچھر اور مکھی کی ناگوار آواز میری قوت سامعہ کو ناگوار معلوم ہو رہی تھیں اسی طرح چیونٹی اور کھٹمل کی خونخواری برابر جاری تھی۔ تھوڑی دیر دولائی کے قلعہ میں چھپا لیٹا رہا۔ مگر گرمی کی شدت سے پسینے پسینے اور جان سے بیزار ہو گیا۔ اور مجھپر عجیب و غریب کیفیت طاری ہوئی۔ میں خود بخود سوال کرنے لگا کہ کیا میں انسان ہوں اور انسان کا وہی مفہوم ہے جو لوگوں نے سمجھ رکھا ہے۔ افسوس!

باوجود انسان ہونے کے میں ان بے حقیقت جانوروں کا کچھ نہیں بنا سکا اور وہ اپنی حیثیت سے بہت زیادہ مجھے نقصان پہنچاتے اور میری ایذارسانی کا کام خوش اسلوبی سے انجام دیتے رہے ہیں۔ ایک ایسی بات معلوم ہوئی جو ان چاروں میں یکساں طور پر مشترک ہے اور وہ یہ کہ اپنی شکست وانہزام سے گھبرانا، جی چھوڑ دینا، بھاگ جانا اور دوبارہ حملے کا ارادہ ترک کردینا، ایسی باتوں کا ان میں وجود ہی نہیں۔ یہ زیادہ جانتے ہی نہیں کہ بھاگنا، یا اگر کبھی

پسپا ہوئے تو دوبارہ حملہ کرنا کس چیز کا نام ہے۔ نہ اپنے ساتھیوں ہم جنسوں کی موت اُن کے بڑھے ہوئے حوصلے، عزم، و استقلال، ثابت قدمی پر کوئی غیر مفید اثر ڈال سکتی ہے نہ دشمن کی طاقت انھیں بدحواس، اور اُن کے ارادوں کو فسخ، کرسکتی ہے وہ مرتے جاتے ہیں، پسپا ہوتے جاتے ہیں، مگر آگے بڑھتے جاتے ہیں، اُن کے دماغ میں بس ایک ہی خیال آتا ہے یعنی "کامیابی حاصل کرنا" جو لوگ اپنی آرام کرسیوں پر ٹانگیں پھیلائے انسانیت کے خواب دیکھا کرتے ہیں اور بزعم خود اپنے کو اشرف المخلوق میں شمار کرتے ہیں ان کی چشم بصیرت کے لیے یہ سچا واقعہ چراغ ہدایت ہے۔

محمد اسمٰعیل ہاتف

# تصویر شام

(مشہور نادست پیری کوریلی کی نظر سے)

اک حسینہ جو نہاں ملبوس عریانی میں ہے
پاکدامانی ہی جس کی چاکدامانی میں ہے

فرش پر پنجوں کے بل محو خرام ناز ہے
نیم وا آنکھوں سے ناہر سحر ہے اعجاز ہے

ادھ کھلا چہرہ رہین حسن دل آویز ہے
اک تبسم کی ادا گویا متانت ریز ہے

رکھی ہے نازک لبوں پر انگلی دائیں ہاتھ کی
اور اک گلدستے سے زینت ہے بائیں ہاتھ کی

دیکھنا تصویر یا پائے خموشی دیکھنا
شام کے نظارہ کی جلوہ فروشی دیکھنا

ارشد تھانوی

## رباعی

انسان کسی چیز کی خواہش نہ کرے
بیفائدہ دل کو وقف رنجش نہ کرے

حاصل ہے جو شے رہے اُسی سے مسرور
ناداری کے احساس کی کوشش نہ کرے

ارشد تھانوی

# سندیلہ کا مشاعرہ

سندیلہ کے تعلقہ دار جناب شیخ التفات رسول صاحب کے یہاں جہاں مشاعرہ منعقد ہوتا ہے۔ اس وقت ہمیں بھی اس میں شرکت کا موقع ملا۔ مشاعرہ کا انتظام اعلیٰ پیمانہ پر کیا جاتا ہے۔ اور شیخ صاحب موصوف کا خلق دور دور سے شعرا کو سندیلہ کے مشاعرہ میں لا کھینچتا ہے چنانچہ گذشتہ مشاعرہ میں دہلی، لکھنؤ، کانپور، شاہجہانپور، مرادآباد، الہ آباد وغیرہ وغیرہ شہروں سے بہت سے شعرا آکر شریک مشاعرہ ہوئے تھے۔ مشاعرہ التفات رسول صاحب کی کوٹھی کے بڑے احاطہ میں ہوا تھا بہت با رونق تھا گو بعض شعرا کی یہ کوشش کہ وہ کسی خاص شاعر کے بعد پڑھیں بعض اوقات مشاعرہ میں ایک بے ترتیبی کا منظر پیش کر دیتی تھی جسے ہم نے بہت سے حضرات کو التفات رسول صاحب کے خلق کا بے انتہا شکر گذار پایا۔ وہاں چند حضرات ایسے بھی تھے جنکو تعلقہ دار صاحب موصوف کی طرف سے شعرا میں عدم مساوات برتنے اور قیام کے انتظام کے متعلق شاکی پایا۔ بحیثیت مجموعی سندیلہ کا گذشتہ مشاعرہ ایک مشاعرہ کہا جا سکتا ہے۔ روسا و تعلقہ داروں کی طرف سے اس قسم کی مجالس کا انعقاد اردو اور اردو شاعری کے لیے ایک فال نیک ہے۔ اگر دوسرے روسا بھی التفات رسول صاحب کی تقلید کریں تو یقیناً اردو کی ادبی کسمپرسی کی حالت باقی نہ رہے جیسی آج ہے۔

ہم نے اس مشاعرہ کی چند غزلیں ناظرین نسیم کی ضیافت طبع کے لئے حاصل کی ہیں جو درج ذیل ہیں۔ جن حضرات کی غزلیں درج کی گئی ہیں ان میں سے سب نے مشاعرے سے بہت کافی داد حاصل کی۔ گو مشاعرہ میں جناب ... مشاعرے میں جناب مرزا ثاقب قزلباش لکھنوی کو ماشاءاللہ زیادہ داد ملی۔ مشاعرہ رات کو دس بجے کے قریب شروع ہو کر دن کے نو بجے کے قریب ختم ہوا۔

ایڈیٹر

حضرت سید حسین احمد صاحب میاں شاہجہانپوری

ملول کیوں دل آشفتہ حال ہوتا ہے
وہی نہ ساقی بزم سیال ہوتا ہے

تمہارے عشق میں دل نے ادا وہ پیدا کی
شباب میں جو حسینوں کا حال ہوتا ہے

کوئی سبب بھی تو ہوا تھی تو مہربانی کا
یہ آج کیا ہے جو عمر وصال ہوتا ہے

وہ یاد فاسی پر حرف آرزو ایسا
کہ آشنائے لب سوال ہوتا ہے

پھر ابتدائے ترقی پہ کیوں نہ روئیں ہم　　اُسی گھڑی سے شروع زوال ہوتا ہے
ہنوز طالب رنج تعب ہے دل گویا　　کچھ اس ادا سے وہ پرسانِ حال ہوتا ہے
پھر اک ذرا مجھے کمبخت کہہ کے ہنس دینا　　یوں ہی تو عشق میں رفع ملال ہوتا ہے
دم اخیر جو آتی ہیں ہچکیاں یارب　　کہ اب اُدھر سے پیام وصال ہوتا ہے
زباں کو آپ ہی میں لاؤ قطع کر ڈالوں　　کہ بات بات پہ دل پائمال ہوتا ہے
اُٹھاؤ پھر مجھے ورنہ یہ چپکے دیکھ تو لو　　کہ سدّ راہ تمہارا خیال ہوتا ہے
جفا سہوں تو دلِ ناتواں میں تاب نہیں　　گلہ کروں تو اُسے انفعال ہوتا ہے
یہ کیا سمجھ ہے تمہاری جو تم کو پیار کرے　　اُسی سے رنج اُسی سے ملال ہوتا ہے
خدا کے سامنے کیا جانے حال کیا ہوگا　　بتوں کے آگے تو دل کا یہ حال ہوتا ہے
کچھ اپنی شوخیٔ رعنا کی خیال نہ پوچھ　　کہ دل میں ذوق وفا پائمال ہوتا ہے
ہو ضبط گریۂ پیہم جو دل پہ قابو ہو　　یہ مجھ غریب سے کیسا سوال ہوتا ہے
کسی زمانہ میں یہ آپ بھی تو کہتے تھے　　خیال کرنے سے دل کو خیال ہوتا ہے

کسی کے عشق میں دل خاک ہوگیا بیباک
وہی ہوا جو وفا کا مآل ہوتا ہے

# اپیل

عم مکرم جناب مولانا مولوی عبدالراشد الخیری صاحب نے جولائی ۱۹۱۵ء کا آخری پرچہ نکالا تھا۔ آج جولائی ۱۹۱۶ء کا "تمدن" حاضر خدمت ہے جو ہمارے اہتمام سے شائع ہوا ہے اس ایک سال کی مدت میں "تمدن" کی حالت میں جو کچھ ترقی ہوئی اسکا اندازہ ہم اخبارات اور ملک کے مشہور ادیبوں کی آرا اور اپنے ناظرین کے بیشمار خطوط مبارکبادی کر سکتے ہیں ہمارے لیے اس محنت کا یہ ثمرہ ایک بڑی حد تک کافی ہے کہ ملک نے بھی "تمدن" کی قدر کی۔ مگر اس قسم کی قدردانی جو ہمارے لیے مایۂ ناز ہو سکتی ہے "تمدن" کے لیے فی نفسہ کچھ بہت کارآمد نہیں ہو سکتی۔ "تمدن" کی ظاہری اور معنوی خوبیوں میں صرف

جناب ضمیر حسن خاں صاحب دل شاہجہانپوری

کہیں خموش یہ محو جمال ہوتا ہے
کہیں زبان میں اظہار حال ہوتا ہے

کدھر سے آئی دم امتحان یہ اُن کی صدا
شکست دل کا مجھے احتمال ہوتا ہے

مری فغاں کبھی گوش آشنا نہیں ہوتی
مرا سکوت مگر عرض حال ہوتا ہے

رہے نگاہ میں ہر ذرہ کوئے جاناں کا
انھیں حدود میں دل پائمال ہوتا ہے

بس انتہا ہے کہ سنگ در حبیب سے ہم
بیان کرتے ہیں جو دل کا حال ہوتا ہے

اُنھیں کا دل ہے جو مشغول آہ ہیں شب غم
یہاں تو سانس بھی لینا محال ہوتا ہے

کوئی سبب ہے کہ لکھ لکھ کے ہم مٹاتے ہیں
جو کچھ بھی رنج و مصیبت کا حال ہوتا ہے

ہر ایک سانس ہے مدلل شب الم کا جواب
مریض عشق کو مرنا محال ہوتا ہے

مگر یہ دل ہے پر از واقعات ماضی و حال
عیاں ہر آہ میں کچھ تازہ حال ہوتا ہے

مری سرشت میں شامل ہوا ہے زمیں کی خاک
سکون قلب جہاں پائمال ہوتا ہے

یہ کیا کہا کہ وفا کل کروں گا وعدہ دید
ترے جواب میں پیدا سوال ہوتا ہے

ٹپک رہا ہے لہو اب بجائے قطرۂ اشک
اسی لیے تو وہ پرسان حال ہوتا ہے

جفا شعار کدھر ہیں سنیں بغور اسے دل
بیان دل ربی و وفاؤں کا حال ہوتا ہے

اس صورت میں ترقی ہو سکتی ہے کہ ناظرین "تمدن" "تمدن" کی توسیع اشاعت میں کوشش فرمائیں کیا "تمدن" کے ناظرین کا یہ یقین نہیں ہے بعض حضرات بہت با اثر ہیں ہونا ممکن ہے کہ وہ دو دو۔ چار چار خریدار عنایت فرمائیں۔ اگر ناظرین "تمدن" میں سے صرف دو سو حضرات نے بھی اپنے اثر سے کام لیا اور اسباب میں "تمدن" کی توسیع اشاعت کی کوشش کی تو یہ امر کوئی مشکل نہ ہوگا کہ "تمدن" کی ظاہری و معنوی خوبیوں میں معقول اضافہ ہو جائے۔ اور ملک کی اس رائے میں "تمدن" نے اپنے زمانہ مقبولیت کی سی شان پیدا کر لی۔ ۔ ظاہری خوبیوں کی کمی ہے اور خصوصاً تصویر "ظاہری خوبیوں کی کمی ہے اور خصوصاً تصویر کی وہ لافانہ حذف کر دیا جائے۔ ایک ... ان کی مستقل اور باقاعدہ

## حضرت نوح ناروی

کبھی یہ عالم حسن خیال ہوتا ہے — کہ غیر پر بھی ترا احتمال ہوتا ہے
کسی کی موت پہ اُن کو ملال ہوتا ہے — امید وصل میں جس کا وصال ہوتا ہے
فراق یار میں جینا محال ہوتا ہے — ذرا سے دل کو بہت سا ملال ہوتا ہے
ہم اُٹھتے ہیں تو نقاہت سے بیٹھ جاتے ہیں — جو بیٹھتے ہیں پھر اُٹھنا محال ہوتا ہے
وہ چاہتے ہیں کہ اظہار غم بھی یہ نہ کرے — مرے ملال سے اُن کو ملال ہوتا ہے
نظر کے سامنے آکر جو وہ ٹھہرتے ہیں — مری نظر کا ٹھہرنا محال ہوتا ہے
ٹھہر ٹھہر کے ذرا تم چلو خدا کے لیے — قدم قدم پہ کوئی پائمال ہوتا ہے
نگاہ غور سے وہ آئینہ کو دیکھتے ہیں — جمال بھی تو کبھی محو جمال ہوتا ہے
تلاش کیجیے لیکن پتہ نہیں چلتا — ہجوم ناز میں دل کا یہ حال ہوتا ہے
جفا سے کم نہیں رشک جفا بھی ان کے لیے — چھری کسی پہ چلے یہ حلال ہوتا ہے
گری پڑی جو کوئی چیز دیکھ لیتا ہوں — تو اپنے دل کا مجھے احتمال ہوتا ہے
وہ شوق تھا جو کبھی انبساط دل کا سبب — اب اس شگفتگی سے مجھ کو ملال ہوتا ہے
گلوں کا حسن پھر اس پر بہار کا موسم — جو دیکھتا ہے یہیں وہ نہال ہوتا ہے
ولی بچائے گا دل کس طرح بچا سکے گا — وہاں تو پہلے اسی کا سوال ہوتا ہے

...کوشش کے بعد اور ہمارے کرنے کا جو کچھ تھا اسکی ادا آپ حضرات سے لینے کے بعد غالباً ہم اس ...ت کے مستحق ہیں کہ آپ سے عرض کریں اور آپ سے اسکو رد نہ کردینے کے متوقع ہوں۔ اگر آپ ...حضرات "تمدن" کو واقعی کوئی کارآمد چیز خیال کرتے ہیں تو اسکو پوری شان و شوکت سے نکالنے ...ں ہماری مدد فرمائیں۔ انگریزی کی یہ مثل کہ اگر کوئی کام کرو تو اسے حسن و خوبی کے ساتھ کرو ...ر ہمکو ٹھوکر دیتی ہے مگر جو کچھ حسن و خوبی ہم اپنی تنہا کوشش سے کرسکتے تھے وہ کررہے ہیں۔ ...آپ حضرات "تمدن" کی اس حالت پر اکتفا کرنے کے لیے تیار ہیں تو خیر۔ ورنہ اسکی توسیع اشاعت کے لیے اپنے حلقۂ اثر میں کوشش فرمائیے۔

"تمدن" کے ناظرین میں یقیناً کوئی ایک صاحب بھی ایسے ہونگے جنکے کم از کم دو دوستکی...

وہ جوش رہتا ہے طوفان بحر عشق میں نوح
کہ مجھ کو پار اترنا محال ہوتا ہے

جناب ابوالعلی سید [illegible] صاحب [illegible] لکھنوی

کمال عشق بھی کیا لازوال ہوتا ہے — مرا فراق بھی رشک وصال ہوتا ہے
جو آکے وہ نہیں ملتا تو جان جاتی ہے — غرض نتیجۂ فرقت وصال ہوتا ہے
وہ بار بار [illegible] — کہ قتل کرکے انھیں انفعال ہوتا ہے
اخیر وقت ہے [illegible] — [illegible] سب کو پریشاں [illegible] ہوتا ہے
وہ مہروش [illegible] مجال نہ تھا — جمال [illegible] کے ہمیشہ جلال ہوتا ہے
جو مجھ پہ [illegible] گذرتی ہے [illegible] — [illegible] میرا حال ہوتا ہے
نہ کہہ برائے خدا اور قیدیوں [illegible] — اسیر زلف پریشاں خیال ہوتا ہے
قریب [illegible] کے ترے گرد پھر نہیں سکتے — کہ مجھ سے سایہ ترا پائمال ہوتا ہے
نہ دونگا جان اگر ہجر میں تو [illegible] — [illegible] تو لطف وصال ہوتا ہے
جواب دیگا [illegible] — کسی سے اور کہیں میرا سوال ہوتا ہے

ہے [illegible] جو [illegible]
یہ وصل و ہجر کا آج اتصال ہوتا ہے

حضرت مرزا ثاقب قزلباش لکھنوی

یہاں میں آپ ہی اپنی مثال ہوتا ہے — [illegible] جو آئینہ [illegible] ہوتا ہے
میں طول محنت زنداں بتا نہیں سکتا — یہاں [illegible] سے پیدا [illegible] سال ہوتا ہے
خدا سے [illegible] الفت کہ غم [illegible] — تجھے خبر نہیں کیسا ملال ہوتا ہے

ایسے [illegible] جو تمدن کو [illegible] ہم [illegible] درخواست کرتے ہیں کہ ایسے حضرات براہ نوازش "تمدن" کی توسیع اشاعت میں کوشش فرماکر ہم کو ممنون فرمائیں۔

"تمدن" جس حالت میں ہے اس حالت میں تو وہ آپ حضرات کے سامنے آتا رہے گا مگر [illegible] صورت میں [illegible] کرنا آپ کے ہاتھ میں ہے۔ ایڈیٹر

قمر کے دل میں اگر داغ رہ گیا تو یہی — کہ ایک رات کا مہمان کمال ہوتا ہے
جو ہو سکے تو لحد پر نہ ہلکی چال چلو — جو مٹ چکا ہے وہ پھر پائمال ہوتا ہے
بروئے دوش ہے زلفِ دراز کیوں نہ کہے — خیالِ صید میں کاندھے پہ جال ہوتا ہے
حکایتِ ستم و جور خوب ہے لیکن — یہ رنج ہے کہ انھیں انفعال ہوتا ہے
وفا نبھا دے جسے خونِ دل کے تھالوں میں — ریاضِ دہر میں بس وہ نہال ہوتا ہے
جو کچھ ملے تجھے بلّٰلہ جمع کرتا جا — فقیر سے بھی کسی دن سوال ہوتا ہے
بگاڑ بخت کا اے ہم صفیر کیا بنتا — اک آشیاں کا بنانا محال ہوتا ہے

مجالِ نالہ و فریاد اب کہاں ثاقب
زبانِ حال سے اظہار حال ہوتا ہے

جناب مرزا صابر حسین صاحب صابر خلف حضرت ثاقب لکھنوی

وفورِ دردِ جگر سے یہ حال ہوتا ہے — سنبھل کے سانس بھی لینا محال ہوتا ہے
کھٹک ہے۔ روح کی جو یہ نہ ہو تو کچھ نہ رہے — مریضِ عشق کو جینا وبال ہوتا ہے
ہے روزِ حشر سیہ ظالموں کی آنکھوں میں — مرے گرے ہوئے خوں کا سوال ہوتا ہے
خوشی تو یاد نہیں شاید آ گئی ہو کبھی — وسیع دامنِ صحنِ خیال ہوتا ہے
کمال ہو تو جہاں کچھ بنا نہیں سکتا — غبار سرمۂ چشمِ غزال ہوتا ہے
گلے پہ تیغ ہے اس فرق سے میں کیا خوش ہوں — کہ فاصلہ سے میسر وصال ہوتا ہے
نوید حُسن سے خوش ہو کہ دہر گھات میں ہے — کبھی ہنسی میں بھی پیدا ملال ہوتا ہے
سفر قیام میں دیکھو تو مرنے والوں کا — بغیر جنبش پا انتقال ہوتا ہے
یہ بے نقابی ماہ دو ہفتہ خوب نہیں — زمانہ دشمن اہلِ کمال ہوتا ہے
نہ پر کتر مرے بازو ہی کاٹ لے صیاد — وبال قید میں ایک ایک بال ہوتا ہے

قوی دلال کرم بھی ہیں ناتواں صابر
گراں زبان پہ حرفِ سوال ہوتا ہے

اس مشاعرہ کی اور چند غزلیں اگر ممکن ہوا تو آیندہ نمبر میں درج ہوں گی۔

# گیتانجلی

ہمارے کرم فرما جناب آصف علی صاحب بیرسٹرایٹ لا دہلی نے گیتانجلی کے اُردو ترجمہ کا ایک تنقیدانہ نظر ڈالی ہے جو ملک کے ایک مشہور ادیب کے زور قلم کا نتیجہ ہے جناب نیاز فتحپوری کا نام نامی ادبی دنیا میں کسی خاص تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ جناب نیاز کا دلچسپ پیرایۂ تحریر ان کا خاص امتیاز ہے۔ چنانچہ اس خصوصیت کی جھلک جس طرح ان کی تمام تصنیفات و تالیفات میں نظر آتی ہے وہ اس ترجمہ میں بھی موجود ہے۔

ہمارا ارادہ خود اس کتاب پر تنقید لکھنے کا تھا مگر ہمارے کرم فرما نے اس تنقیدی مضمون کے لکھنے کے بعد اس ضرورت کو پورا کر دیا۔ جناب آصف علیصاحب کی تنقید سے ہمیں ایک بڑی حد تک اتفاق ہے اور اسلیے ہم اس مضمون کے بعد گیتانجلی کے اُردو ترجمہ پر ریویو کرنا ضروری نہیں سمجھتے۔ ایڈیٹر

سر رابندرا ناتھ ٹیگور کی شہرت دوپہر کی دھوپ کی طرح ہر طرف اور ہر جگہ پھیل چکی ہے یہاں تک کہ اُردو جاننے والی نادان دنیا بھی اس نام سے ناواقف نہیں۔

یہاں صرف اسقدر کہدینا کافی ہے کہ رابندرا ناتھ بنگال کے مشہور و معروف اُستاد ہندوستان کے مسلمہ ملک الشعراء اور دنیا کے مانے ہوئے مصنفین میں سے ہیں ان کے کلام سے بہرہ اندوز نہونا گویا علمی دنیا کے چند بہترین نمونوں میں سے ایک سے لاعلم رہنا ہے۔ یہ بدقسمتی ہے اُردو داں دنیا کی کہ اسکے ذخیرۂ کتب میں رابندرا ناتھ کے اُردو ترجمہ موجود نہیں۔ یوں تو بنگالی میں ان کی بہت سی تصانیف ہیں۔ لیکن انگریزی میں اسوقت تک چند کتابیں طبع اور شائع ہوئی ہیں۔ یعنی ایک تو گیتانجلی (نذر نغمہ)

(۲) باغبان - (۳) ہلال - (۴) پیام گاہ - (۵) چترا - (۶) سادھنا - ایک فلسفانہ تصنیف (۷) کبیر کی نظموں کا انگریزی ترجمہ - علاوہ ان نظموں کے جو وقتاً فوقتاً مختلف رسائل میں طبع ہوتی رہی ہیں مصنف نے سب سے پہلے اپنی ایک نظم (!) کا ترجمہ انگریزی میں کرکے گیتانجلی یعنی نذر نغمہ کی صورت میں شائع کیا اسکی مقبولیت کی انتہا نہ رہی اور مغرب نے مثل تشنۂ سہ روزہ کے اس چشمۂ آب روحانیت کی سبیل عام کردی اور تھوڑے ہی عرصہ میں نذر نغمہ کا ہر ایک فرنگستانی زبان میں ترجمہ ہوگیا - ولندیزوں کی اس ادبی انجمن نے جو کئی سال سے اس غرض کے لیے مقرر ہے کہ ہر سال کتب نویسی کے اختتام پر وہ بہترین تصنیف کو منتخب کرکے اسکے مصنف کو ایک معقول انعام عطا کرے جسے وہ انعام نوبیل کہتے ہیں - کیونکہ ایک مخیر مسمی نوبیل کا وہ بنا کردہ ہے جس کی دولت اسی کام کے لیے وقف ہے - گیتانجلی کو سنہ ۱۹۱۳ کی بہترین تصنیف فرنگستان بھر میں قرار دے کر رابندرا ناتھ ٹیگور کو معروف کا مستحق قرار دیا اور ہندوستان کو اس امر کا فخر بخشا کہ مغرب دنیا میں ہم کبھی بالا امتیاز شمار ہوتا ہے - اس قدردانی سے انھوں نے ہماری قدر افزائی کی یا خود اپنی حق شناسی کا ثبوت دیا آنے والی نسلیں فیصلہ کریں گی -

یہاں ترجمہ کے متعلق یہ کہنا ضروری ہے کہ کسی غیر زبان کا ترجمہ کرنا سہل نہیں بلکہ نہایت اہم کام ہے اور صرف اسی وقت اطمینان بخش تکمیل کو پہنچتا ہے کہ مترجم نہ صرف ہر دو زبانوں کے ترجمہ میں دستگاہ کامل رکھتا ہو بلکہ صحیح المذاق ہونے کے علاوہ خوش فکر اور نکتہ سنج بھی ہو یہ صفات کم یابی ہیں بغیر بے معنی ہیں یوں ترجمہ صدہا طرح پر ہو رہا ہے اور ہوتا رہے گا مگر مصنف کے مفہوم کا ادا کرنا اور اسکے مقصد کو بیان کے لباس سے آراستہ کرنا نہایت ہی مشکل کام ہے ترجمہ کا سلسلہ آج صدہا سال ہوئیں کہ جاری ہے اور جہاں تک ہمیں معلوم ہے

اسکی ابتدا عربوں سے ہوئی کہ انھوں نے یونانی عبرانی۔ سریانی۔ سنسکرت فارسی اور دیگر زبانوں کی تصانیف کے ترجمے کرکے اپنی زبان میں ایک نئی جان ڈالدی اُن سے پہلے رومۃ الکبریٰ میں یونانی کتابوں کے ترجمے موجود تھے مگر ترجمے سے خاص اپنی زبان کا تمتّع کرنا خاص عربوں کا خاصہ رہا ہے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ جیسے عمدہ اور صحیح ترجمے انگریزی فرانسیسی اور بالخصوص جرمن زبانوں میں پائے جاتے ہیں اور زبانوں میں کم ہوں گے۔ اب ایک تو ترجمہ وہ ہے کہ جیسے عمر خیام کی رباعیات کا شاعر "فٹزجیرلڈ" نے کیا ہے کہ جس کی مثال اس گلاب کے پودے کی سی ہے کہ جس میں کسی دوسرے قسم کے گلاب کی قلم لگا دی جائے پتے اور شاخیں ضرور اسی گلاب کی سی رہیں گی مگر پھول بلحاظ خوشبو۔ رنگ اور جسامت کے بالکل مختلف ہوگا۔ چنانچہ عمر خیام کے خیال ضرور ہیں مگر ایک نئی زبان اور ایک نازک خیال شاعر کی خیالکاری سے مزین ہو کر بالکل ایک نئی چیز ہوگئے اور حقیقت یہ ہے کہ اصل سے ترجمہ بہت بڑھا ہوا ہے۔ دوسرا وہ ترجمہ کہ جیسے دیوان حافظ کا ترجمہ "کاڈیل" کا کیا ہوا۔ یعنی ایک عالم متبحر کا سالہا سال کے عقل افروز مطالعہ زبان و دیوان کے بعد۔ اصل سے قطعی مطابق اور ہر لحاظ سے تحقیق علمی کے زیور سے آراستہ تیسرا وہ ترجمہ جو عالم "ہیگرڈ" نے شاعر بے بدل کالیداس کی تصنیفات کا کیا ہے۔ کہ مغربی نکتہ سنجی اور نسبتی تنقید کا نمونہ اور علمی تجسس و جانفشانی کا مرقع مگر اصل کی خوبیوں سے معرّا اور حلاوت سنسکرت سے بے بہرہ پھر ایسے بھی ترجمے ہیں کہ جیسے شاعر "گوئٹے" کے "فاؤسٹ" کا لیتھم کا کیا ہوا ہے۔ کہ وہ یوں ہر طرح مسلّم ترجمہ ہے مگر جو اصل پڑھ چکا ہے اُسکے لیے بے نمک ہے۔ اسی طرح شاعر "دانتے" وغیرہ کے کلام کے ترجمے۔ نثر کے ترجمے پھر صحیح اور عمدہ ممکن ہیں اور مغرب میں شب و روز ہوتے ہیں مگر نظم کا ترجمہ

نہایت ہی اہم کام ہے۔ یوں انگریزی میں استاد "طاسطائی" روسی اور "ماتر
لینک" بلجیمی "ہنرک ابسن" سویڈ - نیز استاد "ہاد پتمان" جرمن اور "سترنڈ
برگ" ناروجین اور بہت سے مصنفین غیر ممالک کے تصانیف کے مختلف ترجمے
موجود ہیں اور روز ہوتے رہتے ہیں۔ ان میں بعض اچھے بعض بُرے بعض معمولی
ہوتے ہیں فرانس کے اساتذہ کی تصانیف کے ترجمے ہم نے نہایت کمزور بھی
دیکھے اور نہایت چست بھی مگر اصل کو پہنچنے والا ترجمہ کم ہوتا ہے۔
ہاں تصنیف را مصنف نیکو کند بیان صحیح ہے۔ اور اس لحاظ سے گیتان جلی کے مصنف کا
اپنا کیا ہوا ترجمہ ہر طرح قابل قدر ہے کہ وہ خود اپنی جگہ ایک تصنیف ہے۔ جو اسکی اصلی وقعت
اور قدر ہوئی اس سے صاف ظاہر ہے کہ آج تین سال سے کم میں مہذب
دنیا کی کوئی زبان ایسی نہیں کہ جس میں اس کا ترجمہ نہیں ہو گیا
چینی و جاپانی زبانوں کے متعلق ہمیں علم نہیں۔ مگر فرنگستان کا کوئی ملک
ایسا نہیں کہ جہاں گیتانجلی کا ترجمہ موجود نہ ہو۔ گیتانجلی کے طبع ہوتے ہی ہمارے
محترم دوست جناب عبدالرحمن سیوہاروی صاحب نے جو اس وقت اطالیہ
میں بغرض تکمیل تعلیم اقامت پذیر تھے اسکا منظوم اور بہ حلاوت ترجمہ کرنا شروع
کیا۔ مگر واقعات زمانہ نے مہلت نہ دی کہ اسے تکمیل کو پہنچاتے اور وہ نظمیں بھی
جو ترجمہ ہوئی ہیں اور نظر ثانی کی محتاج نہیں اس دم تک ان کے ذخیرۂ تصنیفات
میں روپوش ہیں اسی اثنا میں ایک دو اور صاحبوں نے بھی ارادہ کیا کہ اردو کو
اس دولت سے متمتع کریں مگر ان کے ارادوں نے بھی جامۂ عمل سے پیراستہ ہونا
بیجا بے وقت خیال کیا یا زمانے کی سبک رفتاری نے ان کی عریانی کو زیادہ نظر فریب بنا

(۲)

آج ہم نے نیاز محمد صاحب نیاز کا کیا ہوا ترجمہ جو ایک نئی مگر خوشنما طرز کی
جلد سے ملبوس اور عمدہ کتابت کے زیور سے آراستہ خاصے بھلے دبیز کاغذ پر

ورد ہوا ہے دیکھا۔ اہل ہنود طلوع آفتاب کے وقت جلی چڑھاتے ہیں جو حقیقت میں ایک قسم کی نیاز یا نذر ہے ہمارے خیال میں اگر بجائے "عرض نغمہ" بابو صاحب "نذر نغمہ" کہتے تو شاید گیتا نجلی کا مطلب زیادہ صاف ہو جاتا۔ ہم حسن سے پہلے قبح کا بیان کرنا مناسب طرز عمل خیال کرتے ہیں اور وہ محض اس وجہ سے کہ جب حسن کا ذکر آئے تو اُس کے متضاد کا پہلے ہی کام تمام ہو لیا ہو۔ بدیں وجہ ہمارا پہلا اعتراض اور غالباً اکثر دیکھنے والوں کا اعتراض مترجم کی تصویر پر ہوگا۔ خود مصنف نے جب اپنی تصویر گیتا نجلی میں چھپوائی تو اکثر صحیح المذاق نقادوں نے اسکو قابل حذف کرنا اور کہے بغیر نہ رہے کہ تصویر مصنف کا شامل تصنیف ہونا گو کسی حد سے مشرقیت کی علامت ہو مگر بظاہر غیر ضروری معلوم ہوتا ہے اب اسپر مترجم صاحب کی تصویر کا اضافہ ہو گیا ہے۔

مقدمہ پڑھنے کے قابل ہے۔ اور ہر طرح عجیب اور مناسب ہے۔ صرف مقام اول جہاں مترجم نے مغربی تعلیم یافتہ طبقہ کا تذکرہ اس طرح کیا ہے کہ گویا اس طبقہ کا کوئی بھلا یا برا فرد ایسا نہیں کہ جسے اُن سے تعارف کا فخر حاصل ہو اور جسکے ہندی اور ملکی خیالات سے وہ پورے پورے سے نہ واقف ہوں اور جسکے فضائے دماغی اور ارتفاع عقلی کے تمام نشیب و فراز ان کے مشاہدہ سے نہ گذرے ہوں اس امر کی دلیل ہے کہ بابو صاحب کو بدقسمتی سے ایک خاص جماعت سے سابقہ پڑا ہے اور اس سے بھی زیادہ بدقسمتی یہ ہے کہ بلا استثنیات اس جماعت کے ہر فرد نے باوجود نیم تعلیم یافتگی کے بابو صاحب کو اس امر کا یقین دلا دیا کہ اسکے نیم پختہ اور خام محض خیالات حقیقت میں مغربی تعلیم کا اعلیٰ نمونہ ہیں اور ہر طرح مغربی تہذیب کا اصل نقشہ ہیں۔ خیر بابو صاحب نے نہایت سچے جذبات اور خالص ہمدردی کو نہایت پر زور اور بلیغ الفاظ میں ادا کیا ہے اور ہم خود ان کے ہمنوا ہیں۔ مگر ان کا یہ تعین

ذہنی کر لینا کہ مغربی تعلیم کے عمدہ نمونے وہی بدنصیب اصحاب ہیں کہ جو ان کے مورد عتاب اور ہمارے افسوس اور رحم کے مستحق ہیں سراسر اُنکے محدود تجربہ اور تنگ دائرہ ملاقات ہونے کی پُرزور دلیل ہے۔ نیز اُن کا مغرب کو مادہ پرست کہنا اس خیال کی صداقت کرتا ہے کہ نیاز صاحب خود مغرب کے بعض ایک اور مذموم پہلوت واقف تھے۔ تعجب ہے کہ مغرب کی مادہ پرستی کا خیال کرتے ہوئے اور مادہ پرستی کی بدنما حقیقت پر قلم رانی کرتے ہوئے نیاز صاحب نے سقراط۔ ارسطو۔ فلاطوں کو متقدمین اور حضرات کانٹ۔ برکلے۔ شوپن ہاور۔ کومتے۔ سپی نوزا۔ ہیوم جیسے اور بہت سے فلسفیاں اور گوئٹی۔ دانتی۔ ائیز لنیک جیسے شعرا اور ہنرک ابسن طالسطائی وغیرہ جیسے ادب کے اساتذۂ زمانیاں کو قطعی نظرانداز کردیا۔ اور قوا ور خود عیسائیت کی تحریک روحانیت کا بھی خیال نہ کیا۔ اب اگر آپ بحر زخار کے کنارے کھڑے ہو کر تموّج آب کو صحرائے اعظم کا بگولہ اور آندھی کہیے تو بھلا یہ کس کا قصور۔ نیاز صاحب کو تعجب ہوا ہوگا کہ مغرب نے روحانیت ایک نئی صفت پیدا کی اور مشرق والوں کو یہاں بھی اگر نیچا نہ دکھایا۔ تو یہ ضرور دکھا دیا کہ کوئی خاص صفت ان کی وراثت پایا جاگیر نہیں مگر ہمیں تو ذرا بھی اس بات پر تعجب نہیں ہوا۔ ہاں نیاز صاحب کے اس تعجب پر ضرور حیرت ہوی کہ انھوں نے ایک اپنی خیالی دنیا الگ بنا کر یہ سمجھ لیا تھا کہ ہر ایک ایسی ہی دنیا میں رہتا ہے مغرب کے اس ہمہ صفت موصوف ہونے اور ہر علم و فن اور طریقے پر تخئیل میں کمال حاصل کرنے ہی نے تو ہمارے مغربی تعلیم یافتہ اصحاب کو مغرب کا اس درجہ مداح اور پیرو بنایا کہ جس کی نقل نے اس مذموم جماعت کو پیدا کیا کہ جو نیاز صاحب کے مورد عتاب ہوی۔

اسکے علاوہ باقی مقدمہ نہایت دلچسپ اور خاصہ بسیط ہے۔ تبصرہ سے مذاق

سلیم کا پتہ چلتا ہے اور بیدل کے کلام کے بہت ہی تھوڑے حوالے نے بھی مقدمہ میں جان ڈال دی ہے چیدہ اشعار نو آموز اور صاحب مذاق دونوں کے لیے روغن بر آتش ہیں۔ اگر نہ دیکھا ہو تو بیدل کا کلام دیکھنے کا شوق اور اگر دیکھا ہو تو اسکے دوبارہ پڑھنے کا ذوق خواہ مخواہ پیدا ہوتا ہے خود مقدمہ کا طرز تحریر ایسا بھلا اور ستھرا ہے کہ خواہ مخواہ پڑھنے کو دل چاہتا ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ خود مترجم صرف مترجم ہی نہیں بلکہ نظر غائر اور خیال عمیق رکھتا ہے۔ یوں نثر ہے مگر خاصہ نظم کا مزہ آتا ہے غرض نیاز صاحب کی طبیعت جدت پسند معلوم ہوتی ہے اور شاید ہر ایک قسم کی جدت کے قدامت پسندوں کو خواہ بھلی یا بری معلوم ہو نہایت دلچسپ اور بہلانے والی ہے اور زبان کو بالخصوص ایسے شاعروں اور اختراع الفاظ و فقرات کی شدید ضرورت ہے۔ نیاز صاحب کی عربی ترکیبیں ضرور ثقیل ہیں مگر عام طور پر نثر نہایت سلیس اور پاکیزہ ہوتی ہے اور ہمارے خیال میں یہ اعلیٰ درجہ کی تعریف ہے۔

(۳)

یہ کہنا یا سمجھنا کہ رابندرا ناتھ کے کلام کی ایک تشریح یا تاویل ممکن ہے گویا شاعر کے وسعت تخیلات کی سخت توہین ہے۔ اس وجہ سے اسکے کلام کا ترجمہ بھی مختلف لوگ مختلف طریقہ پر کریں گے۔ انگریزی اصل اور اردو ترجمہ کے مقابلہ سے صاف ظاہر ہے کہ مترجم نے جانفشانی سے ضرور کام لیا ہے۔ اور جہانتک سلاست زبان اردو کا تعلق ہے حتی المقدور ترجمہ کو اچھی صورت دی ہے۔ اور یہ ہم پہلے ہی کہہ چکے ہیں کہ مترجم کی نثر عمدہ طرز کی ہے۔ مگر اس ترجمہ میں بلحاظ ترجمہ کے ہنوز بہت اصلاح اور درستی کی گنجایش باقی ہے اگر اصل سے مقابلہ نہ کیا جائے اور صرف اردو ترجمہ ہی کو پڑھا جائے تو بجائے

خود وہ نہایت دلچسپ انشا پردازی کا نمونہ ہے اور تخیلات بھی شاعرانہ اور نازک ہیں باوجود اسکے کہ اکثر مقامات پر نہ صرف مفہوم بلکہ الفاظ کے معنی خود اصل سے بہت بعید بلکہ قطعی بدرجۂ مغائرت ہیں۔ ہم نے جس نظم کو پڑھا بجائے خود بہت بھلی معلوم ہوئی مگر مقابلہ کرنے پر اصل سے مشابہ ہونے کے علاوہ بعض اوقات خاص الفاظ اور دیگر موقعوں پر فقرے ہی اصل سے نہ صرف غیر مانوس بلکہ بعید از قیاس۔ اور گو یہ کہتے ہوئے جی دُکھتا ہے اور خوف بھی آتا ہے کہیں اس کا نتیجہ جرات فرسا اور بہت سوز نہو مگر علمی و ادبی راست پسندی مجبور کرتی ہے اور کہنا پڑتا ہے کہ ہماری رائے میں جہاں نیاز صاحب کی سعی محنت اور ہمت قابل داد و تحسین ہیں وہیں یہ کہنا بیجا نہوگا کہ نیاز صاحب کے قوائے روحانی اور دماغ تصنیفات کے لیے بمقابلہ ترجمہ و تالیف کے بہت زیادہ موزوں معلوم ہوتے ہیں، اور وہ اُردو داں دنیا کے لیے بمقابلہ مترجم کے مصنف بہتر ہوں گے ہر شاعر مزاج اور جدت پسند انسان کا خاصہ ہے کہ وہ تصنیف میں کامیاب اور ترجمہ میں ناکام ہوگا۔ باقی یوں یہ ترجمہ بجائے خود ایک تصنیف ہے اور پڑھنے کے قابل ہے۔ اور اگر اس میں ضروری اصلاح ہوگئی تو مترجم مبارکباد کا مستحق ہوگا۔ یہ کہنا بھی ضروری ہے کہ ترجمہ میں فقرہ مابین قوسین کا استعمال قابل اصلاح ہے۔ اگر لفظی ترجمہ ادائے مطلب کے لیے ناکافی ہو تو محاورتی ترجمہ جائز ہے اور محاورتی ترجمہ بعید از امکان ہو تو حاشیۂ زیرین پر اکتفا لازم ہے۔ قوسین کے بیچ کا فقرہ ایسا ہی بُرا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے کسی اجنبی کا دخل در معقولات ہونا۔ یہ طریقہ ترجمہ کا اب بہت کہنہ ہوگیا ہے اور اصلاح کا مستدعی ہے۔ پڑھنے والے کو یہ طریقہ نہایت ناگوار معلوم ہوتا ہے اور وہ یوں کہ یا تو مترجم ناظرین کو کم فہم خیال کرکے

ان کو سمجھانے کی غرض سے خود تشریح پر اتر آتا ہے اور یا یہ ممکن ہے کہ وہ خود مصنف کی کوتاہی اظہار کو اپنی مفصل بیانی سے مکمل کرتا ہے۔ ہر دو صورتیں قابل ترک ہیں۔ تصریح و تشریح کے لیے حاشیہ موجود ہے محاسن کی طرف توجہ دلانے کو دیباچے اور مقدمے ہوتے ہیں۔ قوسین کا استعمال قطعی نامناسب ہے۔ موزوں ترجمے کو حذف کرنے کی وجہ صاف ہے۔ اس کا تعلق محض بدذوقی سے ہے۔

دگیتانجلی کا اردو ترجمہ۔ لطیف بینڈ کو آگرہ نے شائع کیا ہے درویش پریس دہلی میں طبع ہوا۔ مصنف رابندرا ناتھ ٹیگور۔ مترجم نیاز محمد خاں نیاز فتحپوری قیمت ۱۲

آصف علی

# نظارۂ خرابات

بسلسلہ اشاعت گزشتہ

ہو آشکار زینت کلک گہرفشاں　دکھلا دے وہ زمیں کہ ہے رشک آسماں
ہو ہر عیاں وہ گوہر ستارے کہیں کہ ہاں　تابندگی سے آئینہ خانہ بنے جہاں
سر تا بپا عروس سخن کو سنوار دے
شیشے میں آج سارا پرستاں اتار دے

آئینہ کیا ہے گرد سکندر کے سامنے　مفلس کی کیا بساط تونگر کے سامنے
کم اصل سنگ ریزہ ہیں گوہر کے سامنے　پروانہ ذرہ کیا ہے شہ خاور کے سامنے
نافہم پہنچے رمز سخن کو محال ہے
عاقل اسے کہے گا کہ سحر حلال ہے

اہل نظر کو نظم ثریا نشاں ہے یہ　شاخ ہدی جو ہے وہ کہکشاں ہے یہ
شاداں ہو جس سے روح وہ رحمت رساں ہے یہ　روح القدس کا وجد میں آکر بیاں ہے یہ
کیا خوب باب مدحت باب علوم ہے
ارشد ترے کلام کی کوثر پہ دھوم ہے

لعل و گہر یہ وہ ہیں کہ جوہری ملک   پہنچی ہے ان جواہروں کی عرش تک چمک
حسنِ سخن میں تیرے کسی کو نہیں ہے شک   تسلیم کو خمیدہ ہوا ہے سرِ فلک
لطفِ زباں نے شاد کیا جبرئیل کو
ہے یہ ترا پسند ہے ربِّ جلیل کو

رفعت پہ تیرا کوکبِ اقبال ہو گیا   مسند نشینِ شوکت و اجلال ہو گیا
فرخندہ بخت آئینہ تمثال ہو گیا   عصیاں سے پاک نامۂ اعمال ہو گیا
اللہ سے شرف کی سند آج مل گئی
رتبہ بلند ہو گیا معراج مل گئی

اللہ رے نصیب کہ رحمت کا ہے نزول   ہے لطفِ کردگار تو محنت بھی ہے قبول
آساں نہیں ہے کچھ درِ مقصود کا حصول   ارشد کجا وہ عالمِ بالا کہاں یہ پھول
میں کیا ہوں اور کیا مری مدحت سرائی ہے
مشکل کشا کے ہاتھ سب عقدہ کشائی ہے

اے ربِّ ذوالمنن یہ حمایت کا وقت ہے   محبوبِ کبریا یہ عنایت کا وقت ہے
یہ پردۂ حجاب سے طلعت کا وقت ہے   ہاں اے زباں یہ تیری صداقت کا وقت ہے
مطلب یہ ہے کہ راز کا اب انکشاف ہو
مطلع بھی مثلِ مطلعِ انوار صاف ہو

مطلعِ ثانی

کھل جائے آج دفترِ نظم و نسق نیا   ہو آسماں پہ رنگِ طلوعِ شفق نیا
تیار ہو کتابِ جہاں کا ورق نیا   وہ عیش ہو کہ پھر نہ ہو دل کو قلق نیا
عہدِ کہن جو پھر سے ہو تازہ تو خوب ہو
چمکے وہ آفتاب نہ جس کا غروب ہو

سیارہ داں کی ہے سحر و شام پر نظر   رکھتے ہیں دوربیں ہر اک کام پر نظر
کرتا ہوں جب مسافرِ اسلام پر نظر   آغاز پر نظر ہے نہ انجام پر نظر
دنیا کی کچھ خبر ہے اسے اور نہ دین کی
اب تک نہیں تمیز امامِ مبین کی

کیوں پھر رہا ہے مسلم آوارہ کو بکو    پھرتا ہے اپنے پردۂ غفلت ہٹا دے تو
موجود ہیں نور میں ہدایت کی جستجو    کافی نہیں ہے کیا [illegible]

ہے [illegible] شفا دل مجروح کے لیے
[illegible] روشن [illegible] کے لیے

روشن ہے نور شمع ہدایت کے واسطے    ہے آفتاب [illegible] ظلمت کے راستے
حاجت نہیں ہے ماہ کو زینت کے واسطے    میدان کم نہیں تری وسعت کے واسطے

جاری ہے فیض عام خدا کی کتاب کا
[illegible] ہے عمل آفتاب کا

قرآن پر ہو قائل قرآں عمل کرے    کیا [illegible] حدیث کا ہے جو رد و بدل کرے
عمل [illegible] ہے وہ کیا [illegible]    [illegible] سیاہی [illegible] کرے

ظلمات [illegible]
[illegible] چشمۂ آب حیات سے

[illegible] رحمت [illegible] جاری [illegible] چاہیے    [illegible] حیات کی تقلید [illegible] چاہیے
لطف [illegible] شگفتہ [illegible] چاہیے    اور [illegible] بصد مسند جمشید چاہیے

[illegible] جو تری [illegible] کی چاہ سے
[illegible] چرخ وہ بالا ہے ماہ سے

ماہ [illegible] زینت [illegible] کا [illegible]    وہ ماہ جو [illegible] زبان [illegible] ثبات
وہ ماہ جس کی ذات سے سرچشمۂ حیات    وہ ماہ [illegible] ازل سے ابد تک [illegible]

ہاں وہ قمر جو کاشف حسن قدیم ہے
جس کا جمال زیور عرش عظیم ہے

وہ ماہ جس کا فیض ہے جاری جہان پر    سکہ ہے جس کے نام کا کون و مکان پر
توحید کا نشان ہے [illegible] زبان پر    مصحف گواہ ہے رخ زیبا کی شان پر

عکس جمال [illegible] ربانی وہی تو ہے
نور ازل کا مطلع ثانی وہی تو ہے

آغا غلام حسین ارشد

# اعراب جاہلیت کا سالانہ مشاعرہ

(سلسلے کے لیے جون کا پرچہ ملاحظہ ہو)

تین قصیدے خانۂ کعبہ پر ابھی تک لٹک چکے ہیں امرء القیس اور طرفہ اور زہیر کی شاعری آنکھوں میں کھبی ہوئی ہے۔ اگرچہ عرب کے بچے بچے میں اس سرزمین کی تاثیرات آب و ہوا نے شاعری کا مذاق کوٹ کوٹ کے بھر دیا ہے اور کوئی طبقہ اور گروہ اس مذاق سے خالی نہیں ہے۔ لیکن نظریں جب اٹھتی ہیں تو ان ہی تین شخصوں پر جاتی ہیں۔ آج خانۂ کعبہ پر نقرئی اور طلائی حرفوں سے نہایت بیش بہا چیزوں پر لکھے ہوئے آویزاں نظر آتے ہیں اور کیوں نہ ہو ان کی یہ شان و شکوہ جبکہ تمام فصحائے عرب نے ان کو تمغۂ کامیابی پہلے ہی دے دیا ہے۔ اب شعرائے عرب سے ہر شخص کا یہ خیال ہے کہ کچھ ہم بھی ایسی زوردار نظم لکھ کے پیش کریں کہ کچھ نہ امرء القیس وغیرہ سے بڑھی چڑھی یا کم سے کم اتنی ہی مقبولیت تو ضرور حاصل کر لیں۔ جو ان لوگوں کے واسطے ہے۔

مگر اکثر تو یہ ہوتا ہے کہ قصیدہ انشا کرنے کے بعد ملک میں پیش کرنے کی نوبت ہی نہیں آتی کہ خود ہی طبیعت اپنے عجز کا اعتراف کر لیتی ہے اور بڑھی ہوئی ہمتیں پست ہو کے رہ جاتی ہیں۔ اور بعض ناعاقبت اندیش کلام ملک میں پیش کرنے کے بعد ندامت اٹھاتے ہیں۔ مگر واقعی کیا کہنا ہمت والی قوم کا باوجود ان ناکامیوں کے ہر مرتبہ میں بجائے کمزوری کے اور جوش زیادہ ہوتا ہے اور قوت بڑھتی جاتی ہے۔ دنیا میں زندہ رہنے والی قوموں کے یہی آثار ہیں کہ ہمتوں کو کبھی پست نہیں ہونے دیتے آخر کو کامیابی اور سب دلخواہ کامیابی نصیب ہوتی ہے اور یہ بات ہوتی ہے جب [illegible]

ان تین شاعروں کے بعد ہوا کہ ملک الشعراء لبید بن ربیعہ بن مالک بن جعفر بن کلاب

ابن ربیعہ بن عامر بن صعصعہ بن معاویہ بن بکر بن ہوازن بن منصور بن عکرمہ بن خصفہ بن قیس بن عیلان ابن مضر ابن نزار بن معد بن عدنان کی طبیعت گرائی اور خداساز طبیعت شاعری کا پارہ چڑھنا شروع ہوا آفتاب فکر آسمان شاعری کے افق سے طلوع ہوتا ہوا دائرہ نصف النہار پر آ ہی گیا اور جوش میں اس نے وہ قصیدہ انشا کیا کہ تمام فصحائے عرب کے پتے پانی ہو گئے۔ چنانچہ ایک یہ بھی بیش بہا موتی اسی جواہرات کی لڑی میں منسلک کر دیا گیا۔ اب خانہ کعبہ پر بجائے تین نایاب قصیدوں کے چار معلقات نظر آنے لگیں۔ لبید کا آخری عہد ہے اور طبیعت شاعری کا شباب ہے تمام عربستان کفرستان ہو رہا ہے کہ عرب کے خاندانوں اور چٹیل وادیوں پر اسلام کا آفتاب چمکا اور تمام صحرائی روشنیاں عرب کی چمکی اور ماند ہونے لگیں دیو زاد کفر کا زور گھٹنے لگا۔ فصاحت و بلاغت پر ناز کرنے والوں کے مقابل میں خدا کا بھیجا ہوا رسول کلام الٰہی کو پیش کرنے لگا۔ کاہنوں کے رنگ سونلائے مدعیان تکلم کی زبانیں لکنت میں آ گئیں۔ اعراب کی مایہ ناز فصاحت و بلاغت کی شمعیں دفعتہً گل ہونے لگیں یہانتک کہ مادہ قابل رکھنے والے تاثیرات کلام الٰہی سے مست ہونے لگے رفتہ رفتہ یہ اثر یہانتک پہنچا کہ لبید کا ایسا فصیح و بلیغ شاعر بغیر اسلام لائے نہ رہ سکا۔ دیکھو انصاف اسکو کہتے ہیں اور حق پسندی کے یہ معنی ہیں کہ لبید وہ شاعر ہے جسے فصحائے عرب اپنے عہد کا ملک الشعرا اور راس الشعرا سمجھتے ہیں کلام کو مقبولیت بھی اتنی ہے کہ ہر طرف آنکھوں پر چڑھایا جاتا ہے مگر اسلام لاتے ہی یہ کہکر اپنی مقبول خاص و عام شاعری کو ترک کرتا ہے یکفینی القرآن فھو نعم البدل من الاشعار۔ اس کا سال وفات ۴۱ھ ہے باختلاف آراے مورخین اس نے ایکسو پینتیس یا ایکسو چالیس یا ایکسو ستاون برس کی عمر کی۔ یہ بعد ظہور اسلام پچپن برس زندہ رہا۔ قصیدہ

اسکے بہترین کلام سے سمجھا جاتا ہے مورخین لکھتے ہیں کہ یہ علاوہ ایک باکمال شاعر ہونے کے ایک منچلا سپاہی بھی تھا اور دل پھینک ہے۔ یعنی بخوبی مطلع تھا شجاعت کے ساتھ ہی ساتھ سخاوت کا بھی مادہ معقول رکھتا تھا۔

النابغہ ذبیانی جو شعراء طبقہ اولی میں ایک رکن سمجھا جاتا ہے اس نے لبید سے قصیدہ کے سننے کے بعد یہ الفاظ مدح میں کہے ہیں۔ انت اشعر العرب مختصر یہ کہ یہ قصیدہ جو لبید نے اس زمانہ کے مذاق کے موافق بے نظیر کہا ہے قصیدہ دیگر کالمعلقات میں ہے اور اصول ... اسکے مضامین ... ہے۔ لبید نے اس قصیدہ میں مختلف چیزوں پر طبع آزمائی کی ہے اس زمانہ میں جو چیزیں ... تھیں ان سب پر لبید نے بھی زور طبیعت دکھایا ہے چنانچہ کہیں اپنی شتر سواری پر فخر و مباہات ہے کہیں احباب کے لیے اونٹوں کے ذبح کر ڈالنے پہ تعلیاں ہیں کہیں شجاعت و بہادری کے کارنامے ہیں کہیں فرقت احباب پر یاس آمیز نوحے ہیں۔ اسکے ... بہت کم سنی کے زمانہ میں ... بادشاہ عرب کے دربار میں عبس کے مصاحب خاص ربیع بن زیاد عبسی سے ہوا تھا۔ ربیع لبید کا رشتہ میں ماموں ... تھا کیونکہ اسکی ماں بنی عبس سے تھی۔ ... اسکا قصہ یہ ہے کہ ایک ... ایک چھوٹی سی جماعت ... کے قبیلہ سے نعمان بادشاہ عرب کے دربار میں ... ہوئی جس میں لبید بھی تھا مگر لبید کا سن اس زمانہ میں بہت کم تھا جب یہ جماعت اندر جانے لگی تو ... ربیع نے کچھ نامناسب الفاظ توہین آمیز لہجہ میں اسکے قبیلہ کے متعلق کہے جس کا ایک خاص اثر لبید کے قلب پر ہوا چنانچہ وہ وقت تو کسی نہ کسی طرح ٹل گیا اور آئندہ روز پھر جب دربار میں مناظرہ کی ٹھن گئی تو لبید نے پھر سے دربار میں ربیع کو ایسے دندان شکن جواب دیئے کہ ربیع کو

سوائے اسکے اور کچھ نہ بن پڑا کہ وہ ہمیشہ کے لیے ذلیل ہو کے دربار سے رخصت ہو جائے
میں اسوقت لبید کے قصیدے سے بطور ابتدائی اشعار پیش کرنے کے بعد دو اشعار لکھونگا
جنمیں اس مناظرہ کے متعلق لبید نے مفاخرت کی ہے۔

مطلع

عفت الدیار محلها فمقامها — بمنی تأبد غولها فرجامها

لبید کہتا ہے کہ [illegible] پیارے [illegible] احباب اور خوش [illegible] دوستوں کے وہ نشانات مٹ گئے
اور نیست و نابود ہو گئے [illegible] میں [illegible] سے [illegible] مکان مٹ گئے
وہ بھی جو [illegible] قیام کے لیے [illegible] وہ بھی [illegible] مٹ گئے اور وہ بھی جو
ہمیشہ کے [illegible] قیام [illegible] ہوتے [illegible] موضع
منے کی [illegible] اور رجام بھی ویران اور
وحشتناک ہوگئے [illegible] دل کا یہ حال ہوگا
اے خیاب [illegible] لبید کی شاعری [illegible] ہے جو ایک درد بھرے
دل کے ہوتے ہیں حقیقت [illegible] اگر کوئی بھرا پورا گھر تباہ و برباد
ہو جاتا ہے تو عرصہ تک [illegible] وحشت کا ایک خاص
[illegible] شعر [illegible] اس اثر کو
[illegible] تو ہی
[illegible] پھر [illegible]
[illegible] نظر آ رہے ہیں۔

[illegible] — [illegible] كما ضمن الوحي سلامها

لبید نے [illegible] ایک [illegible] کہتا ہے کہ [illegible] کے وہ [illegible]

ﻪ منی ایک مقام ہے [illegible] تھا۔

اور پانی کے مجرے کچھ عجب وحشتناک نظر آرہے ہیں جنکو غبار و ریگ نے عرصہ تک اپنی چادروں میں چھپا لیا تھا اور اب پانی کے سیلوں نے انھیں پھر ظاہر کر دیا ہے حالانکہ وہ نشانات پرانے ہیں اور وہ تو ضامن ہیں مٹ کیا سکتے ہیں جس طرح تیھر کے نشانات لاکھ کہنہ ہو جائیں مگر مٹ نہیں سکتے اسی طرح ان مکانوں کے نشانات بھی نہیں مٹ سکتے ۔ مقصود یہ ہے کہ لاکھ چھپانے والی چیزیں چھپائیں مٹانے والے حوادث مٹائیں مگر یہ عبرت کی تصویریں صفحۂ ہستی سے مشکل سے مٹیں گی۔

دمن تجرم بعد عهد انیسها حجج خلون حلالها وحرامها

یہ نشانات جن کو میں دیکھ رہا ہوں اُن گھروں کے نشانات ہیں جن سے مکینوں کو چھوٹے مدتیں ہو گئیں ان پر صاحب مکان کے جدا ہونے کے بعد سال کے سال گذر گئے واقعی لبید کی یہ تخیل بھی کس قدر دردمیں ڈوبی ہوئی ہے گویا سوقت لبید کی نظروں میں ان نشانات نے اس منزل کی صورت سابق کا نقشہ پورا پورا کھینچ کے پیش کر دیا ہے اور وہ مدتوں کی بھولی ہوئی صورتیں یاد آ کے دل تڑپا رہی ہیں انتہائے شوق کا مقتضا یہ ہوتا ہے کہ وہ صورتیں جو اسوقت خزانۂ خیال سے حافظہ میں منتقل ہو رہی ہیں کسی طرح نظروں کے سامنے واقعی طور پر موجود ہو جائیں اور مایوسی کہتی ہے کہ عقل کے ناخون سے اب وہ کہاں ممکن یہ خیال خام ہے ۔ ان منزلوں کو چھوڑے ہوے ان لوگوں مدتیں گذر گئیں۔

رزقت مرابیع النجوم وصابها ودق الرواعد جودها فرهامها

اس شعر میں لبید اس حالت کو دکھا رہا ہے جو ابر و باران سے کھنڈروں کی ہو جاتی ہے کہتا ہے کہ ان شکستہ مکانوں کو ان کھنڈروں کو غذا دی گئی ہے یعنی خود رو سبزے سے آراستہ کر دیے گئے ہیں اس طرح پر کہ ابر بہاری تاثیرات کواکب سے اکثر کم و بیش برسا

معمولی اور غیر معمولی گرج اور چمک کے ساتھ اس بات کو انکے حسرت بھرے ویرانے کی صورت کچھ ہی دنوں کے لیے سبزۂ بیگانہ سے بدل دے اور بلکہ اس شعر میں ایک باریک بات اور بھی ہے جو توجہ دلانے کے قابل ہے جسکو لبید نے دکھایا ہے وہ ایک عقیدہ ہے اعراب جاہلیت کا جو اُس زمانہ میں ان کوا مرو باور تھا۔ چنانچہ مرابیع النجوم سے اُسی طرف اشارہ ہے۔ نجوم سے اس مقام پر مراد انواء ہیں انواء جمع ہے نوء کی یہ مثل سمک اور جوزا وغیرہ کے وہ اٹھائیس تارے ہیں جنکے طلوع و غروب کا سال میں وقت اعراب جاہلیت جانتے تھے یہی تارے اُنکے نزدیک منازل قمری ہیں اور اُن کی شان اعراب جاہلیت کے نزدیک یہ تھی کہ ہر تیرھویں شب کو وقت طلوع سحر ایک تارا اُن میں مغرب کی طرف ٹوٹتا ہے اور اُسی وقت اُسکے مقابل میں ایک تارا مشرق میں طلوع ہوجاتا ہے چنانچہ ان سب تاروں کے طلوع و غروب[1] کے تمام ہونے کے ساتھ ہی سال تمام ہوجاتا ہے زمانہ جاہلیت میں اعراب ان ہی تاروں کو بارش اور ہوا کا سبب قرار دیتے تھے کچھ خاص ایسی شناختیں تھیں اُنکو جن سے وہ ایک تارے کے ٹوٹنے اور دوسرے کے طلوع ہونے سے یہ حکم لگا دیتے تھے کہ اب بارش ضرور ہوگی اور ہوتا بھی ایسا ہی تھا اُنکے قیاس اکثر صحیح نکلا کرتے تھے۔ اس شعر میں لبید نے اُسی عقیدہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔

مِن کُلِّ سارِیَۃٍ وغادٍ مُدجِنٍ وعَشِیَّۃٍ مُتَجاوِبٍ إرزامُہا

ان کھنڈروں کو ان شکستہ مکانوں کو ہر قسم کے بادلوں نے مدد دی ہے صبح کے برسنے والے بادلوں نے الگ گھنگھور سیاہ گھر کے برسنے والی گھٹاؤں نے الگ سہ پہر کے برسنے والے بادلوں نے الگ جن کی گرج دوسرے مقاموں سے

[1] واضح رہے کہ عرب میں جاڑے کی بارش اکثر شب کو ہوتی ہے اور ابر بہار صبح کو ہوتا ہے اور گرمیوں میں سہ پہر کو

ٹکرا کے اپنا جواب آپ پیدا کر لیتی ہے۔ گویا منشاء یہ ہے کہ ان ویران منزلوں کی اداسی کم کرنے میں بادلوں نے بڑا حصہ لیا ہے۔

ناظرین اب میں اس مقام کو چھوڑتا ہوں اور کچھ اشعار اُس مقام کے لکھتا ہوں جنمیں لبید نے اپنے اُس مناظرہ پر روشنی ڈالی ہے جو دربار نعمان میں اس سے اور ربیع سے ہوا تھا۔

وكثيرة غرباؤها مجهولة  ترجى نوافلها ويخشى ذامها

کہتا ہے کہ بہت سے ایسے گھر ہیں جہاں مختلف مقامات سے آ کے مسافر اُترتے ہیں جو آپس میں ایک دوسرے سے ناواقف ہوتے ہیں کوئی کسی کو نہ جانتا ہے نہ پہچانتا ہے ان مسافروں کو بہت کچھ صاحب خانہ سے بخشش کی اُمیدیں بھی ہیں اور انکے ساتھ بے عنوانی کی حالت میں اندیشہ بھی ہے۔ غالباً لبید کا اس سے میری رائے میں یہ منشا ہے کہ ہم لوگوں میں جو دو بخشش بھی ہے اور اگر ان سے ساتھ بدسلوکی کی جاے تو احسان فراموشوں کے لیے عادت سزا بھی ہے یعنی نے ربیع معمولی نظروں سے ہمکو کبھی نہ دیکھنا۔

غلب تشذر بالذحول كأنها  جن البدي رواسيا أقدامها

بتا رہا ہے کہ میں اُن لوگوں پر غالب رہا ہوں جو بڑے ثابت قدم ہیں لڑائیوں میں اور جنکی گردنیں مثل شیروں کے ستبر ہیں اور جو اپنے کینوں سے لوگوں کو ڈراتے رہتے ہیں۔

أنكرت باطلها وبؤت بحقها  عندي ولم يفخر علي كرامها

کہتا ہے کہ میں نے انکی بے بنیاد اور بے اصل باتوں سے مکالمہ کے وقت انکار کیا اور انکی حق باتیں تسلیم کیں وہ تو وہ انکے بڑے بھی میرے اوپر کسی قسم کا فخر و مباہات نہ کر سکے۔ مطلب یہ ہے کہ دیانت سے مناظرہ کیا اصول مناظرہ سے الگ ہو کے بے دیانتی کے ساتھ میں نے ربیع کو قائل نہیں کیا۔

تأوي إلى الأطناب كل رذية  مثل البلية قالص أهدامها

یہ شعر بھی لبید کا مقام فخر میں ہے کہتا ہے کہ میں وہ ہوں اور اس قوم و قبیلہ کا ہوں جس کے طناب ہائے خیمہ کی طرف ہر غریب و عاجز و تنگدست حال و دریدہ لباس والی عورتیں پناہ لیتی ہیں جو کمزوری میں مثل اس ناقہ کے ہوتی ہیں جو قبر مردہ پر باندھ دیا گیا ہو۔ گویا مطلب یہ ہے کہ ہم ہی وہ ہیں جن میں انسانی ہمدردی کی خو نے رواج پایا ہے۔

اس تمثیل سے جو ناقہ سے لبید نے دی ہے ایک واقعہ مشہور ہے جو قابل بیان ہے وہ یہ کہ بیان کیا ہے عرب کی اس رسم پر روشنی ڈالی ہے جو اس زمانہ میں اعراب میں عقیدت مندانہ حیثیت سے جاری تھی وہ یہ کہ جب کوئی مرتا تو اس کا ناقہ کہتے تھے جو صاحب ناقہ کا مرجانے کے بعد قبر پر باندھ دیا جاتا اور وہ بھوک اور پیاس سے دبلا ہو کے مرجاتا تھا اعراب کا یہ عقیدہ تھا کہ صاحب قبر اسی ناقہ پر سوار ہو کر محشور ہوگا۔ بخیال طوالت ناظرین لبید نے مقام فخر میں بہت سی خصوصیتیں ذکر کی ہیں جن کو میں بخوف طوالت نظر انداز کرتا ہوں اور ایک شعر اور نقل کر کے ختم کرتا ہوں۔

فاقنع بما قسم المليك فإنما قسم الخلائق بيننا علامها

خطاب کرتا ہے اپنے نفس کو مفاخرہ اور [illegible] کے بعد کہ جو معانی اور خوبیاں ہمیں عطا ہوئیں ان پر قناعت کر جو قسام ازل نے ہمارے لئے مقرر کی ہیں وہ ہر ایک کو اس کے ظرف کے موافق تقسیم کرتا ہے اس لئے کہ وہ ہم سے اور تم سے بخوبی واقف ہے۔

وإذا الأمانة قسمت في معشر أوفى بأوفر حظنا قسامها

یعنی قسام ازل نے وقت تقسیم امانت و دیانت جو حصہ ہمارا ہے اس کو بہت بڑھا دیا ہے کہ ہم امانت و دیانت کا گویا مطلب یہ ہے کہ ہم سے [illegible] تقسیم الٰہی سے ہم کو کچھ شکوہ و شکایت ہے وہ قسام ازل سے کر اور [illegible] سے بعض عناد کو ترک کر [illegible]

(باقی آئندہ)

آشفتہ لکھنوی

# غزلیات

حضرت محشر لکھنوی

کبھی جو درد بھرے دل کی ناصحا سنتا | تری ضعیف صدائیں مرا خدا سنتا
صدائے خندۂ ساغر ہے جسکو نیند آئے | وہ مست ناز کبھی غمزدے کی کیا سنتا
حیات عشق اسی کشمکش میں تمام ہوئی | سناتے ہم نہ اگر قصۂ وفا سنتا
رموز عشق غضب ہے جو رہ گئے دل میں | کبھی ہماری بھی اربابِ جفا سنتا
بیان غم پہ رہی کچھ رکی رکی سی ہنسی | مری کہانی کو آخر وہ اور کیا سنتا

بھلا ہوا غم فرقت میں چپ رہے محشر
نہ ابتدا کوئی سنتا نہ انتہا سنتا

حضرت حسرت موہانی

شوق پوشیدہ کا اظہار نہ ہونے پایا | داغ دل کوئی نمودار نہ ہونے پایا
دل کچھ اس ڈھب سے لیے اُسنے کہ پھر کوئی | حال سے اپنے خبردار نہ ہونے پایا
غلبۂ حق سے زمانہ میں ہے اک شور بپا | اسیر افسوس جو بیدار نہ ہونے پایا
صبر سے مقصد ناکام کی ہمت جو بندھی | وجہ نومیدیٔ بسیار نہ ہونے پایا
شاداں تھا جو ترے دور طرب میں دل | غم دنیا سے گرانبار نہ ہونے پایا
وصل میں بھی رہی بیگانگی حزن جو آ | راستہ شوق کا ہموار نہ ہونے پایا
دم نظارہ میں ترے جلوے نے کیا کام تمام | شوق آمادۂ پیکار نہ ہونے پایا
اس سلیقے سے کیا ذبح کہ دامن انکا | خون عشاق سے گلنار نہ ہونے پایا
بیخود شوق تھے سب بزم میں تیرے کوئی | خواہش مے کا گنہگار نہ ہونے پایا

ہم بھی سمجھیں گے ہوس عشق بتاں کو حسرت
حل جو یہ عقدۂ دشوار نہ ہونے پایا

افسر الشعراء حضرت آغا شاعر قزلباش دہلوی

بیہوش ہے بدمست جوانی کی نظر بھی | اب کس کا جگر لاؤں۔ میں اللہ سے ڈر بھی
میں کہتا ہوں مجھ میں تو نہیں کوئی ہنر بھی | دل کہتا ہے خاموش۔ کسی کو ہے نظر بھی

جسکو نہ ملائی نہیں آتی ہو نظر بھی — کسطرح ملوں اُس سے کروں کیا؟ بنی گھر بھی

دم بھر کو اگر شمع گل افشاں ہوئی تو کیا؟ — ہنسیے تو سہی پھول برستے ہیں ادھر بھی

یکساں ہی رہی عاشق و معشوق کی قسمت — بلبل کا بھی دل چاک ہے ٹکڑے گل تر بھی

کھل جائے گا معیار نظر بازی بلبل — رکھ دیجیے عارض کے قریب اک گل تر بھی

قائل ہوں منافق کی سیاست نظری کا — کیا حرف مشدد ہے ادھر بھی ہے اُدھر بھی

ملے کیے کیا کیا تری دیوار کے پیچھے — دل ہل گئے۔ لیکن نہ ہلا پردۂ در بھی

تم کیا کرو بے برگ ہو تم مل نہیں سکتے — میں کیا کروں مجھکو مری ہستی کی خبر بھی

وہ کون سا ناشاد تھا لے شمع شبستاں — اک خاک کی چٹکی بھی ہے ٹوٹے ہوئے پر بھی

لیلیٰ نے بھی مجنوں نے بگولے کے بدن میں — اب خاک میں تو مل گیا محمل سے اتر بھی

اب بھی جو گذر جاتی ہے جلتی ہوئی صورت — دل کھنچتا ہے دم کھنچتا ہے کھنچتی ہے نظر بھی

اس آنکھ میں کیا ساغر کوثر کی جھلک تھی — دل کہتا ہے ہاں ایک نظر دیکھ تو مر بھی

آنکھوں میں بھی تصویر ہے آنکھوں سے تو دیکھو — تصویر کے پردے میں ہے وہ آئینہ گر بھی

دنیا میں اب اس دل کا گاہک نہیں شاعر
مشد تو اس مفت کے سودے سے گذر بھی

## حضرت کلیم لکھنوی

پھرا کرتی ہے آنکھوں میں مری تصویر میخانہ — نظر آنے لگی ہر جام میں تعمیر میخانہ

ترقی پر ہے فصل گل میں یہ جاگیر میخانہ — جہاں دیکھا ہر عمارت ہو گئی تعمیر میخانہ

جری ہے سر پہ مجھ منیش کے تنویر میخانہ — مری قسمت نہیں چمکی ہمرہ تقدیر میخانہ

ی ہے ابد پھر حاجت تطہیر میخانہ — عوض پانی کے مے ہوا زپے تعمیر میخانہ

بلا چشم ساقی سے ہوئی تسخیر میخانہ — ہیں آزادوں سے اچھے قیدی زنجیر میخانہ

درستی ہے کُھلا آنکھیں ہیں ساغر ہی محبت کے — مرا ساقی مجسم ہو گیا تصویر میخانہ

غضب دنیا میں آجائیگا ہوگا جو کوئی رند — بہت اچھی نہیں ہے واعظا تحقیر میخانہ

بنا بیوش ٹپکیں بادہ کش فصل بہاری میں — در گو یہ کُھلا ہے بند ہے زنجیر میخانہ

اگر یہ بادہ دیکھیں موج مے فصل بہاری میں — تو پھر یہ پرہیزگاری پر چلے شمشیر میخانہ

نظر جسکی پڑی ہاتھ اُٹھنے رکھا اپنے سینہ پر — نگاہ ناز ہے ساقی کی گویا تیر میخانہ

سجھائی کچھ نہیں دیتا ہے ایسا نشہ ہے مجکو | لیے جاتی ہے ہر گھر کی طرف تعمیر میخانہ
یہ دعوی ہے مرا واعظ مریا کوئی [illegible] کیا | وہ آجائے نہو جو قائل تاثیر میخانہ
جو ہوں آزاد وہ جائیں ورتو یہ تک سے وا عظ | پڑی ہے میکشو نکے پاؤں میں زنجیر میخانہ
جو سامان میکشی کا خواب میں تھا خواب [illegible] | سوا عبرت کے کوئی کیا کہے تعبیر میخانہ
دعا یا رب کی [illegible] ہے وسیم گل میں | ترقی اور بھی ہو وہ گردوں تدبیر میخانہ
مری آنکھیں میں [illegible] ساغر [illegible] | وہ بے عزت ہے جو ہے منکر توقیر میخانہ
نگاہ چشم [illegible] کا | کلی یہ پیمان دیگا میکشو نکا تیر میخانہ
ادھر کچھ رات گذری [illegible] | برابر کھڑکھڑائی جاتی ہے زنجیر میخانہ
یہ کیونکر مان لوں [illegible] عظا [illegible] | بڑا پیر مغاں ہے میکشوں کا پیر میخانہ
ادھر اللہ اکبر [illegible] | وہ ہے تکبیر مسجد اور یہ ہے تکبیر میخانہ
دوا کا جام ہے ہر ساغر [illegible] میں | نہ پھر کس طرح صحت بخش ہو تاثیر میخانہ
کلیم اللہ اک بہوش میں [illegible] | یہ جلوہ طور کا ہے صورت تنویر میخانہ

گھٹا [illegible] ساقی [illegible] اٹھے
چمک سے برق کی [illegible] ہے کیا تقدیر میخانہ

حضرت عزیز [illegible]پوری

[illegible] | خفا [illegible] سے دور اور شکستہ پر
[illegible] شمع تیرے [illegible] | پروانہ ہے باغ سے دور اور شکستہ پر
ایک خانہ [illegible] جا گرے | بلبل ہے ایک باغ سے دور اور شکستہ پر
شکر [illegible] سینہ [illegible] | [illegible] باغ سے دور اور شکستہ پر
وعدہ کی شب [illegible] | کا شانہ [illegible] سے دور اور شکستہ پر
شب ہوگئی صیاد [illegible] تیر | ہو کوہ و باغ [illegible] سے دور اور شکستہ پر
تو لامکاں اور [illegible] | [illegible] سراغ سے دور اور شکستہ پر
اڑ کر لبوں سے آ [illegible] رہی | [illegible] گھر کے داغ سے دور اور شکستہ پر

بلبل نے [illegible] قفس [illegible] عزیز
[illegible] باغ سے دور اور شکستہ پر

## جناب نواب امجد علی صاحب قیصر لکھنوی

اپنے ناداں سے تغافل کی شکایت کیا ہے
جو نہیں جانتا یہ بھی کہ محبت کیا ہے

جل چکی شمع بھی اور مر گئے پروانے بھی
حد ہے اب قصد ترا اے شب فرقت کیا ہے

دیکھ لے اُن کو تو دل تھام کے زاہد بھی کہے
واہ کیا حُسن خداداد ہے صورت کیا ہے

خاک میں مل گیا کہنے کو نشاں باقی ہے
نام ہی نام فقط ہے مری تربت کیا ہے

آپ کا مال ہے آپس میں تکلف کیسا
دل مرا شوق سے لے لیجیے حجت کیا ہے

جس پہ قابو نہ ہوا اپنا وہ ہے کس کام کا دل
چل سکے زور نہ جس سے وہ طبیعت کیا ہے

ہم ذرا اس کی حقیقت سے نہیں ہیں آگاہ
تمھیں کچھ سوچ کے کہہ دو کہ محبت کیا ہے

میری گستاخیوں پر اُن کا یہ کہنا شب وصل
نچلے بیٹھو ابھی جلدی کی ضرورت کیا ہے

ناسمجھ ہو ابھی تم آؤ گلے مل جاؤ
کون سی بات ہے روٹھے ہو شکایت کیا ہے

سچ ہے ایسے ہی یہ مرنے کا ارادہ اے دل
جو کبھی یہ بھی نہ پوچھے تری حسرت کیا ہے

آپ ہی کی یہ عنایت ہے کروں کیا شکوہ
سوچیے دل میں بلائے شب فرقت کیا ہے

کل تو آئے نہ تھے اور کہتے ہیں تم آئے تھے
تو ہمیں بنتے ہیں جھوٹے یہ قیامت کیا ہے

میرا دل لے کے مجھی سے وہ یہ فرماتے ہیں
اب ہمیں حضرت قیصر سے ضرورت کیا ہے

## جناب نواب میر صدر الدین حسین خاں رئیس بڑودہ

لب بے کمالیوں پہ وہ فرمائے جاتے ہیں
جھوٹی نمود اپنی وہ دکھلائے جاتے ہیں

بے غوری کی داد نہ دی جائے کس طرح
صدہا عیوب پر بھی وہ اترائے جاتے ہیں

ایسے شعور مند ہیں اللہ کی پناہ
ہر نفع بخش کام سے اکتائے جاتے ہیں

رکھیں نہ سب ہنر کبھی عزت کی آرزو
ہر شغل پر ضرر پہ جو للچائے جاتے ہیں

ہم آپ کو سمجھتے ہیں دانا سے روزگار
اور بے وقوف اوروں کو بتلائے جاتے ہیں

اہل دغا کی قدر ہے اہل غرض کی چاہ
گو ہم پہ وہ ہزار ستم ڈھائے جاتے ہیں

اُن مفسدوں سے ہم نے بڑھائی ہے رسم و راہ
جو آتش فساد کو بھڑکائے جاتے ہیں

جن کے نہ قول کا نہ چلن کا ہو اعتبار
پھر بھی شریف آپ کو گنوائے جاتے ہیں

توقیر ہے جہاں میں ہماری بس اس قدر
بے اعتبار لوگوں میں کہلائے جاتے ہیں

اس خستہ بختی پر بھی ہیں وہ لن ترانیاں　　گویا کہ ہوشیاروں میں پرکھائے جاتے ہیں
اولاد بے ہنر کا اُنھیں غم نہیں ذرا　　گل باغ نسل قوم کے مرجھائے جاتے ہیں
بچوں کو چھوڑ دیتے ہیں حیوان کی طرح　　اوصاف دام و دد کے یہیں پائے جاتے ہیں
اولاد کی ہے قدر نہ انسانیت کی فکر　　ہر نعمت الٰہی کو ٹھکرائے جاتے ہیں
راحت رساں امیر ہوں اور بے ریا فقیر　　ایسے وجود ہم میں کہاں پائے جاتے ہیں
کرتے ہیں راست گویوں کی کب قدر و منزلت　　سچے تو انکی بزم میں جھٹلائے جاتے ہیں

اے صدر ناصحوں کی ضرورت نہیں انھیں
او سلامتی سے جو کترائے جاتے ہیں

حضرت راغب جیلانی بدایونی

کرم ہے تو جو کسی پر نگاہ کرتا ہے　　وہ ساری عمر پڑا آہ آہ کرتا ہے
تری فریب نگاہی سے آہ کرتا ہے　　جو کوئی حال پر اپنے نگاہ کرتا ہے
ستم ہی پر نہیں جب وہ نگاہ کرتا ہے　　کچھ ایسی بنتی ہے دل پر کہ آہ کرتا ہے
وہ کہتے ہیں کوئی بیکس جب آہ کرتا ہے　　کہ اپنے آپ کو یہ کیوں تباہ کرتا ہے
یہ جی میں آتا ہے بیساختہ کہ مر جائیں　　کچھ اس ادا سے وہ نیچی نگاہ کرتا ہے
جتا کے میری وفائیں مجھے سناتے ہیں　　نہ بے غرض کوئی کب یوں نباہ کرتا ہے
دھڑکنے لگتا ہے بے اختیار دل میرا　　کسی طرف جو وہ ظالم نگاہ کرتا ہے
تمام عالم دل ہو چکا تہ و بالا　　ابھی وہ نیچے سے اوپر نگاہ کرتا ہے
وہ ربط دشمن بدخو کے عذر خواہ ہیں کیوں　　کہ دیکھتا ہے یہ کب تک نباہ کرتا ہے
یہ جی میں آتا ہے رکھ لوں کسی طرح دل میں　　کچھ اس طرح کے مزے کی نگاہ کرتا ہے

خدا ہی جانے مصیبت ہے کیا یہ راغب پر
کہ بات بات میں چپکے سے آہ کرتا ہے

---

ضروری گذارش۔ "تمدن" بلا طلب جن حضرات کی خدمت میں نمونتاً یا کسی معزز دوست کی تحریک سے پہنچے براہ کرم فوراً اپنے ارادۂ خریداری سے مطلع فرمائیں ورنہ خاموشی رضامندی سمجھی جائیگی اور دوسرے ماہ میں انکا نام درج رجسٹر کر کے تیسرے ماہ کا پرچہ بذریعہ وی۔پی بھیجا جائیگا جسکا وصول کرنا اُن کا قومی اور اخلاقی فرض ہوگا۔

منیجر

# ریویوز

**ابن مسلم** - اس تاریخی ناول نے ہندوستان کے ممتاز ناول نویسوں کی فہرست میں ایک اور شخص کا اضافہ کیا ہے اور وہ سلطان حیدر صاحب جوش علیگ ہیں جنہوں نے دو ڈھائی سال کی کوشش میں اس ناول کو تیار کیا ہے۔ اسکا پلاٹ ۸۷ - ۸۸ ہجری سے شروع ہوتا ہے جبکہ بنی امیہ کی خلافت کے زمانہ میں خلیفہ ولید تخت خلافت پر جلوہ آرا ہوا۔ خلیفہ ولید کے زمانہ میں فتوحات اسلامی نے جس جارحانہ شان کا اظہار کیا وہ تاریخ اسلام بلکہ تاریخی دنیا میں نہایت نمایاں ہے۔ خلیفہ ولید کے زمانہ میں اگر ایک طرف گورنر کوفہ و عامل عراق حجاج بن یوسف کے مظالم کی داستانیں تاریخ کے اوراق میں بدنما دھبہ معلوم ہوتی ہیں تو دوسری طرف مسلم کے پانچ بیٹوں کے شجاعانہ کارنامے بھی نظر آتے ہیں جو اسلامی تاریخ کو شاندار بناتے ہیں۔ ان ہی پانچوں بھائیوں میں جنکے دور بازو نے ایران۔ ترکستان اور چین تک کو دائرۂ فتوحات اسلام میں داخل کر لیا تھا ایک عبدالرحمٰن بن مسلم بھی تھا جس نے صغد کے والی طرخون کی بیٹی شیریں سے شادی کرکے اس مشہور خاندان کی بنیاد ڈالی جو تاریخ کے اوراق میں برامکہ کے نام سے موسوم نظر آتا ہے۔ ابن مسلم میں رزم بزم خلوت جلوت کے پلاٹ کے علاوہ محبت اور سچی محبت کے جلوے کے ساتھ بعض فلسفیانہ اور عالمانہ مضامین بھی ادبی شان لیے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اس ناول کی شان اردو کے دیگر ناولوں سے بالکل جداگانہ اور ایک خاص حد تک ممتاز ہے۔ چنانچہ قابل ناول نویس نے ناول شروع کرنے کے قبل "لب لباب" کے عنوان سے ایک باب رکھا جسمیں بتایا گیا ہے کہ ناول میں کن کن مسائل کو حل کیا گیا۔ چنانچہ منجملہ اور باتوں کے "نہ حسن انسان کو بدنام نہیں کرتی بلکہ انسان نما حیوان اسے بدنام کردیتا ہے"۔ "جذبۂ محبت انسان کو فرشتہ اور حیوان کو شیطان بنادیتا ہے"۔ یعنی حیثیت کے علاوہ عشق کا جو کچھ تعلق ناول سے ہے وہ ایک بڑی حد تک مطلوبہ تحت میں ہے۔ کہ ایک طرف عبدالرحمٰن نے کس طرح شریفانہ برتاؤ سے شیریں کو رام کیا اور دوسری طرف اسکے رقیب غوزک نے شیریں کو حاصل کرنے کے لیے کیا کیا کمینہ حرکتیں کیں اور شیریں کو جو خود اس سے محبت کرتی تھی اپنی طرف سے بددل کردیا۔ شکر ہے کہ اردو کے بیشتر ناول نویسوں پر اخلاق کو

مست کرنے والی خوشبوؤں کا مدام ترشح رہتا تھا۔ جہاں کے قالین اور غالیچے ناتہ اور نازک پھولوں کی پنکھڑیوں کے ہوتے تھے۔ وہ حمام جن میں نیلم اور پکھراج کے سنگ پا اور الماس و بلور کے حوض جن میں گلاب و موتیا کی مہک دیتا ہوا آب مصفا ہوتا تھا جہاں شمع کافوری کی جگہ گوہر شب چراغ کام دیتا تھا۔ وہ باغ اور پائیں باغ کہ جن کی روشیں لعل بدخشانی اور عقیق رمانی کے ریزوں سے مزین ہوتی تھیں اور جن کی کیاریاں رنگ میں قوس قزح اور ترتیب میں تاروں بھری رات کو منفعل کرتی تھیں۔ وہ مشرق جسکی شان و شوکت جسکی آب و تاب جس کے رات دن اور عیش کی گھڑیوں کے فسانے ہر قوم اور ہر ملک کے افراد کے آج کے دم تک دلنشیں ہیں تین ہزار سال ہوئے کہ زمانہ کی دست و برد کے نذر ہو گیا مگر کیا عظمت و شان تھی اُس ہستی معدوم کی کہ جس کی یاد اس دن تک ہر کس و ناکس کے دل میں تازہ ہے۔ مشرقی شاہوں کا جاہ و جلال اور مشرقی گداؤں کا علم و کمال مشرقی منعموں کے مال سے کسی طرح کم نہ تھا۔ خاور زریں کی سنہری کرنیں اس مشرق کے زر کثیر کے سامنے پھیکی پڑ جاتی تھیں۔ وہ کونسا برج عبادت گاہ کا تھا جسکے کلس سنہری کرنوں کا سر اُبھار اُبھار کے مقابلہ نہ کرتے تھے۔ وہی مشرق تھا کہ جسکے شاہوں کے درباروں میں پہنچکر آنکھیں خیرہ ہو جاتی تھیں۔ بابل و نینوا میں اب سوائے خاکستر کے اور کیا باقی ہے مگر وہ تعطر زا نغمے وہ مروارید نگار مرقع۔ شور انگیز نظمیں اور ناپیدا کنار رقص۔ اور وہ لذت افزا زحم ہوا س یعنی سرود جن کی گنگ آمیزی نے اس زمانے کی معاشرت کو ایک شاندار ہستی بخشی تھی کس طرح منازل کے ہوں گے کہ جن کی آواز باز گشت نے حیات ابدی حاصل کر لی ہے ہاں وہ کہ جسکا حافظہ مستدعی ہے کہ اس ترانۂ لا یموت کی یاد کے بار گراں سے

اُسے سبکدوش کیا جائے مجبور ہیں اور زیر بار احسان فراموشی نہیں ہو سکتے شروع بحر کی طرح اس زمانہ کی یاد ان کے خیالستان کو زیر و زبر رکھتی ہے اور وہ قہر درویش برجان درویش اُس زمانہ کی عظمت وشان کو مانتے ہیں۔ کہاں ہیں سبا فرمانروایان سوسہ اور کہاں ہیں والیان ممفس و نینوا اور بابل کے نام مٹ گئے مگر ان کے درباروں کی شان و شوکت اور انکے زمانہ کی طلائی یادگار آج تک باقی ہے۔

حیرت مگر اس امر کی ہے کہ انشا پردازان مغرب آج تک مشرق کو اس گئے گذرے طمطراق و تمول کا مرکز خیال کرتے ہیں۔ اور جب کبھی کسی شاندار موقع کا ذکر آتا ہے تو وہ اسے صفت مشرقیت سے موصوف کرکے گویا اصل کی شان کا صحیح اندازہ لگاتے ہیں۔

وہ آگ جو زردشت کے آتشکدہ میں روشن تھی مدت ہوئی کہ خاموش ہو چکی عراق عجم و عراق عرب۔ بابل و نینوا شام و روم مصر و یونان سب شعلہ اجل میں خاک ہوئے ہیں وہ الماس و زمرد کے بت جو صنم خانۂ آذر میں تھے صدیاں گذریں کہ آتش تغیر کا لقمہ ہو گئے وہ میکدے کہ جن میں بادہ پُر اسرار جا جائے بیقرار میں دمبدم دور میں تھا ٹھنڈے ہو چکے۔ اگر کچھ باقی ہے تو خاکستر۔

آصف علی

**ضروری گذارش** "تمدن" بلا طلب جن حضرت کی خدمت میں نمونتاً یا کسی معزز دوست کی تحریک سے پہنچے براہ کرم فوراً اپنے ارادۂ خریداری سے مطلع فرمائیں ورنہ خاموشی رضامندی سمجھی جائے گی اور دوسرے ماہ میں اُن کا نام درج رجسٹر کرکے تیسرے ماہ کا پرچہ بذریعہ وی۔ پی بھیجا جائیگا جسکا وصول کرنا اُنکا قومی اور اخلاقی فرض ہوگا۔ مینیجر

# پردہ کی گپ

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا
جو چیرا تو اک قطرۂ خوں نہ نکلا

جب باہر کی دنیا یا باہر کی غیر قوموں کا اسلامیوں سے سابقہ پڑا تو بقاعدۂ مستمرہ بہت سی باتیں اسلامیوں کی نگاہ میں دوسروں کی بُری معلوم ہوئیں اور بہت سی باتیں اسلامیوں کی دوسروں کو اچھی نہ لگیں یہ کہنا کہ ساری دنیا کی تہذیب ایک ہی سی ہو ایک گپ ہے تہذیب کی اکثر باتوں کا مدار بعض رسوم اور رواجات پر ہی ہوتا ہے اور قوموں کی رسمیں اور رواجات بہت کچھ مختلف ہوتے ہیں اور بعض رسمیں ملکی آب و ہوا کے ماتحت بھی ہوتی ہیں باہر کی غیر قوموں نے مسلمانوں میں پردہ کی رسم کو ایک غیر نظر سے دیکھا اگرچہ اُن میں بھی ایک قسم کا پردہ ہے لیکن چونکہ مسلمانوں سے اُنھوں نے یہ سُنا کہ اُن کا پردہ مذہبی حکم کے ماتحت ہے اس واسطے غیر اقوام نے اپنے مذہبی نقطۂ خیال سے پردہ کی مخالفت کی اور اس کے خلاف بہت کچھ کہا یہاں تک کہ خود بعض مسلمانوں نے بھی متاثر ہوکر مرد ہوں یا عورتیں پردہ کی مخالفت میں بہت کچھ کہا سُنا یہاں تک کہ بعض لوگوں نے پردہ کی مخالفت میں ایسی جلد بازی سے کام لیا کہ اغیار سے بھی بڑھ گئے اور بعض نے صاف صاف پردہ سے انکار بھی کر دیا کہ اسلام پردہ کا حامی ہی نہیں اور نہ اسلام میں کوئی ایسی تعلیم ہے بعض وقت جلد بازی سے اعتراض کی تہ تک پہنچنے کے بجائے معترض کے ساتھ ہونا بھی ایک جواب سمجھا جاتا ہے ہم اسوقت یہ بحث نہیں کرینگے

کہ اسلامی پردہ کہاں تک ضروری اور عقل و فراست و ضروریات کے مطابق ہے
اس وقت صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ
اسلام میں پردہ کا کسی نہ کسی رنگ میں حکم ضرور دیا گیا ہے لیکن ہندوستان میں پردہ پر جو اعتراض کیے جاتے ہیں وہ ایسے عامیانہ ہوتے ہیں کہ اُن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ معترضین صرف پردہ کا نام ہی سُن کر معترض ہوتے ہیں اُنھیں ہندوستان کی موجودہ کیفیت و حالت کا علم بالکل نہیں ہے بعض خواتین بڑے زور و شور سے پردہ کی شاکی ہو کر معترضانہ مضامین لکھتی ہیں اسی طرح بعض مرد بھی لکھتے ہیں اُنکے مضامین سے معلوم ہوتا ہے کہ عملی رنگ میں فیصدی ننانوے مسلمانوں میں پردہ ہے اور شاذ و نادر ہی اس سختی اور صعوبت سے کوئی گھر خالی ہے اگر بعض معترضات اور معترضیں اس جلدبازی سے کام نہ لیتے تو پردہ کی مخالفت کے ساتھ ہی اُنھیں یہ بھی کہنا پڑتا کہ اگرچہ اسلام میں صعوبت پردہ ڈالی گئی ہے مگر سرزمین ہند میں اب یہ صعوبت خوش قسمتی سے بہت کچھ کم ہو گئی ہے اور دن بدن کم ہوتی جاتی ہے
مجھے سارے ہندوستان کا تو تجربہ نہیں البتہ صوبہ پنجاب کا ایک بڑی حد تک مشاہدہ اور تجربہ ہے میں ایک ضلع وار بہ قیاس غالب پردہ کی فیصدی ایک فہرست دیتا ہوں اُس سے معترضین بہ خوش اسلوبی یہ جان سکتے ہیں کہ جس پردہ اور صعوبت پردہ پر اسقدر واویلا کیا جاتا ہے اور جسے اسلامی عورتوں کے حق میں ایک بلائے بے درماں سمجھا جاتا ہے اور جس کی وجہ سے مسلمانوں کا نسوانی عالم ترقی سے رہا جاتا ہے اُس کی اصلی کیفیت کیا ہے
اس نقشہ سے ناظرین معلوم کر سکتے ہیں کہ درحقیقت پردہ کی حقیقت کیا ہے ۔

| نمبر شمار | نام ضلع | فیصدی پردہ | نمبر شمار | نام ضلع | فیصدی پردہ |
|---|---|---|---|---|---|
| ۱ | لاہور | ۷ | ۱۵ | شاہ پور | ۳ |
| ۲ | امرتسر | ۵ | ۱۶ | میانوالی | ۳ |
| ۳ | جالندھر | ۵ | ۱۷ | لائل پور | ۳ |
| ۴ | لودیانہ | ۴ | ۱۸ | کیمبل پور | ۴ |
| ۵ | انبالہ | ۵ | ۱۹ | راولپنڈی | ۴ |
| ۶ | کرنال | ۷ | ۲۰ | گورداسپور | ۷ |
| ۷ | دہلی | ۱۰ | ۲۱ | کانگڑہ | ۱ |
| ۸ | رہتک | ۱ | ۲۲ | ہوشیارپور | ۴ |
| ۹ | حصار | ۱ | ۲۳ | گوڑگانوں | ۳ |
| ۱۰ | شملہ | ۲ | ۲۴ | ملتان | ۵ |
| ۱۱ | فیروزپور | ۳ | ۲۵ | مظفرگڈھ | ۵ |
| ۱۲ | گوجرانوالہ | ۴ | ۲۶ | ڈیرہ غازی خاں | ۵ |
| ۱۳ | گجرات | ۴ | ۲۷ | سیالکوٹ | ۴ |
| ۱۴ | جہلم | ۴ | ۲۸ | منٹگمری | ۳ |

فیصدی مردم شماری پر نہیں لی گئی ہے بلکہ خانہ شماری پر اندازہ لگایا گیا ہے یہ اندازہ ایک ایسا اندازہ ہے کہ اس میں کمی تو ہوسکتی ہے بیشی کی امید نہیں کی جاسکتی اضلاع ذیل میں نسبتاً مسلمانوں کی آبادیاں زیادہ ہیں دوسری قوموں کی فیصدی مردم شماری کوئی ۷ - ۸ - ۹ تک جاسکتی ہے -

(۱) ڈیرہ غازی خاں -
(۲) مظفرگڈھ -
(۳) ملتان -
(۴) گجرات

(۵) جہلم

(۶) راولپنڈی

(۷) کیمبل پور

(۸) شاہ پور

(۹) میاں والی

ان اضلاع میں بالخصوص پردہ برائے نام ہے عام مسلمان عورتیں مردوں سے بھی زیادہ آزادی کے ساتھ چلتی پھرتی ہیں اور زمیندارے کے کاموں میں صبح سے لے کر شام تک مصروف رہتی ہیں ہندو عورتوں میں اس قدر آزادی نہیں ہے جسقدر ان میں ہے اور اس کشادہ روئی اور آزادی کی وجہ سے بھی بعض برائیاں ان اضلاع کی عورتوں میں دن بدن بڑھتی جاتی ہیں مثلاً ۴۹۸ کے مقدمات کی ایک خاص کثرت ہے ہمسایہ اقوام میں اسقدر اس قسم کے مقدمات نہیں پائے جاتے اور اگر پائے بھی جاتے ہیں تو نسبتاً بہت ہی کم پنجاب کے شہروں اور قصبات میں البتہ پردہ بمقابلہ دیہات کے زیادہ ہے۔

لیکن وہ بھی بہت کچھ رسمی گھر سے برقع پہن لیا اور گلی میں جا کر اُتار دیا جب پھر گھر کے نزدیک آ گئے تو برقع کر لیا۔ بعض گھروں میں برقع کی رسم محض بطور ایک فیشن کے ہو گئی ہے جیسے کہ یونیورسٹی میں جانے کے وقت بتقریب کسی جلسہ کے ڈگری یافتگان عبا پہن لیتے ہیں۔ برقع سے اول پنجاب میں بوکل اور چادر بوجہ کا رواج تھا۔ وہ رفتہ رفتہ بالکل اُڑ گیا ہے اور اس کی جگہ برقع نے بہت ہی کم لی ہے۔

جسقدر مسلمان عورتیں بے پردگی کی حالت میں گھر کا کام کاج کرنے کی عادی ہیں اور جسقدر زمیندار عورتیں کام میں شب و روز منہمک رہتی ہیں اتنی کوئی دوسری ہمسایہ قوم سوائے ہندو سکھوں اور ہندو جاٹوں

یا شودروں کے نہیں رہتی مسلمان عورتوں کو دیہات میں صبح سے لے کر شام تک لگاتار کام کرنا پڑتا ہے اور اُن کے سب کام اور سب مصروفیتیں بے پردگی کی ہوتی ہیں ہاں کبھی کبھی جب وہ گانوں سے باہر نکلتی ہیں تو ان میں سے کوئی کوئی چادر لے لیتی ہے ورنہ فیصدی پچانوے (۹۵) کشادہ روسے ہوتی ہیں یورپ کی عورتیں اس آزادی اور اس کشادہ دلی سے نہیں پھرتی ہیں جس کشادہ دلی اور جس آزادی سے وہ پھرتی ہیں صرف یہ فرق ہے کہ یورپ کی عورتیں جلسوں اور محفلوں میں بھی جانکلتی ہیں اور انھیں موقع نہیں ملتا ورنہ اور کوئی فرق نہیں ہے تعجب یہ ہے کہ ہندوؤں میں ایک طرف پردہ کی سخت مخالفت کی جاتی ہے لیکن اب اُن میں سے بھی بعض عورتیں برقعہ لے کر باہر نکلتی ہیں۔ اگرچہ یہ شاذ ونادر ہے مگر ہے ضرور۔

پنجاب میں دیہات کی اکثر عورتیں خود بازار سے سودا سلف لاتی ہیں اور ایک پوری آزادی سے بازاروں اور منڈیوں میں پھرتی ہیں اُنکے دیکھنے سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ یہ عورتیں کسی پردہ دار قوم میں سے ہیں یا ان میں بھی کبھی پردہ رہ چکا ہے پنجاب میں مسلمانوں کی آبادی ۵۴-۵ فیصدی ہے اور منجملہ ان کے ۴۹ یا ۴۸ فیصدی زمیندار مسلمان ہیں اور زمینداروں میں پردہ کی حالت اُسی نسبت سے ہے جو اوپر کے نقشہ میں دکھائی گئی ہے بعض وقت پردہ صرف فارغ البالی اور تمول کے تابع ہو کر چلتا ہے جب فارغ البالی باقی نہیں رہتی تو پردہ بھی اُڑ جاتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ دیہاتی حلقوں میں فارغ البالی کا درجہ اعلیٰ نہیں ہوتا تمام دیہاتی عورتیں سوائے معدودے چند کھلے منہ عدالتوں میں حاضر ہوتی ہیں اور کبھی اُس پر اعتراض نہیں کیا جاتا اسی طرح میلوں وغیرہ میں بھی رواج ہے۔

بایں حالات پنجاب کی کیفیت سامنے رکھ کر معترضین سے پوچھا جا سکتا ہے کہ آپ لوگ کس قسم کی بے پردگی چاہتے ہیں پردہ کے نہ ہونے کا مفہوم بظاہر یہی ہو سکتا ہے کہ عورتیں منہ چھپا کر برقع یا چادر بوجہ کر کے بوکل مار کر چلیں عام طور پر مردوں سے مجتنب رہ کر چلیں پھریں گلیوں کوچوں جنگلوں۔ بازاروں اور منڈیوں میں آمدورفت نہ ہو۔ سو اس کا نقشہ تو آپ اوپر دیکھ چکے ہیں اب صرف ایک ہی کسر ہے کہ

کیوں عورتیں یورپین عورتوں کی طرح یا ان کے نقش قدم پر مجلسوں محفلوں تھیٹروں۔ تماشوں نمایش گاہوں میں نہیں جاتی ہیں اور کیوں لیکچر نہیں دیتی ہیں کیوں تقریریں نہیں کرتی ہیں کیوں اخباروں میں مضمون نہیں دیتی ہیں کیوں دور دراز ملکوں کا سفر نہیں کرتیں کیوں مردوں کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالکر نہیں پھرتی ہیں وغیرہ وغیرہ۔

میری رائے میں اس کی یا اس نقص کی وجہ دو ہو سکتی ہیں۔

(۱) عام فارغ البالی نہیں ہے۔

(ب) عام تعلیم نہیں ہے۔

جس قوم کی روزانہ آمدنی اوسطاً ۱ر پائی ہو اس قوم کی عورتیں یورپین عورتوں کی ایسی کیسے ہو سکتی ہیں جس قوم کی تعلیم کا نمبر پانچ فیصدی سے بھی کم ہو اس قوم کی عورتیں یورپ کی عورتوں کا مقابلہ بعض تہذیبی شعائر کے ماتحت کس طرح کر سکتی ہیں۔

جس قوم کی عورتیں پچپن فیصدی برہنہ پاؤں پھرتی ہوں جس قوم کے گھر رات کے وقت فیصدی پینسٹھ بے چراغ رہتے ہوں وہ مہذب اقوام کی عورتوں کی ایسی کیسے کریں۔

اگر پردہ کسی قدر مسلمان عورتوں میں ہے تو اُن خاندانوں اور اُن کنبوں میں جو کچھ کھاتے پیتے اور فارغ البال ہیں باقی عناصر میں کوئی پردہ نہیں ہے بلکہ بے پردگی اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ وہ دن بدن خوفناک ہوتی جاتی ہے

جو بے پردگی اس وقت عام طور پر پائی جاتی ہے اسکی وجہ سے اسلامی نقطۂ خیال سے کسی کو خارج از اسلام نہیں سمجھا جاتا ہے۔ اگر معدودے چند باقی کی بی بیاں بھی عام اسلامی عورتوں کی طرح بے پردہ ہوجائیں تو اُنھیں کون روک سکتا ہے بعض شریف پردہ دار بیبیاں جو مشکلات پردہ سے تنگ آکر داویلا اور سوز دل سے اپیل کرتی اور جوش میں آکر کوستی ہیں اُنھیں اُن مردوں کو مستثنیٰ کرکے بعض مردوں کو کوسنا چاہیے جن کی عورتیں فیصدی ۹۹ آزاد پھرتی ہیں۔ دراصل اُن کا اپنا قصور ہے یا اُن کے وارثوں کا جب ۹۵ فیصدی مسلمان عورتیں بے پردہ رہتی ہیں تو اُن کا روا سے پردہ اُٹھا دینا کون سی اجنبی بُرائی ہوسکتی ہے۔

بعض پردہ دار بہنوں کا اپنے پردہ یا اپنے پردہ کی مشکلات سے تنگ آکر یہ خیال کرلینا کہ اُن کی تمام دوسری بہنیں بھی پردہ ہی میں رہتی ہیں صحیح نہیں پردہ پر اعتراض ہونے کی صورت میں جواب یہ ہونا چاہیے ہندوستان میں شرعی یا اسلامی پردہ فیصدی ۸۵ یا ۹۵ بھی نہیں ہے جس طرح اس ملک کی اور عورتیں بے پردہ اور آزاد ہیں اسی طرح مسلمان عورتیں بھی ہیں بلکہ میری رائے میں تو مسلمان عورتیں دوسرے مذہب کی عورتوں سے عموماً زیادہ تر آزاد ہیں رہا یہ کہ اُن میں سے بعض مردوں کو دیکھکر مُنھ کیوں چھپا لیتی ہیں یہ بھی ایک نالئقی فعل ہوتا ہے اس طرح تو ہندو عورتیں بھی مُنھ چھپا لیتی ہیں شاید مسلمان عورتوں ہی سے

رفتہ رفتہ اسقدر حجاب بھی ہٹ جائے - پردہ کے متعلق غیروں ہی میں نہیں خود مسلمانوں میں بھی اکثر غلط فہمیاں پھیلی ہوی ہیں جو مسلمان شیخی سے یہ کہدیا کرتے ہیں کہ ہم میں ایک عام پردہ ہے وہ بھی غلط راے رکھتے ہیں اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ مسلمان عورتوں یا مسلمان قوم کو پردہ نے تباہ کیا وہ بھی لاعلمی کی وجہ سے مبالغہ کرتے ہیں، پردہ محض براے نام ہے معترضوں کو صاف طور پر کہدینا چاہیے کہ جس شرعی حادثہ کا ڈر ہے وہ کبھی کا دور دفان ہو چکا ہے کیا اوپر کے نقشہ سے کوئی کہہ سکتا ہے کہ پنجاب کے مسلمانوں میں کوئی پردہ ہے اگر یہی پردہ ہے تو معلوم نہیں بے پردگی کس بلا کا نام ہے۔

ناخن بدل من مزن اکنوں کہ دریں ساز
تار نفسے بود صدا داشت ندارد

راقم ایک (محقق)

## غزل

سر سے پا تک ہمہ تن نور نظر آتے ہیں
چشم بد دور وہ اب حور نظر آتے ہیں

چال مستانہ ہے انکی تو نشیلی آنکھیں
یہ حسیں بے پیے مخمور نظر آتے ہیں

ساقیا جب سے مئے سرخ بھری ہے تو نے
قمقمے ساغر بلور نظر آتے ہیں

زلف شبگوں پہ چھڑکتے ہیں وہ جب دم افشاں
چاند تارے شب دیجور نظر آتے ہیں

آنکھ اٹھا کر وہ نہیں دیکھتے عاشق کی طرف
دولت حسن سے مغرور نظر آتے ہیں

اے شہ حسن ترے چاند سے رخ کے آگے
چاند سورج مجھے بے نور نظر آتے ہیں

تن بدن کا نہ رہا ہوش رسا کو باقی
نشۂ عشق سے یہ چور نظر آتے ہیں

رسا ہمدانی۔ گیاوی

# انگور

آفاق میں اس نام سے مشہور تو ہی ہے
کہتے ہیں تجھے رز، عنب، انگور تو ہی ہے

خوشہ ہے ترا غیرتِ صد خوشۂ پرویں
وابستہ ہے دامن سے ترے گوشۂ پرویں

لگ جائے کہیں ٹھیس تو خونابہ رواں ہو
نازک ہے بدن ایسا کہ شیشے کا گماں ہو

سرسبز بنانے کو تجھے خون سے سینچا
پھر بادہ کی صورت میں ترے خون کو کھینچا

لکھتے ہیں اطبا تجھے نسخے کے ورق میں
دارو سے شفا بنتا ہے بیمار کے حق میں

صحنِ چمن و باغ میں ٹٹی میں چھپا تو
سایہ میں مغاں کے کبھی بھٹی میں چھپا تو

جلوہ ترا ہر شکل میں واللہ غضب ہے
گہ دخترِ رز ہے تو گہے بنتِ عنب ہے

دیتا ہے زمانہ میں تجھے کون دلاسا
ہر شخص کو دیکھا ہے ترے خون کا پیاسا

رندوں کے لیے ہے مئے گلگونِ تمنا
پی لیتے ہیں ظالم وہ ترا خونِ تمنا

شیشے سے نکلکر تو کبھی جام میں جھلکا
پہنچا جو لبوں تک دلِ ناکام میں جھلکا

کیا ظلم ہے تو باغ سے جسوقت جدا ہو
عالم ہوا سیری کا، پٹاری کی ہوا ہو

گھر بیٹھے تجھے دور سے منگوائیں مزے سے
جنکو ہو تری چاہ وہی کھائیں مزے سے

پوشیدہ ترا قطن کے پھاؤں سے بدن ہے
یہ عالم غربت کیا ترے ساتھ کفن ہے

خوبی تری اک سمت تری جان کی دشمن
پھر شیخ کا یہ قول کہ ایمان کی دشمن

مے سے تری زاہد کو سروکار نہیں ہے
شربت سے مگر اسکو بھی انکار نہیں ہے

اک بات مگر اے مرے انگور بتا دے
پردہ جو پڑا ہے اسے للہ اٹھا دے

جلوے یہ نمایاں ہیں ترے آب کے گل کے
یا تاک میں پہنچے ہیں پھپھولے مرے دل کے

باسط۔ بسوانی

# ہائے دل

یہ دل کمبخت ایسا ہے کہ اسکی بدولت ہزاروں ویران ہوئے۔ لاکھوں برباد ہوئے۔ کروڑوں نے جان دی۔ ہائے کہیں تبسم کی شکلیں پیدا کرتا ہے کہیں غم و محن کی شکل ہو یدا کرتا ہے۔ اللہ غنی اس کی بدولت دنیا میں کیا کیا کچھ نہ ہوا کس کس کو نہ تباہ کیا۔ ارے فلک بن کے تو لوٹتا۔ پہاڑ بن کے تو گرا۔ زمین میں تیری بدولت لاکھوں پیوند ہوئے۔ یہ سب تیرے ہی کرشمے تھے۔ تو ترساتا ہے۔ رولاتا ہے۔ در بدر پھراتا ہے۔ پہاڑوں سے ٹکریں کھلاتا ہے۔ خاک چھنواتا ہے اور اسپر بھی صبر نہیں آتا تو جان سے کر ٹلتا ہے ہائے ہائے نہ تجھکو بچہ پر ترس آتا ہے۔ نہ نوجوان پر رحم کرتا ہے۔ نہ بوڑھا تیری بے پناہ نظر سے چھپ سکتا ہے۔ تو للچاتا ہے۔ دکھلاتا ہے۔ پھسلاتا ہے۔ بہلاتا ہے۔ اور بیوفائی کر کے مُنھ موڑ کر چلا جاتا ہے۔ تیری بلا سے خواہ عاشق ہو یا معشوق تو اُسکے ہاتھ سے جانے کے واسطے پیدا ہوا ہے۔ نہ تو کسی کا دوست ہے اور نہ کسی کے قابو کا۔ غرض سخت سے سخت کو بھی پگھلا لیتا ہے۔ اور تڑپاتا ہے۔ جلاتا ہے۔ اور دور ہی دور الگ پھرا کرتا ہے آہ۔ تو نے ہی مجنوں کو دیوانہ بنایا۔ تو نے ہی کوہ کن کی جان لی۔ تو نے ہی عشاق کو پاگل۔ خبطی۔ مجرور مشہور کروا کر رسوا کیا۔ آہ۔ تو ہی حسن و عشق کے درمیان کی رسی بنا۔ تو نے ہی عاشق پر بجلیاں گرائیں۔ معشوق پر ستم ڈھایا۔ کسی کو گھر سے نکالا کسی کو قید کروایا۔ آہ۔ تیری کارستانیاں کہاں تک کوئی بیان کرے۔ ارے تو نے ہی

صغرا کے پہلو میں چٹکیاں لیں باوجود اُسکے تیز مزاج ہونے کے تو نے اُسکے

فکر پر قابو پایا اور خود آزاد ہوگیا۔ وہ باوجود شریف ہونے کے اور صنف نازک کہلانے کے تیرے ہاتھوں برباد ہوئی۔ بچپن سے اُس میں تیری برداشت کا مادہ نہ تھا۔ آخر کو تونے اُسکو دھوکا دیا۔ اور سینہ ہی سینہ میں لئیق کا خیال بے زبان بن کر دبا رہی۔ یہ صرف اُسکی نسوانی خو اور شرافت تھی ورنہ تو تو اُسکو بھی رسوا کیے بغیر نہ رہتا۔ آخر کو جب تونے یوں بھی قابو نہ پایا تو لئیق کو اُکسایا اور اُسکے دل میں بھی اُسکا خیال پیدا کرایا اور لئیق نے کوشش کی کہ وہ مہ جبین سے عقد کرے تو دولت دنیا ہاتھ لگے۔

دونوں کے والدین کو تونے ورغلانا۔ وسواس پیدا کیے۔ اور جب صغرا کے والدین رضامند ہوئے تو تونے لئیق کے باپ کو بھرا۔ انھوں نے صغرا اور اُسکے والدین کو اتنا دق کیا کہ تو صغرا کے پہلو میں نہ رہ سکا اور ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا۔ بدقت تمام کچھ قابو پایا اور صغرا کا عقد لئیق سے ہوا۔ لئیق کو بھی چونکہ صغرا سے محبت تھی لہذا امید تھی تو کچھ ساتھ دے گا۔ اور پہلو میں بارور ہوگا۔ مگر لئیق نے صغرا کے پہلو میں تجھکو بے قابو پاکر۔ غرور۔ لالچ۔ حرص۔ خود ستائی۔ خودمختاری بے مروتی۔ ناسمجھی۔ ناعاقبت اندیشی۔ حماقت اور اپنے باپ کی مرضی مقدم رکھنے سے ناجائز فائدہ اُٹھا کر وہ وہ ستم ڈھاسے کہ آخرکار تجھ میں نئے فوارے پھوٹ کر آہ نارسا ہوئے۔ اور فلک سے جا ٹکرائے۔ اور تو

پہلے صد برگ تھا اب ہزارہ ہوگیا

بمشکل صغرا کا ارمان پورا ہوا اور لڑکی پیدا ہوئی جس سے خیال ہوا کہ اب لئیق اولاد کی محبت میں صغرا کی اطاعت اور خاطر کریگا۔ مگر لئیق ایسے بددماغ اور نامعقول طبیعت کو یہ اور گراں گذرا۔ اور اُس نے اس مولود سعید کو ناسعید سمجھا اور یہی ثابت کر دکھایا۔ اُس نے صغرا کو طعنے دیے تشنیع کی اور آخرکار

چونکہ تو اُسکے پہلو میں رہا سہا باقی تھا وہ بھی چکنا چور ہو گیا۔ اور تیرے چشمہ سے خون کی ندیاں بہنے لگیں۔ بالآخر تو نے صغرا کو یہانتک ستایا اور یہانتک دق کیا کہ وہ پہلے دق ہو کر پریشان ہوئی پھر زار و نزار ہو کر جان سے بیزار ہوئی اور آخر کار اس نے اس طرح کڑھ کڑھ کر اور بلک بلک کر جان دی۔ اور اپنی ماں اور پیاری ماں۔ دلاری ماں۔ دکھیاری ضعیف ماں کو تڑپتا۔ بلکتا چھوڑا وہ بھی عنقریب اپنی بیٹی کے پاس جانے والی ہے۔ مگر تجھکو کسی طرح رحم نہ آیا آہ "ہائے دل" یہ سب تیرے ہی کرشمے ہیں تو نے اُس بیچاری کی جوان جان لی اور اُسکی غریب مصیبت زدہ ماں کو جسکے چودہ اولادوں میں صرف صغرا اور اُس کا بھائی زندہ تھا۔ یوں تڑپتا چھوڑا۔ غرض تیرے کرشمے جسقدر ہیں وہ حد سے گذرے ہوے ہیں۔ خدا کرے تجھ سے کوئی لگاوٹ نہ کرے اور تجھکو ہمیشہ قید رکھے نہ تیری رعایت ہے نہ مروت۔

بیدل انصاری

# طرز معشوق

کل اک بت نو عمر نے پوچھا یہ قمر سے
کیوں اب ہے تری قوم گرفتار مصیبت
باطل سے کبھی زور توحق کا نہیں گھٹتا
وہ بت سے ہو ختم جسمیں ہے اسلام کی طاقت
کس ضعف سے یہ قوم مسلماں ہوئی تجمیں
کیوں آج کسی روح کو ملتی نہیں راحت
ہاں آج مری قوم ہے ممتاز زمانہ
اللہ نے بخشی ہے اسے دولت و ثروت
ہیں دیر میں ایسے کئی انمول جواہر
شاہوں کے خزانوں میں بھی جنکی نہیں قیمت
آرام سے ہوتی ہے بسر زیست ہماری
دیکھی نہ کبھی خواب میں افلاس کی صورت
ہے آٹھ پہر شغل فقط رقص و غنا کا
پُر نور ہے پریوں سے مری محفل عشرت
بجتا ہے کوئی جھوم کے کھماچ کی تانیں
سنتا ہے کوئی شوق سے کافی کی ہر اک گت

معشوق ہے پہلو میں تو ساغر میں مئے ناب — وہ لطف شب ماہ وہ مہر پھول کی نکہت
رہتے ہیں سلاطین جہاں اہل دول سے — محکوم زمانہ ہے وہ دولت میں ہے قوت
فلاس تری قوم کا دیکھا نہیں جاتا — ڈالے نہ عدو پر بھی خدا ایسی مصیبت
ایسے بھی نظر آئے تری قوم میں مفلس — دن رات اٹھاتے ہیں جو فاقوں کی اذیت
لیتا نہیں کوئی کہ غریبوں کی خبر لے — کرتے نہیں اونچے بھی ذرا انکی اعانت
نواب کوئی ہے تو کوئی صاحب ثروت — عزت کا وہ خواہاں ہے تو یہ طالب شہرت
کہتے تھے مسلمان کہ ہم اہل حیا ہیں — جاتی نہیں گھر سے کبھی باہر کوئی عورت
اس رسم کی ڈالی تھی بنا ہند میں ہم نے — پردہ نہیں جس قوم میں اسکی نہیں عزت
اس رسم کے لیکن ہیں وہی آج مخالف — عورات کو دی گھر سے نکلنے کی اجازت
بازار میں وہ آئیں نظر مجھکو عفیفہ — روشن تھی زمانے میں کبھی جنکی شرافت
کی ترک حیا۔ غیر سے ملتی ہیں بصد شوق — باغوں میں بھی جاتی ہیں نہیں اب وہ نزاکت
یہ ڈھنگ ہیں انکے تو خدا حافظ و ناصر — باور نہیں آتا کہ سلامت رہے عصمت
دعوئے مساوات بھی تم سب کو بڑا تھا — کہتے تھے مسلماں کو مسلماں سے ہے الفت
سب میں تو بھائی ہیں مگر دشمن اغیار — اسلام کے قانون میں ہے یہ حذب کی قوت
تم سب میں قیامت کی مگر پھوٹ پڑی ہے — کرتے ہیں مسلمان مسلمان سے نفرت
جلتا ہے مسلماں کی ترقی سے مسلماں — کیا نام اسی کا ہے زمانہ میں محبت
یہ وصف ہے تم میں کہ بڑے چرب زباں ہو — رفتار زمانہ نے یہ بخشی ہے طلاقت
ہے علم بھی ایسا کہ وہ خالی ہے عمل سے — لوگوں کے دکھانے کو کتابوں کی ہے کثرت
مذہب کے کئی مسئلے ایسے بھی چھیڑے ہیں — ہونے نہیں دیتے جو کبھی تم میں مودت
شاخوں کو سمندر سے بھی سینچو تو عبث ہے — جب دکھ گئی جڑ تو کہاں زیست کی صورت
میں نے یہ کہا اے گل گلزار [?] — تازہ ہوئے باتوں سے تری دل کے پہ حسرت [?]
اک قطرہ لہو کا ہے بشر کا دل نازک — کیا اس سے اٹھے حق کا بھلا بار امانت
ایمان میں ہے ضعف تباہی میں پڑے ہیں — ہلنے کی بھی اب اپنی جگہ سے نہیں طاقت
حرص ہند و دنیا [?] ہے فزوں تو وہ گراں سے — یہ بوجھ پڑا [?] دب گئی ایمان کی قوت

# اعراب جاہلیت کا سالانہ مشاعرہ

(سلسلے کے لیے جولائی نمبر ملاحظہ ہو)

میں نہایت مخلصانہ انداز سے ناظرین تمدن اور بالخصوص اُن حضرات کا جنکی خدمت میں مجکو نیاز بھی نہیں حاصل ہے۔ شکریہ ادا کرتا ہوں کہ اعراب جاہلیت کے مشاعرے کے متعلق اپنی خاص دلچسپیوں کا اظہار کر کے میری ہمت افزائی فرماتی ہیں۔ میں حتی الامکان آپ حضرات کی تعمیل حکم میں پوری کوشش کروں گا اور اس سلسلہ کو تا اختتام پہنچاؤں گا۔ آشفتہ

## مشاعرہ کا

پانچواں دورہ ہے۔ مذاق شعر میں ڈوبی ہوی طبیعتیں بالخصوص شعرا اور علی العموم سخن سنج و مذاق سلیم رکھنے والے سامعین نہایت بیچینی کے ساتھ منتظر ہیں کہ دیکھیے اب کے کامیابی کا سہرا کس کے سر رہتا ہے۔ وقت کا انتظار ہے۔ قریب قریب تمام فصحا و بلغاے عرب۔ بڑے بڑے ادیب جمع ہو چکے ہیں اور برابر مختلف مقامات سے آ رہے ہیں ہر شاعر ایک محشرستان خیال دماغ میں لیے ہوے ہے بجاے خود اس کو دل و ذہن میں ہے کہ اب کے مشاعرہ ہمیں جیت کے لیجائیں۔ اور کیوں نہوں ایسے وسیع خیالات شعرا قریب قریب سال بھر اسی کوشش میں ختم کرتے ہیں اپنی جانیں لڑاتے ہیں حسب محنت داد بھی پاتے ہیں پھر مادری زبان بھی ہے مذاق شعر بھی رگ رگ میں اُترا ہوا ہے سرزمین بھی آب و ہوا بھی۔ مزاج بھی ہر چیز مذاق شاعری کی ترقی کے لیے ایک قوی عنصر ہے ان سب پر طرہ حُسن و عشق کی گرم بازاری ہر طرف دلدادگان عشق حُسن کی دیویوں کے ہاتھوں پر دل گداختہ لیے ہوے پھرا کرتے ہیں

بازارِ حسن میں متاعِ دل کی قدر اور پوری قدر بھی ہوئی ہے۔ جہاں دیکھیے صحبتِ حُسن و عشق گرم ہے اس میں شک نہیں کہ قصبۂ عکاظ اس وقت اس غیرمعمولی چہل پہل سے دُلہن بنا ہوا ہے کہیں آپس میں شعرا میں نوک جھونک ہو رہی ہے کہیں بذلہ سنجی ہے کہیں چھیڑ چھاڑ ہے کہیں نہایت سنجیدہ اور پاکیزہ مذاق ہو رہا ہے جو لفظ باہمی گفتگو میں زبان سے ادا ہوتا ہے وہ نہایت سمجھا ہوا اور رچا ہوا ادا ہوتا ہے ہر ہر لفظ پر فصاحت و بلاغت سَو سَو بار نچھاور ہوتی ہے۔ ایک طرف نقّادانِ سخن کی نظریں لڑی ہوئی ہیں کان لگے ہوئے ہیں باہمی شعرا کی بات چیت سے لطفِ زبان بھی اُٹھاتے جاتے ہیں اور ایک قسم کا اندازہ بھی کرتے جاتے ہیں۔ غرض کہ انھیں دلچسپیوں میں انتظار کا وقت گذر گیا باقاعدہ دورِ مشاعرہ قائم ہوا صحبتِ شاعری گرم ہوئی شعرا نے اپنے اپنے جواہراتِ نظم جوہریوں کے سامنے پیش کرنا شروع کیے بقدرِ خوبیٔ کلام منصفانہ داد ملنا شروع ہوئی کسی بیچین طبیعت والے نے اہلِ مشاعرہ کے دل برما دیے کسی آتش خو نے آگ لگا دی کسی رنگین طبیعت والے نے ہنسا دیا کسی عاشق مزاج نے دل گداختہ کر دیے، رُلا دیا کسی فطری شاعر نے مناظرِ قدرت کی تصویریں نظروں کے سامنے کھینچ دیں کسی نے جذباتِ باطنی کو اُبھار دیا کسی نے رزم کے خاکے کھینچے کسی نے بزم کے چربے اُتارے۔ ایک آگ ہے کہ مشاعرہ میں بھڑکتی ہی چلی جاتی ہے ایک سے ایک (اندُ خنجر سر تیز لیے ہوئے) نکلتا ہے کہ یکایک مشاعرہ نے کروٹ بدلی شاعرانہ نزاکتوں کا سمندر موجیں مارتا ہوا بڑھا عمرو بن کلثوم کی باری آئی اس نے دہ زور کا قصیدہ سُنایا کہ بجاے تعریف و طرفگی کے مشاعرہ پر مارنے لگا ایک سناٹا سا پڑ گیا تمام متحرک ہستیاں فطرت خاموش نظر آنے لگیں اب بجاے تعریفوں کی آوازوں کے مشاعرہ میں ایک عام خاموشی ہے جسے دیکھو

وہ کیفیت کلام سے بیخود بلکہ بیحس ہو رہا ہے وہ بڑے بڑے خوش فکر جو بہت دور دور
دہن میں قصائد نظم کر کے لائے تھے اب اُن کی آنکھوں میں اندھیرا ہے دنیا
تیرہ و تار ہے یہ سب کچھ ہے مگر انصاف کا خون کوئی نہیں کرتا آجکل کی طرح
ہٹ دھرمی سے کام نہیں لیا جاتا بلکہ نہایت جوش و خروش کے ساتھ عمرو ابن
کلثوم کی کامیابیوں کا خیر مقدم کیا جا رہا ہے ہر شخص کی زبان پر یہی ہے کہ
واقعی آج کامیابی کا سہرا عمرو بن کلثوم ہی کے سر ہے۔ ناظرین عمرو بن کلثوم
ایام جاہلیت کے ممتاز خانوادہ سے شمار کیا جاتا تھا یہ شخص قبیلہ بنی تغلب
سے تھا۔ اس کا سلسلہ حسب و نسب حسب ذیل ہے۔

عمرو ابن کلثوم بن مالک بن عتّاب بن سعد بن زہیر بن جشم کصرو بن بکر بن
حبیب بن عمرو بن غنم کصرد بن تغلب بن وائل اور اسکی ماں لیلےٰ بنت مہلہل بن
ربیعۃ التغلبی برادر کلیب بن ربیعہ ہے اور کنیت اسکی ابی الاسود ہے عمرو بن
کلثوم اپنے اوائل عمر ہی سے استعداد ہونہار اور ذی اثر تھا کہ اس پندرہ ہی
برس کی عمر میں قبیلہ نے اپنا واجب التعظیم سردار مقرر کر دیا تھا اس عہد میں
کسی قبیلہ کی سرداری کے ہی معنے تھے جیسے کسی سلطنت کے بادشاہ کے ہوتے
ہیں اس نے ایکسو پچاس برس کی عمر کی۔ اور آغانی میں اس قصیدہ کے انشا کے
متعلق ایک خاص واقعہ لکھا ہوا ہے۔ وہ یہ کہ ایک روز عمرو بن ہند کہ وہ ابن
منذر بن امرالقیس اللخمی ہے اور ماں اسکی ہند بنت عمرو بن حجر آکل المراد ہے
یا بنت حارث بن حجر ہے یہ رئیس و حاکم قطین تھا۔ اپنی صحبت میں بیٹھا ہوا تھا
اسکے مصاحب بھی حاضر خدمت تھے کہ اسنے اپنے ثروت و جاہ و عالی نسبی کے
گھمنڈ میں اپنے مصاحبوں سے یہ سوال کیا کہ کیا تم اعراب میں سے کسی ایسے
شخص کو پیش کر سکتے ہو جس کی ماں میری ماں کی خدمت کرنے سے عذر کر سکے۔ یہ

سن کے مصاحبین میں سے ایک شخص نے کہا کہ ہاں البتہ وہ عمرو بن کلثوم کی ماں ہے جو نہایت بزرگ خانوادے سے ہے مہلہل ایسے ممتاز کی لڑکی اور کلیب ایسے وقیع کی بھتیجی اور کلثوم بن مالک ایسے دانشمند کی زوجہ ہے اور عمرو بن کلثوم بیٹا اسکا سردار ہے قبیلہ تغلب کا۔ یہ سن کے عمرو بن ہند نے عمرو بن کلثوم کو بلوا بھیجا۔ چنانچہ عمرو بن کلثوم ایک جماعت بنی تغلب کے ساتھ مع اپنی ماں لیلے بنت مہلہل کے آیا۔ چنانچہ ماں اسکی لیلیٰ عمرو بن ہند کی ماں ہند کے پاس حرم سرا میں داخل ہو گئی۔ اور خود عمرو بن کلثوم عمرو بن ہند کے پاس جو مقام نشست تھا چلا آیا۔ ہند کو جو درحقیقت نشۂ دولت و ثروت و عزت سے مخمور ہو رہی تھی اس نے لیلے بنت مہلہل سے بعد معمولی صاحب سلامت کے کسی مناسب موقع پر ایک تحکمانہ انداز اور امیرانہ لہجہ سے کہا کہ یہ طبق میرے پاس اُٹھا لا۔ یہ سُنتے ہی لیلے کو عرب کے ایک ممتاز طبقہ کی صرف عورت ہی نہیں تھی بلکہ اُس قبیلہ کے سردار کی ماں بھی تھی اسکے علاوہ اپنے قبیلہ کی شجاعت و بہادری و جمعیت پر بھی نازاں تھی باپ اور چچا اور شوہر بھی خاص وجاہت کا رکھتی تھی فوراً برہم ہو گئی طبیعت جوش میں اُبلی تیوریوں پر بل پڑ گئے غیظ و غضب سے گورے گورے نرم نرم رخساروں پر ایک شہابی رنگ دوڑ گئی۔ اس نے بھی بہت ترش رخ کے جواب دیا کہ تو خود اُٹھالے صاحب حاجت اپنی ضرورت پوری کرنے کے لیے آپ مستعد ہوتا ہے۔ میں کیوں اُٹھاؤں یہ جواب دینے کے بعد بھی لیلے کا غم و غصہ کم نہوا اور آخر کو اس نے اپنی غم و غصہ میں ڈوبی ہوی آواز بلند ہی کر دی کہ افسوس مہمان بلا کے قبیلہ تغلب کی ذلت کی جاتی ہے۔ اس آواز کا بلند ہونا تھا اور عمرو بن کلثوم کے کانوں تک پہنچنا تھا کہ آنکھیں غیظ میں سرخ ہو کے اُبل پڑیں اور ہمارے بانکے شاعر کے چہرہ پر خون جھلک آیا بغیر کسی انتظار کے

عمرو بن ہند کی تلوار سے جو اس نشست گاہ میں کسی مقام پر لٹک رہی تھی عمرو بن ہند کا خاتمہ ہی کر چھوڑا اسکے بعد اپنے ساتھیوں کو آواز دی جو قبیلہ تغلب کے اسکے ہمراہ تھے اُن سب نے آکے اُس نشست گاہ کو جہاں اسوقت عمرو بن ہند ایسے جلیل القدر رئیس کا سر ٹھوکروں میں پڑا ہوا تھا گھیر لیا اور اُن لوگوں کو محصور کر لیا جو عمرو بن ہند کے دربار میں اُسوقت موجود تھے۔ اسکے بعد نہایت بہادری اور بانکپن سے اپنی محترم ماں کو بہادر بنیا لیے ہوے اپنے جزیرہ کی طرف مراجعت کر گیا۔

آغانی کہتا ہے کہ یہ قصیدہ عمرو بن کلثوم نے اسی موقع پر جوش شجاعت میں انشا کیا ہے اور اپنے قبیلہ کی بہادری اور شجاعت شرافت اور دیگر اوصاف پر نہایت تفصیل سے روشنی ڈالی ہے چنانچہ پہلے اس قصیدہ کو عمرو بن کلثوم نے قصبہ عکاظ میں سالانہ مشاعرہ میں پڑھا جن مشاعروں کے حالات ناظرین کے پیش نظر ہیں اور اسکے بعد موسم حج میں مکہ میں پڑھا۔ یہ قصیدہ بحر طویل میں ہے اور اصول افاعیل اسکے مفاعلۃ مفاعلۃ مفاعلۃ مفاعلۃ مفاعلۃ

مطلع

الاھبی بصحنک فاصبحینا ؎ ولا تبقی خمور الاندرینا

کہتا ہے خطاب کرکے کہ اے مست خواب ہاں ہوشیار رہو اور مجکو شراب صبح بزرگ جام میں پلا اور آج میکدہ میں قریہ اندر کی شرابوں سے کوئی شراب باقی نہ بچنے پائے کسی دوسرے شخص کے لیے۔ مطلب یہ ہے کہ ساقی آج جتنی عمدہ اور نفیس شراب تیرے پاس موجود ہے وہ سب مجھی کو دیدے اس لیے کہ مجھ سے

---

[1] عنصر شجاعت کے لیے واقعی اسی قدر غیرت کے مادہ کی ضرورت ہے جن قوموں میں یہ جوہر نہیں وہ کبھی بہادر رہ ہی نہیں سکتیں۔ شگفتہ

زائد شرابی اور مستحق اس شراب کا کوئی اور ہو نہیں سکتا۔

مشعشعة کأن الحص فیہا اذا ما الماء خالطہا سخینا

اے میرے پیارے ساقی ایسی نفیس شراب آج پلا کہ جس میں یہ معلوم ہوتا ہو کہ زعفران خالص پیس کر ملادی گئی ہے وہ ایسے نفیس اور دلکش رنگ کی شراب ہو کہ جب اُس میں گرم پانی ملا کے پیوں تو میری طبیعت سمندر کی طرح جود و بخشش کی لہریں مارنے لگے۔ ناظرین کرام اعراب خصوصیت کے ساتھ فصل سرا میں شراب میں زعفران و گرم پانی ملا کر عادۃً استعمال کیا کرتے ہیں غالباً یہ وجہ ہے کہ سخونۃ آب اور زعفران کا گرم وخشک مزاج معین سکر ہوتا ہے۔

تجور بذی اللبانة عن ہواہ اذا ما ذاقہا حتی یلینا

پھر مدح کرتا ہے شراب کی اور کہتا ہے کہ ایسی شراب پلا نا کہ جس کو صرف چکھنے سے صاحب حاجت اور صاحب فکر و غم اپنی فکر و غم اور حاجت کو بھول جائے نہ کہ پی لینے کے بعد۔ گویا مطلب یہ ہے کہ بہت سریع الاثر شراب پلا دے کہ جو حلق سے اُترتے ہی بیخود بنا دے۔ (باقی آیندہ)

## آشفتہ لکھنوی

جناب[۱] دلہرو خدمرزا اوحد حسین صاحب واقف لکھنوی یادگار جناب اسیر مرحوم

اے سوز غم فراق میں کیا جانے کیا ہوا ۔۔۔ رگ رگ میں خون کھول رہا ہے پڑا ہوا
اوچھا سا وار کرنے سے حاصل ہی کیا ہوا ۔۔۔ میرا بھلا ہوا نہ تمہارا بھلا ہوا
شکوہ سے کچھ غرض ہے نہ دل پھیرتے ہیں ہم ۔۔۔ اچھا معاف کیجیے جو کچھ ہوا ہوا
میں ضعف سے تھکا ہوا محفل میں یار کی ۔۔۔ بیٹھا مثال اشک نظر سے گرا ہوا
مار سیاہ زلف صنم کا جو ہے خیال ۔۔۔ دل کا چراغ شام ہی سے ہے بجھا ہوا
واقف پسند ہم نہیں کرتے ہیں شعر میں ۔۔۔ مضموں مذاق عشق سے ہے جو گرا ہوا

[۱] یہ غزل ہم کو جناب آشفتہ صاحب کے توسل سے وصول ہوئی ہے جس کے لیے ہم دونوں حضرات کا شکریہ ادا کرتے ہیں

# محشرِ خیال

قیس عامری و فرہاد ایرانی: نہ یہ رہا نہ وہ! دنیا چھلانگیں مارتی اسقدر آگے بڑھ آئی کہ مجنون نجدی کی سنہ ۱۹۱۶ء میں کوئی نقل۔ عملاً یا تحریراً۔ اتارنی چاہے تو وہ نقل بھی "مطابق اصل" نہ ہونے کی وجہ سے صورت مسخ شدہ بن کر رہ جائے گی! مخلوقات بیچاری اس پیرزال کی چڑھی پر سوار۔ بلا ارادہ و بلا کوشش "رشتہ در گردنم" کی مثال اسکے ساتھ ساتھ چلتی رہی اور آج وہاں نظر آتی ہے جہاں سے پلٹ کر اگر آغاز سفر۔ سفر تہذیب و ترقی طلب کی طرف دیکھا جائے تو دوربین کے ذریعہ سے بھی نقطۂ آغاز نظر نہیں آسکتا خیر۔ اس سفر کی مشرح و مفصل رام کہانی۔ تاریخ جانے۔ یا وہ جن کو ایک اور ایک گیارہ بنانے کی ترکیب آتی ہے ہماری نظر تو اسوقت موجودہ دنیا پر ہے!

آج سے انیس سو برس پہلے کی معاشرت کے مداح تو اب بھی سیکڑوں ترقی یافتہ امور پر خواہ مخواہ نکتہ چینی کے لیے تیار رہتے ہی تھے مگر وہ درمیانی خیال والے بھی جو آج کے خیال والوں سے محض چند سال۔ یہی کوئی بیس پچیس سال۔ پیشتر کے زمانہ کے خیالات رکھتے ہیں، ترقی فنون پر پہنچتے سے اکھڑ جاتے ہیں! افسوس یہ ہے کہ دنیا اور اس کی معاشرتِ منقلب کو وہ بھی اپنے سنہ ۵ء کی چار دیواری میں مقید کرنا چاہتے ہیں! اور دنیا ایسی نت نئے روپ بدلنے والی نظر فریب معشوقہ ہے جسکے مذہب میں کسی جگہ ٹھہر جانا موت کو کہتے ہیں: وہ جیتے جی مر نہیں سکتی: لہذا بڑھے جاتی ہے اور اسکی نظر فریبی سے متاثر ہونے والا گروہ اور یہ گروہ عموماً نوجوان ہی ہوگا۔ اسکے پیچھے گردن ڈالے چلا جارہا ہے! واقعی اگر یہ

روش نہ اختیار کی جائے اور "با زمانہ بساز" کے اصول کو توڑ دیا جائے تو اسکے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ دس برس کے بعد کتے صاحب کو۔ عام اس سے کہ وہ حسب نسب کے لحاظ سے اصحاب کہف کے کتوں کی تنہا اولاد ہی کیوں نہوں جس گاڑی کے سایہ میں قدم زن تھے، اس کی دھول بھی نظر نہ آسے گی اور آفتاب کی تیز تیز نظریں جسم کاہل کو جلاسے دیتی رہ گی۔! "طبقۂ نسواں تعلیم پائے اور تعلیم کا لطف نہ اٹھائے" بالکل ایسا ہی خیال ہے جیسے "مصرعہ لگاؤ مگر دیدہ نہ مٹکاؤ"! نہ اس میں قیام، نہ اُس میں امکان! جس قسم کی تعلیم ہوگی اور جس رنگ میں دماغ رنگ دیا جائیگا اُس سے گریز، قوت بشری سے باہر ہے! بعض اوقات قوت ملکوتی سے بھی باہر ثابت ہو چکی ہے! ترقی نسواں کا دارومدار تعلیم کے رنگ پر ہے۔ جس طرح کی بنیاد رکھی جا رہی ہے اُسپر اسی قسم کی عمارت کی امید بھی رکھنی چاہیے! افسوس اسپر آتا ہے کہ بعض کم فہم پرانے خیال والے معمولی سی بات کو بھی اپنی ناعاقبت اندیش نکتہ چینی سے اچھا خاصہ بتنگڑ بنا دیتے ہیں! اس سے اُس اصل شے کی ترقی و نظر فریبی میں کچھ بھی فرق نہیں آتا: البتہ معترض صاحب کی طبیعت کا "گول مٹھول" ہونا یقینی ثابت ہو جاتا ہے!

کل ہی کا ذکر ہے کہ ہمارے ایک انقلاب پسند نے ایک مضمون ضرورت کے عنوان سے "مشرق" میں دیا: جیسے ایسے مضمون۔ یا در اصل اعلان۔ سے نہایت دلچسپی ہوتی ہے! متاع حسن کو خوش معاملگی کے ساتھ دس بھلے مانسوں کے سامنے پیش کش کر دینا اور اُسکی شرائط بیع۔ ممکن ہے کہ بیع بالوفا ہو۔ خریداران ستمنی کو سمجھا دینا اول درجہ کی ایمانداری اور خوش معاملگی ہے! جس "ضرورت" کا میں ذکر کر رہا ہوں اُسکا جواب بھی اُسی روز میرے ایک عنایت فرما نے لکھا تھا اور کہا جاتا ہے کہ اڈیٹر صاحب کو روانہ بھی کر دیا۔! پہلے اُس جواب کو ملاحظہ کر لیجیے:۔

ہردوئی
۲۱ جولائی

مکرم بندہ! تسلیم

آپ کے اخبار مورخہ ۲۷ رجون کے صفحہ ۱۲ پر "ایک ضرورت" کی سرخی نے مجھے اسوقت اس تحریر لکھنے پر مجبور کیا ہے! سب سے پہلے مجھے تعجب ہے کہ آپ نے نوجوانوں کی ضروری صفات کو پوری حد تک بیان کردیا ہے لیکن اُس دوشیزہ گمنام کا اتا پتا یا اُسکے متعلق کچھ تحریر نہیں فرمایا۔ قاعدہ یہ چلا آتا ہے کہ جو چیز عام اس سے کہ ذی روح ہو یا غیر ذی روح کسی رنگ سے بھی خریدار کی متلاشی ہو وہ نگاہ کھینچنے یا نظرفریبی کے لیے اپنی صفات، اپنے اوصاف، اپنا حلیہ اور اپنی ہر قابل اظہار خوبی کو کچھ کھلے اور کچھ ڈھکے الفاظ میں نذر ناظرین کرے! پانیر میں روزانہ [illegible] کی مختلف النوع سرخیوں میں آپ ایسی ہی تفصیل اوصاف و قد و قامت پائیں گے! خیر! اس بات کو فی الحال تصفیہ طلب ان کر آپ کے اعلان کی طرف متوجہ ہوتا ہوں! میرے احباب میں سے اکثر نوجوان جن میں ہر رنگ اور ہر قامت کے اصحاب شامل ہیں متلاشی مونس ہیں اور میرا فرض ہے کہ میں ان میں سے ہر ایک کے ضروری اوصاف بیان کردوں اور اس فہرست کو آپ کی نظر انتخاب کے سامنے پیش کردوں! جس امیدوار کو انتخاب کا فخر حاصل ہوگا وہ میرے ہی ذریعہ سے مطلع کیا جا سکیگا۔ اسقدر آپ کو یقین دلانا ضروری نظر آتا ہے کہ ان مونس طلب احباب میں۔ بفضلہ رقابت یا حسد کسی حد تک بھی نہیں ہے اور نہ آپ کے آزادانہ انتخاب سے پیدا ہوگا۔ اس لیے آپ بلا خوف رقابت یا عناد جسکو مناسب سمجھیں پسند کرسکتے ہیں!

(۱) ........ معزز عہدہ دار ہیں۔ ڈھائی سو تنخواہ ہے کشیدہ قامت ہیں - گر ہیجوٹے ہیں۔ خوش مزاج ہیں۔ عمر کسی طرح ۲۵ سے زیادہ نہیں ہے -

ڈاڑھی موچھوں کو کراپ ریزر کے سر صدقہ کرتے رہتے ہیں۔ میلان طبع یقین دلاتا ہے کہ شادی کے بعد یقینی زن مرید ہونگے۔ البتہ شیخ یا سید نہیں ہیں۔ پٹھان ہیں اور ابتک غیر شادی شدہ ہیں اشتیاقی زوجہ ہیں لیکن تعلیم یافتہ بیوی کو ترجیح دینگے! صحت نہایت اچھی ہے۔ ابھی ابھی ایک خوفناک بیماری سے خدا خدا کرکے بچے ہیں اس لیے امید ہے کہ آیندہ عرصۂ دراز تک بیمار نہیں ہونگے! نماز پڑھنے کے وقت تکبیر نہایت پنچائی آواز میں بالجہر پڑھتے ہیں! کالج میں فٹ بال کھیلتے تھے اب ٹینس پر آ گئے ہیں! ظاہرہ نہایت حلیم نیک اور سیدھے معلوم ہوتے ہیں! حقیقی معنوں میں ابتک مجرد نہیں ہیں تو غیر شادی شدہ ضرور ہیں!

(۲)...... گریجویٹ آفیسر ہیں۔ چھریرہ جسم ہے۔ رنگ سرخ و سفید ہے۔ نقشہ اچھا ہے۔ سنہری عینک انکو نہایت بھلی معلوم ہوتی ہے۔ ڈاڑھی ندارد ہے مگر مونچھیں اسقدر بڑی ہیں کہ Kaiser moustache کی تلاش ہے عمر ۲۶ سال سے زائد نہیں ہے اگرچہ سر وغیرہ کے چند بال نزلہ کی عنایت سے قبل از وقت سفید ہو گئے ہیں! انگریزی مذاق کے دلدادہ ہیں۔ سوٹ نہایت اچھے سلے ہوئے پہنتے ہیں۔ آنکھیں بڑی ہیں اور نظر بازی پوشیدہ کی مشتاق ہیں۔ اچھی صورت اور حسن کے ہر وقت متلاشی ہیں۔ لیکن خدانخواستہ دل پھینک نہیں ہیں! امید قوی ہے کہ حسین بیوی مل جانے کے بعد اطمینان قلب حاصل ہو جائے گا اور تعلیم یافتہ و مولوی نما حضرات کا بار احسان اٹھانے سے باز رہیں گے! گریجویٹ ہیں مگر اپنی موجودہ اہلخانہ سے متنفر ہیں اور نئی چیز کے منتظر! ذات کے لحاظ سے سید ہیں اور عالی نسب ہیں!

(۳)...... سرکاری ملازم ہیں۔ امید ہے کہ سفارش یا قسمت جلد اچھے عہدہ پر پہنچا دے۔ حال ہی میں ایک خاندانی موت سے بلا ارادہ و کوشش رئیس بن گئے ہیں۔ صورت حلقۂ احباب میں اچھی سمجھی جاتی ہے۔ رنگ سرخ نہیں تو سفید ضرور ہے! آنکھیں بڑی بڑی ہیں اور لارنس اینڈ میو کے ہاں کی عینک کے عادی ہیں! عمر کل ۲۳ سال کی ہے۔ صحت اچھی ہے اور جسم ورزش کا ساختہ ہے۔ وزن ماشاءاللہ چشم بددور صرف ۲ من کچھ سیر ہے! اردو انشا میں خاص مہارت ہے۔ نئے مضمون نگاروں میں پسند کیے جاتے ہیں! طبیعت نہایت شوخ پائی ہے حلقۂ احباب نے "شیطان" کا معزز خطاب عطا کر رکھا ہے! صنف نازک کی ہر اچھی اور نظر فریب صورت کو سجدہ کر لینا اپنا فرض سمجھتے ہیں! کالج میں ایف۔ اے تک پڑھا ہے اور امید ہے کہ پڑھکر گدھے پر نہیں لادا ہے! بیوی اگرچہ بیدہ موجود ہے اور اس سے محبت بھی کرتے ہیں لیکن اپنی ہرجائی عادت سے مجبور ہیں! اور کم از کم ایک اور بیوی کے لیے بُری طرح منتظر وقت ہیں! ذات کے شیخ فاروقی ہیں!

(۴)...... ملازم سرکار ہیں۔ سو روپیہ ماہوار پاتے ہیں۔ قد کے معاملہ میں قدرت نے بہت کوتاہی کی ہے مگر اس کمی کو اُن کی فتنہ آمیز طبیعت کے عنایت کرنے میں پورا کیا ہے۔ رنگ کہنے کو تو گندمی ہے مگر ذرا ایک تاؤ زیادہ لگ گیا ہے! قد کم ہے مگر ناک خدا کی عنایت سے اچھی خاصی ہے! خوش مزاج ضرور ہیں لیکن [illegible] بہت جلد بلا کسی نوٹس کے ہو جاتے ہیں! عمر خود تو ۱۸ سال کی بتاتے ہیں مگر ان کی بیوی کی زبانی ۲۵ سال معلوم ہوی ہے! اسکی تصدیق انکی سیاہ داڑھی سے

بھی ہوتی ہے۔ اگریجویٹ ہیں اور بیوی کی جائز عزت پوری حد تک کرتے ہیں۔ بیوی موجود بھی ہیں تعلیم یافتہ اور لائق بھی ہیں۔ لیکن یہ اب محض جاہل اور گنوار لڑکی کے متلاشی ہیں۔ صحت اچھی ہے جو کچھ نقص تھا وہ عرصہ ہوا کہ آپریشن کے ذریعہ سے رفع کر چکے! ذات کے شیخ انصاری ہیں!

(۵)...... سب انسپکٹر پولیس ہیں عمر ۲۳ سال ہے۔ ایف۔اے تک پاس کیا اور بی۔اے پر حملہ آور بھی ہوئے۔ غیر شادی شدہ ہیں۔ رنگ نمکین ہے۔ جو کچھ مذاق خلاف فطرت تھا اُسکے دور ہو جانے کے آثار پیدا ہو گئے ہیں۔ مزاج کے نہایت اچھے اور بیوی کے بُری طرح متلاشی ہیں! ذات کے شیخ ہیں! شریف بھی ہیں!

(۶)..... سیکنڈ ایر کے طالب علم ہیں۔ بی۔اے تک ارادہ ہے۔ عمر ۱۷ سال ہے۔ صورت۔ خدا نظر بد سے بچائے۔ اچھی ہے! ذہین، طباع، اور ہونہار ہیں [illegible] Queen's [illegible] میں پڑھتے ہیں۔ ایف۔اے کے بعد M. A. O. College جائیں گے! ہر طرح مجرد ہیں! شیخ صدیقی اور حنفی المذہب ہیں!

(۷)...... اسی سال میٹرک پاس کیا ہے۔ ذہین اور طباع ہے۔ اتفاق سے سیکنڈ ڈویژن میں پاس ہوا ورنہ سب کو فرسٹ ڈویژن کی اُمید تھی۔ نہایت نیک اور محنتی طالب علم ہے۔ بی۔اے کے بعد ولایت جانیکا شائق ہے مگر والدین باوجود حیثیت آگے پڑھانا نہیں چاہتے۔ بی۔اے M. A. O. College سے کرنا چاہتا ہے۔ عمر ۱۸ سال ہے۔ ہاکی کھیلتا ہے۔ صورت موزوں ہے اور جسم اکہرا ہے۔ مجرد ہے! شیخ ہے اور حنفی المذہب ہے! شریف خاندان ہے!

(۸) ........ بیرسٹر ہیں! اپنے پیشہ میں کامیاب ہیں! عمر کبھی ۲۲ سے زیادہ
نہیں بتاتے! رنگ ملیح ہے مگر خشخاشی ڈاڑھی نے بُری طرح ظلم کیا ہے
آنکھوں کو بھرے بھرے رخساروں نے چھوٹا کر دیا ہے! جسم انگلستان سے
واپس آتے ہی طول و عرض میں بُری طرح روز افزوں ترقی کر رہا ہے!
غیر معمولی بوجھ کی وجہ سے رفتار میں خاص کیفیت پیدا ہو گئی ہے مولوی
نہ صرف خود ہیں بلکہ خاندانی ہیں! باوجود نئی تعلیم کے ہر بات میں سنت کا
لحاظ رکھتے ہیں۔ دو بیویاں قربان ہو چکی ہیں تیسری کے لیے ہر نماز کے
بعد دعا کرتے رہتے ہیں! اگرچہ نئی بیوی کو کچھ زیادہ وقت نہیں دیں گے
تاہم متلاشی ضرور ہیں! شیخ اور شریف خاندان ہیں! دوستوں کی ہر قسم
کی ضرورت کو حتی الوسع پورا کرنے میں کبھی دریغ نہیں کرتے!۔

اگر مذکورہ بالا میں سے کوئی پسند نہ آئے تو ایک بندہ زادہ بھی حاضر ہے۔
جسکی عمر اسوقت ۱۴ سال ہے اور مڈل میں پڑھتا ہے۔ ذہین اور طباع ہے
صورت شکل میں اچھا ہے۔ غیور اور شرمیلا ہے۔ ذات کی نسبت شیخ عثمانی کہدینا
کافی ہوگا۔ میری شرافت خاندانی کی نسبت آپ بعد کو خط و کتابت سے دریافت
کر سکتے ہیں۔ منتظر جواب رہوں گا۔

امید ہے کہ اگر ہرج نہ ہو تو اس تحریر کو "مشرق" میں جگہ دیجائیگی! والسلام۔

راقم۔ س۔ب

مکرر:۔

دوشیزۂ زیر بحث کی صورت شکل نہیں تو کم از کم مزاج، تعلیم، صحت، اور حسب و
نسب سے امیدواروں کو مطلع کرنا ضروری ہے! اڈیٹر صاحب اگر اس تحریر کو "مشرق" میں
جگہ دینگے تو میں ممنون ہونگا۔ لیکن امید کیجاتی ہے کہ میرا نام نہ دیا جائے گا۔

اس جواب کو پڑھکر مجھے بے اختیار اپنے عنایت فرما کی قابلیت کی داد دینی پڑتی ہے! واقعہ یہ ہے کہ دنیا کی ہر چیز کو اسی روشنی میں دیکھنا چاہیے جسکے اندر وہ اسوقت نظر آتی ہے اور کسی اسکے محیط اصلی کو خارج کر کے کوئی پُرانا محیط قائم کرنا۔ نہ صرف روح اقلیدس کو آزار دینا ہے۔ بلکہ چلتی گاڑی میں روڑا اٹکانا بھی ہے! جسقدر صفائی، سچائی، اور خوش دماغی سے اس اعلان یا اشتہار میں کام لیا گیا تھا جو "مشرق" میں نکلا تھا۔ اسیقدر تشریح عیوب و ثواب، مرتبہ و حالات، اور تمام چیزوں کے بیان کرنے میں ہمارے عنایت فرمانے پوری راستبازی اور اظہار حقیقت کا اظہار اپنے جواب میں کیا ہے!

مجھے اس سے بحث نہیں کہ امیدواران کے حلیہ اور ذاتیات میں بعض لطیف باتیں اب بھی [illegible] می رسد یا نہ رسد۔ البتہ [illegible] کی توفیق [illegible] سب سمجھداروں کو [illegible] سے توقع ہے کہ [illegible] کام ہلکا ہو جائے اگرچہ [illegible] نہیں کہ ہمارے قانونی [illegible] کی [illegible] - [illegible] لازمی اور [illegible] جائے گی - مگر اس [illegible] کہ فی الحقیقت [illegible] وہ چیز ہے جو اکثر [illegible] کی رسائی دیکھنے والوں کے دل پر [illegible] کی جزرسی سے امید ہے کہ وہ اس نقصان کو اس امید پر [illegible] کوشش کرینگے کہ آنے والی نسلیں زیادہ آزاد خیال، زیادہ خودمختار، زیادہ مہذب، اور ترقی کی برقی روشنی سے معمور ہوں گی!

---

اس میں شک نہیں کہ ایک ہندوستانی غلام سوسائٹی انسان کو مختصر خیال

سکنے میں انسان کی ایسی جامع و مانع تعریف کی ہے جو ایک طرف تو اُسکے تمام افعال ارادی و اضطراری کو گھیر لیتی ہے اور دوسری طرف شاعری سے لبریز ہے؛ اور سچ یہ ہے کہ شعریت کے بغیر کچھ بھی نہیں :-

ہے آدمی بجائے خود اک محشرِ خیال
ہم انجمن سمجھتے ہیں خلوت ہی کیوں نہ ہو

## سلطان حیدر جوش (علیگ)

## محبت

سمندر، چاند، تارے، عشق دا لفت کے شرارے تھے
کسی مجنوں کے دل میں حسرتوں کے نظارے تھے

بگولے ناچتے تھے نجد کی خاک بیاباں میں
محبت مضطرب آتی نظر تھی قلب انساں میں

چمن بیرنگ تھے بیمار رہتے تھیں بلبلیں حیراں
خدا کے نور سے تھیں محفلیں عالم کی سب ویراں

یکایک ہوگیا بے خود خدا کے نور کا منظر
ہوا عریاں جہاں میں جلوۂ مستور کا پیکر

ہوا بدلی چمن بدلا، گلوں کا پیرہن بدلا
بتوں کے تن میں جاں آئی سکوں نے بھی چلن بدلا

پریشاں ہوگئی ہر سو شمیم الفت جاناں
نگاہِ ناز کا ہر جلوۂ رنگیں ہوا عریاں

کسی نے تیر کھائے بیدلی میں نیم جاں ہوکر
کوئی ضبط کلم کر گیا محو فغاں ہوکر

سکوں ناآشنائی میں کوئی جان جہاں نکلا
مے بزم محبت کا کوئی پیر مغاں نکلا

چمن میں بن سنور کر سب بتان سیم تن آئے
سبھی شیریں دہن آئے سبھی سیمیں ذقن آئے

جنونِ فتنہ ساماں نے ہر اک طرز کہن بدلا
ادھر جلاد نے خنجر ادھر ہم نے کفن بدلا

گلوں کو دیکھنے آیا کوئی محمل نشیں ہوکر
حسینوں نے قیامت کی تمام رنگیں ہوکر

شفق کیا ہے کسی مجنوں کا خوں سورج کے ساغر میں نہ دیکھو اکو سر
قمر کا داغ کیا ہے چاند سے رخسار پر میں سیہ انکو ئی

# "دیکھوں تو موت ڈھونڈھ رہی ہے بہانہ کیا"

ہائے یہ مصرعہ سُنا اور کس سے؟ ایک جوان رعنا سے۔ ایک ناکام زمانہ سے ایک تصویر غم سے۔ ایک مرقع الم سے جو غربت میں بستر علالت پر پڑا امید و بیم کا تنکا بنا ہوا ہے جسکی غمخواری سوائے خلوت اور تنہائی کے کوئی کرنیوالا نہیں جسکی بالین پر سوائے یاس اور ناامیدی کے کوئی مجمع نہیں۔ جو خود ہی درد ہے اور خود ہی درماں۔ آخر مایوس ہوکر یہ حسرتناک مصرع زبان پر لاتا ہے۔ اس درد بھری آواز نے تیر کا کام کیا۔ سننے والے نے کلیجہ تھام لیا اور یہ دیکھو وہ پھر آہستہ آہستہ کہہ رہا ہے اور لیٹے دلی خیالات کا اظہار عجیب وارفتگی اور بیخودی کے عالم میں کر رہا ہے "میں غربت میں۔ کوئی ہمدم وانیس نہیں ہمجلیس نہیں حکیم صاحب توجہ تو بہت کچھ فرماتے ہیں۔ مگر میری قسمت کا کیا کیا جائے کمبخت طبیعت سنبھلتی نظر نہیں آتی۔ درد جگر پیچھا نہیں چھوڑتا۔ ظالم نے پہلو میں آفت مچا رکھی ہے۔ قیامت برپا کیے ہے، اتو مجھے کوئی افاقے کی صورت نہیں نظر آتی۔ بس اب دیر کیا ہے۔ تامل کس بات کا ہے۔ موت کیوں نہیں آتی۔ کیا اب بھی کوئی بہانہ ڈھونڈھتی ہے ہاں حکیم صاحب مجھے تسکین اور تسلی کیوں دیتے ہیں تشفی کیوں فرماتے ہیں۔ اُنکے خیال سے میں بہت اچھا ہوں۔ صرف نام کو مرض باقی ہے۔ ہائے کچھ نہیں سمجھا۔ سمجھا بہت ٹھیک رات۔ اب کچھ ہی دیر ہے کہ میں شاہد اجل سے ہم آغوش ہونگا اپنی تمناؤں اور حسرتوں کو گوشۂ قبر میں لے جاؤں گا۔ ہاں۔ ہاں۔ میں نامراد مروں گا نامراد۔

حکیم صاحب غریب معذور ہیں۔ مجبور ہیں۔ اُن کا کوئی قصور نہیں۔ ٹھیک ہے۔ ع

"چوں اجل آید طبیب ابلہ شود"

ماسٹر باسط۔ بسوانی

# خواتین اسلام کے علمی کارنامے

کسی قوم کے ارتقاء و تمدن کا اندازہ کرنے کا یہ بھی ایک بہتر طریقہ ہے کہ اس قوم کی خواتین کی حالت کا اندازہ کیا جائے لیکن موجودہ حالت کی بنا پر اسکا فیصلہ کرنا بھی دشوار ہے کہ اسلام نے خواتین کو کچھ حقوق بھی دیئے ہیں یا نہیں اسلئے ہم کو مجبوراً قرون ماضیہ پر نظر ڈالنی پڑتی ہے کیونکہ زمانہ حال کی خواتین کو حضرت عائشہؓ و حضرت فاطمہؓ کا نمونہ خیال کرنا اسی قدر غلط ہے جس قدر موجودہ طبقۂ رجال کو زمانہ ماضی کے بہترین اور برگزیدہ افراد کا جانشین سمجھنا۔

ابتدائے اسلام میں جس طرح طبقۂ رجال قوم کی ہر مشکل میں کام آتا تھا انہیں کے دوش بدوش عورتیں بھی وہ خدمات انجام دے سکتی تھیں جن کو فطری موانع سے کسی قسم کا لگاؤ نہ ہو چنانچہ صحابہ اور تابعین کے زمانہ میں خواتین اسلام اسیطرح علمی مذہبی اور سیاسی امور میں شریک ہوتی تھیں جس طرح مردوں کو اس قسم کے خدمات انجام دینے ہوتے تھے۔

مثلاً شعر و شاعری کی خدمات زیادہ تر خواتین ہی نے کی۔

[illegible] وجہ یہ تھی کہ زمانہ جاہلیت میں اہل عرب کو زیادہ فصاحت و بلاغت پر اعتماد اور ادب کا ناز تھا۔ لیکن جب قرآن نے اپنے اعجاز سے ان کے دعاوی باطل کر دیئے تو [illegible] کی ہمتیں پست ہوگئیں اور شعر و شاعری کا مذاق تقریباً بالکل [illegible] چنانچہ جب حضرت عمرؓ نے لبید شاعر سے چند شعروں کی فرمائش کی [illegible] قرآن کی چند آیتیں لکھ کر بھیجدیں جس کا منشا یہ تھا کہ اس فصیح ترین [illegible] شاعری میں [illegible] پیدا کرنا فضول ہے کیونکہ اس قسم کی فصاحت

پیدا کرنا بالکل محال ہے۔

قدیم طبقۂ شعرا کے علاوہ جو نئی افراد مسلمانوں میں پیدا ہوئے انکی توجہ تمام تر مذہبی علوم کی طرف مبذول تھی۔ اور جو لوگ کچھ شعر و شاعری سے بھی شغل رکھتے تھے ان کو کثرت مشاغل اور تنوع خیالات عرب کی بے تکلف شاعری میں کمال حاصل کرنے سے مانع تھے۔

لیکن جب طبقۂ اناث نے دیکھا کہ مرد شعر و شاعری کی طرف سے بالکل بے پروا ہوگئے تو انہوں نے خود اس فن کی خدمت کرنی شروع کی حتیٰ کہ حریم نبوی میں ایک پردہ نشین خاتون نے بہت کچھ اشعار و دیوان ازبر کر لیا تھا اور فقہ و حدیث کے ساتھ اپنی مجلسوں میں شعر و شاعری کا ذکر بھی چھیڑ دیا کرتی تھیں۔ یہ ہماری برگزیدہ ترین مادر حضرت عائشہ صدیقہ تھیں۔

صحابۂ کرام [illegible] علوم کی خدمت [illegible] پیدا [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] شعر و شاعری [illegible] آپ کی [illegible] تحسین کرنے کی عادت تھی اگر آپ کسی شاعر کے ایک شعر کو بھی پسند فرماتیں تو سارے عرب میں وہ شاعر [illegible] لیا جاتا تھا۔ آپ ہی کی تشویق کی وجہ سے فن شعر [illegible] گیا۔

شعر [illegible] علماء نے شعر و شاعری کی خدمت [illegible]

[illegible] تاریخ آداب اللغۃ العربیۃ [illegible]

[illegible]

تعریف کرنے کے لیے ایک خاص باب قائم کیا جس میں زیادہ مسلمان خواتین کو کافر قرار دیا نعوذ باللہ من ذلک۔ اس باب میں ایک جگہ لکھتا ہے

| | |
|---|---|
| وهناك جماعة بعض في صدر الاسلام | ابتدائے اسلام میں خواتین کی ایک ایسی |
| وفيهن مناقب الجاهلية كن يعقدن | جماعت پیدا ہو گئی تھی جو در حقیقت |
| المجالس للمذاكرة في الشعر والانتقاده | زمانۂ جاہلیت سے بھی آگے بڑھی ہوئی تھی |

یہ عورتیں مشاعرہ کی مجلسیں قائم کرتی تھیں اور معاصرین کے اشعار پر تنقیدی نظر ڈالتی تھیں۔ اس عبارت کو نقل کر کے ہم کہتے ہیں کہ در حقیقت یہ اسلام کی برکت تھی، معلوم نہیں کہ ہمارے مشہور مصنف کو یہ کہاں سے معلوم ہو گیا کہ خواتین کا علمی اور ادبی مجالس منعقد کرنا زمانۂ جاہلیت کی خصوصیت ہے؟ اور معلوم نہیں وہ کون سے تاریخی واقعات ہیں جنھوں نے فاضل مصنف کو مناقب جاہلیت یعنی زیادہ کو کافر کہنے پر مجبور کیا حالانکہ زمانۂ جاہلیت میں کوئی ایسی مثال نہیں ملتی جس سے یہ ثابت ہو کہ مسلمانوں کی طرح پہلے بھی اسی طرح رجال و خواتین مجتمع ہو کر علمی یا ادبی خدمات انجام دیتی تھیں

اسی زمانہ میں مدینہ منورہ میں ایک خوبصورت عورت رہا کرتی تھی جس کا نام غالباً عزہ المیلاء ہے یہ غریب عورت بھی اپنے مکان میں ایسی مجلسیں منعقد کرتی تھی جس میں چھوٹے بڑے ہر قسم کے لوگ جمع ہوتے تھے اور ادبی مسائل میں گفتگو کیا کرتے تھے؎ یہ خاتون اپنے وقت کی نہایت خوش مذاق عورت خیال کی جاتی تھی اس کو موسیقی کے حسن و قبح تمیز کرنے کا بھی خاص ملکہ تھا۔

اسی مقدس زمانہ میں شعر و شاعری کی خدمت کے لیے ایک اور مجلس منعقد ہوا کرتی تھی جس کی صدر عائشہ بنت طلحہ تھیں یہ عائشہ ام کلثوم بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی بیٹی اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کی بھانجی تھیں۔ بڑی جوہیں

؎ تاریخ الآداب اللغۃ العربیہ جلد ۱ ؎ کتاب الاغانی در ذکر عائشہ بنت طلحہ۔

علاوہ شعر و شاعری کے فقہ و حدیث کا تذکرہ بھی ہوتا تھا، انھوں نے مذہبی تعلیم حضرت عائشہؓ صدیقہ سے حاصل کی تھی۔

زمانۂ اسلام میں جسقدر مشہور شعرا گذرے ہیں وہ سب کے سب عائشہؓ اور سکینہؓ کی مجلسوں کے فیض یافتہ ہیں یا اُن لوگوں کے زلہ ربا ہیں جنھوں نے ان مجلسوں سے فائدہ اُٹھایا تھا۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ نے ان کی شادی اپنے بھتیجے عبداللہ بن عبدالرحمن بن ابی بکر سے کردی تھی جن سے عائشہ کے ایک لڑکا پیدا ہوا اور اسکا نام عمران رکھا گیا۔ چند دنوں کے بعد میاں بیوی میں شکر رنجی پیدا ہوگئی یہ بی بی ناخوش ہوکر اپنی خالہ عائشہ صدیقہؓ کے یہاں چلی آئیں اُم المومنین کو یہ حرکت بہت ناگوار ہوی اس لیے سعادت مند بھانجی نے شوہر کی تمام بے عنوانیوں پر سر تسلیم خم کردیا جب عبداللہ کا انتقال ہوگیا تو مصعب بن زبیر سے نکاح کیا۔ ان میاں بیوی میں اتنی محبت تھی جتنی کسی [illegible] اور [illegible] شوہر میں ہونی چاہیے جب عبدالملک کے زمانہ میں مصعب قتل کیے گئے تو انھوں نے اپنا نکاح عمر بن عبداللہ سے کرلیا

ابتدائی صدیوں میں شعر و شاعری کی خدمت کے لیے ایک اور خاتون نے ایک [illegible] خدمت [illegible] ان خاتون کا نام لیلےٰ ہے اس لیے ڈر لگتا ہے کہ ہمارے [illegible] [illegible] کرنا ہوگا

لیلےٰ [illegible] [illegible] [illegible] بن صرف تنی [illegible] [illegible] [illegible] اس سے داد طلب کرتے تھے [illegible] شک نہیں کہ لیلےٰ کو مجنوں سے [illegible] زیادہ [illegible] سے کافی اُنس تھا لیکن نہ صرف [illegible]

جتنا فارسی اور ہندوستانی شعراء نے مشہور کر رکھا ہے۔

نیز علاوہ اسکے کہ ادب اور شاعری میں خاص کمال رکھتی تھی تاریخ سے بھی اچھی طرح واقف تھی اسکی مجلسوں میں زمانۂ جاہلیت اور زمانۂ اسلام کے واقعات کا تذکرہ بھی ہوا کرتا تھا۔

پہلی صدی تک جب شعر و شاعری کی خدمت عورتوں میں سے صرف طبقۂ اِماء [illegible] انجام دیتا تھا تاہم شریف [illegible] سے اس کا [illegible] بالکل اٹھا نہیں تھا چنانچہ علم دوست شہزادہ ابراہیم [illegible] خلیفہ مہدی کی بیٹی عُلیّہ ایک پڑھی لکھی روشن خیال عورت تھی [illegible] اور زاہدہ بھی تھی شعر و شاعری سے اسے خاص [illegible] تھا۔

اندلس میں الحاکم دوم کے [illegible] ایک بہت بڑا مدرسہ قائم تھا جس سے سیکڑوں عورتیں تعلیم [illegible] مریم نامی ایک عورت فانون تعلیم کے [illegible] ساتھ بھی خاص شوق تھا۔

جلال ندوی

غزل

[illegible] عاشق آزمانا چھوڑ دے　　　[illegible] چھوڑ دے

دل [illegible] بجلی گرانا چھوڑ دے　　　اک [illegible] چھوڑ دے

[illegible]　　　[illegible] چھوڑ دے

[illegible]　　　[illegible] چھوڑ دے

[illegible]　　　[illegible] چھوڑ دے

[illegible] دیکھ　　　دشمنوں کو یوں ہنسانا چھوڑ دے

تجھ پہ [illegible] الزام [illegible] ہیں نصیر

[illegible] جانا چھوڑ دے

نصیر حیدر نصیر

# خوفِ رسوائی

مزے کی چیز ہے الفت نہ ہو گر خوفِ رسوائی
دلِ عاشق میں پیدا ہو جاتی ہے کج رائی

نہ ہو گر خوفِ رسوائی جہاں میں حوصلہ فرسا
تو کوئی ہو نہ خود رفتہ نہ سرگشتہ نہ سودائی

ہمیشہ سے رہا ہے دشمنِ اہلِ تمنا یہ
تعجب ہے حسینوں سے بھی اس [illegible]

اسی کے سر ہے خونِ آرزو ناکامِ الفت کا
اسی نے [illegible] سے لیا عہدِ شکیبائی

کسی کے قلب میں بیٹھا ہے یہ ضبطِ فغاں ہو کر
حیا بنکر کسی کے دل میں ہے اسکی جلوہ آرائی

کسی کے دل میں خوفِ حسن بنکر یہ سمایا ہے
کسی کے دل میں اوس حسن کی عصمت جگہ پائی

یہی ظالم ہوا ہے مانعِ اظہارِ حالِ دل
زبانِ شوق سے کی سلب اس نے تابِ گویائی

کبھی رحم اسکو آیا ہی نہیں حسرت نصیبوں پر
کسی کو راہِ صحرا اور کسی کو قبر دکھلائی

دہانِ عرضِ مطلب پر بنا یہ مہرِ خاموشی
زبانِ مدعا کو بے زبانی اس نے سکھلائی

بنایا [illegible]
[illegible] حسرت عاشق کی [illegible]

کبھی ہمت [illegible]
[illegible] پیشانی قیس پہ دہرائی

کیا کچھ اس طرح پامال ذوقِ [illegible] کو
[illegible] کوئی دلِ شگفتہ کی حسرت نہ بر آئی

بنایا [illegible] ایسا نوجوانوں کو
[illegible] باقی رعنائی

تہ و بالا کیا کچھ اس طرح امیدِ شادی کو
مسرت [illegible] کی طرف آئی

کسی نے منزلِ مقصود تک [illegible]
[illegible] گردشِ نصیبوں کا تماشائی

ہماری طرح اکثر بیکسی میں نامرادوں نے
[illegible] ناصیہ سائی

غرض کرتا رہا مجبور مشتاقوں کو یہ لیکن
کسی محبوب کے منہ سے نقاب اس نے نہ سرکائی

نہ ہو گر ننگِ بدنامی دلِ اہلِ محبت میں
سرِ بازار [illegible] عشق کی ہو کار فرمائی

تمنے جان تک کوئی ہجر کے صدموں سے تنگ آکر — گوارا بھی نہ ہو مرقد کی ظلمت اور تنہائی
کوئی آوارہ کوچے [illegible] ہو نہ دنیا میں — نہ پھر صحرا نوردی ہو نہ پھر ہو آبلہ پائی
نہ ہو پھر کچھ شکستہ حالی و ذوقِ پریشانی — نہ دل میں [illegible] شوقِ جادہ فرسائی
نہ [illegible] دن کا اور نہ ہو ہر دم کی خاموشی — نہ [illegible] مجبوری نہ ناکامی نہ تنہائی
جگر کا خون پانی ہو [illegible] — نہ [illegible] صورت شکلِ ہیولائی
مرض [illegible] — دکھائیں حسن اور عشق اپنی اپنی وہ مسیحائی
کچھ ایسا انقلاب آیا [illegible] — [illegible] عشق [illegible] ہمتائی
حسینانِ جہاں [illegible] عاشق [illegible] — ہماری [illegible] پھر عزت افزائی
صورت [illegible] دولت کچھ [illegible] — دکھاتی [illegible] ہم شان دارائی
سجا [illegible] نظم و [illegible] — [illegible] تماشائی

[illegible] ساری نکل جائیں
[illegible] شوقِ پنہاں ہو [illegible]

محوی لکھنوی

[illegible] جناب [illegible] صاحب کی نظم (شاعری) میں چند غلطیاں [illegible] اس طرح صحت فرمائیں۔

| نمبر شعر | غلط | صحیح |
| --- | --- | --- |
| ۲ | شعلہ پانی میں | شعلہ پانی ہیں |
| ۷ پہلا مصرع | [illegible] پانی [illegible] | تفسیر طولانی ہے |
| ۷ دوسرا مصرع | [illegible] | ہے |
| ۱۷ | [illegible] پکڑی [illegible] اشتعال | [illegible] پکڑی [illegible] اشتعال |
| ۲۸ | [illegible] | [illegible] |
| ۳۷ | [illegible] معنی [illegible] | [illegible] معنی [illegible] |

# فلسفہ طبیعہ

فلسفہ طبیعہ جس کا غلغلہ بچہ بچہ تک کے کانوں میں گونج رہا ہے، زبان اردو ابتک اس مفید علم سے محروم ہے اگرچہ اسکے بعض مضامین کو اردو کے علمی رسالوں میں کبھی کبھی جگہ دیدی جاتی ہے مگر وہ اسقدر کم ہیں ان کا شمار نفی ہی میں ہو سکتا ہے یہی وجہ ہے کہ اردو داں طبقہ فلسفہ طبیعہ کی تحقیقات سے مستفید ہو فائدہ حاصل نہیں کرتا، حالانکہ زمانہ کی ضرورت ہمیں اس فن کی طرف توجہ کرنے کے لیے سخت مجبور کر رہی ہے، اگر اسکی مستقل تالیف و تصنیف کے لیے سر دست وسائل مفقود ہیں تو کم از کم اسکے نقل و تراجم کا ایک باب کھولدینا چنداں دشوار نہیں ہے، اور یہ خدمت وہ لوگ نہایت آسانی کے ساتھ انجام دے سکتے ہیں جنھوں نے اس علم کو خاص طور سے حاصل کیا ہے اور اردو زبان کے ساتھ ساتھ کسی ایک مغربی زبان میں بھی کامل مہارت رکھتے ہیں اسی ضرورت کی بنا پر میں نے اس عنوان پر قلم اٹھانے کا ارادہ کیا ہے اگرچہ اسوقت ہمیں کسی مغربی زبان سے مدد نہیں مل سکتی تاہم اس فن کی ایک کتاب ہمارے پیش نظر ہے جو عربی میں ایک مغربی زبان سے ترجمہ کی گئی ہے اگر ناظرین نے اس مضمون سے دلچسپی لی تو آئندہ اس عنوان پر کچھ لکھنے کی جرأت ہوگی۔

چونکہ فلسفہ طبیعہ کے اکثر مسائل اور تجربات آلات کے بغیر سمجھ میں نہیں آسکتے اس لیے اس مضمون میں ان چیزوں کا تذکرہ ہوگا جو ذرا سے تامل کے بعد بآسانی سمجھ میں آجائیں گی۔

فلسفہ طبیعہ کی تعریف یہ بیان کی گئی ہے کہ جسمیں مادہ کے طبیعی تغیرات سے

بحث کی جائے" اس میں دو لفظ قابل تشریح ہیں۔ مادہ اور طبعی تغیرات۔ اسمیں کوئی شک نہیں کہ اس علم میں مادہ کو بہت زیادہ اہمیت دی گئی ہے کیونکہ مادے ہی پر اسکا تمام دارومدار ہے اور اُسی کے اوصاف وخواص کی رو سے اُسکے قوانین مرتب کیے گئے ہیں۔ لیکن سخت تعجب ہے کہ ابتک اس علم کے ماہرین کا مادہ کی تعریف میں کوئی قطعی فیصلہ نہیں ہوا اور اختلافات کی گرم بازاری ہنوز موجود ہے ایک گروہ نے یہ تعریف کی کہ "مادہ وہ ہے جسے ہم اپنے حواس سے محسوس کرتے ہیں" لیکن اس تعریف سے رنگ بُو، مزہ، حرارت وغیرہ بھی جن کا احساس کسی نہ کسی قوت حاسہ سے ضرور ہوتا ہے مادہ میں داخل ہوجاتے ہیں، حالانکہ فلسفہ طبیعیہ کے علمائے انکو مادہ تسلیم نہیں کیا ہے اس اعتراض سے بچنے کے لیے دوسرے گروہ نے اُسکی یہ تعریف کی کہ جس میں وزن ہو مگر یہ بھی صحیح نہیں کیونکہ وزن کشش ارضی کا نتیجہ ہے اور جس مقام پر کشش ارضی ہر طرف سے برابر ہے مثلاً مرکز زمین وہاں وزن کسی کا نہیں ہوتا، الغرض ابتک مادہ کی کوئی صحیح تعریف نہیں کی گئی ہے، البتہ اسکے سمجھانے کے لیے یوں کہہ سکتے ہیں کہ وہ چیز جو مختلف شکل وصورت کی تبدیلیوں کے بعد نامی چیز کہی جاسکے مادہ ہے مثلاً اگر لکڑی جلائی جائے تو گو وہ جل جائے گی مگر مادہ ایک دوسری شکل کوئلہ میں باقی ہے اور اگر کوئلوں کو بھی جلا کر خاک کردیں تو وہ معدوم ہوجائیں گے مگر مادہ پھر بھی ایک تیسری شکل راکھ میں باقی رہے گا۔

مادہ کے متعلق یہ تحقیق کی گئی ہے کہ وہ نہایت چھوٹے چھوٹے اجزاء سے مرکب ہے جنکو دقائق کہتے ہیں اور یہ دقائق بھی چند ناقابل تقسیم جزوں سے مرکب ہیں جو اجزا کہتے ہیں مثلاً پانی چند دقائق سے مرکب ہے اور ہر دقیقہ کی ترکیب دو جزو سے ہوئی ہے ایک آکسیجن دوسرا ہیڈروجن

مادہ میں دو قسم کے صفات مانے جاتے ہیں تام اور خاص عام صفات

یہ مقصد ہے کہ وہ تمام مادی اشیا میں مشترک طور سے پائے جاتے ہیں اور خاص صفات کا مطلب یہ ہے کہ وہ خاص خاص اشیاء کے ساتھ مخصوص ہیں مثلاً سونا جسمیں وزن اور لون ذہبی دو صفتیں پائی جاتی ہیں، وزن عام صفت ہے جو کسی خاص شے کے ساتھ مخصوص نہیں، لون ذہبی (سونے کا رنگ) خاص صفت ہے جس سے صرف سونا متصف ہوتا ہے، اور باقی اشیاء اس وصف سے خالی ہوتی ہیں، یا مثلاً شیشہ جس میں شکل اور سریع الانکسار یہ دو وصف پائے جاتے ہیں شکل شیشہ کے ساتھ مخصوص نہیں اسلیے وہ صفت عام ہے اور سریع الانکسار ہونے کی صفت عام چیزوں میں نہیں پائی جاتی اس لیے وہ صفت خاص ہے،

مادہ میں دو نوع کے تغیر ہوتے ہیں طبعی اور کیمیاوی، تغیر طبعی مادہ کے عام صفات میں لاحق ہوتا ہے اور تغیر کیمیاوی خاص صفات میں،

مذکورۂ بالا بیان سے مادہ کے عام وخاص صفات کا اجمالی خاکہ ذہن میں آگیا ہوگا اب ہم اسکے عام صفات کا کسی قدر تفصیلی حصہ بیان کردینا مناسب سمجھتے ہیں، مادہ کے مشہور عام صفات حسب ذیل ہیں،

(۱) امتداد، یعنی ہر چیز کسی نہ کسی جگہ اور مکان میں ضرور ہوتی ہے،

(۲) عدم تداخل، اسکے یہ معنی ہیں کہ اگر کوئی چیز کسی جگہ میں ہو تو اسوقت دوسری چیز اسمیں نہیں سما سکتی مثلاً ایک میز پر کوئی کتاب رکھی ہوئی ہو اس وقت کوئی دوسری چیز اتنی جگہ میں جسکو وہ کتاب گھیرے ہوئے ہے نہیں رکھی جا سکتی، تاوقتیکہ وہ اس مقام سے ہٹا نہ دی جائے، یا مثلاً کسی تنگ منھ کی بوتل میں پانی بھرا جائے تو چونکہ بوتل ہوا سے بھری ہوتی ہے اسلیے اسکی ہوا پانی بھرنے کے ساتھ بلبلوں کی شکل میں نکلتے ہوئے جگہ خالی کرتی جائے گی ورنہ ہوا خارج کیے بغیر بوتل میں پانی بھرنا غیر ممکن ہے،

تجزّی: اسکا یہ مقصد ہے کہ ہر جسم گو کتنا ہی چھوٹا ہو قابلِ انقسام ہے مثلاً ایک تولہ جو یہ کچلہ ۰۰۰۰۵‌ ۷۱ تولہ پانی میں ملا دیا جائے جب بھی اسکی تلخی باقی رہتی ہے جسکو دوسرے لفظوں میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ مقدار مذکور ۰۰۰۰۵‌ ۷۱ تولہ پانی میں تقسیم ہو جاتی ہے۔

مسامیت: اسکا یہ مطلب ہے کہ ہر جسم میں خواہ وہ بڑے ہوں یا چھوٹے مسامات ہیں جسکا سبب یہ ہے کہ جسم کے اجزاء میں کامل التصاق نہیں ہوتا بلکہ درمیان میں چھوٹی چھوٹی کشادگیاں باقی رہتی ہیں ذیل کے تجربات سے اس کا قطعی ثبوت ہوتا ہے:

(۱) پانی میں جب تھوڑا تھوڑا نمک ملایا جائے تو پانی کا حجم نہیں بڑھتا اگر اسکے بعد شکر بھی ملائی جائے جب بھی حجم نہ بڑھے گا اور یہ اس لیے کہ پانی کے اجزاء میں کشادگی ہوتی ہے جس میں نمک سما جاتا ہے اور نمک کے اجزاء میں بھی شکر کے اجزاء کے لینے کی وسعت باقی رہتی ہے

(۲) سترھویں صدی عیسوی میں اٹلی میں سونے کا ایک مجوف کرہ بنا کر اسکے اندر پانی بھرا گیا پھر اس پر ہر طرف سے یکساں دباؤ ڈالا گیا تو پانی اس طلائی کرہ سے رسنے لگا حالانکہ سونا تمام دھاتوں سے زیادہ متصل الاجزاء ہے مگر اس تجربہ سے معلوم ہوا کہ وہ بھی مسامات سے خالی نہیں۔

(۳) اگر راکھ کے ڈھیر میں آگ کا انگارہ دبا دیا جائے تو وہ ٹھنڈا نہ ہوگا جسکی وجہ یہ ہے کہ راکھ میں مسامات ہوتے ہیں جنکی راہ سے اتنی ہوا پہنچ جاتی ہے جو انگارہ کو مشتعل رکھ سکے۔

(۴) کسی برتن میں کوئی گیس بھری ہو تو اس میں دوسری گیس کے سمانے کی بھی وسعت باقی رہتی ہے جس سے معلوم ہوا کہ گیس میں ہر چیز سے زیادہ مسامیت ہے۔

استمرار۔ اسکا مفہوم یہ ہے کہ مادہ ہمیشہ ایک حالت حرکت یا سکون پر رہتا ہے تاوقتیکہ کوئی طاقت اسے متحرک نہ بنائے وہ متحرک نہیں ہوتا اور ساکن نہ کرے تو ساکن بھی نہیں ہوتا اگر کوئی ڈھیلہ اوپر پھینکا جائے تو اسے ہمیشہ متحرک رہنا چاہیے لیکن چونکہ قوت متحرکہ ختم ہو جاتی ہے اسلیے زمین کی کشش اسے پھر اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔

بقا[1]۔ اس سے یہ غرض ہے کہ مادہ کو فنا نہیں صرف صورتیں و حالات تبدیل ہوتے ہیں کوئی مکان جل جاتا ہے اور خاک کا ڈھیر رہ جاتا ہے تو مادہ فنا نہیں ہوتا بلکہ اسکے جواہر خاکستر میں باقی رہتے ہیں یا کچھ دھوئیں کے ساتھ اوپر چڑھ جاتے ہیں،

انضغاط، یعنی اجسام کے مسامات دباؤ کے ذریعہ تنگ کیے جا سکتے ہیں ٹھوس اجسام پر زیادہ دباؤ کی ضرورت ہے، سائیلات بمشکل دب سکتے ہیں ہوائی چیزیں سب سے زیادہ دب سکتی ہیں،

احمد اللہ

[1] بقا کا مسئلہ اگرچہ اکثر جدید علمار نے تسلیم کر لیا ہے مگر یہ ایک نظری مسئلہ ہے جس کے متعلق تحقیقات کا سلسلہ ہنوز جاری ہے، ڈاکٹر گستاولی بان نے اس عنوان پر نہایت زور کے ساتھ قلم اٹھایا ہے اور اس کو فانی ثابت کیا ہے، اسی طرح اور بھی چند باتیں ہیں جن کو ارباب فلسفۂ جدیدہ نے ضرورۃً تسلیم کیا ہے ورنہ اُن پر یقین لانے کی کوئی صورت نہیں ہے۔ مثلاً رائے جوہری کے متعلق اسی کتاب میں یہ الفاظ ہیں، وھذہ الجواھر لم یرھا احد ولا برھان قطعی علی وجودھا ولکنھا توافق العلوم ولا سیما علم الکیمیا،

# شہید ناز کی فاتحہ

اس واقعہ کو زیادہ دن نہیں گذرے۔ عشق و محبت کا ایک تڑپا دینے والا منظر ہے۔ یہ تو میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ سانحہ لفظاً بلفظاً حقیقت سے مملو ہے مگر ہاں بہت کم ایسے واقعات میں اسقدر سچائی ہوگی جتنی اس میں ہے۔ اول تو قدرتی طور پر پلاٹ ہی موثر ہے۔ دوسرے جذبات کی رنگ آمیزی نے ایک قسم کی شوخی پیدا کردی ہے۔ امید ہے کہ ادب لطیف کے دلدادہ اسے شوق کی آنکھوں سے مطالعہ فرمائیں گے۔

مقرب دہلوی

چشم و ابرو کے شہیدوں کی دلادیجیے نیاز تیر کے ٹکڑوں پہ ٹوٹی ہوی تلواروں پر

پیہم ناکامیوں اور متواتر دشواریوں کا کبتک مقابلہ کروں۔ آخر انسان ہوں ایک کے مقابلے کے لیے ایک ہی ہونا چاہیے۔ اور اب تو انسان بھی نہ رہا محبت کی کالی گھٹا نے میرے فرائض کی روشن سطح مستور کردی ہے۔ آہ۔ محبت تیرا برا ہو ساری عمر میں آج پہلا موقع ہوا ہے کہ میں نے اپنی والدہ کے شفقانہ جذبات کو استغنا کی کند چھری سے ذبح کرڈالا۔ وہ کس وفور الفت میں میری بلائیں لینے آگے بڑھیں تھیں گویا معلوم کرنا چاہتی تھیں کہ اصغر تیرا حال دن بہ دن کیوں غیر ہوتا جاتا ہے آہ او عفریت محبت خدا تجھے غارت کرے تو اسوقت ایسا سر پہ سوار تھا کہ میں نے جھنجھلا کر انھیں پرے ہٹادیا قبل اسکے کہ وہ میرے اس مجنونانہ فعل پر نفرین کے بجائے ترحم کریں۔ میں تڑپ کر گھر سے باہر تھا اور وہ روتی رہ گئیں۔ آہ یہ وہ جرم ہے جو ناقابل معافی ہے اور اسکا مرتکب میں نہیں ہوں کسی کی محبت ہے۔ قیامت میں اگر داور محشر نے اس گناہ کبیرہ کی سزا میں فرد جرم

قائم کر دی ۔ تو قسم ہے تیری محبت کی تیرا دامن پکڑ لوں گا ۔ اُف اُف تیرے عشق نے والدہ کا احترام بھی نسبیاً منسیاً کر دیا جسکے متعلق لوگ کہتے ہیں ع

تحتِ قدمِ والدہ فردوس بریں ہے

میں کہ جو والدہ کی فرمانبرداری کو اپنی سعادت سمجھتا تھا اُنکی دلجوئی کے لیے ہمہ وقت حاضر خدمت رہتا تھا اُن کے ہر معمولی حکم پر دوڑ اُٹھ کھڑا ہوتا تھا ۔ آج تیری بدولت اُن کی شان میں یہ گستاخی ۔ کیا تیری چاہت مجھے دنیا سے کھو کر اب دین سے بھی کھونا چاہتی ہے لیکن یاد رکھ ایسا نہیں ہوسکتا" نہیں ہوسکتا" کیا خوب ہو چکا اور پھر کہہ رہا ہوں نہیں ہو سکتا ۔ شیخ صنعا جیسے متقی کے قدم جب ڈگمگا گئے تو مجھ جیسے آوارہ ناکارہ کا تو کہنا ہی کیا ہے ۔ خیر جو کچھ ہونا تھا ہو چکا اب آئندہ کے لیے زندگی کی کشمکش کا فیصلہ کیے دیتا ہوں ۔ لیکن قبل اسکے کہ فیصلے کے آگے سر تسلیم خم کروں ایک بار اور اس غارت گر دین و ایمان سے مل لوں ۔

جب یہ دردناک منصوبہ اصغر میاں اپنے ذہن میں گانٹھ چکے تو اُن پھول سے رخساروں پر جو غم و الم کی بادِ سموم سے مرجھا گئے تھے تر و تازگی آگئی ۔ نقاہت و لاغری کی وجہ سے جو گڑھے پڑ گئے تھے کسی نہ کسی مسرت کے ساتھ بھر آئے ۔ چاند سی جبین جو درحقیقت کندن کی طرح چمکنے والی ایک سونے کی چھوٹی سی تختی تھی جسے آتش عشق کے تاؤ نے بالکل سیاہ کر رکھا تھا دفعتہً ایسی چمکی کہ محشرستانِ تجلی کا ایک محوِ حیرت نظارہ بن گئی اس ایک دن کے تعجب خیز انقلاب نے صغریٰ کی ماں کو از سر نو زندگی بخش دی ۔ آہ کسے خبر تھی کہ نگار خانۂ ہستی کی یہ دلفریب صورت بہت جلد مٹنے والی ہے کاش کوئی کہہ دیتا کہ بیمار ہجر نے سنبھالا لیا ہے چراغِ صبح جب بجھنے کو ہوتا ہے تو وہ معمولی روشنی سے زیادہ روشن ہوجاتا ہے لیکن اُسکی عمر ایک سیکنڈ سے زیادہ نہیں ہوتی ۔

اصغر کی بیماری کا علم تمام عزیزوں کو معلوم تھا اور اسکے دفعیہ کے لیے بہت کچھ کوشش کی گئی لیکن مشکل یہ آپڑی تھی کہ اصغر کی معشوقہ اسکے چچا کی لڑکی سلطان جہاں بیگم تھی اور اصغر کے چچا اصغر کے ساتھ اپنی لڑکی منسوب کرنے میں کسی طرح رضامند نہ تھے اور یہ نارضامندی کچھ اس وجہ سے نہ تھی کہ اصغر کی قابلیت اُن کی نظروں میں نہ جچی ہو بلکہ اسکے عشق کا راز طشت از بام ہو چکا تھا۔ پہلے پہل تو اصغر بلا روک ٹوک گھر میں آیا جایا کرتا تھا اور اب مجال نہ تھی کہ اسکا سایہ یا پرچھائیں تک تو دیواروں پہ پڑ جاسے۔ ایسی حالت میں اصغر کا سلطان جہاں سے ملنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور تھا۔

اب اصغر کے سامنے صرف ایک خیال تھا اور وہ خام تھا ایک اُمید تھی اور وہ موہوم تھی ایک کوشش تھی جسکے کارگر ہونے میں بہت کچھ برگشتہ بختی کو دخل تھا وصل کے سینکڑوں پہلو سمجھ میں آئے لیکن وہ حباب کی طرح سطح آب پر چند سیکنڈ ٹھہر کر غائب ہو گئے گو اصغر کو ناکامیوں نے چاروں طرف سے گھیر لیا تھا۔ لیکن وہ اس معاملے میں بددل نہوا اور اُسکی جستجو کے تار برابر دوڑتے رہے۔

اندھیری راتیں جب گھٹا ٹوپ ہو کر چھا جاتی ہیں، بھیب صحراجب خوفناک تاریکی میں گم کردہ منزل ہو جاتا ہے ہوا کے غیر معمولی جھکڑ جب سائیں سائیں کرتے ہوے گذرتے ہیں تو ہستیِ گل کے سامنے جسکی قوتِ کار کبھی تھکتی نہیں جس کے استقلال میں کبھی فرق نہیں آتا۔ خدا کا دستِ شفقت جگنو کی چمک بنکر رہبری کرتا ہے یقیناً ناکامیاں ہی کامیابی کی معراج ہیں۔ کون جان سکتا ہے کہ بے سودی میں بہبودی مضمر ہوا کرتی ہے۔ سطحی خیال کے لوگ کبھی باور نہ کرینگے کہ اصغر کو اس کشاکش امید و بیم سے رہائی مل گئی اور وہ ایک ایسے موقع پر آگیا جو اُسکی اُمید کا

سرچشمہ اور اداے مقاصد کی کلید تھا یعنی سلطان جہاں کا کمسن بھائی یامین اصغر سے بہت مانوس تھا اُس نے جو اصغر کو اس ہجوم غم و یاس میں سرنگوں دیکھا تو بہت الحجا کے ساتھ سبب دریافت کرنے لگا۔ اصغر نے بہتیرا چاہا کہ ادھر اُدھر کی باتیں بنا کر ٹال دوں۔ مگر وہ لڑکا کچھ اس طرح پیچھے جھاڑ کر لپٹا کہ بے اختیار اصغر کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔

بزم میں رونے لگے یاروں کے سمجھانے سے
راز دل چھپ نہ سکا اشکوں کے بھر آنے سے

یامین بیقرار ہوکر۔ ہائیں ہائیں بھائی جان کیا ہوا روتے کیوں ہو

اصغر۔ جاؤ مجھے میرے حال پر چھوڑ دو اپنی قسمت پہ روتا ہوں

**یامین**۔ نہیں میں نہ مانوں گا آپ کو بتانا ہوگا۔

**اصغر**۔ خدا کے لیے مجھے دق نہ کرو چلے جاؤ۔

**یامین**۔ ہرگز نہیں میں دریافت کر کے رہوں گا۔

**اصغر**۔ بعض وقت تمھاری ضدیں بہت ہی بیجا ہوتی ہیں۔ موقع اور وقت دیکھا یہ ہٹ کسی اور وقت کے لیے اُٹھا رکھو آہ اصغر تو ہمیشہ سے تمھارا نازبرداری

**یامین**۔ ہاتھ جوڑ کر۔ خدا کے لیے بتادوئیں آپ کو ایک لمحہ کے لیے غمگین نہیں دیکھ سکتا

**اصغر**۔ آہ تم سے میرا کام بن جاتا تو رونا ہی کا ہے کو تھا۔ لیکن ایک

**یامین**۔ ہاں ہاں فرمائیے۔

**اصغر**۔ بہت معمولی کام ہے اگر کردو گے تو احسان ہوگا ورنہ کوئی شکایت نہیں۔

**یامین**۔ لاحول ولا آپ تو مایوس ہوے جاتے ہیں میں قسم کھاتا ہوں اگر میری جان بھی آپ کے کام آجائے تو مجھے عذر نہ ہوگا۔

**اصغر**۔ تو لو یہ ایک خط ہے ........ یہ کسی طرح ..... ....سلطان جہاں کو.......

دیدو...... اور...... جواب لادو مگر نہایت ہوشیاری اور رازداری کے ساتھ

**یاسمین۔** لائیے اور مجھ پر بھروسہ رکھیے۔

اصغر نے ایک خط یاسمین کے حوالے کیا اور چلتے ہوئے کہا ع آجانا بجلی کی طرح آنا نظر کی صورت ۔ یاسمین نے بہت ہوشیاری کے ساتھ خط کو کرتی کی جیب میں رکھا اور آناً فاناً نظروں سے غائب ہوگیا گھر پہنچا اور اطمینان کے ساتھ ادھر اُدھر ٹہلتا رہا۔ اتفاق سے سلطان جہاں اپنے کمرے میں اکیلی بیٹھی تھی۔ اس نے جاتے ہی وہ خط اسکے حوالے کیا اور کہا اسکا جواب اسی وقت دیدو پہلے تو سلطان جہاں اس خط کو لیتے ہوئے ڈری لیکن یاسمین نے بہت جلد اطمینان کردیا کہ میں تمہارا دشمن نہیں ہوں بلکہ دوست ہوں خط کو لیکر پڑھا لکھا تھا - میرے دل کی ملکہ خدا تمھیں سلامت رکھے - چچا جان چاہتی ہیں کہ میں دنیا سے نامراد اٹھ جاؤں میری خواہش کو انھوں نے ٹھوکروں سے ٹھکرا دیا - لیکن میں ان کی تمنا کا سچے دل سے استقبال کرتا ہوں - میری نہیں تو خیر ان کی آرزو پوری ہوجائے موقع دو کہ ایک بار تم سے مل لوں اور تمھاری چاند سی صورت دیکھ لوں فقط والسلام

تمہارا فدائی "اصغر"

خط پڑھتے ہی سلطان جہاں کے پاؤں تلے کی زمین نکل گئی - اور آنکھوں کے سامنے ایک اندھیرا سا پھیل گیا - چہرے سے ہوائیاں اڑنے لگیں - سر پکڑ کر بیٹھ گئی - ہاتھ کانپا ... اور خط چھوٹ کر گر پڑا - یاسمین نے سنبھالا اور کہا آپ کیا کرتی ہو کسی کو خبر ہوجائے گی تو میری تمہاری دونوں کی آفت آجائے گی - مجھے جلدی جواب دو بھائی انتظار میں ہونگے - غرض سلطان جہاں نے گرتے پڑتے اسی حالت میں حسب ذیل جواب لکھا .....

پیارے اصغر

یہ کس خوفناک ارادے پر آمادہ ہو گئے - خودکشی حرام موت ہے - خبردار کبھی

ایسا نہ کرنا اور اگر ایسا کیا تو سمجھ لینا کہ ایک اور خون اپنے ذمہ لے چلے ہو سلطان جہاں تمھارے بعد دنیا میں نہیں رہ سکتی عشق میں سوائے تکلیف کے راحت نہیں ہوتی - ابھی سے گھبرا گئے یہ تو پہلی منزل ہے دیوانے بنے ہو تو کڑیاں جھیلنے کے خوگر بنو مجرم عشق ہو تو محبت کی ہتھکڑیاں کو زیور سمجھکر پہنو۔ کسی نے خوب کہا ہے

کڑیاں وہی جھیلیں گے جو دیوانے نہیں گے
زنجیریں لوہے کے چبے دانے نہیں گے

بس صبر و شکر کے ساتھ بیٹھے رہو اور خدا پر بھروسہ رکھو۔ فی الحال تمھیں یہاں بلانے کا کوئی موقع نہیں دو ایک روز میں شاید کوئی موقع نکل آئے تو اطلاع دوں گی۔ خادمہ سلطان جہاں۔

یہ خط لکھکر ماما کے حوالے کیا اور اصغر والاخط اپنے واسکٹ کی جیب میں رکھ لیا چونکہ سلطان جہاں کی طبیعت خط پڑھتے ہی بگڑ گئی تھی اس لیے واسکٹ اتار کر کھونٹی پہ لٹکا دی اور خود پلنگ پر لیٹ گئی۔ ہزار ہا قسم کے خیال اپنی بھیانک صورتوں میں اُسکے سامنے آنے لگے سلطان جہاں نے گھبرا کر آنکھیں بند کرلیں۔ کچھ تکان اور خستگی بھی تھی۔ غنودگی آگئی۔ اور آنکھ لگ گئی۔

خاموش کمرہ واقعات مستقبل کا بے صبری کے ساتھ انتظار کر رہا تھا۔ آسمان جو رپر تلا ہوا تھا قسمت ان کی مسرت سے روٹھ چکی تھی۔ سلطان جہاں کا طالع سیاہ خوابیدہ تھا۔ آہ زمانہ اُنھیں پر ظلم توڑتا ہے جو فلک کے ستائے ہوئے ہوتے ہیں۔ مرتے کو مارتا خدا جانے کہاں کا انصاف ہے یہ نئی بیداد دیکھیے کہ سلطان جہاں کا بڑا بھائی "معین" کمرے میں داخل ہوتا ہے۔ بہن کو سوتا پا کر چاہتا ہے کہ پلٹ جاؤں لیکن بدقسمت بہن کی سیہ بختی پھر اُسے کمرے میں ٹھہرنے کی اجازت دیتی ہے۔ وہ ایک سادہ کاغذ کی دھن میں اودھر اُدھر پھرتا ہے

الماری کو ٹٹولتا ہے کتاب کے اوراق کو الٹتا ہے کہ شاید سادہ کاغذ مل جائے لیکن نہیں ملتا واسکٹ کی جیب پر نظر پڑتی ہے کاغذ کا کچھ حصہ باہر نکلا ہوا نظر آتا ہے اُسے نکالتا ہے تو وہ خط ہے اور خط بھی اصغر کا۔ پڑھنے کے بعد غصے سے دانت پیسنے لگتا ہے لیکن خاموشی کے ساتھ وہاں سے نکلکر سیدھا والد کے پاس پہنچتا ہے اور وہ خط ان کی میز پر رکھدیتا ہے اور کہتا ہے ابا جان دیکھیے اصغر ابھی تک اپنی واہیات حرکتوں سے باز نہیں آتا معین کے والد خط لیے ہوئے سیدھے زنانخانے میں آتے ہیں اور تقاضا ہوتا ہے کہ سلطان جہاں کو بلاؤ ایک ماما دوڑ کر جاتی ہے یہاں آکر دیکھتی ہے تو سلطان جہاں محو خواب ہے

ماما - حضور اُٹھیے۔

سلطان جہاں - چونک کر - کیا ہے۔

ماما - آپ کے والد بلاتے ہیں۔

سلطان جہاں - ناشدنی یہ کون سا وقت بلانے کا ہے ذرا کی ذرا آنکھ لگی تھی اور تو نے جگا دیا۔

ماما - بیوی میرا کیا قصور جیسا حکم ہوا کہا لائی۔

سلطان جہاں - اچھا چل میں آتی ہوں۔

یہ سنکر ماما چلی گئی اور سلطان جہاں نے اٹھکر منہ ہاتھ دھویا۔ بال جو سونے میں بکھر گئے تھے درست کیے۔ چونکہ اصغر کا خیال ہر لحظہ ہر گھڑی پیش نظر رہتا تھا۔ یکایک ایسا معلوم ہوا کہ اصغر سامنے کھڑا ہے اور کہہ رہا ہے ؎

تم کو آشفتہ مزاجوں کی خبر سے کیا کام
وہ نگہ جو ادا دل میں جو اٹھا درد دل ہی میں
تم سنوارا کرو بیٹھے ہوئے گیسو اپنا

اسکا جواب دینے لگی۔ خیر میری بے خبری کا تو خدا کو علم ہے یا تمھارا دل جانتا ہوگا اللہ علیم ہے کہ کس بے چینی کے ساتھ زندگی کے دن پورے کر رہی ہوں۔ یہ اُسی خیال میں کنگھی چوٹی کر رہی تھی کہ ماما پھر آئی اور کہنے لگی حضور چلیے بہت دیر سے انتظار ہو رہا ہے۔ اس نے چلا کر کہا۔ قطامہ بتاتی نہیں کیا کام ہے۔ بلایا ہے بلایا ہے آخر ہے کیا کوئی میرے لیے سولی تیار ہے۔ یہ ڈانٹ کھا کر ماما تو بالکل خاموش ہوگئی اور اس نے کسی قدر عجلت کے ساتھ سنگاردان کو بالائے طاق رکھا ایک ململ کا سادہ دوپٹہ سر پر اوڑھا اور جھٹ پٹ اُس کمرے میں پہنچ گئی جہاں اسکی والدہ اور والد بیٹھے ہوئے تھے اس نے جھک کر بہت ہی شرمیلی ادا سے ساتھ سلام کیا۔ سلطان جہاں کے والد مسٹر اکرام اللہ خاں غصے میں بھرے بیٹھے تھے آج اُنھوں نے تہیہ کر لیا تھا کہ اگر یہ اصغر کی محبت سے باز نہ آئے گی تو جان سے مار دوں گا۔ لیکن سچ ہے جسے خدا رکھے اُسے کون چکھے حسن بلا ہی ہوگیا مد بھرا جوبن اور رسیلی انکھیاں شفاعت کرنے لگیں کہ ہمیں برباد کر کے کیا لوگے۔ بس اتنا کافی تھا۔ غیرت پدری آڑے آ گئی اور سارا غصہ رفو چکر ہو گیا لیکن پھر بھی کڑے تیور بنا کر اکرام اللہ خاں بولے۔ میں نے اس لیے تمھیں بلایا ہے کہ جو کچھ دریافت کروں اسکا شافی جواب دو۔

**سلطان جہاں۔** اماجان آپ کے حکم کی تعمیل کرنے کو تیار ہوں جس بات کا مجھے علم ہوگا فوراً عرض کر دوں گی۔

**اکرام اللہ خاں۔** کیا اصغر سے تمھاری خط و کتابت ہوتی ہے

**سلطان جہاں۔** ہرگز نہیں۔

**اکرام اللہ خاں۔** تمھیں معلوم ہے جھوٹ سے مجھے کس قدر نفرت ہے بالکل سچ بتاؤ

**سلطان جہاں۔** میں حیران ہوں اپنی سچائی میں کیا عرض کروں۔

**اکرام اللہ خاں**۔ خط نکال کر مغرور اتیری کذب بیانی کی یہ دلیل ہے دیکھ گریبان میں منھ ڈال۔

**سلطان جہاں**۔ میری عقل کام نہیں کرتی یہ خط میرا نہیں ہے نہ اس سے قبل میں نے دیکھا۔

**اکرام اللہ خاں**۔ تو نے وہ مثل صادق کردی ع دروغ گویم برروے تو ٹھہر ابھی تو میرے پاس ثبوت میں اور بھی کچھ ہے لے۔ ہے - ایک مسودہ نکال کر۔ دیکھ یہ اسکا جواب ہے اور کیا یہ تیرے ہی ہاتھ کا ہے۔

سلطان جہاں اب اپنی بناوٹی بات پہ پانی پانی ہو گئی اب اُسکے پاس کوئی جواب نہ تھا وہ دل ہی دل میں سوچ رہی تھی کہ یہ خط انھیں کیسے مل گیا اور اُس وقت کو کوس رہی تھی کہ میں نے پڑھنے کی کیوں نہ چاک کر دیا۔ اِدھر اکرام اللہ خان کی آنکھیں غصے سے سرخ ہو گئیں جوش میں آکر چاہتے تھے کہ مارنے کو اٹھیں کہ سلطان جہاں کی والدہ نے یہ کہہ کے روک لیا کہ ان بیٹی پہ ہاتھ اُٹھانا کس نے بتایا ہے اُسکا پتہ لگاؤ جس نے یہ خط لاکر دیا ہے۔ اس کمبخت کو مارنے سے کیا فائدہ ہوگا۔ بات معقول تھی۔ خیالات کی جولانیاں پیام بر کی خبر میں سرگرم تلاش ہو گئیں۔ اسباب و دلائل کے سلسلے زیادہ وسیع نہ ہونے پائے تھے کہ اکرام اللہ خان کی حقیقت شناس نظر نے یاسمین کو انتخاب کر لیا۔ پھر لطف یہ کہ یہ بھی سن رکھا تھا کہ یاسمین کا ہر وقت صفدر سے میل جول رہتا ہے کیا عجب کہ بات یہی ہو کہ یہ خط اُسی کا لایا ہو۔ یاسمین سے پوچھا گیا۔ مگر سچ بتا دے۔ بھلا عورت کس آسانی سے بول سکتے تھے آخر لفش کاری کی نوبت آئی

دوست یار
جوتیاں کھانی قبول

ایک انشاء تا تجھے حرام ہو گیا جب اکرام اللہ خاں کو حصول مقصد میں

ناکامی ہوئی تو یامین کو قید تنہائی کا حکم دے کر اپنے کام میں مشغول ہو گئے۔

قاعدہ ہے کہ مرد کی نسبت عورت زیادہ رقیق القلب ہوتی ہے۔ سلطان جہاں کو یامین سے ایک تو فطرتی محبت تھی دوسرے اپنے جرم کی سزا میں وہ ناکردہ گناہ پھنسا ہوا تھا اس لیے وہ یہ تو نہیں کر سکتی تھی کہ یامین کو مار پیٹ سے بچا لیتی یا اُسے قید سے رہا کر دیتی۔ البتہ اُس نے کھانا پینا چھوڑ دیا اور رونا شروع کیا۔ یہانتک کہ گوہر اشک نذرانہ رشوت ہو کر یامین کو قید سے رہا کرنے کا باعث ہو گئے۔

یامین نے آزادی پاتے ہی چاہا کہ سب سے پہلے اصغر کو اس واقعہ کی اطلاع کرنی چاہیے۔ چنانچہ وہ گھر کے لوگوں کو جھائیں چھپا دیکر غائب ہو گیا اور سیدھا اصغر کی بیٹھک میں پہنچا۔ اصغر سلطان جہاں کے خط سے دلچسپی حاصل کر رہے تھے اور گویا ان کی مردہ تمناؤں میں حیات عارضی کی لہریں لہرا رہی تھیں۔ یکایک یامین کو بدحواس دیکھا تو گھبرا گئے ابھی یہ کچھ کہنے نہ پائے تھے کہ یامین نے کہا بھائی غضب ہو گیا تمہارا خط پکڑا گیا۔ والد کو خبر ہو گئی۔ پس میں یہ خبر کرنے آیا تھا جاتا ہوں۔

**اصغر**۔ گھبرا کر۔ کیا ہوا کیوں کر پکڑا گیا۔

**یامین**۔ اسکے متعلق تو ابھی مجھے بھی علم نہیں۔

**اصغر**۔ سلطان جہاں پر کچھ تنبیہ کی گئی ہے۔

**یامین**۔ تنبیہ کیسی ابھی والد تو مارنے کے لیے اُٹھے تھے وہ تو والدہ نے روک لیا پھر مجھے بلایا۔ اور پوچھا یہ خط کون لایا تھا۔ جب میں نے لاعلمی ظاہر کی تو مجھے خوب مارا (کرتہ اٹھا کر) دیکھیے یہ تمام پیٹھ پر نشان پڑے ہوے ہیں جب میں نہ قبولا تو ایک کوٹھری میں بند کر دیا پھر والدہ ہی نے رحم کھا کر مجھے نکالا تو میں سب کی نظروں سے غائب ہو کر آپ کے پاس آیا بس اب میں جاتا ہوں ایسا نہو والد کو خبر ہو جائے۔

اصغر نے بڑھکر یامین کو گلے سے لگا یا اور اُسکی پیٹھ پر جو مار کے نشان تھے انھیں بوسہ دیا اور رونے لگا۔ یامین۔ واہ آپ تو رونے لگے۔

**اصغر۔** آہ۔ یہ تیری پیٹھ پر مار کے نشان نہیں ہیں بلکہ نشان وفا ہیں۔

ان سطروں میں اخفائے راز کا حقیقت آفریں سبق ہے۔ تو ہمدردی بنی نوع کا مجسم پتلہ ہے وہ تو ہی ہے جو غیر کی آنچ میں جلنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ آہ اصغر تیرے احسانوں میں جیتے جی دب گیا۔ تیرے نازک جسم نے کیونکران چوٹوں کی سہاری ہوگی۔ او بات کے پکے او دھن کے پورے۔ بیشک تو حق رفاقت ادا کر چکا۔ آہ میرے پاس کیا ہے جو تجھے دوں۔ کچھ نہیں ہے تو ضرور کہے گا کہ اصغر احسان فراموش تھا۔ لیکن ساتھ ہی تیرا ضمیر یہ بھی کہے گا کہ اصغر غریب اصغر مجبور و بیکس بھی تھا۔

آ میری جھولی خالی نہیں۔ کچھ دے دوں۔ دعائیں لیتا جا۔ اللہ تجھے خوش رکھے کمند حسن کی تجھ تک رسائی نہ ہو۔ تیرا گلو خاتمہ شمشیر سے بے عیب رہے۔ نہ کسی کا انتظار ہو نہ کسی کی انتظار میں تیری آنکھیں پتھرائیں۔ نرگسی آنکھوں سے نہیں اُن میٹھی چھریوں سے اللہ تیرے کلیجے کو بچائے تیرا معصوم دل محبت کی کوفت اُٹھانے سے محفوظ رہے۔

اتنا کہکر اصغر کی ہچکی بندھ گئی۔ یامین بچہ تو تھا۔ گھبرا کر خود بھی رونے لگا اصغر نے فرط بیتابی سے پھر یامین کو سینے سے لگایا اور کہا میرے اچھے پیامبر اصغر ہمیشہ کے لیے تجھ سے رخصت۔ جا شوق سے گھر جا۔ اب تجھے کوئی نہیں روکے گا کیونکہ میرے پاس کوئی پیام نہیں رہا۔ آخر دونوں گلے ملکر بہت دیر تک روتے رہے۔ اُسکے بعد اصغر نے ایک پرچہ پر کچھ لکھ کر اُسکا تعویذ بنایا۔ اور یامین کے ہاتھ پر باندھ دیا اور کہا بس یہ اور آخری وصیت ہے اسے سن لو اور گھر جاؤ۔ دیکھو

اس تعویذ کو کبھی اپنے سے جدا نہ کرنا اور نہ کبھی کھول کر دیکھنا۔ ہاں اُس وقت تمھیں اسکا دیکھنا فرض ہوگا۔ جب (خاکم بدہن) سلطان جہاں کی جان پر بنتی ہو بچّے کی عقل کام نہیں کرتی تھی کہ یہ کیا ماجرا ہے وہ اسی طرح بہوت وششدر کھڑا تھا۔ جب وہ چلنے لگا تو صغرنے پھر بلایا اور پیشانی پر کئی بوسے دیے اور کہا ہائے اب یہ صورت بھی خواب ہو جائے گی جسمیں سلطان جہاں کی بہت کچھ شبیہ ملتی ہے غرض یامین روتا ہوا بیٹھک سے باہر نکلا اور اصغری نے کواڑ بند کر لیے۔

(باقی آیندہ) مقرب حسین مقرب دہلوی

## غزل

کون واقف ہے یہاں قبر دلِ بیمار سے | [illegible] کر ذرات کوئے یار سے
ہو چکی ضد اب بگڑتا ہے نظام [illegible] | بس ہٹا لیں آپ [illegible] رخسار سے
کیا گیا جانِ حزیں سے شوق [illegible] | [illegible] دلدار سے
کاٹ کے سر کاٹ دی قید غم ہستی [illegible] | [illegible] اپنی ہی تلوار سے
آئے گی کیونکر قیامت دیکھ لے دنیا [illegible] | [illegible] میری کوچۂ دلدار سے
ہو گیا برباد کس وحشی کا خون [illegible] | [illegible] کوچۂ دلدار سے
میں خدا حافظ امید [illegible] | [illegible] جاتا نہیں بیمار سے
قدر کرتا ہے دلِ عاشق [illegible] | [illegible] لے آئے جو بازار سے
مر گیا وحشی [illegible] | [illegible] در و دیوار سے
اس طرح آئے شب [illegible] | [illegible] رفتار سے
میرے سینہ پر نہیں داغ غم [illegible] | [illegible] کی سرکار سے
مر گیا بیمار آخر ہو گئی [illegible] | [illegible] خمدار سے
لے گیا عالم پہ [illegible] | [illegible]

صدر [illegible] اس زمانہ کی ہوا اچھی نہیں
دوستوں کی دوستی سے کام [illegible] اغیار سے

صدر الاسلام صدر

# غزلیات

### حضرت حسرت موہانی

سخت مشکل ہے عشق یار کی شرط — جان زار و دل فگار کی شرط

دیکھ لیتے ہیں اب وہ نامۂ شوق — ہے مگر پھر بھی اختصار کی شرط

سب ہے منظور عشق ایک نہیں — سخن تلخ و ناگوار کی شرط

مستیٔ حسن کو ضرور نہیں — مے رنگیں خوشگوار کی شرط

بن گیا کام ہو گئی پوری — کرم یار بختیار کی شرط

کون پوری کرے تمہارے سوا — شوق بے صبر و بیقرار کی شرط

منزل عشق طے کرو حسرت

عقل کی یاں شرط ہے نہ خار کی شرط

### حضرت صفی لکھنوی

یہ آہیں ناتوانی ہیں مریض بستر غم کی — ہوائیں ہیں محبت کے قیامت خیز عالم کی

کہاں تک ہر خوشی کے ساتھ ہو وابستگی غم کی — ذرا شیرازہ بندی دیکھنا اجزائے عالم کی

جو پلکیں سرنگوں ہیں تعزیت میں کشتۂ غم کی — انھیں کے ہر اشارہ پہ صفیں الٹیں گی ماتم کی

تلون ہے مزاج یار تجھ میں کس قیامت کا — بدلتی رہتی ہے فہرست موجودات عالم کی

بگڑ جائینگے دیکھ اے چارہ گر ابکی اگر چھیڑا — یہ ٹھنڈی گرمیاں اچھی نہیں زخموں سے مرہم کی

ہوا دم بیمار کا ٹوٹا وہ آئی آخری ہچکی — جھٹک کر کھول دی کس نے گرہ گیسوئے پرخم کی

سمجھ لے انتہا مایوسیوں کی چارہ گر اسکو — جگر کے زخم صورت دیکھکر ہنستے ہیں مرہم کی

[illegible] مضامین اکبر آئیں — یہ پردہ میں تبسم کے کدھر بجلی سی اک چمکی

بخارات اُٹھکے چھایا ابرِ رحمت ہوں مشترادمن ۔۔۔ دہکتی آگ جا کر میں نے گُل کردی جہنم کی
دمِ آخر نہ پوچھو میرے حسرت ناک منظر کو ۔۔۔ نظر آتی ہے مجکو برہمی سی نظم عالم کی
جگر اللہ رے تیرے سینہ پریشان محبت کا ۔۔۔ جنھیں تیز ب کے بچا ہے سے ہو آتی ہے مرہم کی
اُلٹ کر تختۂ گورِ غریباں کیا بلا ظالم ۔۔۔ یہ تھی خلوت کی اک صحبت فلک تو نے جو برہم کی

ضعفی ہم کو زمانہ سے شکایت ہے تو اتنی ہے
ہماری زندگی میں قدر کی لیکن بہت کم کی

حضرت دل شاہجہاں پوری

میں تیرہ بخت عکس ہوں گیسوے یار کا ۔۔۔ چھایا ہوا ہے رنگ شب انتظار کا
تھا لطف آخری یہ نسیم بہار کا ۔۔۔ گُل کر گئی چراغ ہمارے مزار کا
کُنجِ قفس نصیب ہوا فصل گُل میں ہائے ۔۔۔ رخصت ہوا ہیں سے زمانہ بہار کا
پہلو میں کون جلوہ نما ہے کوئی نہیں ۔۔۔ منھ تک رہا ہوں صبح شب انتظار کا
دیکھیں نصیب عشق میں ہوتا ہے یا نہیں ۔۔۔ ہمکو سنبھالنا دلِ بے اختیار کا
کیا انقلاب ہے کہ وہی درد بنگیا ۔۔۔ اب تک سکون تھا جو دلِ بیقرار کا
دیکھا تو شام ہی سے چراغ سحر ہیں ہم ۔۔۔ مشکل گذارنا ہے شب انتظار کا
دل کی تڑپ نے بیکس و مجبور کر دیا ۔۔۔ عالم ہے اضطراب میں اب اضطرار کا
گذرا جو حد سے ضبط تو نالہ پکار اُٹھا ۔۔۔ میں ہوں شریک گریۂ بے اختیار کا
یاد بہار برق نظر شوخی شرر ۔۔۔ سب الگ ہی رنگ دلِ بیقرار کا
چونکے جو ہم تو صبح قیامت تھی سامنے ۔۔۔ یہ مآل تھا یہ شب انتظار کا
دریاے عشق کا وہ تلاطم کہ الاماں ۔۔۔ ہر موج میں ہے جوش دلِ بیقرار کا
ہیں واقعات عشق کا نقشہ ہوں دیکھیے ۔۔۔ کُل حال آئینہ ہے شب انتظار کا
خوش کر رہے ہیں دل کو ہمیں ہم حزاں نصیب ۔۔۔ کاغذ پہ کھینچ کھینچ کے نقشہ بہار کا

کہتے ہیں لوگ حضرت دل بھی ضمیر کو
یہ دوسرا ہے نام اسی خاکسار کا

### حضرت عزیز لکھنوی

سوز غم سے اگر روکش نالا ہوتا
دیدۂ تر بھی اک ابھرا ہوا چھالا ہوتا

چارہ سازوں نے تو اپنی سی بہت کی تدبیر
کبھی تم نے بھی مرے دل کو سنبھالا ہوتا

عکس رخ ڈال کے ساقی نے لگا دی اور آگ
شیشۂ مے کو بہت برف میں حجالا ہوتا

نور ہوتا مری آنکھوں کا نہ زائل ہرگز
نسخ میں یہ توتیا تم نے جو ڈالا ہوتا

دل کو ہم زاویۂ ضبط کا موجد کہتے
جب نہ اس دائرہ سے پاؤں نکالا ہوتا

جمع کرتا میں اگر اپنے حواس مختل
چند اوراق پریشاں کا رسالا ہوتا

آج وہ حال تھا دل کا کہ الٰہی توبہ
تم نہ آتے تو زمانہ تہ و بالا ہوتا

غیر کو دیکھ کے کرتے وہ نظر کاش عزیز
زنگ خوردہ ہی کوئی نیشتر نکالا ہوتا

### حضرت آرزو لکھنوی

صبحدم نیرنگئ آفاق کا منظر کھلا
آنکھ اپنی کیا کھلی گویا طلسمی در کھلا

چارہ گر یہ بھی نیا ہے جوش سودا کا علاج
جب ذرا ابھری کوئی رگ ساتھ ہی نشتر کھلا

برہمی اتنی کہاں تھی اس سے پہلے بزم میں
کس حسیں کے بال بکھرے کس حسیں کا سر کھلا

کر لیا کیا تھا یہ پردہ تو نے اے بیخودی
مجھ سے پوشیدہ رہا حال اپنا اور سب پر کھلا

یہ اتنا جانتا ہے بس ترا محو جمال
رات بھر بند نقاب اکثر ہوا اکثر کھلا

چرچے ہیں لوگوں میں مری الفت کے اور مجکو یہ سوچ
بھید یہ کس طرح پایا راز یہ کیونکر کھلا

مرنے کے بھی برسوں تنگی زنداں رہی
جان اس دن قید سے چھوٹی ہے جس دن در کھلا

خود دل بھی مجکو سونپا حسرت دیدار نے
اتنا پردہ خیر آج اسے دیکھا سے تر کھلا

بے اثر کہتے ہو یوں کیا جذب شوق قتل کو — رکھ تو دیکھو تم کسی دن حلق پر خنجر کھلا
رو رہے آتی ہے اتنا ہی تو سننے کی فلک — پھر تو اس کوچہ میں آیا پھر ترا بستر کھلا

دل نہ اُس گیسو سے دم بھر کو چھٹا لے آرزو
جو ہزاروں مرتبہ کھلکر بندھا بندھ کر کھلا

حضرت محشر لکھنوی

مصیبت دل وارفتہ ایک ہو تو کہوں — مذاق کی نہیں باتیں ہیں سن سکو تو کہوں
حواس آئیں تو اے چارہ گر سنوں تیری — کہاں یہ درد بے قابو میں سانس ہو تو کہوں
بیان حشر یہ کہتے ہی کہتے دن گذرا — تمہارے ہاتھوں جو گذری اگر کہو تو کہوں
نہ پوچھو چارہ گرو حال ہوں سراپا درد — زبان سے کسی ایذا کا نام لو تو کہوں
بیان حال میں کیونکر زباں کھلے سر بزم — خدا کے واسطے اُٹھکر الگ چلو تو کہوں
کہانی دل کی سنی چھپکے بیٹھ کر تو کیا — کسی جگہ بُری اچھی میں بول اُٹھو تو کہوں
وہ اُنکا وہ کتنا مجکو اشاروں سے دم حشر — وہ اُن سے میرا یہ کہنا اگر کہو تو کہوں
نہ پوچھو شوق کی حالت جو بیٹھنا ہے خموش — خلاف ہی سہی لیکن جواب دو تو کہوں

وہ کہتے ہیں شب وعدہ کہو تو کچھ محشر
میں کہہ رہا ہوں کہ ارمان ایک ہو تو کہوں

حضرت راغب جیلانی

یہ کیا کہا کہ شکوہ فرقت نہ چاہیے — گویا مجھے خیال مصیبت نہ چاہیے
مانا کہ بیکسوں کو نہیں پوچھتا کوئی — لیکن تمھیں تو ہم سے یہ نفرت نہ چاہیے
الفت کا ترک چاہے جو ناصح تو کیا کہوں — دل ہی نہ چاہیے اگر الفت نہ چاہیے
کہنا ہمارے آئینہ دل کو دیکھکر — کیا ایسی پیاری شکل سے الفت نہ چاہیے
ہنسنا بھی دیکھ دیکھ کے دیوانہ پن مرا — یہ فکر بھی ہو کہ حسن کی شہرت نہ چاہیے

ایسا نہو کہ طرزِ جفا بھول جائیں آپ
ایسی ہمارے حال سے غفلت نہ چاہیے

اس میں فراقِ یار میں بدنامیِ حیات
اتنی بھی اے اجل مجھے فرصت نہ چاہیے

بے صبر کرتی ہے مجھے تیری نگاہِ لطف
آنکھوں میں اسقدر بھی مروت نہ چاہیے

دل خون ہوگیا ہے مگر کچھ خبر نہیں
شاید ترے خیال سے فرصت نہ چاہیے

جب حسرتیں نگاہ سے ٹپکیں تو کیا کروں
کہتے ہو عرضِ شوق کی جرأت نہ چاہیے

ہے حسن بے وفا تو حسینوں کا کیا قصور
راغب تمہیں کو حسن سے رغبت نہ چاہیے

حضرت اظہر دہلوی

تم شبِ وصل جو پہلو سے نہ سرکے ہوتے
ٹکڑے اس طرح نہ ظالم مرے سر کے ہوتے

اک نشانہ ہی میں دل اور جگر چھلنی ہیں
تیر فولاد ہے کیا۔ تیرِ نظر کے ہوتے

بعد مرنے کے بھی مٹی میں ملاتے جاتے
کاش بارغبت وہ مجھے دفن بھی کر کے ہوتے

پھر بھی مرتے تو اسی دشمنِ جاں پر مرتے
زندہ سو بار بھی دنیا میں جو مر کے ہوتے

پھر یہ اسطرح سے رسوائی نہ ہوتی گھر گھر
تم جو اے جانِ جہاں ایک ہی گھر کے ہوتے

شمس بے نور ہے اس رخ کی ضیا کے آگے
ماند ہے ماہ مرے رشکِ قمر کے ہوتے

بے وفائی کے پری رو سے سبق اٹھتے ہیں
کاش ان پریوں میں انداز بشر کے ہوتے

زاہدا حسن ہی کچھ نہ بد شکل ہے اسکا
پھر فرشتے نہیں کیوں؟ ایسے بشر کے ہوتے

انکو دیوانے کہا کرتے ہیں دیوانۂ عشق
کعبہ و دیر گئے جو ترے در کے ہوتے

کاش تم غیر ہی سے بات نبا ہے جاتے
جو ادھر کے نہوے تھے تو ادھر کے ہوتے

تیر تیرے ہیں مرے جاں مرے مہمانِ عزیز
پھر کہیں جائیں یہ کیوں؟ تیر جگر کے ہوتے

کوئی قیمت نہیں اب جنسِ وفا کی - یعنی
یا وفا ہیچ ہے اب صاحبِ زر کے ہوتے

حسن اور عشق جو دنیا میں نہ ہوتے اظہر

## دل کے قصّے۔ نہ قضیے یہ جگر کے ہوتے

### حضرت ناطق لکھنوی

نہ ہوئے جمع خیالات پریشاں ہم سے — آ کے خلوت میں بھی ملتا نہ بیاباں ہم سے
ضبط نے نفس کشی کی جو بنا ڈالی ہے — اپنے جی میں ہیں سب ارمان ہراساں ہم سے
درد نازاں ہے کہ بدلوائی ہے کروٹ ہم نے — ہم ہیں شاداں کہ ہوا کار نمایاں ہم سے
سارا عالم ہوا جاتا ہے فنا کیا معنے — بات یہ ہے کہ ہر اک شے ہے گریزاں ہم سے
عشق میں اتنا زمانہ ہمیں گذرا ہے کہ لوگ — پوچھنے آتے ہیں اس درد کا درماں ہم سے
قیس سودائے غم گیسوئے لیلےٰ کے لیے — لےگیا چند خیالات پریشاں ہم سے
ضبط کی جب سے خبر ہو گئی اُسکے دل کو — جی میں ناخوش ہے ہمارا غم پنہاں ہم سے
پردۂ راز حقیقت ہے حجاب ہستی — روح کے مثل ہے قالب میں بھی پنہاں ہم سے
کوئی ناقوس و جرس کی نہیں کرتا فریاد — ہم جو نالاں ہیں تو ہر شخص ہے نالاں ہم سے
شہرہ کیوں حشر کا اتنا ہے کہ محشر ہے وہیں — ہو گئے جمع جہاں چند پریشاں ہم سے

ایک ہچکی میں ہم آزاد ہیں ناطق لیکن
شرم ہے ہم کو کہ وابستہ ہے زنداں ہم سے

### حضرت تبلیغ لکھنوی

جان جب تک نہ گئی درد نہ دل کا ٹھہرا — جو ٹھہرتا تھا نتیجہ وہ نتیجا ٹھہرا
کہیں دم بھر بھی جو دیوانہ تمہارا ٹھہرا — بند گلیاں ہوئیں چلنا ہوا رستا ٹھہرا
پہنچے وحشت لوزدوں سے خلش کی لذت — جو کہ تلووں میں چبھا دل میں وہ کانٹا ٹھہرا
انقلابوں نے زمانے کے بہت بدلے رنگ — کسی عالم میں مگر دل نہ ہمارا ٹھہرا
کم حقیقت نہیں سجادہ نشین الفت — یہی کیا کم ہے کہ دیوانہ تمہارا ٹھہرا
نور رخ ہی تھا جو خلوت کدے میں کام آیا — درمیاں دوست کے اور کوئی نہ پردہ ٹھہرا

کوئے قاتل میں کسی روز تو ہو جائینگے قتل — جبکہ اپنا وہی ہر روز کا رستا ٹھہرا
یہ بھی جاتی ہوئی دنیا کا ہے اک رنگ بلیغ
وقت بد میں نہ کوئی دوست ہمارا ٹھہرا

حضرت بیخود موہانی

کہے یہ کون مکاں اپنا لامکاں اپنا — ازل کے بعد سے ملتا ہے کچھ نشاں اپنا
کھلا ہے ہم پہ تو عرفاں کی انتہا یہ ہی — یہ تُو نہیں ہے خیال اپنا ہے گماں اپنا
قفس میں بھی جو رہا آشیاں میں دل تو کھلا — قفس تھا وہ جسے سمجھے تھے آشیاں اپنا
نہیں خیال نشیمن ملال ہے تو یہ ہے — کہ ہم نے آپ اُجاڑا ہے آشیاں اپنا
یہ پوچھتا ہے کوئی کیوں دلمیں ہے اک آگ لگی — یہ دیکھتا نہیں جلتا ہے آشیاں اپنا
گری تھی کوند کے بجلی کبھی مگر تا حشر — یہ دیکھتے رہے جلتا ہے آشیاں اپنا
ہے کچھ تو بات کہ دعویٰ ہے اگلے جہاں کا بھی — کہ ہے وہ اپنا زمیں اپنی آسماں اپنا
نظر بھی نامۂ اعمال پر وہ کر نہ سکے — تھا حال اپنا زباں اپنی پھر بیاں اپنا
ہمارے رنج کی گنجایش اور دل میں کہاں — نہ سر کو پھوڑ کے مر جائے رازداں اپنا
ہر ایک گام پہ ہر سمت ہیں سجود نیاز — دیار دوست کو جاتا ہے کارواں اپنا
در رقیب پہ سجدے میں آہ دم توڑیں — جو کہتے تھے کہ سر اپنا ہے آستاں اپنا
ہر ایک سانس پہ گھبرا کے دل یہ کہتا ہے — رُکے گا کونسی منزل میں کارواں اپنا
ہر ایک حرف پہ ہیں احترام کے سجدے — ہوا ہے پھر دل آگاہ ہم زباں اپنا
عدم سے پہلے کی حالت عدم کے بعد کا حال — مجھی سے پوچھ کہ میں ہی ہوں رازداں اپنا
ابھی جمال کے پردے ہزار باقی ہیں
حریم دوست میں بیخود گذر کہاں اپنا

## حضرت آشفتہ لکھنوی

قیامت آئے گی ضد سے جنون فتنہ سامانکی — اڑیں ہیں کچھ فضا میں دھجیاں میرے گریبانکی

بہت کچھ مطمئن تھا ذبح کرنے میں مرا قاتل — نگاہ یاس نے لیکن وہ جمعیت پریشاں کی

دلوں کی خیر ہو برہم مزاج حسن ہے شاید — ادا بتلا رہی ہے آج یہ زلف پریشاں کی

چلا ہوں امتحاں گاہ وفا میں لیکے اک عالم — کوئی تصویر لے لے آج میرے ساز و سامانکی

دلِ بیتاب کے اجزا نے باہم جب رگڑ کھائی — شب غم ہم نے ہاں ہاں آہ کی اور آہ سوزانکی

قضا کا ذرہ ذرہ جل گیا جبتک تو نہ دے نکلے — دل خوں گرم میرا بات ہے کیا آہ سوزانکی

---

فاضل بہادر جناب منشی سید التفات رسول صاحب تعلقدار آنریری منصف و آنریری مجسٹریٹ سندیلہ بانی مشاعرہ سندیلہ

ہوائے شوق سے جب اعتدال ہوتا ہے — تو خود مریض کا چہرہ بحال ہوتا ہے

زباں سے تو کب اظہار حال ہوتا ہے — نگاہ شوق سے پیدا سوال ہوتا ہے

وہ جوش عشق کا وہ ولولے شباب کے ہائے — یہ جانتے ہی نہ تھے کیا مآل ہوتا ہے

نکل کے آنکھ سے آنسو جواب دیتے ہیں — وہ مسکرا کے جو پرسان حال ہوتا ہے

تمہیں علاج کرو کچھ مریض الفت کا — تمہیں کو دیکھکے چہرہ بحال ہوتا ہے

خرام ناز میں جو محو ہیں وہ کیا جانیں — کہ کس غریب کا دل پائمال ہوتا ہے

نوید وصل بھی رشک آفریں ہے کس درجہ — مری خوشی سے جہاں کو ملال ہوتا ہے

وہ خود ہی شوق جفا میں ہیں اسطرح بیچین — جو چوٹ کھائے ہوئے دل کا حال ہوتا ہے

دکھا کے جلوہ جو حیرت میں ڈالدیتے ہیں — رگوں میں خون کا دورہ محال ہوتا ہے

یہ کہہ رہے ہیں نگہ امیدوار کے تیور — کہ اب زبان پہ اب سوال ہوتا ہے

میں ٹھنڈی سانس بھی اس ڈر سے لے نہیں سکتا — کہ بدگمان وہ نازک خیال ہوتا ہے

نہ دل کے جلنے کا اے ہاشمی ملال کرو — کہ صدقہ جان کا دنیا میں مال ہوتا ہے

---

ﷺ چونکہ صاحب مشاعرہ کی غزل وقت پر نہ آسکی اسلئے گذشتہ پرچہ میں درج نہ ہوسکی ۔

# تمدن

## حقیقت زمین

(حکمائے قدیم کی نقطۂ نظر سے)

ہم لوگ زمین پر رہتے بستے اور چلتے پھرتے ہیں۔ لیکن اُس کی حقیقت سے بہت کم واقف ہیں حالانکہ مدتوں سے اس پر بحث ہوتی چلی آئی ہے۔ اور حکمائے قدیم نے بھی زمین کے متعلق مختلف رائیں ظاہر کی ہیں۔ اور جدید حکمائے یورپ نے بھی۔ لہٰذا ناظرین کی ضیافت طبع کے لیے بعض اقوال قدیم حکمار کے زمین کی حقیقت کی نسبت لکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔ الم نجعل الارض مهادا والجبال اوتادا۔
ترجمہ۔ کیا ہم نے زمین کو بچھونا اور پہاڑوں کو میخیں نہیں بنایا۔ اور دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے۔ الذی جعل لکم الارض فراشا والسماء بناء۔ ترجمہ اور اللہ ہی وہ ذات ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو فرش اور آسمان کو ڈیرہ بنایا

اور فرماتا ہے:۔ "واللہ جعل لکم الارض بساطاً" یعنی اللہ نے تمہارے لیے زمین کو بساط (بچھونا) بنایا ہے۔ مفسرین کی ایک بڑی جماعت نے لکھا ہے کہ مہاد اور بساط اُس ہموار اور کشادہ بچھونے کو کہتے ہیں جس پر کوئی چیز ٹھہر سکے اور قرار پکڑ سکے۔ اور اُس میں متصرف ہو سکے۔ یعنی اُس پر تعمیر مکان وغیرہ ممکن ہو اور کتب لغت میں مہاد۔ بساط۔ فراش۔ کے ایک ہی معنی ہیں۔ چنانچہ صاحب منتخب جہانگیری لکھتا ہے:۔ "بساط بفتح زمین فراخ و ہموار و بالکسر گستردنی چون حصیر (چٹائی) و بستر" اور کہتا ہے:۔ "مہاد بالکسر بستر و بساط و فرش"[۵۱]

غرض یہ تو حکیم علے الاطلاق کا ارشاد تھا۔ مگر حکماء نے زمین کی ہیئت و شکل کے بارہ میں بہت اختلاف کیا ہے۔ بعض نے تو کہا ہے کہ زمین مبسوط یعنی فرش کی طرح بچھی ہوئی ہے۔ اور اُس کی سطح مستوی یعنی برابر ہے۔ جس طرح لکڑی کا تختہ ہوا کرتا ہے۔ اُس کی چار جہتیں ہیں۔ مغرب۔ مشرق۔ جنوب۔ شمال۔ اور بعض حکماء نے خیال کیا ہے کہ وہ دسترخوان کی طرح ہے کہ طول زیادہ اور عرض کم ہے۔ اور انہیں حکماء میں بعض ایسے ہیں جنہوں نے یہ گمان کر لیا کہ وہ طبل یعنی ڈھول کی صورت ہے اور بعض حکماء اس طرف گئے ہیں کہ نصف کرہ سے مشابہ ہے۔ یعنی جیسے قبہ ہوتا ہے۔ اور آسمان اُسکے اطراف (کناروں میں) جڑا ہوا ہے۔ لیکن جمہور کا مذہب یہ ہے کہ زمین مستدیرہ یعنی بالکل کرہ کی طرح گول ہے۔ اور آسمان ہر طرف سے اُسکے گرد اس طرح محیط (گھرا ہوا) ہے جس طرح کہ انڈے کا چھلکا اُس کی زردی پر چھایا ہوا ہوتا ہے۔ گویا زمین انڈے کی زردی ہے اور سفیدی

[۵۱] مطبوعہ کانپور سنہ ۱۹۰۹ء ردیف میم مع الالف۔

پانی ہے اور چھلکا آسمان ہے البتہ انڈے اور زمین میں فرق صرف اسقدر ہے کہ اول الذکر میں کسی قدر لمبا پن ہوتا ہے اور زمین میں یہ لمبوترا پن نہیں ہے بلکہ وہ گیند کی طرح گول ہے کسی طرف سے اسکی گولائی میں نقص نہیں ہے اور لمبا پن ہے اور چپٹا پن ہے اور وہ یہاں تک سڈول ہے کہ بقول بعض مہندسین اگر زمین کے کسی نقطۂ ریاضی پر ایک جانب سے گڑھا کھودا جائے تو وہ دوسرے رخ تک پار ہو جائے گا۔ مثلاً اگر سرزمین اندلس میں ایک سوراخ بخط مستقیم کیا جائے تو یقیناً وہ سوراخ سرزمین چین تک وار سے پار ہو جائے گا۔

اور بعض حکما کا خیال ہے کہ زمین ٹھوس نہیں بلکہ مقعر ہے یعنی اسکے اندر خلا ہے جس طرح آبخورا اندر سے خالی اور اوپر سے گول ہوا کرتا ہے۔

**زمین کی تعداد** جس طرح زمین کی ہیئت میں اختلاف ہوا ہے اسی طرح اسکی تعداد میں بھی کوئی کچھ کہتا ہے اور کوئی کچھ لیکن حکیم عادل یعنے اللہ تعالیٰ جس سے بڑھکر سچا اور کوئی نہیں یوں فرماتا ہے الذی خلق سبع سموات ومن الارض مثلهن اللہ وہ ذات ہے جس نے سات آسمان پیدا کیے اور اتنی ہی زمین۔ یہ تمثیل جس طرح زمین کے اعداد کے لیے شاہد ہوسکتی ہے اسی طرح اسکے طباق یعنی طبقہ بہ طبقہ ہونے پر شاہد ہے یعنی جس طرح کہ آسمان تہ بہ تہ ایک کے اوپر ایک ہے اور مجموعی تعداد انکی سات ہے اسی طرح زمین کی مجموعی تعداد اور نوعیت بھی ایسی ہی ہے جیسے پیاز کا چھلکا ایک کے اوپر ایک ہوا کرتا ہے اور بعض احادیث میں مذکور ہے کہ زمینیں ایک پر ایک واقع ہوئی ہیں اور سالی ہر زمین کی اتنی ہے کہ پانچسو سال کی رفتار میں طے ہو۔ اور ہر ایک طبقۂ زمین کے رہنے والے بھی الگ الگ ہیں اور وہ اپنی ہیئت وصفات کے لحاظ سے بھی عجیب [illegible] ہیں

اور ہر ایک زمین ایک خاص نام سے موصوف ہے۔ اور زمین کے طبقۂ چہارم میں اہلِ دنیا رہتے سہتے ہیں۔

وہب۔ اور کعب و مقاتل وغیرہ کا قول ہے کہ ہر طبقۂ زمین پر ایک ایسا ہی آدم ہوا ہے جیسا آدم ہمارے ہاں ہوا ہے اور اسی طرح نوح جیسا ہمارے طبقۂ زمین پر گذرا ہے اسی طرح ایک ایک نوح تمام طبقات ارض میں ہوا ہے۔ اسی طرح ابراہیم وغیرہ۔ واللہ اعلم اور یہ اُن فلاسفہ کے قول سے زیادہ تعجب خیز نہیں ہے جن کا یہ مذہب ہے کہ دنیا میں بہ کثرت سورج اور کثیر التعداد چاند ہیں۔ گویا ہر اقلیم زمین کے سورج اور چاند اور ستارے الگ الگ ہیں۔

اور قدما نے کہا ہے کہ زمین بالکل ایک دوسرے سے مجادل ملی ہوئی اور جُڑی ہوئی سات ہیں اور اقلیمیں بھی سب کی جداگانہ اور علٰحدہ طرز کی ہیں۔

اور بعض کا قول ہے کہ زمین سات ہیں۔ مگر اونچائی نچائی کے لحاظ سے جیسے زینے اور سیڑھی کے درجے ہوا کرتے ہیں۔

اور بعض حکما کا گمان ہے کہ زمین پانچ منطقوں پر تقسیم ہے منطقۂ شمالی منطقۂ جنوبی۔ منطقۂ مستوی۔ منطقۂ معتدلہ۔ اور منطقۂ وسطی۔

اور اس میں بھی اختلاف ہوا ہے کہ زمین کی دبازت کتنی ہے چنانچہ مکحول نے کہا ہے کہ اوپر سے نیچے تک پانسو سال کی مسافت میں ہے۔ دو سو سال کی مسافت اس حصۂ زمین سے پانی ہیں اور دو سو سال اس حصہ پر جہاں کوئی نہیں رہتا اور اسی سال کی مسافت اس حصہ میں ہوا ان یاجوج ماجوج ہیں اور بیس سال کی مسافت اس زمین میں ہے جس میں ساری مخلوق بستی ہے۔ اور قتادہ نے کہا ہے کہ جو بہشت بیس فرسخ کے دورہ میں زمین واقع ہے

---

سلہ اسرائیلی علما یا اسلام پر ہست بالی سبقہ بہ شہ با شہ اسلام ست پہلے کی دنیا میں بھی ایسا ہی۔

بارہ ہزار فرسخ کی مسافت میں ملک سوڈان ہے اور آٹھ ہزار کی مسافت میں ملک روم تین ہزار کی مسافت میں ایران و ترکستان۔ اور ایک ہزار فرسخ کی مسافت میں عرب۔ حضرت عبداللہ ابن عمر فرماتے ہیں کہ سوڈان کی چوتھائی آبادی ایسی ہے جو کپڑے نہیں پہنتی۔

اور بطلیموس نے زمین کے قطر گہرائی اور گولائی کی مقدار مقرر کی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ زمین کی گولائی اسکے محیط کے اندر ایک لاکھ اسی ہزار اسطاریوں کے برابر ہے اور ایک اسطاریوس چوبیس میل کا ہوتا ہے۔ اس حساب سے گویا زمین کی گولائی ایک کروڑ چوالیس لاکھ فرسخ کی ہے اور ایک فرسخ تین میل کا ہوتا ہے اور ایک میل تین ہزار مکی گز کا اور ایک گز تین بالشت کا اور ہر بالشت بارہ انگلی کا اور ایک انگلی پانچ جو کی جو برابر برابر رکھے ہوں۔ اور ایک جو کی چوڑائی (عرض) خچر کے ۶ بالوں کے برابر ہوتی ہے۔ اور اسطاریوس بہتر ہزار گز کا ہوا۔ اور زمین کی دبازت یعنی اُس کا قطر سات ہزار چھ سو تیس میل کا ہے جو برابر ہے دو ہزار پانسو پینتالیس اور ایک ثلث فرسخ کے۔ اور زمین کا کل بسط یعنی پھیلاؤ ایک سو تیئیس لاکھ۔ چھ سو میل مربع اور یہ دو لاکھ ۹۸ ہزار فرسخ ہوا۔ لیکن اگر واقعی یہ سچ ہے تو گویا اللہ کی جانب سے بطلیموس پر وحی نازل ہوئی یا الہام ہوا۔ اور اگر محض قیاس اور استدلال ہے تو اگر بالکل ٹھیک نہیں تب بھی سچ سے قریب ضرور ہے اور قتادہ و ٹکول کا قول بھی واجب الیقین نہیں ہے کہ اُنکو علم غیب ہوا تھو۔[1]

(باقی آئندہ) الراقم محمص

[1] یہ مضمون عربی کی ایک بہت پرانی کتاب سے ماخوذ ہے۔ اُس کے بعد کی اور نیز جدید تحقیقات اس میں شامل نہیں ہے۔

# پروانہ

او ننھے سے پتنگے او جان دینے والے نا فہم ناسمجھ اور نادان بھولے بھالے
کیا غم سے تیرے دل میں بھی پڑ گئے ہیں چھالے کیا تو بھی چپکے چپکے کرتا ہے آہ نالے

کیا بات شمع میں ہے جس پہ مٹا ہوا ہے
تو آتش محبت سے کیوں جلا ہوا ہے

او چھوٹے سے پتنگے او خون رونے والے بیتاب ہوکے فرقت میں جان کھونے والے
آپ اپنی رہ میں کانٹے دن رات بونے والے آتش میں جلنے والے خود خاک ہونے والے

کیوں اپنی جان سے تو بیزار ہو رہا ہے
کیوں عشق تیری گردن کا ہار ہو رہا ہے

جان عزیز اپنی تو نے عبث گنوائی خود جل کے آگ میں تو ناحق بنا فدائی
تیری وفا شعاری کچھ بھی نہ کام آئی معشوق کی نظر میں عزت نہ تو نے پائی

پورا کسی طرح تو اترا نہ امتحان میں
دی جان تو نے پھر بھی رسوا ہوا جہاں میں

لازم تھا رفتہ رفتہ گھل گھل کے غم سے مرنا یوں چاہیے تھا تجھکو دنیا سے کب گذرنا
آسان نہیں پتنگے دعوائے عشق کرنا دریائے عاشقی سے مشکل ہے پار اترنا

دم بھر میں جل کے دیدی جان اپنی ہائے تو نے
صدمے مفارقت کے کس دن اٹھائے تو نے

ہے شمع عاشقی میں ثابت قدم زیادہ رکھتی ہے اپنے دل میں تجھ سے وہ غم زیادہ
بھرتی ہے دمبدم وہ الفت کا دم زیادہ ترجیح تجھ پہ دیتے ہیں اسکو ہم زیادہ

سوز غم و الم سے ہر وقت گل رہی ہے
تا صبح شام سے وہ خاموش جل رہی ہے

رسا ہمدانی گیاوی

# نگاہِ لطف کے امیدوار

کرم فرمایم! السلام علیکم۔

زمانۂ موجودہ کی آب و ہوا جنس نازک کی خرید و فروخت اور جنس قوی کی جانچ اور پرکھ کے بے حد موزوں ہے کہ آئے دن ایک نہ ایک دوشیزۂ شوہر طلب کی جانب سے کوئی نہ کوئی اعلان یا ضرورت شائع ہوتی رہتی ہے! حاجی بلغ العلیٰ صاحب عرصہ ہوا کہ میدان جنگ کی طرف مع اپنے بے نظیر دماغ کے سدھار گئے! ان کے مقلدین اس طویل جدائی کا بوجھ نہایت مغموم و مضطرب دل کے ساتھ بیکاری کے رنگ میں اٹھا رہے ہیں! چند روز ہوئے کہ احباب کی عنایت غیر معمولی کی بدولت قریب قریب تمام حلقہ بگوشانِ حماقت اچانک طور پر ایک جلسہ میں جمع ہو گئے اور مذکورہ بالا مسئلہ پر بحث چھڑ گئی! بڑی رد و قدح اور پورے غور و خوض کے بعد سب کے سب اس نتیجہ پر پہنچ کر متفق ہوئے کہ اعلان زوج جو کچھ بھی ہو زوجہ کی طرف سے نہ ہوا کرے!

۱۹۱۶ء کی ضروریات اور خصوصاً موجودہ جنگ عظیم کا قتل عام بھی اس امر کا متقضی ہے کہ زوجہ جو حضرات ہیں صفات و عادات کا اعلان کیا کریں اور درخواستیں صنف نازک کی طرف سے موصول ہوا کریں! ہندوستان کی شاعری میں۔ میرا مطلب ہندی سے ہے ۔ عاشق ہمیشہ صنف نازک ہوتی ہے اور اس میں شعریت کا لطیف عنصر غالب ہوتا ہے! ان تمام وجوہات نے شاید میرے احباب نے بنا اپنا نام بھی مع ضروری صفات کے

اعلان کے لیے بھیجدیا۔ ذیل کی فہرست اُن ہی احباب کے اصرار کا نتیجہ ہے! الفاظ کا ذمہ دار میں سہی، لیکن خیالات کے ذمہ دار یہ حضرات خود ہیں۔ یا راوی!! مجھے اس سے کچھ تعلق نہیں ہے!

(۱) ..... ملازمت سرکار کی سیڑھیاں چڑھتے ہیں۔ ریش اسلامی کو نورٌ علیٰ نور بنا چکے ہیں۔ اگرچہ بظاہر خضاب سودیشی اُس نور کو کالے آدمی کے رنگ میں مبدل کرتا رہتا ہے!! شباب کا زمانہ یک قلم، قلم انداز کر دیا جائے تو ماننا پڑے گا کہ فرض تو درکنار سنت بھی کبھی ہاتھ سے نہیں چھوٹی!! پارسائی کی گارنٹی اس حد تک کی جا سکتی ہے کہ اپنی جیب خاص اور اپنے تنہا ارادہ سے کبھی کانوں اور آنکھوں کو بھی گنہگار نہیں بنائیں گے! رہا دوست احباب کا اصرار..... تو آپ جانتے ہیں اسلام میں کسی کا سوال رد کرنا اور خصوصاً خاطر شکنی بھی تو گناہ عظیم ہے! قد لمبا، جسم اکہرا، مزاج نہایت سیدھا اور سادہ، معاملہ کے نہایت کھرے، اور ذرا "اعلان عام" کرنے کی خاص عادت سے متصف! شادی کی حاجت تو نہیں ہے لیکن اسلامی نقشہ و مزاج والی عورت۔ جو بیعت کرنے کے لیے ہر وقت تیار ہو۔ اگر مل جائے اور دوست احباب کا اصرار بھی شامل حال ہو تو نکاح کے وقت قاضی کے سامنے "ہر چہ از دوست می رسد نیکوست" کہہ کر خاموشی کے رنگ میں نیم رضامندی کا اظہار کر دیں گے!

درخواستیں خود ان ہی کے نام آنی چاہئیں۔ درخواست دہندہ عورت مسلمان لازمی ہو۔ عملاً اور قولاً۔ دونوں طرح! اگر عورت کے اسلامی ڈاڑھی کسی حد تک بھی ہو تو سبحان اللہ! جسم قابل لحاظ نہیں، رنگ کیسا بھی ہو، عمر کا مطلق بھی خیال نہ کیا جائے گا! واللہ اعلم بالصواب!!

(۲) ..... کم از کم ایک ضلع کی کھوٹی کھری آمدنی پرکھنے کے ذمہ دار ہیں! ریش سیک خضاب لاجواب کی مرہون منت ہے! آنکھوں میں نرمادہ کا سا بین فرق ہے: عمر پوچھنا فضول ہے۔ بایں ریش وفش ایک ایسے محلہ میں رہتے ہیں جہاں اچھے اچھے جوان چوکڑی بھول جاتے ہیں!! نہایت زندہ دل، بذلہ سنج! سوتے اور جاگتے ہر وقت سوا سچ کے اور کچھ نہ بولنے والے! سینگ کٹا کر بچھڑوں میں شامل ہونے کے شائق! تمام شرفائے وقت کے حسب و نسب سے واقف! انگریزی لباس کو برا سمجھنے کی وجہ سے پتلون ہمیشہ غرارہ دار اور شرعی پہنتے ہیں! بہ الفاظ دیگر قسم کی اپنی نوعیت کی خاص چیز ہے! نقشہ و شکل و صورت آج سے ۲۰ برس پیشتر کی تصویر دیکھنے سے نہایت اچھی اور سجیلی! موجودہ جسم عمر کے بدولت جیسا ہونا چاہئے ویسا ہی!! اہل خانہ موجودہ سے خائف اور اس درجہ خائف کہ کوئی ایسی ویسی شخصیت آجائے تو رات بھر حساب دینا پڑے: بہر نوع غنیمت ہیں!! بیوی کی چنداں ضرورت نہیں ہے لیکن حال ہی میں ایک مس ڈاکٹر نے زوج کا نسخہ لکھ دیا ہے! نظر بایں ہمہ اس بے سود سنت ابھی پسند کریں گے! زیادہ گو کو ترجیح دی جائے گی: اگر حسب ضرورت نرم و گرم ہو سکتی ہو تو واہ وا! عمر ۲۴ سے کم نہ ہو مگر ۵ سے زیادہ بھی نہ ہو، تمام خط و کتابت ان کے چچا کے اتالیق سے ہونی چاہیے، ورنہ جواب نہ ملنے کی ذمہ داری نہیں کی جا سکتی!!

(۳) ..... ابھی جوان کہے جاتے ہیں! غیر معمولی بوجھ نے قبل از وقت پیشانی و چہرے پر جھریاں ڈالنی شروع کی ہیں مگر قسمت نے ساتھ دیا تو بہت جلد اس بوجھ سے سبکدوش ہوئے جاتے ہیں! ہاتھ پاؤں اگر صحت

ل جائے تو اچھے سمجھے جائیں گے۔ صورت باوجود ناسازی طبع اب تک ایک خاص نظر فریبی رکھتی ہے؛ ناک موزوں، آنکھیں۔ سچ یہ ہے کہ تمام خوبصورتی کی جان، دانت؟ تجربہ کار لوگ اس سے زمانۂ ماضی کی نسبت بہت کچھ نتیجے نکالتے ہیں! طبیعت کے اچھے۔ مزاج کے اچھے۔ افعال کی نسبت نہ ہم کراماً کاتبین ہیں نہ ہمیں معلوم! اسقدر ضرور ہے کہ جو کچھ کرتے ہیں دائیں بائیں کو دیکھکر نہایت ہوشیاری کے ساتھ کرتے ہیں اور ہمیشہ شب تاریک میں کرتے ہیں؛ بہر حال دوستوں کے دوست ہیں اور کہنے سننے سے مان بھی جاتے ہیں عورت کی سخت ضرورت ہے، تنہائی پریشان رکھتی ہے، ڈاکٹر صاحبان امراض کا علاج بھی رفع تنہائی بتاتے ہیں؛ عورت کی عمر غالباً کم ہو، ممکن ہے کہ نابالغ کو بالغ پر ترجیح دی جائے؛ صورت کی حسین اور گوری ہو، رنگ کشمیر کی آب ہوا سے پیدا ہونے والی سرخی رکھتا ہو؛ مذہب کے لحاظ سے ہندو ہو یا اور کچھ۔ مسلمان عورتیں درخواست نہ بھیجیں! اور زیادہ شرائط کی تفصیل آپ کے بنکھا قلی سے دریافت کی جاسکتی ہے!!

(۴) ..... نئے گرفتار شدہ ہیں! ناتجربہ کار نہیں تو ناقابل اعتبار ضرور ہیں! ڈاڑھی مع مونچھوں کے طبیعت غیر مستقل کا شکار رہتی ہے! ڈاڑھی ہوگی تو شرعی ورنہ چہرہ شریف مونچھوں سے بھی صاف! ہر رگوں کا مقولہ ہے کہ لگائے گالیوں میں ورنہ قصائی کے کھونٹے پڑ۔ اسی لحاظ سے ڈاڑھی رکھتے ہیں تو ڈاڑھی کی طرح ورنہ مطلق نہیں رکھتے! قد درمیانہ بدن اکہرا، زبان واقعات پر بحث کرنے کی عادی؛ چشم بددور، کسی کی زلف دراز یا آپ کی شب فراق! متلون مزاج ہی نہیں "پی جاؤ" کی ڈیوٹی بھی نہایت خوبی کے ساتھ ادا کرتے ہیں! حسن کو مؤنث و مذکر ہر صورت میں

پالینے کا مذاق عشق رکھتے ہیں! سب کو خوش نہیں تو ناراض ضرور کر سکتے ہیں! اگر استاد کو قبلہ و کعبہ سمجھتے رہے تو بہت جلد آٹھوں گانٹھ کمیت بن جائیں گے! شبخون مارنے کی اکثر کوشش کرتے ہیں اگرچہ اسوقت تک ہمیشہ ہاتھ ادچھا ہی پڑا! شعار اسلامی کا خاکہ بعینا جنازہ بڑھانے میں کرتے رہتے ہیں! ایک بیوی کہا جاتا ہے کہ موجود ہے۔ مگر وہ مقامی ہے اور انھیں فی الحال سفری کی ضرورت ہے! مسلمان عورت۔ کالے رنگ سے ابلق تک۔ ہر رنگ والی، ۳۰ برس کی عمر تک کی، غیر تعلیمیافتہ دقیانوسی خیال والی پردہ نشین، درخواست کر سکتی ہے! چونکہ سفری کی حاجت ہے اس لیے درخواست دہندہ خود سمجھ لے کہ وہ سفری بیوی بننے کی قابلیت رکھتی ہے یا نہیں! مثلاً سفری کے لیے معمولی سی بات تو یہ ہے کہ وہ تہ ہوسکتی ہو، ہولڈ آل میں لپٹ سکتی ہو، اگر ہینڈ بیگ میں بھی آ سکے تو کیا کہنا؟ اس سے زیادہ ہنڈی کی چندی اُس ملازم سے معلوم ہوسکتی ہے جو ہر لحاظ سے نہایت سعید ہے!

(۵)..... وکیل، شاعر، ناصح، نکتہ چین، یہ اور وہ، غرض سب کچھ! ناک منجھولی، آنکھیں چھوٹی، گریجویٹ اور خدا جانے کیا کیا؟ شہر کے اندیشہ میں قاضی کے مانند ہمیشہ دُبلے!! ایک بیوی کو عالم جاودانی کا راستہ دکھا چکے ہیں دوسری کی رہبری کے لیے تیار ہیں! روزے تیسوں رکھتے ہیں، نماز پابندی کے ساتھ پڑھتے ہیں اور لوگوں کے خوف سے۔ یا اور کسی وجہ سے۔ جلسوں میں شرکت کی جرأت نہیں رکھتے! مذہب انکے صالح جوان ہونے سے نہایت ممنون [illegible] ہے! بعض مسخرے کہتے ہیں کہ "عصمت بی بی از بےچادری" دروغ برگردن راوی۔ کہا جاتا ہے کہ عصمت بھی اپنے

ہاتھ سے بُری طرح کھو بیٹھے ہیں! اصلاح احباب تشہیر کے ذریعہ سے اکثر کرتے رہتے ہیں- جو کچھ بھی ہو جذبۂ توحید سے سرشار ہیں! اللّٰھم زِد فزد- بیوی ایسی پسند کرینگے جو مومنہ ہو، ان سے پتلی ہو اور قد میں ۵/۸ ! نہایت اسلامی اور سنت کا لحاظ رکھنے والی ہو! صحت کی ایسی اچھی نہ ہو کہ ہر سال اشتہا کم کرنے کے لیے مسہل دینا پڑے! رنگ نمکین ہو، ہاضمہ کی درست ہو، جلد بار آور ہو سکتی ہو، میاں کو سجدہ کرنا اپنا فرض سمجھتی ہو! تمام معاملات اُن چند نفوس کے ذریعے سے طے ہو سکتے ہیں جو آپ کے دولتکدہ کے سامنے والے کھنڈر میں ملیں گے!

(۶)..... درمیانہ قد، گٹھا ہوا جسم، موزوں آنکھ ناک، بے روک ٹوک پھیلنے والی ڈاڑھی: معدہ اور صحت کے لحاظ سے قابل رشک! بھلے چنگے مرد آدمی! ذات کے لحاظ سے نمبر ۲! بیوی کی چٹنی بنانے میں سرگرم ہیں! دعوت کا انتظام خاص طور پر اسقدر اچھا کر سکتے ہیں کہ مہمانوں کو کھانا کھانے کی تکلیف مطلق بھی برداشت نہ کرنی پڑے! سر بڑا ہے اور خدا کے فضل سے جھاڑ جھنکاڑ کی آلائش سے بالکل پاک ہے!! "اُلغضب مقراض المحبت" کو اچھی طرح جانتے ہیں! بیوی ایسی پسند کریں گے جو "کم خرچ و بالانشین" ہو- اگر مہینہ بھر میں پانچ روپیے اُٹھائے تو کیا بات ہے! دن بھر کا فاقہ ہو جانے پر بھی خدانخواستہ کچھ کھانے کو نہ ملے تو بیوی پر نمک نہ ڈالنے کی ذمہ واری کوئی نہیں کر سکتا! اس سے زیادہ مطلق نہیں بتایا جاسکتا اور نہ شرائط میں کسی قسم کی رعایت ممکن ہے!!

(۷)..... بیرسٹر یقینی ہیں، اور چار پانچ سال کے ہیں! با مذاق ہیں، بذلہ سنج ہیں اور ابھی اپنے کو جوان سمجھتے ہیں! سر کے بال خدا جانے

نارنگیانِ فرنگ کی دست درازی کے نذر ہوئے یا اغیار کی عنایت سے فی الحال سراوے پڑے ہوئے گیہوں کے کھیت سے مشابہ ہے! ناک خاصی آنکھیں اچھی، دہانا موزوں: مگر البتہ "کہاں ہے کس طرف کو ہے کدھر ہے؟" کے مصداق شکم مدوّر میں نفاخی اللحم ہوگئی ہے! انگلستان میں جو کچھ کرنا تھا کر چکے۔ اب قوّتِ حیوانی کے کم ہو جانے سے زبانی لطف اکثر اٹھایا کرتے ہیں! ہنسنے میں فراخئ دہن کی کھڑکی دیکھنے والوں کو نظر آجاتی ہے! دال بھات کھانے اور کھلانے میں کبھی گریز نہیں کرتے! قورمہ والوں کو کبھی آج تک ممنون نہیں کیا ہے! بیوی ایسی پسند کریں گے جو مذہب کے فضول بوجھ سے صاف اور "نصیحت پروف" ہو! ہندی الاصل کو ترجیح دیجائیگی! عمر کچھ بھی ہو نئی ایجادات کی مدد سے یا اور کسی طرح - بظاہر ۱۸ برس کی نظر آئے! حسب حاجت کام آسکتی ہو۔ محبّت سے نا واقف ہو۔ ساری سے گاؤن تک ہر چیز استعمال کر سکے! باقی اوصاف اُس شخصیتِ فربہ سے معلوم کیجیے جو ان کے وطن میں جاگزین ہی نہیں ان پر اتالیقی کا حق رکھتی ہے۔ یا ممکن ہے کہ کوئی لیڈی ڈاکٹر ان کے مزاج کی تشخیص کے بعد کچھ زیادہ بتا سکے!!

الراقم

نگاہِ لطف کے امیدوار ہم بھی ہیں

م - م -

**ضروری گذارش** | "تمدن" بلا طلب جن حضرات کی خدمت میں نمونتاً یا کسی معزز دوست کی تحریک سے پہنچے براہ کرم فوراً اپنے ارادہ خریداری سے مطلع فرمائیں ورنہ خاموشی رضامندی سمجھی جائے گی اور دوسرے ماہ میں اُن کا نام درج رجسٹر کر کے تیسرے ماہ کا پرچہ بذریعہ وی۔ پی بھیجا جائے گا جسکا وصول کرنا اُنکا قومی اور اخلاقی فرض ہوگا۔ - منیجر

# عدالت اسلام

بنایا خانۂ اللہ اک خجندی نے — بحکم حضرت سلطان مراد ذی سطوت
مگر پسند نہیں آئی شاہ کو تعمیر — اگرچہ صرف کی معمار نے بہت حکمت
دیا یہ حکم شہنشاہ شیر خصلت نے — کہ ہاتھ قطع ہو معمار کا پئے عبرت!

غریب راج کٹے دست ہو گیا تھا وہ — گیا جناب میں قاضی کی اب باین حالت
کہا کہ ظلم کیا آہ مجھ پہ سلطاں نے — بلا گناہ مرے سر پہ ڈھائی ہے آفت
توقع آپ سے انصاف کی مگر ہے مجھے — کہ آپ فضل خدا سے ہیں حاملِ ملت!

طلب کیا گیا دارالقضا میں اب سلطاں — کھڑا تھا روبرو قاضی کے طاق تھی طاقت!

ڈرا رہی تھی اُسے بس سیاست قرآں — بدن پہ لرزہ تھا اور تھی زبان میں لکنت
کیا جواب طلب جب کہ اُس سے قاضی نے — کہا یہ شرم سے "ہوا ظلم مجھ سے یا حضرت!
میں منفعل ہوں جسارت پہ اپنی لیکن اب — حقیقتاً ہوا ہیں خاطی و مجرم ملت!"

مگر نکال کے آنکھیں کہا یہ قاضی نے — "قصاص تم سے لیا جائے گا پئے عبرت!
کہ بندہ و مولی برابر ہیں حکم قرآں سے — نہیں ہے تاج کی اسلام میں کوئی قیمت!"
سنی یہ بات جو سلطان عدل پرور نے — نکالا ہاتھ پئے قطع اب باین سطوت!

مگر یہ دیکھ کے چلایا مدعی "سن لے العفو — کہ خون ریزی نہیں میرا مدعا حضرت!
معاف کرتا ہوں سلطاں کو میں برائے خدا — کہ انتقام میں پاتا نہیں ہوں کچھ راحت!"

غرض کہ فتح ہوئی اس طرح خجندی کی — شہ مراد کی گردن جھکی باین شوکت

یہ عدل وہ ہے کہ اسلام جس پہ نازاں ہے
یہ وہ جناب ہے جھکتا ہے یاں سر نخوت!

حکیم مظفر حسین اظہر دہلوی

# فلسفہ کشش حسن

یہ تو صاف ظاہر ہے کہ ہر کشش کا خاصہ اشیاء محاذی کو اپنی طرف کھینچ لینے کا ہے لیکن باستثنائے کشش حسن جس طرح ہر کشش اپنے اندر مادۂ جاذبیت کی پوری تکمیل نہیں رکھتی، اسی طرح بجز قتادہ دلوں کے محاذات بھی قوت انجذاب سے خالی ہیں مثلاً کشش مقناطیسی کشش کہربائی یا کشش زمین وغیرہ وغیرہ۔

لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ کشش بذات خود کیا شے ہے؟ کہا جاتا ہے کہ یہ ایک وزن ہے جس کی کثرت وقلت سے باہم کھچاؤ پیدا ہوجاتا ہے۔ لیکن حسن تو کوئی وزنی شے نہیں، پھر کیا سبب کہ اسکی کشش سب سے زیادہ زوردار ہے؟ مزید غور کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک ایسی قوت ہے جو کائنات کی موجد و مظہر ہے۔ کیونکہ متذکرہ بالا کششوں کا انطباق اس قوت سے نہیں ہوتا بلکہ یہ تمام کششیں اسی کے جزئیات سے پائی جاتی ہیں جس کو آئندہ اب ہم کشش حسن کہیں گے۔

اگر آپ ان کششوں کے درمیان کوئی چیز حائل کردیں گے تو نہ تو مقناطیس لوہے کو کھینچ سکتا ہے، اور نہ زمین اپنی بالائی چیزوں کو۔ مقناطیس اور لوہے کے درمیان آپ کوئی چیز کو رکھ دیجیے، ممکن نہیں کہ طرفین کی قوت زائل نہ ہوجائے۔ اسی طرح کشش کہربائی، اور کشش زمین اپنی پوری قوت سے خالی ہیں۔ زمین پر آپ آگ جلا کر دیکھیے، ممکن نہیں کہ اسکے شعلوں کی پروانہ کو زمین اپنی طرف کھینچ سکے۔ آپ کہیں گے کہ یہ غلط ہے، اور تجارب و مشاہدات اسکے خلاف ہیں۔ کیونکہ

اکثر دیکھا جاتا ہے کہ لڑکے جب ایک سوئی کو کسی تشتری میں رکھکر، اور مقناطیس کو اسکے زیرین سطح پر لگا کر جس طرف مقناطیس کو گھماتے ہیں، سوئی بھی اُسی کے ساتھ ساتھ گردش کرتی رہتی ہے، اور یہ گردش مقناطیس ہی کے اثر کا باعث ہے۔ اسی طرح جب زمین پر کھڑے ہو کر کوئی چیز آسمان کی طرف پھینکی جاتی ہے تو اُسکی مراجعت بھی ہمیشہ زمین ہی کی طرف ہوتی ہے۔

مانا کہ یہ نوعیات ست. لال اپنی تصحیح میں ایک حد تک قابل تسلیم ہیں لیکن اس اعتراض کا بہت جلد استیصال ہو جائے گا، جبکہ آپ مقناطیس اور سوئی کے درمیان بجائے تشتری کے ایک لکڑی یا ایک پتھر حائل کر دیں گے۔ اسی طرح آپ زمین کی کشش کے روبرو اشیا معلقات کو لیجیے جو ایک غیر محدود عرصہ سے زمین سے متصل ہی نہیں ہوتیں۔ معلوم ہوا کہ کشش ثقل کا قاعدہ غیر مکمل ہے لیکن کیا کشش حُسن کو بھی آپ غیر مکمل کہدیں گے؟ اور کیا اس کشش کی قوت کو بھی کوئی حائل شے زائل کر سکتی ہے؟ اول یہ سمجھ لینا چاہیے کہ حُسن کیا چیز ہے؟ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بذات خود ایک نور ہے، جو کائنات کی تشہیر کا باعث ہے، اور جو تمام نورانی جزئیات میں مضمر ہے۔ اسکا ثبوت یہ ہے کہ ازل میں مادہ ایک فضائے ظلماتی کے انحطاط میں اس طرح پوشیدہ تھا جس کے عدم وجود کی کسی کو مطلق خبر نہ تھی۔ اس کے اجزائے دمیقراطیسی حالت منفصلہ میں منتشر تھے، اور ان اجزا کو متحد کر کے اجسام کی صورت میں ترتیب دینا امر محال تھا۔ یکایک ایک پوشیدہ قوت نے (قوت خدائی) جو ابھی تک حالات نا معلوم میں پنہاں تھی، اجزاء دمیقراطیسی میں ایک حرکت پیدا کی، جس کے تصادم و تضاد سے حرارت اور حرارت سے روشنی پیدا ہوئی۔ اس طرح فضائے ظلمانی کا ہر ہر ذرہ برق پارہ کی طرح چمکنے لگا، اور بیشمار صابتہ النجوم پیدا ہو گئے جنکی حرکت

التہاب کا اندازہ مشکل ہے ہو سکتا ہے جب قوت بہ رنگ انتشار کر چکی تو کشش اتصال کی رو سے کشش حسن نے ان اجزائے منتشرہ کو اپنی طرف کھینچ کر اپنے پرتو نورانی سے نظام شمسی میں ایک گونہ اضافہ کر دیا۔

لیکن قدرت نے اس کا بیشتر حصہ انسان کے لیے مناسب و موزوں سمجھ کر اسکو ودیعت کر دیا۔ پس جب یہ حسن حضرت انسان میں چمکا تو اسکی کشش اپنی حد سے متجاوز ہو گئی، اور ہر انسانی نظر کو اس نے اپنی طرف کھینچنا شروع کیا حتی کہ اس کا اثر دوسری کششوں کی طرح قرب کی چیزوں پر نہیں، بلکہ بعد کی چیزوں پر ہونے لگا۔

آپ دیکھتے ہیں کہ کشش ثقل اپنے قاعدہ کی رو سے اُن ہی چیزوں کو کھینچتی ہے، جو اُسکے قرب میں ہوتی ہیں۔ مگر کشش حسن کا قانون اسکے برعکس ہے۔ آپ کچھ فاصلہ پر ایک ایسے مکان کے اندر جس میں متعدد در و دیوار بھی ہوں بیٹھکر تصور کیجیے، کہ اس مکان کا الحاق ایک ایسے مکان سے ہے جس میں ایک مجسم پیکر حسن مسند ناز پر جلوہ آفرماں ہے پھر دیکھیے کہ آپ کے افتادہ دل میں کس قدر کھنچاؤ پیدا ہوتا ہے۔ یقینی آپ بیساختہ پکار اُٹھیں گے کہ

بلا سے پیش نظر ہیں جو یہ در و دیوار
نگاہ شوق کو ہیں بال و پر در و دیوار

اسکو بھی جانے دیجیے۔ آپ ہزار ہا میل کے فاصلے پر ایک ایسی جگہ بیٹھکر اُس شعاع حسن کا تصور کیجیے جو کبھی آپ کے خرمن ہستی پر برق جمال جہاں سوز بن کر گری ہو، اور جس کے درمیان ہزار ہا وادی و جبیل و بیشمار دشت و جبل بھی حائل ہوں۔ اسکے علاوہ آب اور رکاوٹیں بھی پیدا کر دیجیے۔ پھر دیکھیے کہ کشش حسن کو کون سی چیز کمزور کر سکتی ہے؟

چاند کا وہ نور، جو غروب آفتاب کے بعد دنیا ر عالم کے صحن چمن پر اپنی
ردائے نقرئی کا فرش کر کے ہر انسانی نظر کے لیے باصرہ نواز ہوتا ہے۔ صبح
امید کے آفتاب کی وہ شعاع آتشین جو سمندروں اور دریاؤں کی چادر
آب پر پھیل کر ایک شگفتہ کار جبین کی تلاش میں غوطہ زن کرتی ہے اور ستاروں
کی وہ ضیا گستر جو اپنی نیم باز آنکھوں سے ہجراں نصیبوں کو چپکے چپکے کچھ اشارہ
کر کے، اُن کے نشتر تخیلات میں ایک گونہ اضافہ کرتی ہے۔ ہر انسانی نظر کو
متذکرہ بالا روشنیاں کس قدر مرغوب و مطلوب ہوتی ہیں۔ لیکن عین اُس وقت
جب کہ ان روشنیوں کا دلچسپ نظارہ بھی ہو، آپ اپنی بزم خیالی میں شمع
حسن کو بھی روشن کر دیجیے، وہ روشنی جو تمنا کی آگ سے مشتعل ہو کر روشن
ہوئی ہو، اور حسن سے متحرک کرنے والے شعلوں کی پروانہ لمعان برق کی
آمیزش ہو، پھر دیکھیے کہ کون سی روشنی غالب آتی ہے۔

یہ تو حسن کی کشش کا مسئلہ تھا، لیکن اب کشش کا مقصد بھی ملاحظہ ہو،
جس کا مزید تعلق قوت لامسہ و قوت باصرہ سے ہے۔

آپ ایک طرف کچھ سنگ و خشت رکھیے، دوسری طرف چند یاقوت و الماس
ایک طرف برگ ہائے خشک ہوں، دوسری طرف گلہائے رنگین۔ پھر ایک طرف
کچھ خس و خاشاک ہو، اور دوسری طرف سنبل و زعفران۔ اس متضاد تقابل کے
بعد اندازہ کیجیے کہ آپ کی قوت لمس اور قوت بصر کو کس چیز کی کشش کھینچتی ہے
اسی طرح ایک سیاہ فام انسان کے مقابلہ میں کسی پیکر حسن کو بھی سامنے کھڑا کیجیے
پھر دیکھیے کہ جاذبیت کی قوت کس میں ہے؟ اس مقابلہ کے بعد کہنا پڑتا ہے کہ
دراصل نظام شمسی اور نظام قوت کا وجود حسن ہی اور صرف حسن ہی سے ہے۔ اور
حسن بذات خود مجموعہ انوار و تجلیات ہے۔

علم البرق کا سب سے بڑا فلسفی و مکتشف وہ نہیں ہو سکتا جو عالم جذبات وحسیات کے صدہا مطالب و معانی ہزارہا صفحات پر بالتفصیل لکھ سکے بلکہ وہ ہو سکتا ہے جس کا درس و فہم ایک چشم سخنور ایک نگاہ برق اور ایک جمال اندیش کے نظارۂ چشم سے وابستہ ہے اور جس کو کسی جمال آتشین کی ناگہانی جلوہ تابی نے خیرہ چشم کرکے اسکے خرمن صبر و شکیب پر برق حسن گرائی ہو- ایک تاریک دل اور بے روح انسان میں جذبات لطیفہ نہیں پیدا ہو سکتے جبتک کہ وہ قلمرو حسن و عالم محبت و دلستان کی آویزش سے مطیع و منقاد ہو کر جذبات متضاد و متباینہ کی کشاکش کے سوانح و حوادث عجائبات و تصادفات و نیرنگی انقلابات اور تشرش دہر کی کرشمہ سازی سے دوچار نہوا ہو کیونکہ اشتاقات حسن کی وہ ضیا جس نے اپنے پرتو سے فضائے خلائق کے ہر ہر ذرہ کو روشن کر دیا کیا وہ ایک تغافل شعار و مردہ دل انسان کو زندہ دلی کے جذبات سے آراستہ کر سکے؟ اس میں جلوہ نہیں پیدا کر سکتی؟

حقیقت تو یہ ہے کہ حسن ہی کی جلوہ تابی سے عالم کا ظہور معلوم ہوتا ہے- بلکہ فطرتی طریقہ سے خدائے قدوس کی قدوسیت کا پتہ بھی اسی سے لگتا ہے، جب کبھی ہم کسی پیکر حسن پر نظر ڈالتے ہیں تو فوراً ہمیں اسکا صانع یاد آجاتا ہے "اللہ جمیل و یحب الجمال" پس اگر کشش حسن کی جاذبیت قابل قدر ہے تو لائق صد ہزار رشک ہے وہ انسانی ہستی جو اپنے اندر فتادگی و انجذاب کا مادہ بھی رکھتی ہے-

"اچھی صورت کی پرستش رہی ہر ملت میں"
"حسن سب کے لیے اک رشتۂ ایماں نکلا"

**حافظ امام الدین اکبرآبادی**

# دار و گیر

(۱) جناب ایڈیٹر صاحب "تمدن"۔ تسلیم۔ تمدن ۱۱ صفحہ ۲۵ پر بسلسلہ دیگر تحریرات۔ ایک خط جوش صاحب کا شائع ہوا ہے۔ گویا یہ جواب ہے۔ ایک رنگین و مترنم ضرورت کا جس کا اعلان اس سے قبل اخباری دنیا کو پہنچ چکا ہے مگر واے بے دردی و بے مذاقی۔ کوئی حضرت سے پوچھے، جناب حسن کی خانگی بارگاہ میں کوئی یوں بے ڈھنگے پن سے بات چیت کیا کرتا ہے "معلوم ہوتا ہے کہ میل ٹرین کے ٹکٹ کا سودا ہو رہا ہے"۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے دوست نے تہذیب جدید کے امتحان اعلےٰ میں امتیاز بخش نمبر ہنوز نہیں پائے۔ اسلیے ان کو معذور خیال کر کے نیز اس لحاظ سے بھی کہ ایلچی (قاصد) تادیب سے معاف ہوتا ہے۔ سردست جواب پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

(۲) سائلان نیازہ مندی کی یہ خواہش۔ کہ ان کو بھی کچھ "اتا پتا" بتلا دیا جائے بالکل باموقع و مناسب ہے۔ درخواست کے الفاظ اگر تہذیب جدید سے غیر مانوس نہ ہوتے۔ تو آج کی ڈاک سے۔ فوٹو کی دو کاپیاں ان کو بھیجدینے میں کوئی مضائقہ خیال نہ کیا جاتا۔ مگر موجودہ درخواستوں کو فی الحال خارج از بحث مان کر۔ اعلان سابقہ کے سلسلہ میں ضروری امورات کو شائع کیا جاتا ہے "تاکہ اصولی غلطی کا ازالہ ہو جائے۔

(۳) فی الحال نام کو پردہ میں رکھا جاتا ہے "عمر ۲۵ سال۔ بدن گداز۔ چہرہ نہایت قبول صورت ہاں کسی قدر ناک چوڑی اور گول ہے۔ اکثر جاپانی چہروں سے مقابلہ ہو چکا ہے اور فتح پائی ہے" دانت پہلے بلاشک ٹیڑھے ترچھے چھوٹے بڑے۔ تھے لیکن چند سال تک مسلسل غور کرنے کے بعد ابھی حال ہی میں دہلی کے مشہور دندان ساز "سید علوی" سے

درست کرائے گئے ہیں اب ان کا پیول یکساں ہے اور بہت ہی خوبصورت معلوم ہوتے ہیں۔ آنکھیں یورپین معیار پر پوری ہیں بال سر کے سیاہ اور پرورش کے بعد بہت لانبے ہو گئے ہیں۔ ان میں سرخ ریشمی فیتہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لیلی شب کی آغوش میں برق کھیل رہی ہے۔ جوڑہ میں سنہرا پن جسکے سرے پر ہلال بنا ہوا قیامت کر رہا ہے۔ پان۔ حنا۔ مسی عطریات۔ سدلیشی برو غنیات۔ اور ماکل مشارب ملابس سے قطعی نفرت ہے کوئی نام بھی لے دیتا ہے تو سر گرانی پیدا ہو جاتی ہے۔ رنگ سفید زردی مائل رسٹ واچ چشمہ۔ منی بیگ چھتری۔ پوڈر۔ دوربین سے بہت شوق ہے۔ اور تحفہ میں زیادہ انھیں کو پسند کیا جاتا ہے۔ فارسی کو پسند نہیں فرماتی ہیں اُردو بول لیتی ہیں مڈل تک تعلیم پائی ہے خط و کتابت مانند و بولنا میں گفتگو انگریزی میں کرتی ہیں پیانو بجانے میں بہت مشہور ہیں گانا اور بال میں ناچنا یہ تو ان ہی کا حصہ ہے اور اسکی داد انکو بمبئی میں مسز ... سے مل چکی ہے۔ تاش اپنے سرمیں ملک کے بہترین ہمدرد نسواں حضرت کی ممیز و ممتاز شاگرد ہیں ٹینس اور شطرنج میں اُس اللہ کے بندے سے فخر تلمذ ہے جس نے اپنی زندگی کو تبلیغ نسواں اور تفریح نسواں کے لیے وقف کر دیا ہے انگریزی نظم میں مسز نائیڈو اور ٹیگور سے غائبانہ استفادہ کیا ہے مصوری میں سادی ورما سے کچھ درک حاصل کیا ہے۔ رینالڈ و شیکسپیر کے تمام ناولس سبقاً سبقاً خود پڑھے ہیں اور اکثر کو پڑھاتے بھی ہیں نہ صرف انکا مطالعہ ہی کیا ہے بلکہ عملاً بھی بعض سے فائدہ اُٹھایا ہے اُردو کتابوں میں بہار دانش کا ترجمہ اور جان صاحب کا دیوان ہر وقت مطالعہ میں رہتا ہے۔ اخلاق و خیالات نہایت وسیع و آزاد و بلند ہیں نفرت و تعصب کسی مذہب سے نہیں اپنے لئے کوئی مذہب ابھی تک پسند نہیں کیا۔ اسکا فیصلہ شادی کے بعد کیا جائیگا۔ اور شوہر کے مشورہ پر اسکا انحصار ہے۔ ہر وقت ہنستی رہتی ہیں بہت ہی ہنس مکھ ہیں۔ اوقات کی بہت پابند ہیں

اندھیری راتوں میں کم کم شب ماہ میں زیادہ۔ سبزہ زاروں آبشاروں کی سیر پسند فرماتی ہیں دریائی سیر و تفریح کی بہت شائق ہیں۔ شہر کی اونچی سوسائٹی میں بہت مشہور و معروف ہیں۔ مقامی اونچے جنٹلمن آفیسرز سے خاص متعارف ہیں ڈپٹی کمشنر صاحب کی میم صاحبہ سے خاص مراسم ہیں۔ ڈپٹی کمشنر صاحب کی رائے ہے کہ ہندوستانی خواتین میں ایسی تعلیم یافتہ و روشن خیال خاتون ابھی تک انھوں نے نہیں سُنی۔ مشن اسکول کے جلسوں میں ان کو خاص اقتدار حاصل ہے۔

(۴) مندرجۂ بالا حالات سرسری معلومات پیدا ہوجانے کے واسطے ہر امیدوار کے لیے کافی ہیں فوٹو پانچ روپیہ وصول ہونے پر روانہ کیا جاسکتا ہے یا کسی کو اگر بچشم خود دیکھنا ہو۔ تو تھیٹر اور بائیسکوپ میں جاتے ہوئے۔ بطور خود دیکھ سکتا ہے۔ اگرچہ اس طریق پر بچشم خود دیکھنا معنی طلب اور خالی از تکلف نہیں۔ لیکن کوشش کرنے والا مطمئن رہے ناکام نہیں رہ سکتا۔

(۵) اسی سلسلہ میں ان درخواستوں کے متعلق جواب بھی دیدینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ جن کو جوشؔ صاحب نے پیش کیا ہے۔

درخواست نمبر ۱... ملاحظہ ہوئی۔ چونکہ نماز پڑھتے وقت تکبیر اونچی آواز میں جہر سے کہتے ہیں یہ ایسا نقص ہے کہ اس سے چشم پوشی نہیں کی جاسکتی۔ خاتون کو اندیشہ ہے کہ انکی سحر خوانی اور دیر بیداری میں روزانہ سخت تکلیف ہوا کرے گی۔ اتحاد مذاق پیدا نہوگا۔ لہذا نا منظور۔

درخواست نمبر ۲... ملاحظہ ہوئی چونکہ مونچھیں بہت لانبی ہیں جبتک اس کے بارے فراغت نہ حاصل کی جائے درخواست قبل از وقت ہے۔ لہذا بجنسہ واپس۔

درخواست نمبر ۳... ملاحظہ ہوئی۔ چونکہ بیوی موجود ہے۔ اور یہ نہیں ظاہر کیا گیا۔ کہ سائل کو سابقہ بیوی سے نفرت ہے یا نہیں لہذا نا مکمل درخواست۔ یہ کوئی نوٹس نہیں

لیا جاسکتا۔ بجنسہ بلا کسی حکم کے واپس ہے۔

درخواست نمبر ۴ .... ملاحظہ ہوئی۔ یہ سائل دماغی عارضہ میں مبتلا معلوم ہوتا ہے یقیناً دیوانی ہوگا۔ لہذا نامنظور۔

درخواست نمبر ۵ ... ملاحظہ ہوئی۔ سائل کی مالی حالت اچھی نہیں نیز اعمالنامہ شامل ہونی چاہیے تھی۔ نیز اسکے متعلق ایک ضمانت نامہ درخواست کے ساتھ شامل ہونا چاہیے کہ خلاف فطرت مذاق کا فی الحال کوئی اثر تو باقی نہیں ہے اگر ہے تو کسی وقت بذریعہ تحریر۔ یا تقریر یا بطور اشارہ۔ کنایہ۔ بواسطہ یا بلا واسطہ۔ یا بذریعہ ترغیب زیورو ملبوسات یا بذریعہ جبر و تخویف نہرا ؛ سابقہ مذاق کو زندہ کرنے کی کوشش بیگم صاحبہ پر تو نہ کریں گے۔

درخواست نمبر ۶ ... ملاحظہ ہوئی۔ چونکہ سائل کی شخصیت جداگانہ طور پر قائم نہیں ہوئی۔ اور مالی حالت کا اظہار نہیں کیا گیا۔ لہذا بلا کسی حکم کے اصل درخواست واپس۔

درخواست نمبر ۷ ... ملاحظہ ہوئی ... حسب شرح صدر۔

درخواست نمبر ۸ .... ملاحظہ ہوئی۔ سائل نے یہ نہیں ظاہر کیا۔ کہ بیرسٹری کی آمدنی اوسطاً کیا ہے۔ اکثر بیرسٹر محض کورے (خدابخش) ہوتے ہیں قانون دانی سے ان کو کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ ہاں یوروپین لائف بسر کرنا ان کو آتا ہے تو اسکی چنداں ضرورت نہیں بیگم صاحب اس خاص بارہ میں کسی امداد کی ضرورتمند نہیں۔ سائل کو اپنی آمدنی کے واقعی اعداد لکھنے چاہئیں۔ ڈاڑھی مونچھ صاف کرانی ہوگی۔ بدن ہلکا کرنے کے لیے روزانہ ایک سال تک دو میل دوڑنا ہوگا۔ صبح کی نماز قضا پڑھنی ہوگی۔ تاکہ بیگم صاحب کو تکلیف نہ ہو سحر خوابی میں خرابی نہ پڑے۔ بیگم صاحبہ۔ پیرس کی سیر فرمانی چاہتی ہیں اسکے کل اخراجات

فرسٹ کلاس مع ایک ملازم کے شادی سے چار ماہ بعد بشرطیکہ موجودہ جنگ اندر میعاد ختم ہو جائے۔ ادا کرنے ہوں گے۔ اسقدر رعایت دیجا سکتی ہے کہ اگر وہ خود جانا نہ چاہیں تو یہیں رہ جائیں۔ آمدنی کے دو ثلث بیگم صاحبہ کو ہر ماہ ادا کرنے ہوں گے۔ اور اس کی تعداد تخمیناً وہی ہونی چاہیے جو اوسطاً آج بتلائی جائے اپنے کسی رشتہ دار کو اس مکان میں وہ نہ رکھ سکینگے جو بیگم صاحبہ کے لیے مخصوص ہوگا۔ بیگم صاحبہ کی کسی رائے میں دخل دینے کا کوئی حق نہ ہوگا۔ نیز بیگم صاحبہ کے متعارف افراد کی آمد و رفت پر کوئی نوٹس نہ دیا جا سکے گا۔

درخواست نمبر ۹... ملاحظہ ہوئی۔ سائل کو آخری طور پر بیگم صاحبہ اپنی فرزندی میں بعد شادی۔ بشرطیکہ درخواست جدید قبول فرما سکیں گی۔

راقم ب

مکرر

اڈیٹر صاحب۔ مشرق۔ اس جواب کو مشرق میں جگہ دینگے تو قومی فائدہ ہوگا۔

۹۴

---

## غزل

ادھر ہوتے جانا جو اُٹھو مکاں سے　　تکلف ہے کیا، تم کو اک نیم جاں سے
خبر ہے مجھے، آرہے ہو جہاں سے　　بس اب چپ رہو کچھ نہ کہنا زباں سے
کروں اُن سے کیا، دل میں اُس مدعا کو　　نہ جس کو بیاں کر سکوں میں زباں سے
نہ پوچھو مرا حال، میں یوں بھی خوش ہوں　　نرالا ہے دُکھ میرا سارے جہاں سے
نہیں در خور برق بھی ہائے قسمت　　چلتی ہے بچ کر مرے آشیاں سے
میسر تو ہوں آشیانے کو تنکے　　اجازت بھی لے لینگے ہم باغباں سے
سناتے تو ہو حال دل اُن کو علوی　　ظفر احسن صاحب علوی
اثر آپ لائیں گے کیسے کہاں سے　　ناظم دائرۃ الادب دہلی

# خانہ جنگی

(سلسلہ کے لیے ستمبر کا پرچہ ملاحظہ ہو)

(۲)

سلطان محمدؒ اور وہ فوج جو دربار غزنی سے ہرات آئی تھی۔ اور جس کا سپہ سالار یوسف تھا۔ وہ یکم ماہ رمضان المبارک سنہ ۴۲۱ھ کو یہاں پہنچی۔ اور موضع تکیہ آباد کے قریب زمین گیر ہوئی

اس فوج کو یہاں بیکار پڑے پڑے کامل ایک ماہ گزر گیا۔ اس لیت و لعل کی ایک وجہ روزہ داری بھی تھی لیکن اس میں شک نہیں کہ اس تساہل سے سپاہی گھبرا گئے۔ اور اس امر کو سلطان محمد غزنوی کی عدم شجاعت اور بے حوصلگی پر محمول کیا۔ فوج میں عام طور پر بددلی پھیل گئی۔

عین عید کے روز جب شاہی لشکر جشن منانے میں مصروف تھا تو ایک خاص واقعہ رونما ہوا جس کو امر اتفاق کہا جا سکتا ہے۔ لیکن اس نے عوام کے دل پر خاص اثر ڈالا یعنی دفعۃً سلطان محمدؒ کے سر سے تاج گر پڑا۔ اور عام سپاہیوں نے اس سے فال زوال لی۔ تمام لشکر میں اس واقعہ کا افسانہ بیان ہونے لگا۔ اور اس پر عجیب و غریب پہلوؤں سے رائے زنیاں ہونے لگیں۔ حتیٰ کہ انقلابی آثار نظر آئے۔ امرا و سرداران فوج کے تیور بدل گئے۔ بالآخر ان لوگوں نے سلطان کے خلاف سازش کی کھچڑی پکائی۔

ادھر شہزادہ مسعود کی قابلیت و شجاعت کا نقش دل پر گہرا تھا۔

ان تمام باتوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ یوسف۔ علی خویشاوند حسن وغیرہ امرا نے جو خود سلطان محمد کے دست و بازو تھے اور جن پر سلطان کو اعتماد اور اُن کی خیر خواہی پر ناز تھا۔ سلطان کو اسیر کر لیا۔ اس کی نقد لیصارت سے لی اور اُسے قلعہ میں نظر بند کر دیا۔ یہ حادثہ شہر شوال ۴۲۱ھ کو واقع ہوا۔ اِنّا لِلّٰہ !

اس کارروائی کے بعد یہ سب سرغنے یوسف۔ علی۔ وغیرہ مع فوج شہزادہ مسعود کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ ہم نے یہ کارروائی محض حضور کی خاطر کی ہے۔ لیجئے آپ کے لیے تخت تیار ہے حاضر ہے !

شہزادۂ مسعود نے یہ المناک روداد سُنی تو اُسے سخت صدمہ ہوا۔ اس نے کہا کہ تم لوگوں نے یہ بہت بُرا اور یہ بھی منشا کے بالکل خلاف کیا۔ میں ہرگز ایسی بے رحمی اور غداری کا روادار نہیں ہوں۔ تم نے اپنے آقا کے ساتھ جب یہ سلوک کیا تو مجھے بھی تم سے محض اسی قدر کی توقع ہوسکتی ہے ! بس شہزادہ مسعود نے ان باغی امرا کو عبرت انگیز سزائیں دے کر بھائی کا انتقام لیا۔ چنانچہ حسن اور علی کو تہ تیغ کرایا اور یوسف کو نظر بند !

بدقسمت سلطان محمد نے گو آغاز اقبال سلطنت کی لیکن حکومت کامیاب نہیں ہوئی۔ وجہ یہ کہ عام رائے آغاز ہی سے اس کے خلاف تھی اور شہزادہ مسعود کے حق میں تھی۔ جب اظہار شجاعت کا موقع آیا تو سلطان محمد مقابلہ میں نیت و لعل کرنے لگا جیسے فوج نے بزدلی اور خوف کا کافی نتیجہ سمجھا۔ لشکر میں بددلی پھیلی حتیٰ کہ بالآخر اُسکے ہوا خواہوں اور دوستوں ہی نے اسے اسیر کر لیا۔ بدقسمت سلطان کے حسن تدبیر کی ناکامی سے تمام امرائے کی قوت کا پتہ لگتا ہے۔

شہزادہ مسعود کا طرزِ عمل حلم و رحم اور اخلاقی و مذہبی نقطۂ خیال سے کتنا ہی مستحسن کیوں نہ ہو۔ لیکن سیاسی نقطۂ نظر سے بلاشبہ ایک خوفناک غلطی اور ناقابلِ معافی گناہ تھا۔ چنانچہ مسعود کو اس کا خمیازہ اُٹھانا پڑا۔ آئندہ واقعات اس اجمال کی تفصیل ہیں۔

(۷)

مغربی پنجاب کے ایک قطعہ پر جس کا موقع موجودہ جغرافیہ کے مطابق پشاور ہو سکتا ہے۔ احمد نامی ایک سردار حکومت کرتا تھا۔ یہ اب سے چند ماہ پیشتر تک خزانۂ غزنی میں خراج دیتا رہا ہے۔ لیکن زمانۂ مسعودی میں اس نے خراج کی ادائیگی بند کر کے اظہارِ تمرد کیا ہے لہذا اسکی سرکوبی کے لیے مسعودی فوجیں مغربی پنجاب میں خیمہ انداز ہوئیں۔

یہ احمد دراصل عہد محمودی میں خزانۂ غزنی کا خزانچی تھا۔ اس نے تغلب و خیانت کی۔ سلطان محمود نے اسے جرمانہ و قید کی سزا دی۔ مگر کچھ عرصہ بعد اس کا قصور معاف کر کے اسے پنجاب کے اس حصہ کی حکومت دیدی لیکن یہ شخص نیک طینت نہ تھا کہ سلطان کے اس سلوک کا ممنون ہوتا۔ اب سلطان مسعود کے عہد میں اس نے اپنی طبیعت کی خباثت ظاہر کی کہ سرکش ہو بیٹھا۔ سلطان نے اسکی سرکوبی کے لیے ایک ہندو جنرل ناتھ (ناتھ ج) کو بہت سی ہندو فوج دے کر اس طرف بھیجا۔

الغرض میدان کارزار گرم ہوا۔ شمشیر ہندی نے خوب جوہر دکھائے لیکن بالآخر احمد غالب رہا۔ جنرل ناتھ مع اپنی تمام ہندو فوج کے سرِ میدان اپنے آقا سلطان مسعود ابن سلطان محمود غازی پر نہایت وفاداری

قربان ہو گیا!

یہ المناک اطلاع، دارالخلافہ غزنی پہنچی تو سلطان نے اور فوج بغرض انتقام و سرکوبی دشمن بھیجی یہ بھی ہندو فوج تھی اور اسکے جنرل کا نام تولک (تلک) تھا۔

احمد ایک ہی چلتا پرزا تھا۔ اس نے ان لوگوں کو جو دربار غزنی سے کشیدہ خاطر تھے اپنے اردگرد جمع کرکے گانٹھا اور انھیں اپنا دست و بازو بنا لیا تھا۔ چنانچہ اس معرکہ میں یہ سب لوگ شریک ہوئے۔

جنرل تلک سے احمد کی معرکہ آرائی شروع ہوئی۔ ایک جانب احمد باغی مع اپنے باغی دوستوں کے سینہ سپر تھا۔ اور یہ سب لوگ مسلمان اور اُن لوگوں کی یادگار تھے۔ جن کا مجاہدانہ جوش استیصال کفر و ضلالت میں پیش پیش رہا کرتا تھا۔ لیکن اب یہ خود جڑ اپنے ہاتھوں سے کاٹ رہے ہیں اور اپنی مرکزی طاقت کی کمزوری کے خواہاں ہیں۔

دوسری جانب ہندو جنرل تلک ہے جو اپنے مسلمان آقا سلطان مسعود ابن سلطان محمود غازی کی حمایت میں جاں فروشی کرکے حق نمک خواری و وفاداری ادا کر رہا ہے۔ ہندو فوج اُسکے زیر کمان ہے لیکن مسلمان امرا اسکی پشت پر موجود ہیں۔ الغرض یہ ایک عجیب نظارہ ہے ؎

کافروں کی مسلم آئینی کا بھی نظارہ کر اور اپنے مسلموں کی مسلم آزاری بھی دیکھ

کئی روز خونریز معرکے ہوئے۔ گھمسان کا رن پڑا۔ کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ خون کی ندیاں بہ نکلیں۔ آخرکار غزنوی اقبال غالب آیا۔ باغی احمد اور اُسکے سرکش رفقا مغلوب و مقہور ہوئے جنرل تلک نے باغی جمعیت کاٹ کر رکھ دی البقیۃ السیف کو اسیر کر لیا۔

اسود دریائے سندھ کو عبور کرتے ہوئے اس میں غرق ہوا۔
سلطانی فوج فتح کے نقارے بجاتی ہوئی غزنی کو واپس ہوئی۔

(۸)

سلطان مسعود اپنے بھائی محمد کی معزولی اور نظربندی کے بعد ۴۲۱ھ میں جلوہ آرا تخت غزنی ہوا۔ اس کا عہد حکومت اندرونی فتنوں کے دبانے، سلاجیق کا زور توڑنے اور مہمات ہند میں صرف ہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ سلطان مسعود کو باوجود شجاع اور لائق ہونے کے آغاز حکومت ہی میں ناکامی ہوئی اسکی سب سے بڑی وجہ علی خویشاوند اور حسن بن محمد وزیر وغیرہ امرا کا استیصال و سزا دہی تھی۔ درااصل ان لوگوں نے جو کچھ کیا تھا وہ مسعود ہی کے واسطے کیا تھا۔ اگرچہ اس میں اُن کی اپنی خود غرضی کو بھی دخل تھا۔ اسلیے مسعود کا یہ طرز عمل عجیب و غریب اور ایک سیاسی غلطی تھا۔ ایسے مواقع پر اس مزاج کے امرا کو معاف ہی کر دینا مناسب ہوا کرتا ہے۔ مسعود اس نکتہ کو نہ سمجھا۔ اس نے اپنے حامیوں کو سزا دی۔ جس کا اُسے خمیازہ اُٹھانا پڑا۔ اُن اُمرا کے متعلقین و متوسلین اور اُن سے ہمدردی رکھنے والے تمام سردار دل میں سلطان سے ناراض تھے۔ اگرچہ سلطانی رعب و اقبال نے اُن کی دہن دوزی اور زباں بندی کر رکھی تھی۔ لیکن دل و دماغ بہرحال آزاد رہتے اور برابر اپنا کام کیے جایا کرتے ہیں۔ جذبات پیدا ہوتے اور ترقی کرتے ہیں۔ گو وہ صندوق سینہ سے دہن تک آنے کی جرأت نہیں کر سکتے۔

ان باتوں کا ظاہری نتیجہ یہ تھا کہ قوم کی متفقہ قوت کا شیرازہ درہم برہم ہو رہا تھا۔ یادش بخیر اسوقت محمودی زمانہ کا جوش و خروش اور شوق

جانبازی - غزنی میں ڈھونڈے نہ ملتا تھا حقیقت یہ ہے کہ سلطان محمود کے بعد اسکا ایک جانشین بھی اس دل و دماغ کا نہ نکلا ؎

قیس سا کوئی بھی اٹھا نہ بنی عامر میں!
فخر ہوتا ہے گھرانے میں سدا ایک ہی شخص

سلطان مسعود غازی نے معاملات ہند کی جانب توجہ مبذول کی جسمیں اسے خاطرخواہ کامیابی ہوئی - چنانچہ قلعہ سرستی (سرہند) ہانسی - سونی پت (نواح دہلی) سر کرلیے - اور اس طرح قلب ہند میں وہاں تک جا پہنچا جہاں اس سے قبل مجاہد نہ پہنچ سکے تھے - اسی طرح کوہستان ہمالیہ کی ایک ریاست پر حملہ کرکے اسکے راجہ رام کو رام (مطیع) کیا۔

ان واقعات کے بعد سلطان نے اپنے فرزند شہزادہ ابوالمجد کو حکومت لاہور پر مامور کرکے خواجہ ایاز کو اسکا اتالیق اور مدارالمہام مقرر کیا - اور خود غزنی واپس چلا گیا - اسلیے کہ سلاجیق سر اٹھا رہے تھے -

حقیقت یہ ہے کہ سلاجیق نے سلطنت غزنی کی جڑیں ہلادیں - سلجوق ابتدا ایک خانہ بدوش قبیلہ تھا - رفتہ رفتہ اس نے طاقت اور پھر پولیٹکل اہمیت اختیار کی - امیر سبکتگین کے عہد تک حکومت ان لوگوں سے نیم گرم سلوک کرتی رہی - اور یہ بھی پالیسی سے کام لیتے رہے - چنانچہ انہیں کئی بار سخت سزائیں اور معافیاں دی گئیں - واقعہ یہ تھا کہ ارباب حل و عقد انکو خانہ بدوش غارتگروں سے زیادہ اہمیت نہ دیتے تھے - مگر یہ غلطی تھی - کیونکہ اس طرح انھیں ترقی کا موقع مل گیا - اور پھر انھوں نے زیادہ ہاتھ پاؤں نکالے - حتی کہ سلطان محمود غازی کو بذات خاص حملہ کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی - چنانچہ سلطان نے اپنی دانست میں ان کی طاقت کو پامال کردیا - بقیۃ السیف سلاجیق طالب

امان چاہے اور سلطان نے ان کا قصور معاف کرکے انھیں خراسان کے مشرقی حصہ میں آباد کر دیا۔ لیکن یہ ایک خوفناک سیاسی غلطی تھی۔ خراسان کے آرام طلب اور کمزور باشندے ان شوریدہ پشتوں سے کب عہدہ برآ ہو سکتے تھے

سلطان مسعود غازی بھی مثل اپنے بزرگوں کے سلاجقہ کو محض ناقابل التفات سمجھتا رہا۔ لیکن یہ جن دنوں ہندوستانی مہمات میں مصروف تھا۔ تو ان لوگوں نے سخت سر اٹھایا۔ یعنی ماوراءالنہر اور خراسان میں ہنگامۂ تاخت و تاراج گرم کیا۔ سلطان کو جب یہ خبر پہنچی تو ان کی سرکوبی کے لیے بلخ کی جانب کوچ کیا۔ لیکن یہ مہم فی الحال ملتوی کرنی پڑی۔ اور اس سے پہلے قدرخاں (والی ترکستان) کے ملک پر جو ابھی خود مختار ہوا تھا۔ لشکرکشی کرنا ضروری سمجھا۔ اور اس میں اسے فتح کامیابی حاصل کی۔ مگر اس تعویق سے سلجوقیوں کو اجتماع افواج کا موقع مل گیا۔ ان لوگوں نے زور شور سے فوجی تیاریاں شروع کیں۔ ساتھ ہی ساتھ بلخ میں تاخت و تاراج شروع کر دی۔ اس لیے سلطان نے بلخ کو کوچ کیا۔

یہ دیکھکر سلجوقیوں کا سپہ سالار جغربیگ مرو کی سمت پسپا ہو گیا۔ سلطان اسکے تعاقب میں گیا۔ لیکن اس نے اپنے میں طاقت مقابلہ نہ دیکھکر مراجعت کرلی۔ گویہ محض موقع اندازی تھی۔

اسی اثنا میں ایک مکروہ حادثہ واقع ہوا جس سے غزنویوں کے مستقبل پر سخت اثر پڑا۔ ان دنوں دارالامارت (غزنی) بالکل خالی تھی۔ دشمنوں نے موقع تاکا۔ طغرل بیگ سلجوقی سپہ سالار یلغار کرتا ہوا غزنی آپہنچا اور غیر معمولی دلیری اور جرأت کرکے شاہی اصطبل کو لوٹ لیا۔ عہد مسعودی کا یہ ایک نامسعود واقعہ ہے۔ اس سے آئندہ کے لیے غازیوں کی بے رعبی ہو گئی

اس حادثہ سے دولت غزنویہ کی بداقبالی اور سلجوقیوں کی اقبالمندی کی فال لی گئی۔

سلجوقی اب بھی شرارت سے باز نہ آئے۔ اُن کی ایک جماعت نے دفعتاً سلطانی فوج پر حملہ کر کے اُسے نقصان پہنچایا مگر گرفتار ہوے اور ان کو مع زن و فرزند تہ تیغ کر کے مقتولین کے سر گدھوں پر لاد کر سردار ترکمان (بیغو) کے پاس بھیجے گئے۔ بیغو نے اس واقعہ سے لاعلمی ظاہر کی اور اظہار تاسف کر کے طالب معافی ہوا۔

سلطان نے طوس پہنچ کر سلجوقیوں کو ایک شکست فاش دی۔ اور اب طغرل بیگ کی سزادہی پر آمادہ ہوا جس نے غزنی پر چھاپہ مارنے کی جرأت بیجا کی تھی۔ لیکن طغرل پہاڑوں کے دروں میں سر چھپاتا پھرا۔ اور سامنے نہ آیا۔ دراصل یہ ایک جنگی چال تھی۔

اسوقت غزنی کی فوجیں طوس میں زمیں گیر ہیں۔ باوجود سلطان کے دعوت جنگ دینے کے سلاجیق مقابلہ کو نہیں نکلے۔ موسم خوب سرد ہے برف باری نے ہر طرف راستے مسدود کر دیے ہیں حالت یہ ہے کہ اگر سلطانی فوج غزنی کو واپس جانا چاہے تو یہ ناممکن ہے۔ اس فوج کا سلسلہ غزنی اور تمام چھاونیوں سے منقطع ہو چکا ہے۔

اس موسمی تغیرات نے جنگی حالات بھی بالکل تبدیل کر دیے۔ گویا نقشہ ہی بدل گیا۔ یا تو سلاجیق چوہوں کے مانند بلوں میں سر چھپائے پھرتے تھے یا اب حشرات الارض کے مانند گویا شکم زمین پھاڑ کر نکل آئے۔ گویا وہ نہایت ہوشیاری سے مناسب موقع کا انتظار کر رہے تھے۔ ان لوگوں نے ہر طرف سے سلطانی فوج کو گھیر لیا۔ اگر موقع ہوتا تو اس وقت مقابلہ سے گریز کیا جاتا

کیونکہ دشمنوں کی تعداد کثیر تھی۔ لیکن جب سلطانی فوج گویا دشمنوں کے محاصرے میں آئی ہوئی تھی تو پھر سوائے مقابلہ کے اور کیا چارۂ کار تھا؟

الغرض لشکر آرائی۔ اعلان جنگ، اور پھر مقابلہ و مقاتلہ شروع ہوا۔ مگر نہایت زور شور سے فریقین نے نہایت دلیری اور بے جگری دکھائی خون کی ندیاں نکلیں۔ جن میں بہادروں کے سر۔ اعضائے بریدہ اور نعشیں غوطے کھا رہی تھیں۔ کامل تین روز تک موت کا بازار گرم رہا۔ ہزاروں بہادر مولی گاجر کے مانند کٹ گئے۔

مقابلہ کانٹے کی تول ہو رہا تھا کسی فریق کا پلہ اٹھا ہوا نظر نہ آتا تھا۔ کہ دفعتہً سین بدل گیا۔ تیسرے روز چند غزنوی اُمرا جو کسی نہ کسی وجہ سے سلطان سے ناخوش تھے۔ دشمنوں سے جا ملے۔ گو یہ واقعہ بھی بجائے خود کچھ کم اہم نہ تھا لیکن اس نے توقع سے زیادہ اہمیت اختیار کی۔ ان نمک حرام اُمرا کے چلے جانے سے دوسرے سردار اور امیروں کے جذبات بدل گئے فوج میں بالعموم بددلی پھیل گئی۔ جس کا ابتدائی نتیجہ یہ تھا کہ بہادروں کے ہاتھ اُٹھتے تھے۔ لیکن بیدلی سے رُک جاتے تھے۔ اگلے دلوں میں پہلا سا جوش نہ تھا۔ اسکے مقابلہ میں دشمن کا دم خم وہی تھا۔ بلکہ وہ غزنویوں میں سستی کے آثار دیکھکر اور زیادہ دلیری کا اظہار کر رہے تھے۔

میدان کا رنگ بدلا دیکھکر سلطان کی رگ حمیت بھڑکی۔ خون کھولنے لگا اس نے بنفس نفیس دشمنوں پر حملہ کیا۔ اور کئی خونخوار دشمنوں کو آناً فاناً خاک و خون میں ملا دیا۔

لیکن بایں ہمہ غزنی فوج کی مجموعی حالت اچھی نہ تھی۔ بہت سے بہادر خوفناک دشمن کی تلوار سے کٹ گئے۔ بقیۃ السیف کے پاؤں میدان سے اُکھڑ گئے۔

اور اُس نے فرار اختیار کیا۔ ان لوگوں کے سر پر ایسی وحشت سوار ہوئی کہ انھیں اپنے سلطان کی حفاظت جان کا بھی خیال نہ رہا۔ سلطان کے اردلی رسالہ کا سپہ سالار اور سپاہی بھی میدان میں نہ ٹھہرے اور سلطان مسعود کو دشمنوں کے نرغہ میں تنہا چھوڑ گئے۔

سلطان، تن تنہا میدان جنگ میں کھڑا تھا۔ ہزاروں دشمن اُسکے چاروں طرف تھے۔ لیکن با ایں ہمہ اُسکے تیور زور ابھی میلے نہ تھے۔ اُسکے دل میں عام کو تشویش یا خوف نہ تھا۔ بلکہ وہ استقلال کا پتلا نظر آتا تھا۔ اس نے اپنی قسمت کا فیصلہ خود کرنا چاہا۔ سلطان نے عزم کیا کہ دشمنوں کے نرغہ سے نکلے۔ چنانچہ اُس نے گھوڑے کو ایڑ بتائی اور معجزانہ طریق پر اپنا گرز گراں چاروں طرف گھماتا ہوا دشمنوں کے نرغے سے چل دیا۔

سلطان کی ذاتی شجاعت و دلیری ضرب المثل تھی۔ سلاجقہ شیر اور بہادر تھے۔ لیکن شاہی رعب یہاں اپنا کام کر رہا تھا۔ سلطان برابر گھوڑا دبائے چلا جاتا تھا۔ لیکن کسی سلجوقی کی اتنی مجال، اتنی جرأت نہ تھی کہ بڑھکر اسے روکتا۔ اسکا گھوڑا جس طرف پہنچتا تھا۔ دشمن وہاں سے خود بخود ہٹ جاتے اور راستہ چھوڑ دیتے تھے۔ گویا اس کا اقبال اُسکے آگے آگے راستہ صاف کرتا جاتا تھا۔ حتٰی کہ سلطان میدان جنگ سے صحیح سلامت مرو جا پہنچا۔

(۹)

آج کی رات قاتلوں کے دل کے مانند غیر معمولی طور پر سیاہ۔ تاریک۔ خوفناک اور بھیانک ہے۔ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا قریب تک کی چیز نظر نہیں آتی۔ زوال ماہ قمری کی انتہائی تاریخ پھر ابر سیاہ کا آسمان پر تسلط مزید برآں۔

نصف سے زیادہ شب گزر چکی ہے۔ دنیا میں تاریک پردہ پڑا ہوا ہے۔ ہر طرف سناٹا۔ ہو کا عالم اور خاموشی ہے۔ پتہ تک کھڑکنے کی آواز نہیں سنائی دیتی۔ ہاں کبھی کبھی بجلی چمک کر اور کڑک کر لحظہ بھر کے لیے اس خاموش و تاریک سین میں خلل انداز ہوتی ہے، مگر پھر بدستور سناٹا ہو جاتا ہے۔

اس وقت قلعۂ غزنی کے اندر شاہی محلات سے بہت فاصلہ پر ایک مکان کے اندر تین آدمی بیٹھے ہوئے باہم گفت و شنید کر رہے ہیں۔ یہ لوگ اپنے چہرے مہرے اور خط و خال سے اعلیٰ طبقہ کے رکن معلوم ہوتے ہیں۔ ان کے تیوروں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی خوفناک منصوبہ کی کھچڑی پکا رہے ہیں۔

**ایک**۔ یہی ایک طریق ہے کہ ہم اپنے دشمن سے انتقام لے سکتے ہیں۔

**دوسرا**۔ مگر معاملہ کے تمام پہلوؤں پر غور کر لینا چاہیے!

**تیسرا**۔ خوف کا کوئی مقام نہیں سلیمان! (پہلے شخص کا نام) ہم لوگوں کا بال تک بیکا نہ ہوگا! اس کا ذمہ دار میں ہوں۔

**سلیمان**۔ ہاں شہزادہ صاحب (احمد بن سلطان محمد) جب آپ یہ فرماتے ہیں تو پھر ہمیں کیا اندیشہ ؟!

**شہزادہ احمد**۔ آپ لوگ بالکل مطمئن رہیں۔ میں سب دیکھ لونگا حقیقت یہ ہے کہ خود حضرت ظل سبحانی ہم لوگوں کے درپے نہ ہوں گے۔ کیونکہ اسی میں ان کا فائدہ ہے کہ یہ "ہستی" صفحۂ دنیا پر نہ رہے۔

**ابن علی خویشاوند**۔ (تیسرا شخص) قسمت سے یہ موقع بھی خوب ہے۔ کیسی تاریک رات ہے۔ ایسا ہی وقت ایسے نازک کاموں کی انجام دہی کے لیے موزوں ہوتا ہے۔ گویا اس وقت قدرت ہماری تائید۔ اور امداد کر رہی ہے شہزادہ صاحب! باقی باتوں کا انتظام آپ نے کر لیا ہوگا؟!

**شہزادہ** - ہاں ہاں! تمام کام بلامزاحمت ہو جائیگا۔ تمام انتظام کر لیا گیا ہے۔
**سلیمان** - تو پھر اب تاخیر نہ کرنی چاہیے!
**ابن علی** - بہتر - بسم اللہ!

یہ کہہ کر ان تینوں شخصوں نے لباس تبدیل کیا - چنانچہ وہ سرتاپا سیاہ ملبوس میں پوشیدہ ہو گئے۔ حتیٰ کہ ان کے ہاتھوں میں سیاہ دستانے، اور چہروں پر سیاہ نقاب پڑے ہوے تھے - ان لوگوں نے تیز خنجر لباس کے اندر چھپا لیے تھے -

یہ لوگ پیچیدار راستوں اور تاریک گلیوں سے گذر کر شاہی محلات کے قریب جا کھڑے ہوے - یہاں پہنچ کر وہ لمحہ کے لمحہ رُکے - اور پھر باہم کچھ اشارہ کر کے جانب مشرق چلے - اور ایک عظیم الشان عمارت کے پھاٹک پر جا کر ٹھٹکے اب شہزادہ آگے بڑھا - اس نے دیکھا کہ پھاٹک کے پہرہ دار سنتری - گہری نیند میں غرق خراٹے لے رہے ہیں - احمد اپنے ساتھیوں کے پاس آیا - اور ان کو بھی اپنے ساتھ لے گیا -

شہزادہ نے جیب میں ہاتھ ڈالا - اور ایک کنجی نکالی اور اُسے پھاٹک کے قفل میں داخل کیا - پھر نہایت آہستہ سے پھاٹک کے دروازے کھولے گئے - اور جب یہ تینوں آدمی اندر داخل ہو گئے تو پھاٹک اندر سے بند کر لیا گیا - یہ تمام کارروائی ایسی تیزی، ایسی عجلت، اور ایسی احتیاط سے عمل میں آئی کہ بہ حالات ظاہر پہرہ دار سنتری اس سے بالکل بے خبر تھے - اور ہنوز گہری نیند میں غرق!

اس عمارت کے اندر جو دراصل شاہی بندی خانہ ہے اور جس میں پولیٹیکل قیدی رکھے جاتے ہیں ایک چراغ نہایت دھیمی روشنی سے

جس ۔ ہا تھا - اندر داخل ہونے والوں نے دیکھا کہ ایک بوڑھا اور نحیف شخص جس کا چہرہ اس حالت میں بھی نہایت رعب دار اور چمکدار ہے۔ پلنگ پر پڑا بے خبر سو رہا ہے ! نو واردوں نے اندر کے سین کو ایک ہی نظر میں بھانپ لیا۔

ان لوگوں کا پہلا کام یہ تھا کہ انھوں نے چراغ کو ٹھنڈا کر دیا۔ اب چاروں طرف بالکل تاریکی تھی۔ سین پر پردہ پڑ گیا تھا۔ لمحہ بھر کے بعد "شپ شپ" کی آواز سنائی دی ! اور اسکے بعد ایک دردانگیز انسانی چیخ کی آواز، پھر بدستور سابق۔ بالکل خاموشی اور سناٹا !

پھاٹک احتیاط سے کھولا گیا اور اُسکے اندر سے تینوں آدمی باہر نکل کر بے تحاشا بھاگے ! شاید اسی آہٹ سے پہرہ دار سنتری بیدار ہو گئے چند منٹ کے بعد جب آنکھیں ملنے سے فارغ ہوئے تو پھاٹک کھلا دیکھکر چور چور کا غل کرکے آسمان سر پر اٹھا لیا۔ مگر چور نکل چکے تھے۔ اب وہ ڈرتے ڈرتے پھاٹک کے اندر داخل ہوئے اور بڑی دشواری سے چراغ جلایا مگر اب انکی آنکھوں کے سامنے قیامت کا سین تھا۔ وہ غش کھا کر گر پڑے اور بے اختیار ان کی زبان سے نکلا۔ خون ! اُف سلطان، خون !"

---

سلطان مسعود کو سلجوقی مہم میں ناکامی ہوئی۔ غزنوی تاریخ میں یہ ایک خاص واقعہ تھا۔ تاہم سلطان اپنی بے نظیر ذاتی شجاعت اور دلیری کی بدولت اپنی جان دشمنوں کے نرغہ سے نکال لایا۔ سلجوقیوں کو تعاقب کی جرأت نہوئی - سلطان مرو جا پہنچا اور وہاں اکثر مفرور سپاہی اُس سے

شہزادہ - ہاں ہاں! تمام کام بلا مزاحمت ہو جائیگا۔ تمام انتظام کر لیا گیا ہے۔
سلیمان - تو پھر اب تاخیر نہ کرنی چاہیے!
ابن علی - بہتر۔ بسم اللہ!

یہ کہہ کر ان تینوں شخصوں نے لباس تبدیل کیا۔ چنانچہ وہ سرتاپا سیاہ ملبوس میں پوشیدہ ہو گئے۔ حتّٰی کہ ان کے ہاتھوں میں سیاہ دستانے، اور چہروں پر سیاہ نقاب پڑے ہوئے تھے۔ ان لوگوں نے تیز خنجر لباس کے اندر چھپا لیے تھے۔

یہ لوگ پیچیدار راستوں اور تاریک گلیوں سے گذر کر شاہی محلات کے قریب جا کھڑے ہوئے۔ یہاں پہنچ کر وہ لحہ کے لحہ رُکے۔ اور پھر باہم کچھ اشارہ کرکے جانب مشرق چلے۔ اور ایک عظیم الشان عمارت کے پھاٹک پہ جا کر ٹھٹکے اب شہزادہ آگے بڑھا۔ اس نے دیکھا کہ پھاٹک کے پہرہ دار سنتری۔ گہری نیند میں غرق خراٹے لے رہے ہیں۔ احمد اپنے ساتھیوں کے پاس آیا۔ اور ان کو بھی اپنے ساتھ لے گیا۔

شہزادہ نے جیب میں ہاتھ ڈالا۔ اور ایک کُنجی نکالی اور اُسے پھاٹک کے قفل میں داخل کیا۔ پھر نہایت آہستہ سے پھاٹک کے دروازے کھولے گئے۔ اور جب یہ تینوں آدمی اندر داخل ہو گئے تو پھاٹک اندر سے بند کر لیا گیا۔ یہ تمام کارروائی ایسی تیزی، ایسی عجلت، اور ایسی احتیاط سے عمل میں آئی کہ بہ حالات ظاہر پہرہ دار سنتری اس سے بالکل بے خبر تھے۔ اور ہنوز گہری نیند میں غرق!

اس عمارت کے اندر، جو دراصل شاہی بندی خانہ ہے اور جس میں پولٹیکل قیدی رکھے جاتے ہیں ایک چراغ نہایت دھیمی روشنی سے

جل رہا تھا۔ اندر داخل ہونے والوں نے دیکھا کہ ایک بوڑھا اور نحیف شخص جس کا چہرہ اس حالت میں بھی نہایت رعب دار اور چمکدار ہے۔ پلنگ پر پڑا بے خبر سو رہا ہے! نوواردوں نے اندر کے سین کو ایک ہی نظر میں بھانپ لیا۔

ان لوگوں کا پہلا کام یہ تھا کہ انھوں نے چراغ کو ٹھنڈا کر دیا۔ اب چاروں طرف بلا کی تاریکی تھی۔ سین پر پردہ پڑ گیا تھا۔ لمحہ بھر کے بعد "شپ شپ" کی آواز سنائی دی! اور اسکے بعد ایک دردانگیز انسانی چیخ کی آواز، پھر بدستور سابق۔ بالکل خاموشی اور سناٹا!

پھاٹک احتیاط سے کھولا گیا اور اُسکے اندر سے تینوں آدمی باہر نکل کر بے تحاشا بھاگے! شاید اسی آہٹ سے پہرہ دار سنتری بیدار ہو گئے۔ چند منٹ کے بعد جب آنکھیں ملنے سے فارغ ہوئے تو پھاٹک کھلا دیکھکر چور چور کا غل کر کے آسمان سر پر اٹھا لیا۔ مگر چور نکل چکے تھے۔ اب وہ ڈرتے ڈرتے پھاٹک کے اندر داخل ہوئے اور بڑی دشواری سے چراغ جلایا مگر اب انکی آنکھوں کے سامنے قیامت کا سین تھا۔ وہ غش کھا کر گر پڑے اور بے اختیار ان کی زبان سے نکلا۔ "خون! اُف سلطان کا خون!"

---

سلطان مسعود کو سلجوقی مہم میں ناکامی ہوئی۔ غزنوی تاریخ میں یہ ایک خاص واقعہ تھا۔ تاہم سلطان اپنی بے نظیر ذاتی شجاعت اور دلیری کی بدولت اپنی جان دشمنوں کے نرغہ سے نکال لایا۔ سلجوقیوں کو تعاقب کی جرأت نہوئی۔ سلطان مرو جا پہنچا اور وہاں اکثر مفرور سپاہی اُس سے

آملے۔

سلطان مسعود کوچ کرتا ہوا بخیریت تمام غزنی جا پہنچا۔ اور اپنی فوج کے اکثر مفرور سرداروں کو ہندوستان کے قلعوں میں نظر بند کیا۔ یہ سب کچھ صحیح لیکن فتنہ سلاجیق کا نتیجہ غزنویوں کے حق میں نامبارک نکلا۔ تمام ممالک محروسہ میں بے رعبی پھیل گئی۔ یہی واقعہ زوال غزنویہ کی تمہید بنا۔ اور آخرکار ایک روز سلجوقی خانہ بدوش دہقان سے سلطان بن گئے۔

فتنہ سلاجیق ایک طرف، دوسری جانب امرائے غزنوی کا تمرد اور نااتفاقیاں ملک کے امن و امان کو سوخت اور سلطان مسعود کی حکومت کو ناکام ثابت کر رہی تھیں۔ سلطان موجودہ حالات میں شریروں کی قرار واقعی سرکوبی نہیں کر سکتا تھا۔ لہذا اُسکے دماغ نے ایک جدید منصوبہ سوچا۔ اس نے عزم کیا کہ لاہور (ہندوستان) پہنچکر اور وہاں سے فوجی جمعیت لے کر سلاجیق وغیرہ سرکشان غزنی کا قلع قمع کرے۔ اُسے اپنے کئی ماتحت اور پیوستہ ہندوراجگان و اُمراسے بھی امداد کی توقع ہوگی۔ ہندو فوج اور ہندو سپہ سالاروں پر وہ کامل اعتماد رکھتا تھا۔ جو سلطان محمود کے زمانہ سے لے کر اس وقت تک بیشمار مواقع پر جاں نثاری اور وفاداری کا ثبوت دے چکے تھے۔ لیکن آئندہ واقعات نے ثابت کر دیا کہ یہ ایک افسوسناک اور خطرناک مغالطہ تھا۔

سلطان نے فی الحال معاملات غزنی کا یہ انتظام کیا کہ اپنے فرزند اکبر امیر مودود کو حکومت بلخ پر مامور کیا۔ علاوہ ازیں شہزادہ ایزد یار کو حکومت غزنی اور امیر کو ملتان کی حکومت سپرد کی۔ اور ان انتظامات سے فارغ ہو کر خود ہندوستان کی جانب کوچ کیا۔ تمام قیمتی ساز و سامان اور شاہی

خزانہ، اونٹوں پر بار سلطان کے ہمراہ تھا۔ اور لاہور منزل مقصود۔

سلطان مع اپنے ہمراہیوں کے کوچ کرتا ہوا نواح راولپنڈی تک آپہنچا۔ لیکن جب وہ موضع مارگلہ کے قریب پہنچا تو ایک نہایت افسوسناک واقعہ رونما ہوا۔ یعنی ہمرکاب غلاموں نے (زیادہ ہند و کم ترک) خزانہ اور قیمتی مال واسباب، لوٹنا شروع کیا۔ حتّٰی کہ تمام زروجواہر قبضہ میں کرلیا۔ سلطان کے ہمراہی اُمرا، اور سپاہی، اس واقعہ کو خاموش دیکھا کیے۔ ان میں سے کسی نے اُنگلی تک نہ ہلائی۔

سلطان مسعود اپنے معذور و معزول (سلطان) بھائی (محمد) کو بمقتضائے سیاست اپنے ہمراہ لایا تھا دور اندیشی یہ کی تھی کہ اس کی غیر حاضری میں بار اعض اُمراء وغیرہ کہیں اُسے تخت غزنی پر قابض نہ کرادیں لیکن اس کا ساتھ لانا اور بھی زیادہ خطرناک ثابت ہوا۔ سلطان کے ہمراہی غلاموں اور اُمرا نے محمد کو آزاد کر کے اُسے سلطان بنایا۔ اور اب ان لوگوں نے سلطان مسعود کے خیمہ پر حملہ کردیا!

حقیقت یہ ہے کہ ان تمام معاملات کی پیشتر ہی سے سازش اور تجویز ہوچکی تھی اور مخالف پارٹی نے پہلے ہی ہر طرح کا انتظام کرلیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ سلطان جیسا شخص، جو سلجوقیوں سے بچ کر نکل آیا تھا۔ بہ آسانی اس جال میں پھنس گیا۔

سلطان مسعود کو فی الحال سوائے اسکے چارہ کار نہ نظر آیا کہ سرائے مارگلہ میں محصور ہوجائے چنانچہ اس نے یہی کیا۔ مگر امرا نے حق رفاقت ادا نہ کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اسیر کر کے نابینا بادشاہ محمد کے روبرو پیش کیا گیا اور اسے نظربندی کا حکم ہوا۔

معزول سلطان مسعود اس حالت میں زیادہ عرصہ تک نہیں رہا۔ بلکہ زمانہ اسیری سے بہت تھوڑے عرصہ بعد بندی خانہ میں شہید کیا گیا۔ اسکے قاتل سلیمان بن یوسف۔ ابن علی خویشاوند۔ اور شہزادہ احمد بن سلطان محمدؒ تھے۔ جیسا کہ مذکور ہوا۔ سلطان محمدؒ اس سازش قتل سے بے خبر اور ناواقف تھا۔

سلطان مسعود نے سلیمان کے باپ یوسف اور علی خویشاوند سے جس قسم کا سلوک کیا تھا اُس کی تفصیل اوپر گذرری۔ بس ان لوگوں نے اس طرح اپنا اپنا انتقام لیا۔ اور شہزادہ احمد بن محمدؒ کو بھی اپنا شریک حال کیا کہ دارو گیر سیاست سے محفوظ رہیں۔ اور اس طرح سلطان مسعود ابن سلطان محمود غازی جیسی اہم ہستی کا خاتمہ ہوا۔

اقبال محمودی اور زوال مسعودی کے اسباب وعلل کی تلاش بجائے خود دلچسپ اور مستقل بحث ہے۔ لیکن یہ ہمارا افسانہ اس طویل اور خشک تاریخی بحث کا متحمل نہیں ہو سکتا! وہ مضمون مستقل فرصت چاہتا ہے!!

حکیم مظفر حسین اظہر دہلوی

## غزل

شاید نصیب ہوں بت ایماں شکن کے پاؤں
چھوتا ہوں جاکے دیر میں میں برہمن کے پاؤں

دیکھا ہے اس نے کس گل رعنا کو باغ میں
حیرت سے لڑکھڑے ہیں جو سرو چمن کے پاؤں

کرنا ہے امتحان کشش حسن کا اسے
رکھتی نہیں ہے شمع جو باہر لگن کے پاؤں

نقش قدم سے نقشۂ گلزار کھینچ گیا
کیا گل کھلا گئے ہیں مرے گلبدن کے پاؤں

یا سنگ آستانہ ہو طالع نارسا نگاریوں
اپنا سر نیاز ہو اُس سیمتن کے پاؤں

باسط بسوانی

# قلب

قلب یوں تو مخروطی شکل میں گوشت کا ٹکڑا ہے، لیکن اب اسکو کیا کہیے کہ حضرت رب العزت نے اپنے لیے اسی کو پسند فرمایا ہے۔ ایسی زبردست پسند پر کس کو مجال سخن ہے۔

تفہیم کلام کے لیے، اسکو تین اقسام میں منقسم فرما لیجیے۔

الف صحیح (زندہ)

ب علیل۔

ج مردہ۔

صحیح اور زندہ کو "سلیم" بھی کہتے ہیں اسکی تعریف میں اہل دل نے مختلف تقریریں کی ہیں، مگر ماحصل کلام یہ ہی ہے کہ وہ قلب جو ذوالجلال والاکرام کی مرضی میں ہمہ وقت مصروف و مشغول ہو کر غیر اللہ کی رضاجوئی سے بے نیاز ہو جسکا اکل و شرب جسکی نقل و حرکت یا جسکا عزم و ارادہ سب اللہ ہی کے واسطے ہو جسکا سب باتوں میں دستور العمل ہی ہو جو سرکار دو عالم فداہ امی وابی نے اپنے اسوۂ حسنہ میں اپنے غلاموں کے لیے چھوڑا ہے "قلب سلیم" کہلاتا ہے اور یہی ایک چیز ہے جو ہم سے حقوق اللہ کے سلسلے میں مانگی جاے گی اور کام آے گی" (یوم لاینفع مال ولابنون الامن اتی اللہ بقلب سلیم) مال یا اولاد کچھ کام نہ آئے گا مگر قلب سلیم"

اکابرین سلف کہہ گئے ہیں کہ ہر چھوٹے بڑے کام کے متعلق دو سوال ہونگے (ایک یہ ہوگا کہ کیوں کیا، دوسرا یہ ہوگا کیونکر کیا)۔ پہلا اسپر مبنی ہے کہ کرنے کی غرض کیا تھی یعنی رضاے معبود مقصود تھی یا رضاے عبد، دوسرا اسپر مبنی ہے کہ طریق عمل اسوۂ محمدی کی تعلیم سے ماخوذ تھا یا ایجاد بندہ بھی شامل تھی کیونکہ حکم یہ ہے کہ بس اتباع شریعت فوت نہونے پاے (یاایہا الذین امنو لاتقدموا بین یدی اللہ ورسولہ) اے ایمان والو آگے نہ بڑھو اللہ اور اسکے رسول سے

پس ان دونوں سوالوں کے واسطے، ہر شخص کو اپنے پہلو میں قلب سلیم کی جستجو چاہیے، جسکے قلب میں

عملاً تلاش موجود ہے وہی قلب سلیم ہے۔

علیل وہ ہے جسمیں موت کے آثار بھی پائے جائیں (ایسا قلب کبھی روشن ہوجاتا ہے کبھی تاریک جب زندگی سے مانوس ہوتا ہے تو اسوقت صبر و شکر حمد و ثنا ذکر شغل میں مصروف ہوتا ہے جب موت کی کیفیت اسپر طاری ہوتی ہے تو معبود کو بھول کر عبد کی پرستش کرتا ہے۔ اس مقام پہ یہ غور کرنا اچھا ہے۔ کہ ہم دل کی بیماری میں تو مبتلا نہیں۔

مردہ وہ ہے جو شیطان رجیم کی بد ذہبیوں کا شکار ہو کر اپنے خالق سے باغی ہوجاتا ہے مردہ دل کو اسکی پرواہ نہیں ہوتی کہ مجکو کبھی مرنا بھی ہے اپنے اقوال و افعال کی جوابدہی بھی کرنی ہوگی۔ موت سے غفلت پیدا ہوجانا اسکا نام مردہ دلی ہے؛

مذہب کہتا ہے کہ زندہ دلی ہی مقصد آفرینش ہے، وہ حضرات جو آج دنیا میں زندگی کی پکار مچا رہے ہوئے ہیں ان سے پوچھنا چاہیئے کہ تمہارے پہلوؤں میں دل بھی زندہ ہے لعنۃ اللہ علی الکاذبین۔

اکثر وہ حضرات جو ہر وقت قومی ترقی کا یہ ہنگامہ آگ سنایا کرتے ہیں نیز حیرت ہوتی ہے کہ کیونکر مسیحائی کا دعویٰ ان لوگوں کو زیب دیتا ہے اور ہنسی آتی ہے کہ سویا ہوا سوتے ہوئے کو بیدار کرنے کا خواہاں ہے مگر خود بیدار نہیں ہوتا۔

کیا مسلم کی زندگی یہی ہے کہ وہ حالت حاضرہ کے موافق ہر وقت ان خیالات میں پھنسا رہے جو اسکو زندگی سے محروم کیے ہوئے ہیں مسلمانوں کی ترقی یہ تو نہیں ہے کہ ہم دنیاوی ضروریات و مصالح کے بنا پر اپنی حسیات کو ٹھکرا دیں۔ کاش ہم میں اب تو کچھ وہ لوگ پیدا ہوں جو ہر وقت ہمکو زندہ دلی کی جانب بلاتے ہوں کہ قومی ترقی کا، راز اسی زندہ دلی میں پوشیدہ ہے۔

العجب ہم اپنے اسلاف کے کارناموں پر فخر تو کرتے ہیں لیکن اسکا کبھی خیال بھی نہیں ہوتا کہ عزت و ترقی کی معراج تک پہنچانے والی ہماری پالیسی اور رویہ ہوس نہ تھی بلکہ وہ زندہ دلی اور حق پسندی تھی جسنے ساری دنیا کی حکومت جسنے ساری بادشاہت و ریاست ہمکو بخش دی تھی۔ پس آج مسلم ہستی کے لیے کسی چیز کی ضرورت ہے تو وہ صرف وہی سادہ اسلامی زندگی ہے جو دنیاوی مدنیت و تہذیب سے متخاصم ہو۔ اور قلب سلیم پیدا کرنے والی ہو اور بس۔

سید ظفر حسن علوی۔ ناظم دائرۃ الادب دہلی

# ہلال عید

یہ جلوہ نما جو طرف عید کے ہلال — فلک کے شیشۂ دل میں پڑا ہوا ہے بال
یہ کس حسین نے پھینکا ہے کاٹ کر ناخن — کہ حل عقدۂ دل [illegible] نہیں [illegible] مشکل
حجاب ناز سے کس نے دکھا دیا ابرو — گڑی ہوئی ہیں نگاہیں جمے ہوئے ہیں خیال
یہ کون اشارۂ انگشت سے بتاتا ہے — کہ دل [illegible] نظر آتے ہیں آج حور جمال
جھکی ہوئی ہے یہ چھوٹی سی شاخ نخل طور — زمانہ سب ارنی گو [illegible] محو جمال
یہ کس کے ابروئے خمدار کے اشارہ سے — ہوا ہے شیشۂ دل ٹوٹ کر ہلال ہلال
یہ کس نے میکدۂ چرخ میں جما دی [illegible] — شراب ناب شفق میں ابھر آگیا ہے اُبال
مگر اشارۂ ابروئے کہربا ہے فلک — [illegible] گوشہ [illegible] ہیں مہ و سال
مگر یہ ماہی دریائے نور وحدت ہے — [illegible] ایک [illegible] گماں
مگر یہ ناخنۂ دیدۂ فلک تو نہیں — دکھا رہا ہے [illegible] دور سے جو شکل ہلال
مگر یہ نون کو لکھا ہے خط لطف [illegible] — [illegible] ستانے کو ہے مہ شوال
خراش ناخن وحشت نے عید [illegible] کی — [illegible] دل پہ ہیں ہزار ہلال
دیکھا ہے جال ستاروں کا چرخ نیلی پر — [illegible] سینہ کو کر دیا غربال
گلے میں ڈال کے باہیں کسی سے عید ملو — سکھا رہا ہے [illegible] شام ہی سے طرز وصال
ابھی تو جام ہلالی میں ہے مئے سرجوش — [illegible] تجلی [illegible] ہوگا ماہ کمال
کمال حسن کے دفتر میں چار چاند لگیں — [illegible] آئینہ [illegible] کوئی [illegible] تمثال
یہ اتفاق کہ برسات میں پڑی ہے عید — گھٹا یہ ساقی پیماں شکن [illegible] اقبال
ہواؤں میں نور کا دریا بڑھا اٹھیں موجیں — جبین صاف تھی ساقی کی غرۂ شوال

نگاہ مست نے بھیجا ہے ایک استفتا — بتائیں حضرت مفتی کہ آج تو ہے حلال؟
یہ جوش عیش یہ حال طرب یہ کیف نشاط — ملیں جو حضرت واعظ تو پوچھوں کیف الحال
جناب شیخ بھی ساقی سے کہہ اٹھے آخر — ہے بوسہ چینی رخ آج افضل الاعمال
بتا کے فرق مے ناب و آب پاک مصاف — ملا کے جام میں واعظ نے پی کئی مثقال

جمال روئے دل افروز صبح عید عزیز
ہلال ہے اگر ابرو تو رخ دعائے ہلال

عزیز لکھنوی

## کام کی باتیں

جو غالب ہے وہ معشوق ہے جو مغلوب ہے وہ عاشق ہے۔ اگرچہ علم صرف کے رو سے خلاف ہے خادم مخدوم ہو جاتا ہے۔ مگر مخدوم ہمیشہ خادم ہی رہتا ہے۔

آنکھ سب کو دیکھتی ہے اسمیں خود بینی نہیں۔ مگر افسوس اپنے عیب کو نہیں دیکھ سکتی۔

تم کو وقت کا انتظار کرنا چاہیے۔ وقت تمھارا انتظار نہیں کر سکتا۔

موت سے زیادہ کوئی چیز دنیا میں یقینی نہیں۔ پھر کسی کی وفات پر اچنبھا کیوں ہو زندگی تعجب ہو تو بیجا نہیں کہ اب تک زندہ کیونکر رہے ؎

لائی حیات آئے قضا لے چلی چلے — اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے

حیوان ناطق کو حیوان مطلق پر اس سے بڑھکر کوئی فضیلت نہیں کہ وہ گذشتہ واقعات سے اطلاع رکھتا ہے۔ اور سیکڑوں عقلا کے تجربے سے ایک فرد واقفیت رکھتا ہے۔ اور یہ صرف علم کی وجہ سے ہے۔

دنیا میں دوستی سے بڑھکر کوئی نازک رشتہ نہیں ؎ اُس بلائے جاں سے آتش دیکھیے کیونکر بنے ✦ دل سوا شیشے سے نازک دل سے نازک خوئے دوست ✦ قرابت مندی کے رشتے ٹوٹ ہی نہیں سکتے چاہے ہزار بے لطفی ہو۔ دوستی کے رشتے کو مضبوط رکھنے والے بڑے مرد ہیں ؎ خیال خاطر احباب چاہیے ہر دم ✦ انیس ٹھیس نہ لگ جائے آبگینہ کو ✦

مولانا سے خیر در بھنگوی

# واردات فراق پر ایک نظر

ماہ جون کا رسالہ تمدن پہنچا۔ واردات فراق کا مضمون نہایت قابلیت سے لکھا گیا ہے مجھے بہتر معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس مضمون کو پڑھتے ہوئے میں جہاں جہاں اٹکا گیا۔ اُسے قلمبند کروں

صفحہ ۱۹ پر ام سلمہؓ کی عمر سنہ ہجری میں اندازاً بیس سال بتلائی گئی ہے۔ ہم کو عمر کا حساب اسطرح نکالنا چاہیے۔ کہ سنہ وفات … ۸۴ سالہ ہے اسلیے سنہ ہجرت میں انکی عمر ۲۵ سال ہونی چاہیے

(۲) صفحہ … پر ام سلمہؓ نے اپنی زبان سے اپنی ماں کا نام عاتکہ بنت عبدالمطلب بتلایا ہے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے مضمون نگار نے صاحب روضۃ الاحباب کا تتبع کیا ہے۔ انکی ماں کا نام عاتکہ ضرور ہے۔ مگر یہ عاتکہ بنت عامر بن ربیعہ ہیں۔ عاتکہ بنت عبدالمطلب نہیں۔ یہ صاحب روضہ کا سہو قلم ہے۔ منشاء غلطی یہ ہے کہ عاتکہ بنت عامر اور عاتکہ بنت عبدالمطلب ایک ہی شوہر کے گھر میں تھیں۔ عبداللہ بن ابوامیہ کی والدہ عاتکہ بنت عبدالمطلب ہیں۔ اور ام سلمہ کی والدہ عاتکہ بنت عامر ہیں۔ یعنے عبداللہ اور ام سلمہ علاتی بہن بھائی ہیں۔ مہاجر رضی اللہ عنہ حضرت ام سلمہ کے برادر شفیق ہیں۔ یہ حارث بن عبد کلال حمیری کے پاس نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی سفارت لیکر گئے تھے۔

(۳) صفحہ ۲۲ پر سولھویں سطر سے آخر صفحہ تک۔ اور صفحہ ۲۳ پر آٹھویں سطر سے بارھویں سطر تک ام سلمہؓ غائبانہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو پکار رہی اور استمداد کر رہی ہیں اگر یہ کوئی روایت ہے۔ تو حوالہ درج کرنا ضروری تھا۔ ورنہ مورخ کو اختلافات فقہیہ میں صرف تخیل سے کام نہیں لینا چاہیے۔

(۴) صفحہ ۲۶ پر ابوسلمہ کا رونا۔ نبی صلعم کے چشمان مبارک میں پانی بھر آنا بیان کیا گیا ہے۔ کاش یہ کوئی روایت ہوتی۔ ورنہ دوہا بیش ادب کب اجازت دے گا۔

(۵) صفحہ ۲۶ پر ام سلمہ کا منہ پر نقاب ڈالے آنا بیان کیا گیا ہے۔ گویا سنہ ہجری میں آیت ستر کا نزول ہو چکا تھا۔

(۶) ام سلمہؓ کا ابوایوب کے گھر میں حضور نبوی صلے اللہ علیہ وسلم حاضر ہونا بیان کیا گیا ہے۔ ابوایوب کے گھر میں حضور کا قیام صرف ۷ ماہ تھا۔ اور ام سلمہؓ کی مدت فراق کتابوں میں ایک سال لکھی ہے۔ پس اگر حضور ہی کی یہ روایت صحیح ہے تو جمع روایات کا طریق ظاہر کر دینا تھا۔

ایک ناظر

# ناجائز تقلید

سب سے پہلے کہ میں کچھ لکھوں اپنے معزز بھائی بہنوں سے معافی چاہتی ہوں کہ اگر کوئی جملہ کسی کے ناگوار خاطر گذرے تو معاف کریں۔ آجکل عموماً اکثر تعلیم یافتہ گھروں میں یہ دیکھا جارہا ہے کہ ماں باپ۔ نانا۔ دادا کی تقلید باعث فخر سمجھتے ہیں اپنی ذات میں تقلید کوئی بُری چیز نہیں ہے مگر جب ہم بُری چیزوں کی تقلید کرنے لگتے ہیں تو وہی چیز جو اچھی چیزوں کے لیے استعمال کی جاتی لوگوں کی نگاہوں میں بُری ٹھہرتی ہے۔ ہمارے بھائی بہن اُن اچھی باتوں کی تقلید نہیں کرتے جو ان کے بزرگوں میں قابل فخر اور قابل تقلید تھیں بلکہ ہمیشہ بُری باتوں کی تقلید کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ سنت نبوی بالائے طاق رکھکر اپنے بزرگوں کی تقلید فرض سمجھنے لگے ہیں۔ میں کچھ مردوں ہی کو نہیں کہتی بلکہ اکثر تعلیم یافتہ بہنوں نے بھی یہی طریقہ اختیار کیا ہے جو بہت ہی قابل افسوس ہے اور اس کا اثر اولاد پر بھی بُرا پڑتا ہے۔ شوہر پرستی تو بہت کم دیکھی جاتی ہے بلکہ شوہر کو دبا کر رکھنا آجکل فیشن میں داخل ہے۔ حال کا ذکر ہے کہ میں ایک روز کسی بہن کے پاس ملنے کے لیے گئی تھی تھوڑی دیر نہ گذری تھی کہ باہر آدمی نے آواز دی کہ نصیباً سرکار آگئے ہیں اور چاء باہر منگوائی ہے جلد بھیجدیجیو اور کچھ گلوریاں بھی بنوا کرلے آو ڈپٹی صاحب بھی بیٹھے ہوے ہیں نصیباً نے بیگم صاحبہ سے آن کر کہا بیگم صاحبہ بالکل بے پرواہی سے سُنکر چپ ہوگئیں تھوڑی دیر بعد پھر دوسری آواز آئی اسپر بیگم صاحبہ نے بہت ہی جھنجھلا کر ماما سے کہا کہ کہدے ٹھہر جا ایسی کیا جلدی پڑی ہے

اسقدر زور سے کہا کہ آواز باہر تک گئی۔ میاں دل میں بہت ہی نادم ہوئے
چونکہ بازار قریب ہی تھا آدمی بھیج کر چا، وغیرہ منگوا لی۔ تھوڑی دیر بعد
پھر ماما نے آن کر کہا کہ بیگم صاحبہ بہت دیر ہوگئی ہے کچھ گلوریاں بنا دیجیے
آدمی پکار رہا ہے۔ بس اتنا کہنا تھا کہ بیگم صاحبہ آگ بگولا ہوگئیں ماما کو بہت
سخت سُست کہا گھر سے نکال دیا۔ میں نے کہا کہ بہن اُسکا کیا قصور ہے
کیوں بیچاری پر ظلم کرتی ہو تو کہنے لگیں کہ بہن وہ بہت گستاخ ہوگئی ہے اور
ماسوائے اسکے مردوں کو زیادہ سر پر نہ چڑھانا چاہیے اماں جان تو ابا کو
مُنہ نہیں لگاتیں اماں جان جو کہتی ہیں وہ ابا فوراً سُن لیتے ہیں اُنکی
بہت ہی اچھی عادت ہے آخر وہ بھی تو مرد ہیں۔ واہ کیا خوب؟ مطلب یہ
کہ جیسا اماں نے ابا کو رکھا ہے ویسا میں بھی رکھوں گی۔ استغفراللہ کیسے افسوس
کی بات ہے کہ ایسی تعلیم یافتہ پڑھی لکھی لڑکی کے دل میں ایسے خیالات ہوں؟
ایک یہ ہی نہیں بلکہ میں ہزاروں لڑکیوں کو بتلا دوں گی کہ جن لڑکی کو
شوہر پرست خدمتگذار سنتی ہیں نظرِ حقارت سے دیکھتی ہیں اور فخر سے اپنی
سہیلوں سے کہتی ہیں کہ میں نے اُن کو ایسا رکھا ہے جو کہتی ہوں وہ مانتے
ہیں اور میرے کام میں کچھ دخل نہیں دے سکتے غرض ایک ایک طرح سے
شیخی مارتی ہیں اُن کی دیکھا دیکھی دوسروں کو حرص اُٹھتی ہے بعض کامیاب
ہوجاتی ہیں بعض اپنا سا مُنہ لے کر رہ جاتی ہیں۔ اکثر مردوں کی بھی یہی حالت
ہے کہ باپ دادا کی تقلید پر مٹے ہوئے ہیں یہ نہیں سمجھتے کہ ہمارے باپ دادا
میں چند خوبیاں ہوں گی ہم اُسکی کیوں نہ تقلید کریں جس میں کل اوصاف
موجود ہوں۔ وہ کون ہے؟ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم جن میں دنیا بھر کی
اچھی اچھی خوبیاں موجود تھیں اور جن کی تقلید بھی ہم مسلمانوں پر فرض ہے

اُن بھائی بہنوں کو جو تقلید کے پھندے میں پھنسے ہوئے ہیں دیکھنا چاہیے
کہ پیغمبر خدا کا برتاؤ اپنی بیویوں سے کیسا تھا اور بیویاں کیسی خدمتگزار تھیں
یہ ایسی تقلید ہے کہ اسکو ہر انسان کر سکتا ہے۔ بادشاہ سے لے کر فقیر تک
اور بچے سے لے کر بوڑھے تک ان کی تقلید کر سکتے ہیں۔ کیونکہ جو بادشاہ بن کر
رعایا کو خوش رکھنا حکومت کرنا سیکھے تو رسول خدا سے سیکھے جو فقیری سیکھے
وہ رسول خدا سے سیکھے۔ جو بزرگوں کی اطاعت سیکھے وہ رسول خدا سے سیکھے
اولاد کی محبت وہ رسول خدا سے سیکھے۔ بیویوں سے محبت وہ رسول خدا سے سیکھے
اور بیویاں اون نیک بیویوں سے سیکھیں مہمان نوازی وہ رسول خدا سے سیکھے
کہ آپ مہمانوں کے ساتھ کیسے پیش آتے تھے۔ احسان کرنا یا احسان ماننا وہ
رسول خدا سے سیکھے۔ تہذیب وہ رسول خدا سے سیکھے۔ غرض کہ کل اوصاف
ہمارے پیشوا نبی صلے اللہ علیہ وسلم میں موجود تھے۔ بتلائیے دنیا میں تقلید
کے لیے ہمارے واسطے اورکوئی ایسا نمونہ مل سکتا ہے ہرگز نہیں۔ کیا ہمارے
باپ دادا میں یہ خوبیاں اتنی نہ سہی ان میں سے دو چار بھی مل سکتی ہیں؟
ہرگز نہیں۔ پھر کیا وجہ ہم ان کی تقلید کو فخر سمجھیں یہ کم عقلی ہے؟

ہم کو خدا کا لاکھ لاکھ شکر گذار ہونا چاہیے کہ اُسنے ایسا بہتر نمونہ دنیا میں ہمارے
لیے چھوڑا ہے کہ جس کی دوسری نظیر ملنا محال بلکہ ناممکن ہے پس ہم کو بھی اسی
چال اختیار کرنی چاہیے نہ کہ باپ دادا اماں کی اندھی تقلید۔

مسز مرزا حسین علی بیگ فرحت
(علیگ)

# بعض مسائل حکمیہ پر ایک نظر

دنیا میں اعتقاد بھی عجیب و غریب چیز ہے۔ ہم اگر کسی چیز کی طرف کوئی خیال قائم کر لیں تو اسکے معنی یہ ہوتے ہیں کہ پھر اسکے متعلق ہماری تمام معلومات اُسی خیال کے ماتحت ہوں گی۔ ایک شخص کو ہم اچھا یقین کرتے ہیں اب یہ ہماری اعتقاد کی مجبوری ہے کہ اسکی طرف سے اپنی قوتِ نقد کو ضعیف و کمزور پاتے ہیں، اس شخص کی ہر بُری بات بھی ہمیں اچھی معلوم ہوتی ہے اور جو کوئی دوسرا بھی اپنی رائے سے خلاف لکھتا ہے تو اسکی کوئی نہ کوئی تاویل اپنے ذہن میں کر لیتے ہیں۔ برخلاف اسکے اگر کسی شخص کی طرف سے بُرا خیال بدقسمتی سے قائم ہو گیا ہے تو پھر ہم اس شخص کے اندر کوئی اچھی بات نہیں پاتے، یہانتک کہ ہم بداہت کے ساتھ اسکے بعض محاسن کو دیکھتے ہیں، لیکن سمجھتے ہیں کہ اسمیں بھی کوئی مکر و فریب ہے ورنہ اس شخص میں بھلائیاں کہاں سے آئیں۔ دنیا میں بہت کم افراد اس طبیعت کے ہوں گے کہ با وصف کسی چیز کی طرف کوئی خاص اعتقاد رکھنے کے وہ اپنی قوت انصاف کو قائم رکھ سکیں، ورنہ اکثر صورت میں یہی دیکھا جاتا ہے کہ اعتقاد حقیقت ایک حجاب ہے جو چہرۂ صداقت پر ڈال دیا جاتا ہے اور پھر اسکا اٹھنا مشکل ہو جاتا ہے۔

اس عہد حکمت و فلسفہ میں بھی اسکا فقدان نہیں ہے بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ جیسی مضرتیں اسکی پہلے کسی زمانہ میں رہی ہوں گی، ایسی ہی اب بھی ہیں اور چونکہ ان مضرتوں کا اثر بہت عام ہے اسی لیے مذہب بھی اس سے نہیں بچ سکا اور اسکو بھی سخت صدمہ پہنچ رہا ہے۔ اسوقت مذہب کے

متعلق دو خاص گروہ ہیں۔ ایک تو وہ جو اُسے مع تمام حشو و زوائد کے بھی صحیح سمجھ رہا ہے اور چونکہ یہ اسکا اعتقادِ کامل ہے اس لیے کوئی صورت اسکو اس خیال کے ہٹا نہیں سکتی اور نہ کوئی دلیل اسپر کارگر ہو سکتی ہے' دوسرا گروہ وہ ہے جو مذہب کی ہر بات کو غلط سمجھتا ہے خواہ وہ کتنی ہی صحیح کیوں نہو اور اسی طرح وہ بھی کسی برہان کے سامنے سرِ عجز خم کرنے کے لیے آمادہ نہیں۔ اول الذکر طبقہ میں عام جہلا شامل ہیں اور دوسرے طبقہ میں آج کل کے فلاسفرز یا پھر اُن سے بھی زیادہ وہ نوجوان طلبہ جنھوں نے کالجوں میں رہ کر سوائے اسکے کچھ حاصل نہیں کیا کہ مذہب لغو ہے' مذہب بیہودگی ہے' مذہب درندگی کو کہتے ہیں' مذہب ایک بیجا پابندی کا نام ہے اور مذہب مجموعہ ہے خلاف عقل و حکمت باتوں کا چونکہ یہ خیال اُنکے دماغ میں اعتقاد کی حد تک مرتسم ہو جاتا ہے اسلیے وہ اپنے عقیدہ کے خلاف کسی بات کو سُننا گوارا نہیں کرتے اور ان کا ذہن چونکہ یہ یقین کر چکا ہے کہ موجودہ فلسفہ و حکمت سے زیادہ سچائی کسی میں نہیں ہے اس لیے وہ اسکے خلاف کسی امر کو نہیں مان سکتے خواہ اسکا تسلیم کرانے والا مذہب ہو یا کوئی اور چیز وہ سمجھتے ہیں کہ جو بات ہکسلے یا ڈاروِن کے مُنھ سے نکل جائے وہ کبھی جھوٹی ہو ہی نہیں سکتی اور جس امر کو یوروپ والے تسلیم کرلیں اسکو نہ ماننا سخت جہل و حمق ہے۔ اگر کوئی بات ایسی ہوتی ہے کہ اسپر ان کا فلسفہ اور مذہب دونوں اتفاق کرتے ہیں تو وہ صرف اس وجہ سے اُسے تسلیم کرلیں گے کہ فلسفہ ایسا کہتا ہے نہ کہ اس وجہ سے کہ مذہب یہ بتاتا ہے اور یہ بیہودگی اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ واقعات تاریخ کو بھی ہم اس سے مستثنٰے نہیں کرتے اور خود اپنے اوپر طاری ہونے والی کیفیات کا بھی اسوقت تک یقین نہیں کرتے جبتک یوروپ اسکی تصدیق نہ کرے۔ اور اس کی مثال میں بہت سے ایسے حضرات مل جائینگے

جو رسول اللہؐ کے حالات سے صرف اس وجہ سے اور اس حد تک واقف ہیں کہ وہ کسی Life of Mohammad لائف آف محمد میں درج ہیں نہ اس لحاظ سے کہ ان میں کسی عربی سیرۃ یا خود اپنی مادری زبان کی تاریخ کا اعتبار ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ آج کل یہ عام خبط ہو رہا ہے کہ مذہب سے صرف اس حد تک اعتنا کیا جائے جس حد تک وہ فلسفہ و حکمت کے مطابق ہو۔

یا اگر کسی نے مذہب پر بڑا رحم کیا تو اس طرف تھوڑی سی توجہ ہوئی کہ مذہب کو فلسفہ و حکمت کے مطابق ثابت کیا جائے۔ حالانکہ یہ دونوں سخت غلطیاں ہیں قبل اس کے کہ مذہب فلسفہ کا زیر بار احسان بنایا جائے ہمارا فرض یہ ہے کہ پہلے خود اصول فلسفہ کو دیکھا جائے کہ وہ بھی صحیح ہیں یا نہیں اور پھر اگر وہ یقینی طور سے صحیح ثابت ہو جائیں تو کوئی مضائقہ نہیں کہ مذہب سے اسکو انٹروڈیوس کرایا جائے، ورنہ اسکی کیا ضرورت ہے۔ اب اس مسئلہ پر غور کیجیے کہ تحقیقات حکمت کس حد تک قابل یقین ہے۔ سو اس کا حال تو یہ ہے کہ اسکا ہر زمان میں ناقابل یقین ہونا ہی حکمت کی ترقی کی دلیل ہے۔ کیونکہ اگر آج کوئی مسئلہ حکمت جدیدہ کا ایسا نکل آئے کہ اسپر ہر طرح یقین کرنا ضرور ہو تو اسکے معنی یہی ہیں کہ اب فلاسفر اسکی آیندہ تحقیق کی طرف سے عاجز ہو گئے ہیں۔ اس لیے فلسفہ کا عجز نام ہے یقین کا نہ کہ تکمیل حکمت باعث ہوتی ہے کسی مسئلہ کے صحیح باور کرانے کی۔ اور ہم آج کی صحبت میں اسکو اجمال کے ساتھ بیان کرینگے کہ واقعی اصول فلسفہ کس حد تک اعتبار و یقین کے لائق ہیں۔

حکمت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک حکمت نظری ہے دوسری عملی۔ حکمت نظری تو وہ جسکی تحقیق صرف ہمارے معلومات میں اضافہ کا باعث ہو جیسے کرہ ہائے

آفتاب و ماہتاب وغیرہ کا علم اور حکمت عملی وہ جو ہماری زندگی کے لیے مفید ہو مثلاً علم طب، علم الکیمیا، علم جرثقیل وغیرہ۔ پھر چونکہ دنیا میں دو طرح کی چیزیں ہیں محسوس و غیر محسوس، اسلیے حکمت چار قسموں پر منقسم ہوئی :-

(۱) حکمت نظری متعلق بہ اشیا محسوسہ (۲) حکمت نظری متعلق باشیا غیر محسوسہ
(۳) حکمت عملی متعلق بہ اشیا محسوسہ (۴) حکمت عملی متعلق با اشیاء غیر محسوسہ

اور ان چاروں کی بنیاد اس زمانہ میں استقرا (Induction) پر قائم ہے ہر چند پہلے زمانہ میں بھی استقرا اصل بنیاد فلسفہ کی تھی لیکن اسپر اسقدر انحصار نہ تھا جیسا آجکل ہے اور اسمیں کلام نہیں کہ بدون استقرا و تفحص کے کسی قسم کی ترقی نہیں ہو سکتی لیکن سوال یہ ہے کہ ہم کو اس استقرا پر کس حد تک اعتبار کرنا چاہیے اور کس حد تک وہ یقین کے لائق ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ اصول کلیہ بنانے کے لیے ضرورت ہے کسی ایسی تحقیقات کی جو ہر زمان اور ہر حال میں یکساں طور سے صحیح ثابت ہو اور اگر کوئی ایک مثال بھی دنیا میں ایسی مل جائے جو مستثنیٰ ہو سکے تو وہ اصول کلیہ نہیں۔ یہ منطق ([illegible]) کا مشہور مسئلہ ہے اور ہر شخص اس سے واقف ہے۔ اب غور کیجیے کہ کیا کسی ایسے علم میں جس کی بنیاد صرف استقرا پر ہے ہم کوئی اصول کلی قائم کر سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ کیونکہ جب وقت تک استقرا تام (                ) نہ ہو اس وقت تک ہم کبھی یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ فلاں بات تمام افراد میں اسی طرح پائی جائے گی۔ اور جب وقت تک کوئی حکم تمام افراد و جزئیات پر حاوی نہو۔ اسے حکم عام یا اصول کلیہ میں داخل نہیں کر سکتے۔ اشیاء غیر محسوسہ میں تو استقرا کا گذر بہت کم ہے بلکہ نہو نے کے برابر ہے اس لیے حکمت کی دو قسمیں تو بداہتہً ناقص قرار پائیں۔ رہگئیں اشیاء محسوسہ سو ان کا بھی چونکہ استقرا تام نہیں ہو سکتا

اس لیے باقی دو قسمیں بھی ناکمل ہیں۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ استقرار لغو و بیکار چیز ہے
بلکہ مدعا صرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ اسپر اعتبار کرکے کوئی قطعی حکم کسی چیز کے بابت
نہیں لگایا جا سکتا اور نہ قانون فطرت (Law of nature) کا اسپر منحصر ہو سکتا
ہے زیادہ سے زیادہ اگر ہم کہہ سکتے ہیں تو صرف اسقدر کہ (Inductive conclusions are always probable)
"نتائج استقرار غالباً صحیح ہیں" اور اس صورت میں اسکا ضعف و نقصان ظاہر ہے
اب ہم چند مثالوں سے سمجھائیں گے کہ استقرار میں کسقدر تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے
اور اسکے نتائج کتنے تغیر پذیر ہیں۔

(۱) ایک زمانہ تھا کہ ترکیب جسم صرف چار عناصر سے سمجھی جاتی تھی لیکن اب استقرار
نے ثابت کیا کہ یہ غلط ہے بلکہ ۶۴ اشیاء بسیط مفردات دریافت ہو چکی ہیں
جو عناصر میں شامل ہیں لیکن کیا اب یقینی صورت سے کہا جا سکتا ہے کہ صرف اسقدر
اجزاء ہیں اور ان میں اضافہ ممکن نہیں؟ جس طرح چار سے ۶۴ ہوگئے اسیطرح
بالکل ممکن ہے کہ مزید استقرار انھیں سیکڑوں کی تعداد میں ثابت کردے۔

(۲) پہلے یہ بات مسلمات میں داخل تھی کہ کل حیوان یحرک فکہ الاسفل
(یعنی ہر جاندار کھانے کے وقت نیچے کے جبڑے کو حرکت دیتا ہے) لیکن
ایک زمانہ کے بعد تلاش سے معلوم ہوا کہ تمساح (مگر مچھ) سب جانوروں کے
خلاف اپنا اوپر کا جبڑا ہلاتا ہے۔ پہلے یہ کلیہ بھی ٹوٹا۔ اور ابھی نہیں کہا
جا سکتا کہ صرف یہی ایک جانور ایسا ہے یا اور بھی بہت سے ایسے ہیں چونکہ
ہم دنیا کے تمام جانوروں کو نہیں دیکھ سکتے اس لیے ہمارا استقرار اس
مسئلہ میں ہمیشہ ناقص رہے گا۔

(۳) یہ بھی مسلمات میں سے ہے کہ شرط رویت نور و روشنی ہے۔ یعنی جبتک

روشنی نہ ہو اسوقت تک رویت کا حصول نہیں ہو سکتا۔ لیکن امریکہ میں ایک عورت ابھی تھوڑا زمانہ ہوا ایسی ہوی ہے جو اندھیرے میں سخت تاریکی میں اور آنکھ بند کرکے اچھی طرح دیکھ سکتی تھی چونکہ ایک مثال ایسی ملگئی ہے اس لیے یہ بھی کلیہ نہ رہا۔ اسپر یہ اعتراض نہیں ہو سکتا کہ اسکا ایسا کرنا کسی خاص عمل مسمریزم کی وجہ سے تھا کیونکہ وجہ جو کچھ بھی ہو بہرحال یہ کلیہ بھی ٹوٹتا ہے جسکو ہم قانون فطرت سمجھے ہوے ہیں۔

(۴) ایک زمانہ تک یہ بات یقینی طور سے صحیح سمجھی جاتی تھی کہ مقناطیس سے اسکی کشش کسی وقت زائل نہیں ہو سکتی۔ وہ ہر وقت اور ہر حال میں جاذب ہے مگر بعد کو تحقیق سے معلوم ہوا کہ زلزلہ کے وقت اسکی جاذبیت جاتی رہتی ہے اور اسکی کہربائیت سلب ہو جاتی ہے۔

(۵) کسی جاندار شے کے اگر ہم ٹکڑے کردیں تو وہ زندہ نہیں ہو سکتی یہ بھی اصول حکمت میں داخل ہے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ایک جانور ایسا بھی ہے جو ٹکڑے ٹکڑے ہو جانے کے بعد بھی زندہ ہو جاتا اور مدت تک جیتا رہتا ہے۔ اور وہ جانور ہیدرا ہے کہ اگر اسکے ٹکڑے ٹکڑے کردیں تو تھوڑے عرصہ کے بعد ہر ٹکڑا بڑھکر ایک مستقل کیڑا ہو جاتا ہے اور رینگنے لگتا ہے۔ اسی طرح مینڈک کی خاک بارش میں ہزاروں مینڈک پیدا کردیتی ہے۔ اسلیے وہ اصول و بقا فنا جو ہم نے قائم کیے ہیں وہ بھی صحیح نہیں ہیں اور نہ اسکے متعلق قانون فطرت وہ ہے جو ہم نے سمجھا ہے

یہ بہت معمولی سی باتیں ہیں جن سے اصول فلسفہ و مسلمات حکمت مجروح ہوتے ہیں لیکن ممکن ہے کہ کوئی شخص کہے کہ یہ باتیں اصول میں داخل نہیں ہیں اسلیے ہم ان کو اب زیادہ پیش نہیں کرتے اور آئندہ صحبت میں خاص ان مسائل پر گفتگو کرینگے جو سب کے نزدیک مسلمات میں داخل ہیں اور دکھائینگے کہ ان پر

کتنے شبہات وارد ہو سکتے ہیں اور ایسے شبہات جن کا رد ممکن نہیں مثلاً ہوا کا ثقل زمین کی کشش وغیرہ اور پھر اسکے بعد ہم دکھائینگے کہ ہمارے وہ معتقدات جو خالص مذہبی تعلیم کا نتیجہ ہیں کس قدر مستحکم اور غیر متزلزل ہیں۔

نیاز فتحپوری

# لکھنؤ سے روزانہ اخبار

کسی دوسری جگہ ہم ایک اعلان شائع کرتے ہیں جو سید جالب صاحب دہلوی ایڈیٹر روزنامہ ہمدم نے، اشاعت کے لیے ارسال کیا ہے۔ اسکے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ لکھنؤ سے ہمدم نامی ایک روزانہ اخبار نکلنے والا ہے۔ سید جالب صاحب کی ذات کو جو کچھ شہرت اخباری دنیا میں حاصل ہے وہ محتاج بیان نہیں آپ تقریباً ۲۵ سال سے اخباری دنیا میں کام کرتے ہیں اور ہندوستان کے بیشتر قابلِ قدر اور مشہور اخبارات کی ایڈیٹری کر چکے ہیں جتنی وسیع معلومات جناب میر صاحب کی اخباری معاملات میں ہے اسکی بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ روزنامۂ "ہمدم" موجودہ اخبارات میں انشاءاللہ چند روز میں اپنی امتیازی شان قائم کرے گا۔ آجکل کا زمانہ اخباری دنیا کے لیے جتنا مخدوش ہے وہ ناظرینِ "تمدن" سے مخفی نہیں۔ مگر میر صاحب کا طرزِ تحریر اور معاملات کو نہایت خوشگوار صورت میں پیش کرنا غالباً "ہمدم" کو بہت سے خطرات سے محفوظ رکھے گا۔ ہمدم کی ایڈیٹری جن قابل قدر ہاتھوں میں دیگئی ہے اُن سے اس امر کی امید رکھنی کچھ بیجا نہیں کہ ہمدم بہت جلد ایک وسیع حلقۂ آبادی کو اپنے زیر اثر کرے گا جس وقت تک "تمدن" کا موجودہ نمبر خریداروں کے پاس پہنچے اُس وقت تک "ہمدم" کے کئی نمبر نکل چکے ہوں گے۔ ہم "ہمدم" کی ناظرینِ "تمدن" سے خصوصیت کے ساتھ خریداری کے لیے سفارش کرتے ہیں۔ "ہمدم" کی سالانہ قیمت [illegible] ششماہی [illegible] سہ ماہی [illegible] اور ماہانہ [illegible] ہوگی۔ پتہ [illegible] دفتر روزنامۂ "ہمدم" ۲۷ لاٹوش روڈ لکھنؤ

# شہید ناز کی فاتحہ

(سلسلے کے لیے ماہ ستمبر کا نمبر ملاحظہ ہو)

آہ میری بہن بہن کی کمائی لٹ جائے گی کو تم رشتہ میں مجھ سے چھوٹی ہو لیکن اب میں چھوٹی بن کر تم سے بھیک مانگنے آئی ہوں میرا کشکول بھر دو۔ میں اپنے بچے کی خاطر یہ سر تمہارے قدموں میں رکھنے کے لیے تیار ہوں جو سوائے خدا کے کسی کے آگے نہیں جھکا لیکن میری اچھی بہن اب مجھے ناکام نہ واپس بھیجو۔

جواب میں وہی ناک بھوں چڑھی ہوئی تھی وہی مرغے کی ایک ٹانگ والی مثل پر نہایت سختی سے عملدرآمد کیا جا رہا تھا۔ کہا جا رہا تھا کہ چاہے دنیا ادھر سے اُدھر ہو جائے لیکن یہ نسبت تو قیامت تک منظور نہیں کی جائے گی۔ ہم اپنے ہاتھوں لڑکی کو زندہ گاڑ دیں گے یا جان سے مار دیں گے مگر یہ یاد رہے کہ اصغر سے شادی ہو کبھی نہیں ہو سکتی۔

بوا کوئی اصغر میں کیڑے پڑے ہیں کوئی بےپڑھا ہے یا اُٹھائی گیرا بدمعاش ہے ہاں ہاں وہ بہت اچھا ہے لائق ہے فاضل ہے مگر ہمیں اُسکے ساتھ شادی نہیں کرنا ایک دفعہ کہدیا ہزار دفعہ کہدیا۔

یہ باتیں ہو رہی تھیں جو کسی نے آکر اصغر کی والدہ سے کہا۔ یہاں بیٹھی ہوئی کیا کر رہی ہو گھر جاؤ اصغر میاں تو جنت کو سدھار گئے۔ آہ کسی پر بجلی گرتی ہوگی تو وہ بھی اتنا متحیر اور ساکت نہ ہوتا ہوگا جسقدر اصغر کی والدہ اپنے بیٹے کی خبر مرگ سُن کر تصویر حیرت بن گئی لیکن یہ سکتے کا عالم چند سکنڈ ہی رہا ہوگا آنکھوں میں گریۂ بے اختیار کا ہنگامۂ محشر نما متلاطم ہوا۔ آگ بھڑکی اور خاکستر سے شعلے

اُٹھنے لگے۔ غریب ضعیفہ چلائی اور کہا۔ لو خوش ہو جاؤ۔ اب تو ٹھنڈک پڑ گئی ہوگی مجھے برباد کر کے چین آ گیا۔ سکون اور آرام حاصل ہو گیا۔ وہ پھانس جو کھٹکا کرتی تھی نکل گئی۔ وہ درد جو پریشان رکھتا تھا دور ہو گیا وہ ناسور جو تراوش کر رہا تھا بند ہو گیا خیر میں کچھ نہیں کہتی اللہ اس ستم کا بدلہ دے گا۔ جیسا تم نے مجھے دلگیر کیا ہے خدا چاہے تو ایسا ہی تمہارا بھی حال ہوگا۔ ڈولی آئی اور یہ روتی ہوئی سوار ہو گئیں۔

اصغر کے چچا اکرام اللہ خاں آخر عزیز ہی تھے خون ملا ہوا تھا ذرا دوڑتے ہوئے گئے دیکھا تو واقعی اصغر رخصت ہو چکا تھا۔ اُس کے پاس عورتوں کو جانے کی سخت ممانعت کر دی یہاں تک کہ ایک بچہ بھی جھانکنے نہ پایا۔ اس ناگہانی موت کی وجہ ہیضہ قرار پائی اور یہ ایسی اچھی وجہ تھی جسے باور کرنے میں ہر شخص کو چارہ نہ تھا۔ باوجود اسکے کہ عورتوں کی تعداد معقول تھی مگر کیا مجال جو بین یا نوحہ کرنے کی آواز آئی ہو۔ بس یہ معلوم ہوتا تھا ایک سناٹا سا چھایا ہوا ہے۔ عصر کا وقت قریب تھا جو جنازہ اُٹھا سبز چادر جس پر کلمہ شریف جا بجا لکھا ہوا تھا شامیانہ رحمت ہو کر میت پر سایہ فگن تھی۔ ہزار ہا آدمی جنازے کے ساتھ تھے۔ یامین کی یہ حالت تھی کہ سر پٹک رہا تھا۔ ہر شخص کا دل اُمڈا چلا آتا تھا۔ آنکھیں اس کثرت سے موتی برسا رہی تھیں کہ وہ سڑک جس پر سے جنازہ گذر رہا تھا نم ہوتی جاتی تھی۔ تمام جنازہ پر ان کی بارش ہو گئی اب قبرستان قریب آ گیا تھا یامین نے جلد جلد قدم بڑھائے اور جنازے کے آنے سے پہلے لحد پر پہنچ گیا۔ دو کنستر گلاب کے اُسکے ہاتھ میں تھے چنانچہ ایک کنستر قبر کی خشک زمین پر چھڑک دیا پھر گورکن سے کہنے لگا میں نے سنا ہے تم لوگ کفن کی خاطر مردے کو برہنہ کر دیتے ہو۔ اسکے عوض تم جو چاہو مجھ سے لے لو مگر خدا کیلئے میرے بھائی جان کا کفن نہ گھسیٹنا۔ گورکن نے پوچھا صاحبزادے یہ کون صاحب تھے۔ یامین نے کہا آہ یہ مت پوچھو بس

اتنا جسان تو یہ وہ شخص تھا جسکے دم سے ہماری زندگیاں تھیں۔

جنازہ لحد پہ لاکر رکھا گیا۔ اور اقربا نے مل کر قبر میں اُتارا۔ دوسرا گنبز گلاب کا کفن پہ چھڑک دیا۔ سلیں پٹ گئیں مٹی دینے کے لیے ہزاروں ہاتھ تھے۔ آناً فاناً میں وہ چاند سی شکل روپوش ہوگئی۔ فاتحہ پڑھکر دعاے مغفرت مانگی۔ پھر یہ ہنگامہ منتشر ہونا شروع ہوگیا۔ سب لوگ چلے آئے صرف یا مین رہ گیا اور جو کچھ اُسے یاد تھا پڑھ پڑھ کر ثواب پہنچاتا رہا۔

اکرام اللہ خاں کے گھر میں سے تقریباً سب اصغر کے ہاں جمع ہوگئے صرف سلطان جہاں کو قصداً گھر میں چھوڑ دیا گیا تھا۔ یہ تو ممکن ہی نہ تھا کہ اصغر مرنے کی اُسے خبر نہ ہو۔ چنانچہ اُسکے کانوں نے جب یہ ہولناک خبر سُنی تو دل کا قصر متزلزل ہوکر گر پڑا۔ مگر خوف رسوائی اُسکا گلا گھونٹ کر دردِ دل کے اظہار کا موقع نہ دیتی تھی آنکھوں سے کہدیا تھا کہ خبردار آزمائش کا وقت ہے ایک آنسو نہ گرے۔ لیکن جب گھر خالی ہوگیا اور یہ صرف تن تنہا رہ گئی تو اس نے اپنے بال نوچ ڈالے کپڑے پھاڑ ڈالے چوڑیاں توڑ دیں اور کہا اصغر مجھے خبر نہیں تھی کہ تم میرے ساتھ ظلم کروگے۔ تمھیں یاد ہوگا جب ہم تم ایک مکتب میں پڑھتے تھے اور محبت کا بیج بویا جاچکا تھا تو تم نے ایک دن دیوان حافظ پڑھتے پڑھتے میری توجہ اس شعر کی طرف دلائی تھی۔ ؎

ترا [illegible] یاد مرا آب دیدہ شد [illegible]
ذکر [illegible] شوق [illegible]

تو میں نے کہا تھا کہ عورت کی خلقت میں حیا ہے [illegible] وہ مجبور ہے مگر ساتھ ہی [illegible] بلند [illegible] کی حفاظت کرتی ہے لیکن آج [illegible] گذر [illegible] ہوں کہ وہ حیا جس [illegible]

خاتون کو ناز کرنا چاہیے تم میرے ہاتھوں سے چھین رہے ہو - ہاں میں سمجھ گئی اب تم مجھ سے محبت کا امتحان لیتے ہو مگر میں تو پہلے ہی کہہ چکی تھی کہ سلطان جہاں تمہارے بعد زندہ نہیں رہ سکتی - صرف -

آرزو یہ تھی کہ نکلے دم تمہارے سامنے
تم ہمارے سامنے ہو ہم تمہارے سامنے

ہاں تم تو نہیں مگر دنیا دیکھے گی کہ ایک دوشیزہ لڑکی کس طرح وفا کا امتحان دیتی ہے کس ثابت قدمی سے جادۂ الفت میں گامزن ہوتی ہے لیکن میں جس طریقے سے امتحان دوں گی وہ دنیا سے نرالا ہوگا - تمہاری طرح سے نہیں کہ زہر پی کر یا ہیرے کی کنی کھا کر سو رہوں -

یہ کہنا کو ہکن سے کہ مرنا نہیں کمال
مر مر کے ہجر یار میں جینا کمال ہے

(باقی آیندہ)

مقرب حسین مقرب دہلوی

## مزار غالب

آجکل پھر مزار مرزا غالب مرحوم کی مرمت کے متعلق اخبارات اور رسالہ جات میں مضامین شائع ہونے شروع ہو گئے ہیں اور بعض صاحبان کام کو پورا کرنے کے لیے کتابوں کو فروخت کر کے انکی قیمت میں سے کچھ روپیہ دینے پر آمادہ ہو گئے - چونکہ ہم "تمدن" کو بھی اس نیک کام میں شریک کرنا چاہتے ہیں اسلیے اعلان کرتے ہیں کہ دفتر رسالۂ تمدن کی تو طبع دو کتابیں یعنی اخلاقی ناول سعید - سعادت - (مصنفہ) جناب قاری سرفراز حسین صاحب کی جسقدر جلدیں ماہ اکتوبر و نومبر میں فروخت ہونگی اُن کی قیمت میں سے ۴۰ - فیصدی ہم اس فنڈ میں دینگے سعید کی قیمت علاوہ محصول ۴ر اور سعادت کی قیمت علاوہ محصول ۱۲ر ہے

المشتہر منیجر رسالہ "تمدن" پل جھاؤلال لکھنؤ -

# غزلیات

## حضرت بیباک شاہجہانپوری

مٹا ہے ساتھ مرے دل کے ہر گلہ دل کا | کیا وہ عشق میں قسمت نے فیصلہ دل کا
کچھ اس طرح کی مصیبت ہے جان عاشق پر | اک آسمان ہے گویا ہر آبلہ دل کا
وہ وصل پر نہیں راضی تو خاک ہی میں ملائیں | کسی طرح تو نکل جائے حوصلہ دل کا
طریق عشق میں منزل ہوئی ہے کسکو نصیب | چلا ہے خاک میں ملنے کو قافلہ دل کا
عجیب چیز ہے الفت میں داغ ناکامی | یہی وہ مجکو عنایت کریں صلہ دل کا
وہ لطف ہی نہیں کچھ حال زار ایسا ہے | وہ بات ہی نہیں تھا جس سے ولولہ دل کا
جو سرگذشت شب غم نہوں تو خاک کہوں | شکایت اپنی سمجھتے ہیں وہ گلہ دل کا
یہ کیا بلا ہے الٰہی کہ اب محبت میں | جگر کو ہاتھ لگاتا ہے آبلہ دل کا
جو روز حشر بھی انکار ہو تو یاس نہ ہو | کسی نے کیا ابھی دیکھا ہے حوصلہ دل کا
مٹا سکی نہ یہ دوری نگاہ آخر بھی | وہی رہا دل و دلبر میں فاصلہ دل کا
ہر آرزو نظر آتی ہے جاں بلب شب غم | پڑا ہوا ہے تباہی میں قافلہ دل کا
وہ فرط ضعف ہے قوت خیال میں بھی نہیں | رہا نہ عشق میں اب کوئی مشغلہ دل کا
جو بیقرار اُسے دیکھا تو کچھ نہ بن آئی | خدا سے حشر میں کرنے لگے گلہ دل کا
اثر کی جان ہے گویا فغان بے تاثیر | یہ دیکھیے تو محبت میں حوصلہ دل کا

اگرچہ محو تصور رہوں پھر بھی لب بیباک
بنا ہے چشم تمنا ہر آبلہ دل کا

## حضرت حسرت موہانی

چھپکے چھپکے رات دن آنسو بہانا یاد ہے | ہم کو اب تک عاشقی کا وہ زمانا یاد ہے

لہ بہ تقلید انداز جرات۔

باہزاران اضطراب و صد ہزاران اشتیاق　　تجھ سے وہ پہلے پہل دل کا لگانا یاد ہے
بار بار اٹھنا اسی جانب نگاہ شوق کا　　اور ترا غرفے سے وہ آنکھیں لڑانا یاد ہے
تجھکو جب تنہا کبھی پانا تو از راہ لحاظ　　حال دل باتوں ہی باتوں میں جتانا یاد ہے
جب سوا میرے تمہارا کوئی دیوانہ نہ تھا　　سچ کہو تم کو بھی کچھ وہ کارخانا یاد ہے
غیر کی نظروں سے بچکر سب کی مرضی کے خلاف　　وہ ترا چوری چھپے راتوں کو آنا یاد ہے
آگیا گر وصل کی شب بھی کہیں ذکر فراق　　وہ ترا رو رو کے مجھکو بھی رلانا یاد ہے
دوپہر کی دھوپ میں میرے بلانے کے لیے　　وہ ترا کوٹھے پہ ننگے پاؤں آنا یاد ہے
کھینچ لینا وہ مرا پردے کا کونا دفعتاً　　وہ ترا فرط حیا سے منہ چھپانا یاد ہے
تجھ سے کچھ ملتے ہی وہ بیباک ہو جانا مرا　　وہ ترا دانتوں میں انگلی کا دبانا یاد ہے
آج تک نظروں میں ہے وہ صحبت راز و نیاز　　اپنا جانا یاد ہے تیرا بلانا یاد ہے
میٹھی میٹھی چھیڑ کر باتیں نرالی پیار کی　　ذکر دشمن کا وہ باتوں میں اڑانا یاد ہے
دیکھنا مجھکو جو برگشتہ تو سو سو ناز سے　　جب منا لینا تو پھر خود روٹھ جانا یاد ہے
چوری چوری ہم سے تم آکر ملے تھے جس جگہ　　مدتیں گزریں پر اب تک وہ ٹھکانا یاد ہے
شوق میں مہندی کے وہ بیدست و پا ہونا ترا　　اور مرا وہ چھیڑنا وہ گدگدانا یاد ہے

باوجود شغل پاک آرزو حسرت مجھے
آجتک عہد ہوس کا وہ فسانا یاد ہے

حضرت دل شاہجہانپوری

کیوں جوش فغاں ضبط کے قابل نہیں رکھتا　　ایذا ہے اگر دل صفت دل نہیں رکھتا
جی ڈوب گیا جب یہ حقیقت ہوئی ظاہر　　جس بحر میں کشتی ہے وہ ساحل نہیں رکھتا
لیلیٰ ہی کو بس پردۂ محمل ہو مبارک　　وہ زینت دل حاجت محمل نہیں رکھتا
بیتاب ہے ضبط خلش ناوک قاتل　　یہ دل یہ جگر سینۂ بسمل نہیں رکھتا

ہر وادیِ پُرخار میں تسکین ہے حاصل
پابندِ جنوں حسرتِ منزل نہیں رکھتا

مل جائے اُسے تو یہی بس حسرتِ دل ہے
کچھ اور تمنا ترا سائل نہیں رکھتا

مقتل میں یہ ہے مجمعِ عشاق کا عالم
تلوار کبھی میان میں قاتل نہیں رکھتا

قاتل نے عجب بات کہی چھوڑ کے ناوک
یہ اُسکے مقدر میں ہے جو دل نہیں رکھتا

ہر وقت وہی دھن ہے اُسی کا ہے تصور
یہ عشق کسی کام کے قابل نہیں رکھتا

اُنکے لیے اک کھیل ہے ناوک کا چلانا
سمجھے ہیں کہ پہلو میں کوئی دل نہیں رکھتا

سوز و الم و درد ہی سرمایۂ دل ہیں
میں ان کے سوا اور کچھ اے دل نہیں رکھتا

حضرت محشر لکھنوی

ترا اے چرخ دورِ انقلاب افزا نہیں رکتا
کسی ناکامِ عشقِ دوست کا نالا نہیں رکتا

یہ کن نظروں سے تم نے چاہنے والے کو دیکھا تھا
کوئی محفل ہو یا خلوت کبھی رونا نہیں رکتا

موئے فصاد کو نشترزنی میں مشق کامل تھی
مگر اب رُک کے ہے خون رگِ سودا نہیں رکتا

رُلایا ہم کو جس نے دے وہی تسکیں بھی آکر
وگرنہ زندگی بھر اشکِ غم افزا نہیں رکتا

نہیں رکتا چلا جب کوئی وحشی بزمِ جاناں میں
گذر جائے وہ کچھ بھی روکنے والا نہیں رکتا

اُٹھاتے ہو عبث اے رہروان کوچۂ جاناں
کسی کا اک ہماری ذات سے رستا نہیں رکتا

یہ کہنا چارہ گر کا شرح ہے زخمِ محبت کی
بہت تدبیر کی لیکن لہو دل کا نہیں رکتا

جہاں بیٹھا نیا افسانہ حسن و عشق کا چھیڑا
ہزاروں میں تمہارا چاہنے والا نہیں رکتا

یہ کہتا ہے کوئی درباں سے وقت زینتِ محفل
ارے تجھ سے ذرا سی جان پروانہ نہیں رکتا

حجابِ حشر ہے وسعت تجلی گاہِ جاناں کی
خدائی جمع ہو جانے پہ بھی رستا نہیں رکتا

مقابل عشق کی قدرت کے کیا ہو قوتِ انساں
فرشتے کے بھی روکے تیرا دیوانہ نہیں رکتا

شبِ فرقت میں طولِ غم کی آخر انتہا محشر
سحر ہونے کو آئی اور ترا نالا نہیں رکتا

## حضرت ثاقب قزلباش لکھنوی

سحر فردا میں گیسوئے خوباں دیکھنے والے
ڈرے ہیں مدتوں خواب پریشاں دیکھنے والے

غروب مہر دل کے ڈوبنے کا ایک نقشہ ہے
سحر دیکھینگے اب کیا شام ہجراں دیکھنے والے

ہیں ایسے بھی جو کانٹا پاؤں میں چبھنے نہیں دیتے
انھیں دیکھیں تڑپتے دل میں پیکاں دیکھنے والے

مرے ہاتھوں سے انکے ہاتھ کی قوت زیادہ ہے
نظر دل پر کریں چاک گریباں دیکھنے والے

بہت آسان ہے دل توڑنا ہر برگ گل ترکا
قفس میں جا بسے گلچیں کا داماں دیکھنے والے

میں تڑپوں یا نہ تڑپوں امتحاں میں نت نازک ہے
ادھر دل دیکھنے والا ادھر جاں دیکھنے والے

شہادت گاہ والی اچھی ہے ناکامی کی منزل سے
بہت رو دینگے ہنسکر کوئے جاناں دیکھنے والے

علاج سوز دل اور دو نکے جلنے سے نہیں ہوتا
جلائیں شمع پھر کیا شام ہجراں دیکھنے والے

تمناؤں کی کثرت اک مجھے ہلنے نہیں دیتی
چلے جاتے ہیں محشر کا بیاباں دیکھنے والے

میں وہ آئینۂ عبرت نما ہوں بزم ہستی میں
نظر کرتے ہی ہو جاتے ہیں حیراں دیکھنے والے

مری فرقت کی شب کٹتی نہیں شکوہ کروں کس سے
پڑے سوتے ہیں اس مشکل کو آساں دیکھنے والے

مزار کے دل آفت رسیدہ کی طرح شق ہے
ادھر دیکھیں ادھر ماتم کے ساماں دیکھنے والے

مرا رونا شب فرقت تماشا گاہ انجم ہے
مگر ڈوبیں گے آخر کو یہ طوفاں دیکھنے والے

سپیدی پھوٹ نکلی صبح محشر کی مبارک ہو
بدل لیں کروٹیں اب شام ہجراں دیکھنے والے

نہیں گم ہوں معنی عالم سے تو قاتل چھپ نہیں سکتا
نگا لینگے پتا اسکو پشیماں دیکھنے والے

کہے جائیں وہ پہلا ہے داستاں کا رنگ محفل میں
مری سننے لگے ہیں روئے جاناں دیکھنے والے

دور نزع حسن غیب گل چھپاتا ہی مگر کھلی
اٹک جاتے ہیں یہ داماں یہ داماں دیکھنے والے

شب فرقت کی تاریکی نہ دیکھی ایک نے آ کر
بہت ہیں جلوہ ہائے داغ سوزاں دیکھنے والے

صباح حشر کیا کہنا کہ یکساں کر دیا سب کو
نہیں ملتے مرا چاک گریباں دیکھنے والے

غزال دشت کوسوں دامن صحرا میں تنہا
کہاں تک آ گئے سیر بیاباں دیکھنے والے

فراق خواب بس کر انتظار شوق اب دم ہے
تھکے جاتے ہیں طول شام ہجراں دیکھنے والے

مری میت اُٹھانا ہے تو کوئی یوں ندا کردے | کہاں ہیں آج سیرِ جسمِ بیجاں دیکھنے والے
اکیلا تیرے دروازے کو میں تکتا ہوں اور مجھکو | بہت سے ہیں ترے در پر نگہباں دیکھنے والے
کوئی صحرائے محشر خیز ہوگا دیکھ ہی لینگے | ڈرینگے کیا جنوں فتنہ ساماں دیکھنے والے
ید بیضائے موسیٰ یہ نہیں ہے داغ پنہاں ہے | نظر نیچی کریں جیب و گریباں دیکھنے والے
زبردستی کی رخصت اہلِ دل نشتر سمجھتے ہیں | خود اُٹھے جاتے ہیں دنیا کو مہماں دیکھنے والے
اندھیرا ایک سا تھا زندگی بھی راہ بھولی تھی | چلے آئے لحد تک شامِ ہجراں دیکھنے والے
فتیلوں کی رگوں پر جو گزرتی ہے گزرنے دیں | کھڑے ہوں دور ہی لطفِ چراغاں دیکھنے والے

بیان ماجرائے عشق سے کیا فائدہ ثاقب
یقیں کرتا نہیں کوئی۔ مگر ہاں دیکھنے والے

جناب سراج الحسن صاحب سراج لکھنوی

عذر کیسا خود کرینگے آرزو تعزیر کی | تم ذرا سے پھر کہو ہاں تو نے یہ تقصیر کی
اسطرح خاموش ہے گویا زباں رکتی نہیں | یہ شرارت ہے کہ عادت ہے تری تصویر کی
تم بھی ہم یاس و حسرت دیکھکر غمگیں نہو | دل میں وسعت ہے جگہ ہو جائیگی اک تیر کی
مرنے والا مر گیا اب عذر و حیلہ کیا ضرور | آپ نے تاخیر کی اور جان کرتا خیر کی
موت تک نے قیدِ ہستی سے اُسے بخشی نجات | بیخبر اب تو خبر لے بستۂ زنجیر کی
شیشۂ دل سنگدل سنگِ تغافل سے نہ توڑ | اس پہ آہِ نارسائی بھی تو کیا تقصیر کی
اے خیالِ زلفِ جاناں تا کجا مایوسیاں | کاش کچھ نقطیں ہیں پڑھ لیتا خطِ تقدیر کی
چھانٹ ڈالو اپنا دامن اسقدر غصہ نہ ہو | قدر کیوں کرتے ہو مٹی خاک دامنگیر کی
زلفِ جاناں کا تصور خود ہے زنداں بلا | اس پریشاں خواب کو حاجت نہیں تعبیر کی
اے غزال رم میں اور اس بت میں یہی تو فرق ہے | بات ہی کرتی تو پھر کیا بات تھی تصویر کی

ہائے رے بے اختیاری اُف ری ناکامی سراج
عمر بھر میں آہ بھی اک کی تو بے تاثیر کی

صفر ۱۳۳۵ھ

دسمبر سنہ ۱۹۱۶ء

جلد ۱ نمبر ۶

# تمدن

معاشرتی۔ تمدنی۔ ادبی۔ فلسفی۔ اخلاقی۔ تاریخی اور علمی مضامین کا مخزن

ایڈیٹر ایم اے قاری (علیگ) دہلوی خلف اکبر جناب قاری محمد سرفراز حسین صاحب (علیگ) عزمی دہلوی سیاح جاپان و انگلستان

فہرست مضامین



پبلشر محمد عباس حسین [illegible]

نارودرن انڈیا پرنٹنگ پریس لکھنؤ میں چھپا

پرنٹر نواب علی

قیمت سالانہ ۲ [illegible]

مقام اشاعت پل جھاؤلال لکھنؤ

نمونہ کے پرچہ کی قیمت ۴

# قواعد

(۱) تمدن ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو لکھنؤ سے شائع ہوتا ہے

(۲) ایسے مضامین جن سے اخلاق پر برا اثر پڑے یا ذاتیات سے بحث ہو یا سیاسی پہلو لیے ہوئے ہوں درج "تمدن" نہیں ہو سکتے۔

(۳) مضامین نظم و نثر ہر ماہ کی ۵ تاریخ تک آجانے چاہئیں۔

(۴) جو مضامین کسی دوسرے رسالہ میں شائع ہو چکے ہوں اُن کو "تمدن" کے لیے ارسال نہ کرنا چاہیے۔

(۵) اگر کسی صاحب کے پاس ڈاک خانہ کی غفلت سے اتفاقاً کوئی نمبر نہ پہنچے تو اسی ماہ کی ۱۰ تاریخ تک طلب کریں۔ ورنہ پھر چار آنے کے ٹکٹ آنے پر روانہ ہوگا۔

(۶) ناتمام مضامین "تمدن" کے لیے ارسال نہ کرنے چاہیے۔

تمدن
لکھنؤ

# مذہبی خیال

(۱)

ابتداء آفرینش سے لیکر زمانہ حال تک مذہبی خیال کی تاریخ لکھنے کے لیے ایک مستقل کتاب نہیں بلکہ متعدد مستقل کتابیں درکار ہیں اور کسی نہ کسی حیثیت سے موجود ہیں۔ مگر اس مختصر مضمون میں ایک ایسا خاکہ کھینچنے کی نیت ہے جس سے بادی النظر میں معلوم ہو جائے کہ مذہبی خیالات اور عقائد کی ابتدا کس طرح پڑی اُن میں ترقی اور تنزل کس کس طرح ہوا اور انسانی زندگی پر اچھا یا بُرا کیا کیا اثر پڑا تفصیلی اور طولانی بحثوں میں پڑنے کے بجائے ہم پہلے مذہبی خیال کی حدود قائم کرنا چاہتے ہیں اور وہ مختصراً اور مجملاً حسب ذیل ہیں۔

(ا) ایک ہستی واحد و حی و قیوم کا تسلیم کرنا۔

(ب) اُسے کائنات کا منبع و مرجع ماننا۔

(ج) یہ یقین کرنا کہ اسکا منشاء یہ ہے کہ انسان بیشمار مراحل ترقی طے کرے اور پاکیزگی اور میل جول کے ساتھ زندگی بسر کرے۔
(د) اس سے یہ لازمی نتیجہ نکالنا کہ کسی نہ کسی عنوان سے انسان کو اپنے خالق کے سامنے اپنے اعمال کا حساب کتاب دینا ہے۔ اور یہ چند روزہ دنیاوی زندگی اس سارے ڈراما کا انجام نہیں ہے بلکہ اسکے بعد بھی کچھ اور باقی ہے۔
(ہ) نیز یہ کہ ان سب کا مقصود نجات ہے اور نجات کا مفہوم یہ ہے کہ انسان اپنے انسانی فرائض کی انجام دہی میں پاس ہو جائے یا پاس کر دیا جائے۔
(و) فرائض انسانی کا کماحقہ علم حاصل کرنے اور انپر بخوبی عمل کرنے کی قدرت حاصل کرنے کے لیے صرف انسانی عقل اور انسانی مشاہدہ یا تجربہ کافی نہیں ہے بلکہ ایک طرف تو اس فوق الفطرت ذات کی طرف سے جسکے منشاء کے موافق زندگی ڈھالنی مقصود ہے بین اور روشن ہدایات موجود ہوں اور دوسری طرف کچھ کامل اور معتمد انسان ایسے دکھائی دیں جن کی ذات میں وہ ہدایات عملی طور سے جلوہ گر ہوں اور وہ انسان اوروں کے لیے نمونہ اور مشعل راہ ہدایت ہو سکیں۔

۲- اب ہم مذہبی خیال کی تاریخ پر اجمالی نظر ڈالتے ہیں۔ اور اسکی تقسیم اس طرح کرتے ہیں۔

اولاً۔ فلسفۂ قدیم نے اس پر کیا روشنی ڈالی۔
ثانیاً۔ اُن مذاہب نے اس مسئلہ پر کیا روشنی ڈالی جنکا ظہور اسلام سے قبل ہوا
ثالثاً۔ اسلام نے اسے کہاں تک پہنچایا۔
رابعاً۔ سائنس اور فلسفۂ جدید کی روشنی میں زمانہ کا رخ اب کیا ہے

۳- فلسفۂ قدیم میں یونانی فلسفہ خاص امتیازی حیثیت رکھتا ہے۔ اسمیں مذہبی خیال

کی بنیاد اس سوال سے قائم ہوئی کہ آخر اس کائنات کی جڑ یا اصل کیا ہے جدّ فلاسفہ یونان Thales نے اپنی عمر کا بڑا حصہ ترک و تجرید اور فکر و تفکر میں گذارا اور خیال کیا کہ جو کچھ اس کائنات کی اصل ہوگی وہی خدا ہوگا بہت غور و فکر کے بعد وہ مرد میدان اس نتیجہ پر پہنچا کہ کائنات کی اصل نمی یا پانی ہے۔ اس فلاسفر کے بعد دوسرا فلاسفر Anaximenes آیا اور اس نے یہ رائے قائم کی کہ میرے اندر جو قوت متحرکہ یا روح ہے وہ ہوا ہے اور چونکہ ہوا باہر یعنی فضائے عالم میں بھی موجود ہے اور ہر وقت متحرک ہے اور کل اجزاء کائنات میں ساری اور طاری ہے اور جو ہوا انسان میں ہے وہ ہوا فضائے عالم کی ہوا کا جزء ہے بنا بریں ہوا کائنات کی جڑ بنیاد ہے۔

دیو جانس نے اس نظریہ پر یہ اضافہ کیا کہ روحی ہوا یا ہوائے روحی صرف قوت متحرکہ ہی نہیں ہے بلکہ اسمیں ادراک بھی ہے کیونکہ وہ صرف تحریک ہی نہیں پیدا کرتی بلکہ وہ ہدایت بھی بخشتی ہے۔

Miletas ساکن Anaximinderu نے یہ اعتقاد قائم کیا کہ جو کچھ بھی اصل اوّل ہے وہ ازلی اور ابدی ہے۔

فیثا غورث نے کائنات کلیہ یعنی ہمہ میں اوست کا اقرار کیا۔ اور بتایا کہ وحدت سے کثرت ظاہر ہوتی ہے۔ توحید میں دوئی نہیں سما سکتی۔ ہوائے واحد کے باقی اعداد نسبتی ہستی رکھتے ہیں لہٰذا احد کی شان مطلق ہے۔

Xenafhenu نے کمال ہستی واحد کا سراغ لگایا اور اس عقیدہ کی بنیاد ڈالی کہ خدائے بزرگ اپنی ذات اور صفات میں کامل ہے اس نے یہ بھی بتایا کہ خدا قائم بالذات اور ازلی اور ابدی ہے۔

Heraclitus نے خدا کو آگ سے تعبیر کیا یعنی خیال کہ آگ حیات

اور ادراک کا مظہر ہے۔

Anaxagoras کے بعد Emmeeklus (?) تشریف لائے اور دونوں نے ارشاد فرمایا کہ خدا وہ قوت ہے جو عالم میں نظم و نسخ کرتی ہے۔

سقراط نے خدائے واحد کو سرچشمہ اخلاقِ حسنہ مان کر مذہب اور اخلاق کی بنیاد ڈالی اور افلاطون الٰہی نے اسمیں محبت کی چاشنی ملائی بنابراں اس مشترک تعلیم سے یہ عقیدہ جاری ہوا کہ خدا نہ تنہا اپنی ذات میں نیکی مطلق ہے بلکہ وہ بندوں سے محبت کرتا ہے اور اسکے شایاں ہے کہ بندے بھی اُس سے محبت کریں یہ لب لباب ہے اُس حیرت انگیز عقلی کوشش کا جسکی بدولت فلاسفہ یونان پانی ہوا۔ آگ وغیرہ سے گذر کر خدائے واحد وحی و قیوم تک پہنچے۔

۴۔ اب ہم تعلیم حکمائے ہند پر ایک سرسری نظر ڈالتے ہیں عقائد انسان کی سب سے قدیم محفوظ اسناد وید مقدس ہیں۔ وید مشتق ہے وِد سے جس کے معنے یا دانستن ہے۔ وید کا مفہوم وہ مجموعہ علم و دانش ہے جسمیں اُس کی حقانیت کی شہادتیں خود اُسکے اندر موجود ہیں۔ ویدوں کے متعلق یہ عقیدہ ظاہر کیا گیا ہے کہ وہ ہستی کائنات کے دوش بدوش ہستی رکھتے ہیں اور خود ہستی کائنات کا ظہور کسی ماسبق وید کے اصول و قواعد کے مطابق ہوا۔ وید منتشر تھے اور عرصہ دراز کے بعد ایک رشی نے اُن کو جمع کر کے اُنکی موجودہ حیثیت قائم کی۔ بنابراں جس بزرگ نے انکو جمع کیا اُسکو ویاس یعنی ترتیب دینے والے کا مقدس لقب دیا گیا۔

وید مقدس نے خدائے واحد کی پرستش کی تعلیم کا جو طریقہ اختیار کیا وہ نہایت عجیب و غریب معلوم ہوتا ہے۔ قدیم رشی لوگ قدرت کی طاقتوں مثلاً پانی ہوا۔ آگ وغیرہ کو پوجتے تھے اور بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ انکو علیٰحدہ علیٰحدہ

خدا مانتے تھے مگر نظرِ تعمق سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ ان صفات کو مظہرِ ذات مانتے تھے۔ انسان کے ابتدائی عقائد میں بظاہر ایسے خدا واحدہٗ لاشریک کی گنجائش نہیں معلوم ہوتی جو صفاتِ انسانی سے منزہ ہو۔ بلکہ وید کی عام تعلیم سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عناصر پرستی سے شروع کرکے خدائے بزرگ و برتر کی پرستش تک پہنچ جانا مقصدِ اعلےٰ تھا۔ سورج۔ مینہ۔ آگ وغیرہ کی پرستش ہوتی تھی۔ مگر اسکے ماننے والے لوگ اسی میں سے خدا کا عنصرِ غالب پا لیتے تھے عرصۂ مدید کے بعد وید کی سادہ تعلیم پر فلسفیانہ نظریئے شروع ہوئے جسکے صلہ میں آج ہم وہ قیمتی خزانہ فلسفہ الٰہیات کا پاتے ہیں جنکو اوپانشد کہتے ہیں۔ اپنشد کی تعلیم کو حضرت فلاسفہ ہند یعنی شنکر اچاریہ نے حسبِ ذیل الفاظ میں بیان فرمایا ہے اور دریا کو کوزہ میں بند کیا ہے

"جو لوگ نجاتِ اُخروی کے طالب ہیں اور جنھوں نے لذاتِ فانیہ اور دنیا اور مافیہا سے منہ موڑ لیا ہے اور اس سائنس کو حاصل کیا ہے جسے اوپنشد کہتے ہیں اُن کو جہل اور اُن برائیوں سے نجات ملے گی جو آواگون (تناسخ) کا باعث ہیں کیونکہ اس وقت اُن برائیوں کا قلع و قمع ہو جائے گا۔"

اصول تعلیم اوپنشد عرفانِ ذات باری تعالیٰ ہے۔ منازلِ عرفان بذریعۂ اعمالِ حسنہ۔ مراقبہ و مجاہدہ وغیرہ طے کرائی جاتی ہیں۔ وید اوپنشد اور دیگر کتب کی بنا پر فلاسفہ ہنود کے مشہور و معروف چھ درشن یا شاستر وجود میں آئے جنھیں باعتبار علوِ روحانی سب سے ممتاز ویدانت شاستر ہے جو اپنے لغوی معنوں کی حیثیت سے منتہائے وید ہے۔

یہاں بھی آپ ایک مستقل اور کامیاب کوشش پاتے ہیں جسکے ذریعہ سے انسان کو درخت۔ پتھر۔ سورج ہوا پانی آگ وغیرہ سے شروع کرکے نہ صرف اقرارِ ہستیِ واحدہٗ لاشریک تک پہنچا دیا گیا ہے بلکہ جسکے ذریعہ سے عرفانِ ذاتِ باری

لقائی حاصل کرنا مقصود اصلی معلوم ہوتا ہے سری کرشن جی مہاراج جنکا مذہب ہنود کے اوتاروں مین نہایت ممتاز پایہ ہے اُن کی مقدس تعلیم کا لب لباب اُس نادر الوجود کتاب مین موجود ہے جو ساری دنیا مین گیتا کے نام سے مشہور ہے یہ کتاب نہایت خصوصیت کے ساتھ عرفان ذات کی ہدایت کرتی ہے لہذا یہ نتیجہ نکالنا غلط نہوگا کہ اصولاً ہنود کی روحانی تعلیم کا منشا خدا شناسی تھا اور اس مذہب کے اوتاروں نے بالواسطہ یا بلا واسطہ اسی تعلیم کا رواج دیا - بالواسطہ تعلیم دینے والون مین اُن بزرگ اوتارون کا شمار ہے جنہوں نے خدا کا ذکر کر کے خدا تک پہونچنے کے عقیدے اور اعمال بتائے - بلا واسطہ تعلیم دینے والا وہ مشہور اوتار ہوا ہے جسکا نام نامی ساکھی سنگھ گوتم بدھ ہے - اسکی تعلیم کو بلا واسطہ تعلیم اسلئے کہا گیا ہے کہ اُس نے خدا کا نام تو نہین لیا مگر ایک جید قاعدے اور ضابطہ کے ساتھ تمام تر خواہش جسمانی اور خواہش نفسانی حتی کہ عقل کی بھول بھلیوں اور قلب کی لغزشوں اور لرزشوں غرض سب کا قلع وقمع بتایا ہے اور الف سے لیکر ی تک فنا ہی فنا بتا کر نروان یعنی فنائے ابدی کا سبق پڑھایا -

بدھ مذہب کی تعلیم کے موافق نروان یعنی فنائے ابدی اُس شخص کو حاصل ہوتی ہے جس نے خواہشات جسمانی اور لذات کو بالکل خیرباد کر دیا ہو اور جسکے دل مین رحم اور محبت کے سوا کسی کی برائی کی گنجایش نہو اور جسکی عقل صاف اور پاک ہوگئی ہو - نروان لا محدود ہے - اور حدود عقل انسانی سے ماورا ہے جس دل مین کھوٹ ہو وہ اسے حاصل نہین کرسکتا - نروان سے غیر محدود علم حیات ابدی کا حاصل ہوتا ہے اور یہ علم قیود جسمانی کے ٹوٹنے یعنی موت کے بعد بھی قائم رہتا ہے -

ہم اس سے یہ نتیجہ نکالتے ہین کہ گو الفاظ مین نہ کہا جائے مگر ماسوا کی فنا سے

بقاءِ الٰہی کا دروازہ خود بخود کھل جاتا ہے اور کیا عجب ہے کہ بدھ جی مہاراج کا منشا یہی ہو۔

۵۔ زردشت اور کنفیوشس کی تعلیموں میں جہانتک ہمارا محدود اور ناقص علم رہبری کرتا ہے کوئی ایسا فلسفہ شامل نہیں جسکا موازنہ یا مقابلہ اصولاً فلسفہء یونان یا فلسفہ ہندوستان سے کیا جائے۔ ہم نہایت ہی ممنون ہوں گے اگر ناظرین المذہب میں سے کوئی باخبر بزرگ ان تعلیموں پر روشنی ڈالیں گے کنفیوشس تو غل سنو جی مہاراج کے ایک زبردست اور مقدس مقنن تھے مگر زردشت کی تعلیمات کا امتیازی پہلو قالب انسان کی اُس دائمی کشمکش سے وابستہ معلوم ہوتا ہے جو نیکی و بدی میں امتیاز کرنے اور ایک کو اختیار اور دوسرے کو ترک کرنے میں پیش آتی ہے۔ غالباً زردشت نے ان دونوں قوتوں کو قائم بالذات مانا ہے مگر اُسکی روحانی تعلیم کا انتہا نور معلوم ہوتا ہے اور یہ نور جملہ رزائل نفس وغیرہ کو جلانے اور مثل نار کے ہروقت روشن اور شعلہ زن رہنے سے حاصل ہوتا ہے یا یوں کہیے کہ جس طرح آگ جملہ خس و خاشاک کو جلا کر آپ الگ تھلگ منور رہتی ہے اسی طرح شعلہ صدق و صفا جملہ رزائل کو جلا کر نورِ حقیقی کی طرف ہدایت کرتا ہے یہ شعلہ صدق و صفا جسے ہماری اصطلاح میں عشق کہتے ہیں جملہ متعلقات فانیہ کو جلا دیتا ہے۔ لتقول۔ العشق نارٌ یحرق ما سوا اللہ (عشق ایک آگ ہے جو سوا اللہ کے باقی سب کو جلا دیتی ہے۔)

۶۔ جو کچھ اب تک بیان ہوا اُس سے یہ اخذ کرنا قالباً بیجا نہو گا کہ سالہا سال کی کوشش اور نفس کشیوں نے بہ دنیا نے خواہ عقل خواہ بذریعہ روحانی سے خدا کا پتہ لگا یا۔ اُسے بت پرستی اور مطلق۔ خالق حقیقی۔ ازلی و ابدی مانا۔ اُسکی ذات کو سید و علوم مانا۔ اُسے ہمہ تن نیک محبت والا اور محبت کے قابل سمجھ دیا

میں نیکی اور محبت سے رہنے کے اصول کو تسلیم کیا اور حقوق اللہ اور حقوق العباد کی بنیاد ڈال کر فرائض انسانی کی تقسیم نہیں کی۔ ان کی جن بزرگوں سے یہ علوم پہنچے اور جنھوں نے یہ دشوار گذار راستے انسانوں کو طے کرائے انکی عزت کی گئی۔ کہیں انکو فلاسفر مانا کہیں اوتار کہیں محقق کہیں کچھ کہیں کچھ۔ مذہبی حدود جب انسانیت نفسانیت کو ناکافی سمجھ کر خودی کی جاڑ بندشوں کو توڑتا اور خدا اور خدا والوں کو مانتا انسان نے کچھ نہ کچھ سیکھ ہی لیا۔ اب ہم یہاں سے اُس سلسلۂ تعلیم کی طرف سرسری طور پر رجوع کرتے ہیں جسکی بنیاد فلسفۂ عقلی پر نہیں قائم ہوئی بلکہ جسکے بانیوں کو کسب سے قطع نظر کرکے وہبی طور پر بذریعہ وحی و الہام براہ راست خدائے واحد سے ہدایت حاصل ہوئی جسے اُسنے خود دھوں یہ اپنے ہاتھ سے چھڑکا تک اس سے یہ شور محبت عاشقانہ نذر کر۔ ان تعلیموں کے بانی رسول اور پیغمبر یعنی خدا کے بھیجے ہوئے مانے جاتے ہیں جن کتابوں میں انکی تعلیمیں درج ہیں وہ کتب سماوی کہلاتی ہیں اور ان تعلیموں یا مذہبوں کے پیرو وجدانی طور پر خدا کو مانتے ہیں اور اسکے فضل و کرم کے امیدوار اور اسکی رضا کے خواہاں رہتے ہیں۔ ان جملہ مذاہب کا متحدہ عقیدہ یہ ہے کہ ایک ذات واحد بزرگ و برتر ہے۔ اُسی نے دنیا و مافیہا کو پیدا کیا اور اُسی کے حکم سے ایک دن یہ سب کچھ نیست و نابود ہو جائیگا۔ نیکی خدا کو پسند ہے اور بدی ناپسند۔ پیغمبروں کا اتباع نیکی کو پہنچاتا ہے اور بدی سے بچاتا ہے نیز انسان کو اپنے خالق و مالک کے سامنے اپنے اعمال کا حساب دینا ہوگا اور اُس حساب کتاب کے بعد اُسی کی نظر فضل و کرم کا نام نجات ہے۔

ان مذہبوں کی تقسیم از آدم تا ایں دم اس طرح پر ہے۔

(۱) از آدم تا حضرت موسیٰؑ۔

(۲) عیسویت۔

(۳) اسلام۔

(باقی آئندہ) سرفراز حسین۔ قاری

# احتیاج

منعم ہو یا مفلس احتیاج سب کو ہے پھر کیا بات ہے کہ مفلس ہی محتاج کہلاتے ہیں۔ کیا منعم کو حاجتیں نہیں ہوتیں؟ ان کو تو مفلس سے زیادہ ہوتی ہیں مگر زر کی وجہ سے منعم کی حاجتیں بآسانی بر آتی ہیں اور بے زری سے مفلس کے حاجات مشکل سے بھی نہیں نکلتے۔ اس پر مفلسوں کی کثرت ہے اور اہل زر کی قلت۔ مفلسوں کے یہاں زر کی قلت ہوتی ہے اور اہل زر کے یہاں کثرت۔ مفلسوں کو رفع ضروریات کے لیے بھی زر نہیں ملتا اور منعموں کو رفع ضروریات کے علاوہ رفع خواہشات کے لیے بھی زر کی کمی نہیں۔ منعموں کی حاجتیں زرداری کی وجہ سے نکلتی رہتی ہیں اور مفلسوں کی حاجتیں بے زری اور اہل زر کی بے توجہی سے نہیں نکلتیں۔ منعم مفلسوں کی حاجت روائی پر اپنی خواہشات کی تکمیل کو ترجیح دیتے ہیں۔ ایک منعم دوسرے منعم کی توجہ سے مستغنی ہوتا ہے اور ایک مفلس دوسرے مفلس کی اعانت سے مجبور۔ مفلسوں میں اپنی ڈفلی اپنا اپنا راگ ہے۔ ؎

کون ہے جو نہیں ہے حاجتمند  کس کی حاجت روا کرے کوئی

تاریخی ورق گردانی کیجیے یا صورت حال کو مشاہدہ کیجیے تو غرض مند زیادہ اور بہت زیادہ پائے جاتے ہیں۔ اہل زر کی خود غرضی ان کے لیے اتنی مضر نہیں ہوتی جتنی نو دولتوں کی خود غرضی مفلسوں کے حق میں نقصان بخش ہوتی ہے کیونکہ ایک نو دولت (جو افلاس کی تلخیوں سے واقف ہے) دوسرے مفلس کی دامے، درمے، سخنے، قدمے جیسی اور جتنی اعانت ہو سکے نہ کرے

اور اپنی ہی مطلب براری میں منہمک رہے تو افلاس کی افزونی مفلسوں کو ہمیشہ کے لیے محتاج ہی بنائے رکھے گی۔ دنیا کے کام چلتے ہیں تو کسی کی دولت اور کسی کی محنت سے اور سچ پوچھو تو محنت ہی سے دولت ہے مگر حالت زمانہ یہ ہے کہ منعم مفلسوں سے لاپروا رہتے ہیں اور جو مفلس محنت کر کے دولت کماتا ہے وہ اپنے کو اہل دولت میں شامل کر لیتا ہے اور مفلسوں سے بے پروا ہو جاتا ہے اگر مفلس مالدار بننے پر بھی مفلسوں کو نہ پوچھے تو اہل زر کو حقیقی مسرت نہیں مل سکتی جس کے وہ متمنی اور متوقع ہیں کیونکہ روپیہ سے اگر خزانہ بھرا پڑا ہے تو وہ روپیہ انسان کو کوئی آرام نہیں پہنچا سکتا جب تک اس کا مصرف انسانی محنتوں مشقتوں اور انسانی ریاضتوں کی شکل میں نہ حاصل کیا جائے۔

منعم تو زرداری کے نشہ میں اپنے ہی عیش و صلاح حال میں منہمک ہیں لیکن اگر مفلسوں پر نظر ڈالیے تو وہ بھی اپنے ہی صلاح و فلاح کی فکر میں مصروف ہیں۔ اسی نااتفاقی و خود غرضی کی بدولت افلاس و فلاکت ایک بڑی جماعت کی جماعت کو احاطۂ تنزل سے آگے قدم بڑھانے نہیں دیتی۔

منفردہ کوشش فلاح نہ ایک فرد ہی کو آرام پہنچاتی ہے نہ اور افراد کے ہی کچھ کام آتی ہے غرض خود غرضی و نااتفاقی کی وجہ سے محتاجی ایک عالمگیر مرض متعدی ہے تو اب اس مرض کے دفعیہ کی کیا تدبیر ہے؟ کیا اسکو معاملۂ تقدیری سمجھ کر خاموشی اختیار کی جائے؟ نہیں یہ تقدیری معاملہ نہیں ہے۔ اس میں خاموشی اختیار کرنی گناہ ہے! تدبیر کے ہاتھ میں بہت سے کام ہیں۔ تدبیر کرنی چاہیے اس میں خاص لوگوں کی توجہ اور عام لوگوں کی کوشش چاہیے۔ پھر اس کا فائدہ خاص و عام سب کو پہنچے گا۔ اتفاق میں

عوام کے ساتھ خواص شامل نہ ہوں تو کچھ زیادہ نفع کی توقع نہیں ہو سکتی۔
نیز دوسرے کی ممکنہ اعانت کی جائے تو محتاجی کی یہ حالت نہ رہے۔ خود غرضی
اپنی جگہ ہمدردی کی حاجت ہے !! دوسروں کی حاجت روائی کے ضمن میں اپنی
حاجت برآری عمدہ بات ہے اور اس طرح کی حاجتیں اچھی طرح پوری بھی
ہوا کرتی ہیں۔ لوگ اس بات کو سمجھیں کہ بنی نوع انسان کے ساتھ احسان اپنے
حق میں احسان ہے مگر لوگ اسکو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے اور اپنی ہی فکر
میں لگے رہتے ہیں اس لیے اُن کو اپنی حاجت براری میں بھی دقت ہوتی ہے
اور دوسروں کی احتیاج بھی باقی رہتی ہے۔ کیا یہ اچھی بات نہیں ہے کہ
اپنے ساتھ دوسروں کا بھی کام نکلے؟ جس طرح لوگ دوسروں کے کام پر
اپنے کام کو ترجیح دیتے ہیں اور دوسروں کا کام جبراً رکوا کر کام نکالتے ہیں
اس طرح دوسرے اس فکر و تردد میں رہیں گے کہ نکلا ہوا کام دوسرے ہی پر
منتقل ہو جائے اور نا اتفاقی سے ہوتا بھی یہی ہے اور نتیجۃً محتاجی بدستور
قائم رہتی ہے۔

احتیاج باقی نہ رہنے کے لیے اتفاق کا ہونا لازمی ہے اور اتفاق کے
لیے ہمدردی۔ جو لوگ آسایش و آرام میں ہیں وہ مصیبت زدہ اور غرضمندوں
کے حالات پر مطلق غور نہیں کرتے۔ اس سے زیادہ قابلِ افسوس بات یہ
ہے کہ جو لوگ مصیبت کے بعد راحت پاتے ہیں وہ بھی اپنے مصیبت زدہ
بھائیوں کو بھول جاتے ہیں اور ان سے غافل رہتے ہیں اس کا نام بیدردی
ہے۔ یہ طے شدہ مسئلہ ہے کہ دنیا میں شادی و غم توام ہیں رنج کے ساتھ
مسرت ہے تکلیف کے ساتھ راحت ہے عسرت کے ساتھ یسر ہے لیکن
یہ ضرور نہیں کہ ایک کے ختم ہونے کے ساتھ ہی دوسرے کا دورہ ہو ہم نے

دیکھا ہے کہ اگر خوشی کا دورہ ہے تو وہ ایک عرصہ تک رہا ہے اور اگر
کوئی مصیبت کا شکار ہوا ہے تو اُسکا بھی تا تمنا ہی سلسلہ برسوں تک چلا ہے
بسا اوقات یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ صورت ثمانیہ سے نجات ہی نہیں ملی۔
اور دم واپسین تک انسان اسی مصیبت میں مبتلا رہا۔ لہذا اگر مرفہ الحال لوگ
ضرورتمندوں کی تکلیف و رنج کا احساس کریں اور وقت پر اعانت کو دریغ
نہ کریں تو اگر غم سے بالکلیہ نجات نہ ہو تو کم از کم تھوڑا بہت دکھ تو کم ہو جائے
احتیاج سب کو ہے اور دنیا کے کل کام ایک دوسرے ہی کی مدد سے
چلتے ہیں۔ اگر کوئی اپنے کام ہی سے کام رکھے تو دوسرے کو کیا پڑی ہے
کہ اس کو آرام پہنچائے خود غرضی کی وجہ سے زبردست کام تو نکل جاتا ہے مگر خاطرخواہ
آرام خود غرض کو میسر نہیں ہوتا ایک دوسرے کو آرام نصیب ہونے کے لیے ہمدردی
کی قطعی ضرورت ہے۔ ایک حاکم ہمدرد ہوگا تو محکوم بھی اطاعت و ہمدردی سے
اُس کی خدمت کریں گے جس سے دونوں کو آرام حاصل ہوگا۔

خود غرضی ایک طرح کا ظلم بلکہ دوسروں کے حقوق کا خون ہے اور یہ ایسا عام ظلم
ہے کہ بیشمار اشخاص رات دن لوگوں کے حقوق کے خون میں اپنے ہاتھ رنگے جاتے ہیں
اور پھر اپنے فعل کو ظلم نہیں سمجھتے اور یہ مسلم ہے کہ ظلم نہایت ہی برا فعل ہے منطق
صغریٰ و کبریٰ سے اس مسلہ پر اس طرح سے روشنی ڈالی جا سکتی ہے :۔

صغریٰ۔ خود غرضی ایک طرح کا ظلم اور اتلاف حقوق ہے۔

کبریٰ۔ ظلم اور اتلاف حقوق نہایت عیب اور مضرت رسانی ہے۔

نتیجہ۔ خود غرضی نہایت عیب اور مضرت رسانی ہے۔

لہذا جب یہ امر مسلم ہو گیا کہ خود غرضی ایسی بری چیز ہے جس سے حقوق العباد
تلف ہوتے ہیں تو پھر خود غرض انسان اس گناہ سے کیونکر بری الذمہ ہو سکتا ہے

خود غرضی کے ظلم سے لوگ کامیاب کس طرح خوش و خرم رہ سکیں گے۔ اسی ظلم کی وجہ سے کثیر التعداد بندگان خدا کی محتاجی کا سلسلہ جاری رہتا ہے چونکہ خود غرضی میں بیدردی ہوتی ہے اس لیے خود غرضوں سے کام نکالنے میں محتاج کو بڑی بڑی تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اُس وقت وہ اپنے کو نہ صرف محتاج ہی سمجھتا ہے بلکہ محتاجی کی بدولت تمام عیوب سے متصف بھی ہوجاتا ہے اسی سبب سے کہا گیا ہے کہ ؎

آنکہ شیراں را کند روبہ مزاج　　احتیاج است احتیاج است احتیاج

فی الحقیقت محتاجی بڑی ذلت ہے۔ احتیاج کے وقت انسان کے کمال پر تاریکی کے پردے پڑ جاتے ہیں۔ وہ آفتاب ہو تو ذرہ ہو جاتا ہے یہ احتیاج اُن کے لیے مخصوص ہے جو محتاج کہلاتے ہیں ورنہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے احتیاج اسکے خلاف بھی اثر کرتی ہے غرض محتاجی کے عجب کرشمے ہیں ہاں احتیاج کے اثرات سے وہ حضرات متاثر نہیں ہوتے جو راضی بہ رضا شاکر و صابر اور اہل اللہ کہلاتے ہیں۔ یہ لوگ اللہ کے محتاج ہوتے ہیں خدا ان کی حاجتوں کو بر لاتا ہے اور غور کر کے دیکھو مفلس ہوں یا منعم سب فقیر و محتاج ہیں۔ دنیا میں جس طرح مُنعم کم ہیں اور مفلس زیادہ۔ اسی طرح اچھے لوگ بہت کم ہیں اور بُرے زیادہ اور پھر اچھوں میں اہل اللہ بہت کم گویا شاذ و نادر ہی ہوتے ہیں۔ یہ لوگ خدا کی عبادت اور اُس کے واجب الاطاعۃ احکام کو اپنا فرض سمجھتے ہیں اسی لیے وہ اپنی ضروریات سے مستغنی ہوتے ہیں اور وہ لوگ خوب سمجھے ہوئے ہیں کہ ؎

کارساز ما بہ فکر کار ما　　فکر ما در کار ما آزار ما

بحث تو اُن لوگوں سے ہے جو معاملات دنیوی میں اپنا زیادہ وقت

صرف کرتے ہیں جن کو دین سے زیادہ دنیا ہی کی فکر ہوتی ہے۔
سے اُٹھ جائے یا کم از کم اُس میں ایک نمایاں تخفیف ہو جائے
بے دردی پر غالب آجائے تو دنیا میں احتیاج کے سامانات
نہ اُٹھانی پڑیں جتنی محتاجوں کو اُٹھانی پڑتی ہیں۔ ہمدردی
کے لیے درستی اخلاق کی ضرورت ہے جو شخص عقل سلیم رکھتا ہے
سمجھتا ہے کہ اچھی باتیں ضروری ... ہوتی ہیں
اعراض کر کے مضر امور کی طرف رغبت ... عالم
نہیں ہے۔ عالم و عاقل وہ ہے جو خود بھی ... اور دوسروں
ورنہ جاہل و ناداں تو نہ خود آفت سے بچ سکتا ہے نہ دوسروں کو بچا سکتا
اگر جاہل زردار ہو اور ایک عالم بے زر ہے تو عالم
و احتیاج لے کر جائے گا۔ اس وجہ سے کہ وہ زر کی قدر و منزلت سے خوب
واقف ہے کیونکہ اس سے تمام دنیوی کام انجام پاتے ہیں
کے یہاں علم کی دولت حاصل کرنے کے لیے اس ... جاتا
اپنے جہل کے باعث علم کی فضیلت سے ناواقف ہوتا ہے
اور ضرورت کے لحاظ سے تکلیف برداشت کا باعث ہوا کرتی ہے۔ اگر
صابر و قانع اور خوددار ہو تو اپنی حاجت
افسوس ہے کہ بہت سے لوگ احتیاج کے وقت
مفلس ہو تو منعم کی خوشامد کرتے کرتے زبان خشک کر لیتا
جاہل کی منت کرتے کرتے اپنے آپ کو ذلیل
خوشامد گر دکھے سامنے زانوے ادب تہ کر کے بیٹھنا ہے مرد
عورت کے آگے نامردی کا شیوہ اختیار کر لیتا ہے۔ پھر بھی نہ

[illegible] ہوتی ہے اور نہ عزت ہی باقی رہتی ہے۔ ع

بات بھی کھوئی التجا کر کے

محتاج ہو تم اپنے کو [illegible] کہ تم میں جوہر کمال لیا ہے اور احتیاج اس بات [illegible] کمال اعلیٰ ہے اور احتیاج ادنیٰ۔ تو ادنیٰ احتیاج کے لیے اپنے جوہر کمال کو [illegible] ذلت میں نہ ڈالو۔ اپنے گوہر کمال کو کوڑیوں کے مول [illegible] اپنے کمال کی کساد بازاری [illegible] بہت گراں بہا ہے اور عقیل و فہیم لوگ اسکو ہمیشہ [illegible] کمال کی بدولت تم اس قابل ہوگئے [illegible] نظروں میں اپنے آپ کو میں [illegible] کو کم [illegible] تمہاری خواہشیں پوری ہوں نہ ہوں مگر اپنی [illegible] محافظ رہو۔ تمہاری ضروریات وہی [illegible] نے تمھیں اس مرتبہ پہ پہنچایا ہے۔ عزت کا بے بہا [illegible] دولت [illegible] تم اہل جوہر و اہل کمال ہو اس لیے تمہاری [illegible] تک ہے۔

[illegible] تم کو ایک بڑی نعمت دی ہے جو تمھیں مبارک [illegible] نعمت کے شکریہ میں تم کو چاہیے کہ خدا کے بندوں کو [illegible] آرام سے محروم نہ رکھو اور خدا کے احکام پر عمل کرو۔ اگر [illegible] اس طرح کے سلوک میں ہم بھی محتاج ہوجائیں گے تو خدا کے [illegible] تمہارا ایک حیلہ ہوگا جسکے جواب دہ تم خود ہوگے۔

[illegible] بشنو [illegible] گفتگو سے می کنم

ہوش بلگرامی

# عشق حقیقی

ایک ہے اے غافلو وہ پاک یزداں ایک ہے — خالق ارض و سما و جن و انساں ایک ہے
بالیقیں بے مثل و یکتا واحد اُسکی ذات ہے — بزم کثرت میں بھی وحدت سے عیاں کیا بات ہے
ہاں وہی قابل عبادت کے ہے وہ معبود ہے — آستاں پر اسکے سر خم ہو وہی مسجود ہے
جسم میں کون و مکاں کے جان عالم جان ہے — ان بتوں میں بھی اسی کافر ادا کی شان ہے
برگزیدہ بندگانِ حق کا دامن تھام لے — وہ تو ساقی ہیں مے وحدت کا اُنسے جام لے
رہبر کامل ہیں وہ اُنکے موافق کام کر — چھوڑنا ہرگز نہ غافل اُنکا دامن تھام کر
چھوڑ دے لذاتِ انسانی نہ تو گمراہ ہو — چاشنیِ بادۂ وحدت کی دلمیں چاہ ہو
سامنا رحمت سے اسکی بعد مرگ اے یار ہے — دوزخ و جنت کی ہستی سے عبث انکار ہے
اسقدر وابستگی نقش و نگار دہر سے — باز اے غافل تو نہیں ڈرتا خدا کے قہر سے
دیکھکر صنعت کو صانع کیوں نہ یاد آیا تجھے — حسن دنیا سے دو روزہ کس طرح بھایا تجھے
ہیچ ہے عشق حسیناں جہاں سب ہیچ ہے — زلف پیچاں کی گرہ مت کا تیری پیچ ہے
دور کر دل کی سیاہی جلد غافل دور کر — شمع وحدت سے تو اپنے قلب کو مسرور کر
نور عرفاں ڈھونڈ اب چاہ ضلالت سے نکل — خواہش پاکیزگی ہے تو کثافت سے نکل

عشق مولا چاہیے یا وصل مولا چاہیے
جب خدا ہی مل گیا باسط تو پھر کیا چاہیے

**ماسٹر باسط بسوانی**

# مغنیّہ

ہم ذیل میں حضرت "رجائی" کا مضمون اور اُن کے خط کا ایک حصہ "مغنیہ ہم" اور "نسائی" کے مضامین کے جن سے حضرت "رجائی" کے مضمون کا بہت کچھ تعلق ہے ناظرین "تمدّن" کی ضیافت طبع کے لیے درج کرتے ہیں اور حضرت "رجائی" کی اس سبک قلمی کی داد دیتے ہیں جس نے انھیں چھ برس میں اس مضمون کو ختم کرنے میں مدد دی۔ ایڈیٹر

"آپ کا تقاضا کہ مضمون بھیجو اور میں مضمون لکھنے کے ناقابل تاہم تعمیل ارشاد میں ایک مضمون جسے میں نے مخزن میں دو مضمون دیکھنے کے بعد تقریباً چھ برس ہوئے شروع کیا تھا ختم کر کے بھیجتا ہوں چونکہ میرا مضمون بغیر اُن ہر دو مضامین کے بالکل ناممکل ہوگا اس لیے پہلے انھیں نقل کرتا ہوں۔ "رجائی"

## آہ یہ نظریں

(ایک ہندوستانی مغنیہ کو)

تھکی ہوئی تمام شب ہائے عشق کی بقیہ مسرت مخمور سے تھکی ہوئی نظریں! تیری آنکھوں سے جو سرمست وشیدا اور پرلطف دقیقے دینے کے وعدے کرتی ہیں' ان آنکھوں سے نکلنے والی ہلکی نظریں!

ان سیاہ آنکھوں کی سونے تیلیوں میں ایک ایسا مبہم اشارۂ دعوت پاتا ہوں کہ میری روح ان نیوتوں کو دیکھ دیکھ کے سرمست لرزنے لگتی ہے۔

جب تک کہ تیرا لطف خریدا جاتا ہے تو چاہتی ہے کہ تیری ادائیں جتنی اونچی ہو جتنی چاہئے اونچی بن حسیر الحصول نظر آئیں بھی اک پوری رات' اک لمبی رات' تیرے یاسمینی سینے میں گذارنا چاہتا تھا' مگر میرے شوق میری آتش اشتیاق کو جو تیرا کل وجود و روح چاہتی ہے' تیری بے ہیجانی تیری بے حرارتی' تیری بے محبتی زائل کر دیتی ہے' بجھا دیتی ہے۔

تیرے چاہنے والے جو تیرے دل تک ذرا نہیں پہنچ سکتے' جو پیسہ دے کر تجھ تک پہنچتے ہیں' انکے لیے تیرے نغمے کس قدر بار' تیرا اظہار شوق کس قدر جھوٹا' اور تیرا گلے ملنا کس قدر بے استکراہ' تیرے بوسے کس قدر پھیکے اور سست ہیں

یہ جانتا ہوں مگر پھر بھی! یہ آنکھیں' یہ سیاہ آتش سے بھڑکنے والی سیاہ آنکھیں!

اور اُن کی متلاشی ظلمتیں جو تجسس معلوم ہوتی ہیں یہ خانماں سوز متانت ہیں۔ ان کی تپش میں جب میں اپنے تئیں پاتا ہوں تو میں بھی یہ چاہنے لگتا ہوں کہ چاہے کچھ ہو میں بھی ان آنکھوں کی ظلمتوں میں ڈوب جاؤں، میں بھی اس آتش سے اپنے تئیں جلاؤں، ایک رات تو ان آنکھوں سے سرمست آلام ہوں۔

اور اگر تو کہیں اصلی محبت کرے، اُف! کہیں تو اک ذرا چاہے۔ اُس وقت دیکھتی ہو اُس وقت کے سوچ کے اور اپنے پر نظر ڈال کے، اپنی روح کو دیکھ کے، میں اس طرح ڈرنے لگتا ہوں جس طرح اک پُر طوفان رات کی پُر شور تاریکی سے کوئی ڈرے۔

نہیں، نہیں، جا، جا، میں نہیں چاہتا۔ اور اپنے ساتھ اپنی اُس آواز کو بھی لیجا جو میری روح کو زیر و زبر کر رہی ہے، اور اُس تھکے ہوئے نشے کو بھی ساتھ لے جا جو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی محترص بغلگیری سے حاصل ہوا ہے۔

اتنی دور جا کہ تیری آواز کو، تیرے گانے کو نہ سُن سکوں، تجھے نہ دیکھ سکوں۔ اور تو بھی اے موسیقی، آہ! اے موسیقی، تو بھی چپ ہو جا۔ وہ غزل نہ گا، وہ راگ نہ گا، جو مجھے زندگی کی سب سے بہتر اک رات کی یاد دلاتا ہے۔ اُن حرارتوں کو، اُن شعروں کو جو میری روح میں مستور ہیں، بحران و ہیجان نہ دے۔

کیونکہ میں خود اپنے سے، اپنی طاقت تحمل سے شبہ کرنے لگا ہوں، کیونکہ میں ڈرنے لگا ہوں کہ میں اس عورت کے لیے سب کچھ کر گذروں گا۔ میں ڈرتا ہوں کہ میں اپنی متانت کھو بیٹھوں گا، اپنی سلامتی، اپنی انسانیت جسے میں اب تک قائم رکھ سکا ہوں، ہاتھ سے دے بیٹھوں گا

چپ رہ، دیکھ میں کانپ رہا ہوں، دیکھ میں مرا جا رہا ہوں۔

یلدرم

# مجھے دیکھا کیوں

(ایک ہندوستانی مغنیہ کی طرف سے)

آہ! یہ نظریں! بس لکھنے والے سے خدا ہی سمجھے۔ اس سے تو میں اندھی ہوتی کہ نہ کوئی صاحب میری نگاہوں پر فریفتہ ہوتے اور نہ یوں بھگو بھگو کر لگاتے۔ شکوہ شکایت تو آگے چل کر ہوگی جناب پہلے تو یہ بتائیے کہ آپ نے مجھے دیکھا کیوں۔ یہ وعظ و نصیحت منظور تھی تو آپ نے اس طرف رُخ ہی کیوں کیا

پھر پوچھتی ہوں بینت سے پوچھتی ہوں۔ کہ آپ نے مجھے دیکھا کیوں کاش مجھے یہ اختیار حاصل ہوتا کہ پوچھتی آپ نے ۔ مجھے ۔ دیکھا ۔ کیوں ۔ شاید مجھے شکریہ ادا کرنا چاہیے کہ آپ نے میری آنکھوں کو دیکھا اور تعریف کی ۔ مگر صدمہ تو اس بات کا ہے کہ آپ نے میرا دل نہ دیکھا۔ اُس کے زخم نہ دیکھے اُس کا جنازہ نہ دیکھا ۔ اُس کی بے نشان قبر نہ دیکھی ۔ اور تو اور اُسکے دوامی عرس کا جو زندہ اشتہار ان کالی کلوٹی آنکھوں میں تھا ۔ اُسے بھی نہ دیکھا ۔ حیف ! حیف !

جی ہاں "شب ہائے عشق کی بقیہ مسرت مخمور سے تھکی ہوئی نظریں" سبحان اللہ کس قدر اچھا کہا ہے ! پھر فرمائیے گا "مسرت مخمور" اس خوشی کا نشہ کہ جو بیدرد نکتہ چین ۔ آوارہ فراج ۔ خدائی خوار "زہر مخورم" کی ضرورت سے "آئیے" "بیٹھیے" "خوب" "بہت خوب" "سبحان اللہ" "واہ واہ" کہیں ! مجھ بدنصیب کی خوشی اور وہ بھی مخمور کر دینے والی خوشی کا اندازہ کس قدر صحیح کیا گیا ہے بس مجھے کچھ اور کہنا نہیں بھر پائے۔

"میری سیاہ آنکھوں کی سونی ان ظلمتوں میں اک مبہم اشارہ دعوت پایا!" ٹھیک پایا ۔ میں بلاتی تھی کہ کوئی آئے اور میری بیکسی کو دیکھے میری بے بسی پر رحم کھائے ۔ میرے زخم جگر پر مرہم لگائے مجھے اس قعر بدنامی سے جو عورت کے لیے موت سے بدتر ہے نکالے ذرا سا سہارا ہی دیدے ۔

مگر میری تقدیر دیکھنے والے کی روح ہمدردی سے بیچین ہونے کے بدلے "حرص سے لرزنے لگی" اور طرہ یہ کہ یہ بھی میرا ہی قصور ہے سچی بات آدھی لڑائی ہوتی ہے ۔ میں بھی لڑتی ۔ مگر چپ ہوں اور دل کو مار لیتی ہوں ۔ کہ جی ہاں "ہر لطف خریدا جا سکتا ہے" اور اسی سبب سے دیکھنے والے کا سارا شوق بجھ جاتا ہے ۔ میری "بے ہیجانی" "بے حرارتی" "بے محبتی" اسے زائل کر دیتی ہے ۔ "بجھا دیتی ہے"

اسے بھی جانے دیجیے ۔ غضب تو یہ ہے مجھے بالکل مردہ سمجھ لیا ۔ میرا اظہار شوق جھوٹا؟ میرا گلے ملنا پر استکراہ؟ میرے بوسے تھکے ہوئے اور سست" پیارے دیکھنے والے برائے خدا دو چار گالیاں اور دیدو ۔ کوئی ارمان باقی نہ رہ جائے ۔ فرمائیے ۔ تیرا مرنا شعبدہ روحانی ۔ تیرا جنازہ ایک خالی پچاند ۔ تیری قبر نقشی پیرس کا گڑھا ۔ تیرا حشر نشر بیرد بینیے [illegible] ۔

افسوس !! افسوس !! ۔ مدت بعد ایک شخص ملا ۔ مگر راز دل سے نا آشنا !

لائق مدیرم بہت کچھ کہنے کو جی چاہتا ہے ۔ مگر مایوسی کہتی ہے ۔ صبر کر خاموش ہو جا کیونکہ

آپ اس قدر بیزار ہوئے کہ ذرا سی دیر میں دور دور کرنے لگے۔ میں بھی مردود۔ میری آواز بھی مردود۔ میرا انگا نغمہ بھی مردود۔ اور میرے ساتھ موسیقی اور شاعری سب مردود۔ بڑے سنگدل ہو! شاید یلدرم کے معنی ہی سنگدل کے ہوں۔

اچھا اے کل یلدرمو۔ (آج سے میں ہر سنگدل مرد کو یلدرم کہا کروں گی) سنو۔ گوش ہوش سے سنو کہ میں کون ہوں۔ میری حالت کیا ہے اور کس کس کی گردن پر میرا خون ہے۔ پہلا گناہ میں نے یہ کیا کہ عورت بن کر دنیا میں آئی۔ بدظنی کا آماجگاہ بنی۔ رقابتوں کا مرکز ٹھہرائی گئی۔ یہ سب میرا قصور ہے۔ مرد کا اس میں قصور نہیں ہے! بدصورت ہوتی تو یہی نیک سیرت مرد زندہ درگور کر دیتے۔

اب جو خیر ذرا چار آدمیوں میں بیٹھنے کے قابل ہوں تو میری کیا کیا ہجو کی جاتی ہے۔ نظریں تو نظریں گلے ملنے اور بوس و کنار تک کے طعنے دیے جاتے ہیں۔ میں گانا نہ سیکھتی کہ مغنیہ ہوتی اور نہ مردوں میں بلائی جاتی۔ مگر کیا میں نے اپنے شوق سے ایسا کیا؟ کیا مردوں کے دلی جذبات کی طلب صادق نے مجھ میں یہ حس پیدا نہیں کی؟ اے اہل دل مرد کیا اسے بھی میں اپنا ہی قصور تسلیم کروں؟ اور ہو مجھے اب اپنا اصلی قصور معلوم ہو گیا۔ عورت بھی ہوتی خوبصورت بھی ہوتی گانا بھی سیکھتی۔ مردوں سے بھی ملتی۔ مگر اپنا دل نکال کر پھینک دیتی ہے۔

ورنہ میری "بے حرارتی" "بے محبتی" وغیرہ کی کیوں شکایت ہوتی بات یہ ہے کہ سب سے زیادہ ظلم عورت پر اور اس کی غنائی ہستی پر تقدس نما لوگوں کی طرف سے ہوا۔ انھوں نے خدا کا تو یقین کیا۔ مگر خدا کے بعد جیسا کہ حق تھا۔ عورت کا یقین نہ کیا۔ اکثروں کو بند کر کے انکی زندگی بے مزی کر دی اور انکے اور علم موسیقی کے درمیان ایک ایسا وزنی اور موٹا پردہ حائل کر دیا۔ جو نہ اٹھائے سے اٹھے نہ پھاڑے سے پھٹے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ آج میں ہوں اور میرا بدنام فرقہ ہے۔ ہمارے کلیجے ہیں اور یلدرموں کے تیر۔

ہم بھی انسان تھے۔ ہم بھی دل رکھتے تھے۔ یوں بارہ پتھر باہر نہ کیا جاتا تو ہم بھی گھروں کی بستی ہوتے۔ مردوں کے تنگ ما رہوتے۔ ہم میں بے حرارتی۔ اور بے محبتی نہ ہوتی۔ ہمارا اظہار شوق جھوٹا نہ ہوتا۔ حیف اب ہمیں لوگ دیکھتے ہیں تو کس کس نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اس وقت دیکھتے تو ضرور یوں دیکھتے۔ ع

دیکھنے کا تو مزہ یہ ہے سراپا دیکھے
دیکھکر پاؤں ترا منہ نہ کسی کا دیکھے

دیکھو مسٹر بلیدم۔ ایک نصیحت میری مانو۔ آج سے کسی [illegible] کو نہ دیکھنا اور یہ سزا اس قصور کی
ہے کہ آپ نے مجھے دیکھا کیوں۔ "بقلم نسائی"

# ہاں دیکھا

([illegible] ہندوستانی [illegible])

[illegible] کی طرف سے

ہاں دیکھا۔ تم کو دیکھا۔ [illegible] آنکھوں کو دیکھا۔ آنکھوں کی تعریف کی۔ کوئی گناہ کیا؟ اگر کیا تو اس [illegible] سزا تم نے تجویز کر دی۔ اس کا خمیازہ کیا نہیں بہت سی راتوں کو بھگتنا پڑا۔ تم کہتی ہو کہ "لکھنے والے سے خدا ہی سمجھے" میں کہتا ہوں "مجھے دیکھا کیوں" کہنے والے کو خدا انصاف دے۔ تم پوچھتی ہو "مجھے دیکھا کیوں" میں [illegible] پوچھتا ہوں تم نے مجھے دیکھنے کو کیوں دیا؟ کیوں تم نے مجھے دیکھنے کے لیے دعوت دی؟ اور مجھ سے کہا کہ دیکھو سنو مسرور ہو۔ اس پر میں نے دیکھا تو چند روز گزرتی ہے "مجھے دیکھا کیوں" میں نے دیکھا۔ ہاں دیکھا۔ یہ بتاؤ کہ تم نے ہوائی نظروں سے میری نظروں کا استقبال کیوں کیا؟ اگر کیا تھا اور یہ چاہا تھا کہ میں تمہیں دیکھوں اور تم اپنی ہوائی نظریں ڈال کر مجھے پریشان کرو تو پھر یہ سوال کیسا؟ کیا یہ انصاف ایسی اجازت دیتا ہے؟ مگر انصاف کی کیا بات [illegible] انصاف تمہاری سرشت میں نہیں۔ انصاف کی پرچھائیں تمہارے سایہ تک سے بھاگتی ہے۔ اچھا انصاف نہیں رحم۔ واہ رحم کیا کبھی کسی مغنیہ نے رحم کیا ہے؟ ہاں نہیں برباد۔ گھر بار تباہ۔ کن لوگوں کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ خاندانی عزت۔ دولت عزت کی تباہی کون لوگ کونا پکڑ کر لٹ دیتے ہیں۔ تم "تم"۔ اس لیے رحم کا بھی گذارہ نہیں۔ خیر اب میں تمہاری ہی بنی دیتا ہوں تمہیں بتاؤ جو کچھ تم نے لکھا وہ سچ تھا یا جھوٹ؟

تم کہتی ہو کہ شاید مجھے شکر ادا کرنا چاہیئے کہ آپ نے میری آنکھوں کو دیکھا اور تعریف کی ماشاءاللہ کیا بھولا پن ہے۔ جی نہیں تم کو تو شکوہ شکایت کرنی چاہیئے تھی اور تم نے کی ہی۔ یہ میں کیا کہوں کہ تم کو کیا چاہیئے تھا اور کیا کیا۔ مگر تم کہتی ہو کہ آنکھیں دیکھیں میرا دل نہ دیکھا۔ جی ہاں آنکھیں دیکھیں دل کیا دیکھیں وہ دل جس میں سیکڑوں ہزاروں کی خود مطلب اور خود غرض محبت کے تابوت رکھے ہیں جن میں سے گو ہر ایک جدا گانہ رنگ کا ہے مگر جن سب کی کشش ایک مقصد کی طرف ہے جب ضرورت ہوتی ہے تو جس تابوت کو آپ کے حضرت دل ٹھوکر لگا دیتے ہیں اُس میں سے آہ و بکا کی سُریلی آواز نکل کر حشمت آود دیویوں کو حکم دیدیتی ہے اور آپ کا خود غرضانہ کام بن جاتا ہے۔ جب آپ کے حضرت دل چاہتے ہیں تو کسی تابوت کو چھیڑ دیتے ہیں اور اُس تابوت والے سے سب کچھ اُٹ کرا لیتے ہیں اور اُسکی نعش کے لیئے تابوت تک نہیں چھوڑتے اور ان شان و شوکت والوں کی نعش جو ہاتھیوں پر بیٹھ کر بازاروں میں نکلتے تھے۔ بے گور و کفن پڑی رہتی ہے مگر اُس تابوت والے کے لیئے تابوت ہوتے ہی اُسکی جگہ کوئی دوسرا لے لیتا ہے اور آپ کی لیلائے دل محمل مغنیہ میں بدستور دلہن بنی ہوئی تشریف فرما ہوتی ہیں۔ آپ کے دل کو کوئی کیا دیکھے؟ اُسکے زخموں پر کوئی کیا نظر ڈالے؟ اُسکا جنازہ دیکھ کر کوئی کیا کرے؟ اُسکی بے نشان تربت پر کوئی کیا فاتحہ پڑھے؟ تمھارے دل کے زخم کیا ہوں گے تم لوگ ایسے تیرانداز ہی نہیں جو اپنے تیر لگانے میں اسقدر مستغرق ہو جاؤ کہ دوسرے کا تیر بھی اثر کر جائے۔ تمھارے دل میں زخم ہوں گے تو اُن تیروں کے جو دوسروں کے پاک دلوں کو نہ چھید سکے ہوں اور اگر تمھارے ہی دل میں ناکامی کا زخم لگا یا ہو۔ جنازہ ہوگا تو کس کا اونھیں تیروں کا۔ بے نشان قبر ہوگی تو کس کی اُنھیں تیروں کی۔

اپنے دل کا جنازہ مجھے دکھاتی ہو حق تو یہ تھا کہ خود دیکھتیں اور سبق لیتیں تم کہتی ہو کہ میری خوشی کا اندازہ کسقدر صحیح کیا گیا۔ جب مجھے کچھ کہنا نہیں بھر پایا۔ جی نہیں تمھاری خوشی کا اندازہ بالکل غلط کیا گیا۔ مجھے بھی افسوس ہے تمھاری خوشی کا صحیح اندازہ تو یہ ہوتا کہ تم جس سے ملتی ہو دل سے ملتی ہو۔ خوشی سے ملتی ہو۔ زرطلبی کی خواہش سے نہیں دل طلبی اور محبت طلبی کی خواہش سے ملتی ہو اگر کوئی تمھاری خوشی کے اندازے میں بھی دھوکا کھاتا تو تم کہتیں واہ واہ جزاک اللہ کیا ذہن رسا پایا ہے۔ آپ سمجھتے ہیں کہ مغنیہ ہونا ممکن ہے مگر دل سے محبت کا جوش عشق کی امنگ کا مفقود ہونا ناممکن۔ اگر وہ اندازہ صحیح نہیں تھا اس پر چوٹ کرتی ہو نام دھرتی ہو تو میں تمھاری خاطر سے لکھے دیتا ہوں کہ تمھاری خوشی کا یہ اندازہ جائز اور ٹھیک صحیح۔ اب تو خوش ہو اب تو سچ مچ بھر پایا اب بھی کوئی کسر باقی ہے؟ ٥

تمھارے نزدیک تمھاری آنکھوں میں اشارۂ دعوت نہیں تھا اچھا میں بھی کہتا ہوں کہ اشارۂ دعوت نہیں تھا مگر اشارہ عداوت تھا جس کو بعض نور دیدن و فولاد نرم کے عامل اشارۂ دعوت کہہ دیتے ہیں۔ میں نے اشارہ دعوت اس لیے کہا کہ تمھاری آنکھوں سے وہ قاصد نظر دعوت کا پیغام ہی لے کے چلا تھا مگر اسکی "سوزاں ظلمتوں" میں عداوت کا زہر اس طرح بنا سنوار کے چھپا دیا گیا تھا جس طرح تم اپنا دل اور اسکا بھید چھپائے رکھتی ہو۔

تم کہتی ہو کہ "میں بلاتی تھی کہ کوئی آئے اور میری بیکسی کو دیکھے میری بےبسی پر رحم کھائے، میرے زخم جگر پر مرہم لگائے، مجھے اس قعر بدنامی سے جو عورت کے لیے موت سے بدتر ہے نکالے ذرا سہارا ہی دیدے"۔ واللہ بہت خوب بلانے کا کیا اچھا مقصد تجویز کیا ہے۔ کسی ہادی کی تلاش تھی۔ کسی پیر مرد کی جستجو تھی۔ بہت اچھا

خدا نیک ہدایت دے - اسی لیے مجھے بلاتی تھیں - افسوس ہے میں نہ سمجھا میری سمجھ کا قصور ہے تمہاری نیت اچھی تھی [illegible] صاحب یہ جو آپ کے ہاں لوگ آتے ہیں ان میں سے کتنی ہادی [illegible] اور [illegible] ہوتے ہیں - انھیں بھی تو تم پہلی وقت اس غرض سے بلاتی تھیں کہ تم [illegible] کو قعر بدنامی سے نکال دیں مگر تم میں وہ اوصاف قدرت نے نہیں رکھے تھے - [illegible] بے شرم بے حجاب زندگی نے پیدا کر دیے تھے [illegible] تمہاری [illegible] نہ ہو سکی اور تم ان کی گمراہی کا سبب بن گئیں [illegible] کو بھی سہارا دیا ہو مگر تم اس [illegible] تم کو قعر بدنامی سے نکالنے کے لیے [illegible] تم نے اسی لیے بلایا تھا مگر [illegible] لیے قعر بدنامی [illegible] کر دیا گیا۔

تمہاری [illegible] اور دیکھنے والے کی روح ہمدردی سے [illegible] ہونے [illegible] لگی" جی ہاں حرص سے نہ لرزتی تو کیا ہوتا [illegible] ہمدردی کر کے [illegible] کر دیا [illegible] بھلائی کا بدلہ برائی ہوتا - اگر سچ سچ تم [illegible] نہیں کہ کوئی آئے تم کو قعر بدنامی سے نکالے تو یہ کیوں کہتیں [illegible] تو زہر کا رخ ہی کیوں کیا تم کہتی ہو کہ سچی بات آدھی لڑائی ہوتی ہے میں بھی لڑتی مگر چپ ہوں دل کو مارتی ہوں" گو تم اپنے دل سے سچی محبت سچی ہمدردی کو دور دور پرے پرے کرتی ہو مگر سچائی کا وہ جوہر جو قدرت نے ہر ایک میں ودیعت کیا ہے اتنی احتیاط کے پردوں میں بھی چھپا [illegible] دکھا دیتا [illegible] اور راز کو فاش کر دیتا ہے جادو وہ جو سر پہ چڑھ کے بولے - خود تم ہی نے تمہارے دعوے کو باطل ثابت کرا دیا - بتاؤ کہ تمہارا اصلی مقصد کیا تھا - خود قعر بدنامی سے نکلنا یا دوسرے کو

قعر بدنامی میں دھکا دینا تمہارے نزدیک تھا "لطف خریدا" نہیں جا سکتا۔ جی ہاں سچ ہے۔ جھوٹ کو سچ اور سچ کو جھوٹ کر دکھانا تمہارا ہی کام تھا۔ دیکھنے والا بھی لطف خریدنا چاہتا تھا مگر اس کا شوق "محبت آلود" "حمیت آمیز" لطف کو محبت سے خریدنا چاہتا تھا مگر اسکو معدوم ہو گیا۔ جو دل آنکھوں پر رکھنے کی چیز ہے وہاں ایک سیاہ پتھر رکھا ہوا ہے وہ شوق کو پہنچ گیا اور جس طرح بھاری پتھر کو چوم کر چھوڑ دیتے ہیں اس نے دیکھا سونگھا اور ٹھکرا دیا۔ اب بتاؤ کہ اگر اس کا "شوق بجھا" تو ٹھیک بجھا یا غلط۔

تم شاکی ہو کہ تمھیں بالکل مردہ سمجھ لیا گیا تمہارے "اظہار شوق" کو جھوٹا کہا گیا تمہارا "گلے ملنا" "پراستکراہ" خیال کیا گیا تمہارے بوسے "تھکے ہوئے اور سست" بتائے گئے جی نہیں تم زندہ اور ایسی زندہ کہ ہزار دل زندوں کو زندہ در گور کر دو تمہارا "اظہار شوق" سچا تمہارا "گلے ملنا" محبت کی شان۔ تمہارے بوسے باد صبا کی طرح دلفریب اور شیریں۔ مگر یہ تو بتاؤ کہ تم محبت میں سچی ہر ایک کو سچے دل سے پیار کرنے والی۔ ہر ایک کے لطف کو دوبالا کرنے والی۔ مگر للہ یہ تو بتاؤ کہ ہر ایک کو کیا جو سب تمہارے پاس ہے۔ کیا قدرت نے تمہارے دل میں وہ گنجائش دی ہے کہ وہ ہر ایک کا ہو کر ایک ایک کا ہو سکتا ہے۔ یا تم کو کوئی سو دو سو دل دیے گئے ہیں جو الگ الگ خانہ میں ہر ایک کے ایک ایک اور الگ الگ ہو کر رہتے ہیں۔ اگر اس کا جواب مل گیا تو میں قائل۔ میں جھوٹا تم سچی تمہارے دعوے قابل تسلیم تمہاری محبت قابل ستائش اور تم قابل پرستش۔ تم نہایت پیارے لہجہ میں "گالیاں دینے کی فرمائش کرتی ہو کہ میرا کوئی ارمان باقی نہ رہ جائے" میرا ارمان تو یہ تھا کہ کاش تمہارے پاس ایک دل اور صاف دل ہوتا اور صرف ایک کے لیے ہوتا جب ہم دیکھتے کہ کون سا پلہ دم

تمھارے لیے "تیغ بکف" نظر آتا۔

تم مجھے کیا خوب فرمائش کرتی ہو کہ میں کہوں تیرا مرنا "شعبدۂ روحانی" تیرا جنازہ ایک "شالی مچان" تیری قبر ہاتھی پکڑنے کا گڑھا تیرا "حشر نشر" بہروپیے کا سانگ۔ جی نہیں تمھارا مرنا دنیا کے لیے عبرت کا تھیٹر۔ تمھارا جنازہ اخلاقی سبق حاصل کرنے کی مجلد کتاب۔ تمھاری قبر عذاب الٰہی کا عجائب خانہ۔ تمھارا حشر نشر۔ دوزخ میں جانے والوں کے لیے تسکین کا سامان۔ "افسوس افسوس" تم کو مدت کے بعد ایک شخص ملا اور وہ ایسا سنگدل کہ تم نے اسکے ہم ناموں کو بھی سنگدل ٹھہرایا۔ تم کو شکر کرنا چاہیے تھا کہ ایک شخص ایسا ملا جس نے تمھارے وجاہت پرست دل کو ایک ٹھیس لگائی اور تم کو یہ خیال تو آگیا کہ میری زندگی نیکی میں بسر ہوتی تو وہ کیسی ہوتی۔ تم کہتی ہو کہ میں تمھارے ساتھ ذرہی دیر میں دنیا کی اور لطیف چیزوں حتی کہ موسیقی اور شاعری کو نفرت کی نظر سے دیکھنے لگا او بدنصیب عورت دیکھ اور غور کر یہ تیری وجہ سے دنیا کی لطیف چیزیں بھی ٹھکرائی جانے لگیں کیونکہ وہ تیرے قبضہ میں ہیں کاش کہ تو نہ ہوتی تو موسیقی۔ شاعری۔ آنکھوں پر بٹھانے کی چیز ہوتی اور رہے ہی۔ جہاں تو اور وہ ساتھ نہیں ہیں وہاں یہ چیزیں کس قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔ افسوس تو انسان ہو کر وہ چیز ہے کہ تیرے قبضہ میں آ جانے سے دنیا کی نعمتوں کو بھی مردود کیا جاتا ہے۔ تو نے اپنا آپ تو بگاڑا سو بگاڑا دنیا کی لطیف چیزوں کی بے عزتی اور ہتک کی جو حشر کے دن تیرے گریبان میں ہاتھ ڈال کر خدا سے فریاد کریں گی، تو اپنا خون مردوں کی گردن پر رکھنا چاہتی ہے مگر یہ جب سچ ہوتا جب اپنی گردن کو اس سے بچا کر بقیہ حصہ اُن بدنصیب مردوں کی گردن پر ڈال دیتی جو مرد کہلاتے ہیں ورنہ نامرد ہیں۔ جو انسان کہلا کر انسانیت اور شرافت کے

جو ہر سے کوسوں دور ہیں۔ جو تیرے دل کا غلط اندازہ کرتے ہیں۔ جو تیرے دھوکے اور فریب میں آجاتے ہیں۔ تو کہتی ہے کہ "سب سے بڑا قصور میں نے یہ کیا کہ عورت بن کر پیدا ہوئی" یہ قصور نہیں وصف ہے۔ رحمت ہے اگر تو عورت ہوتی اور۔ تو۔ نہ ہوتی۔ یہ بالکل غلط ہے کہ "اگر ایسی صورت نہ ہوتی تو مرد زندہ درگور کر دیتے" اگر تو عفت اور عصمت کی بعض پابندیوں کو جو ایک گھر کی عورت کو مغنیہ کے مقابلہ میں کرنی پڑتی ہیں "زندہ درگور" ہونا خیال کرتی ہے تو جہاں ہے وہیں رہ اور جو کچھ جس کسی کے جی میں آئے کہے تو سُن اور مسکرا۔ ورنہ نیچے اُتر اور دیکھ کہ تو کیا تھی اور کیا ہو گئی۔ تو اپنے آپ کو عالی پایہ پر پہنچا ہوا سمجھتی ہے مگر تجھکو معلوم ہوگا کہ جہاں تو ماہیِ بے آب کی طرح تڑپ رہی ہے کتنی گہرائی میں واقع ہے

تو کہتی ہے کہ "مردوں کے دلی جذبات کی طلب صادق نے مجھ میں یہ حسن پیدا کر دیا"۔ واہ واہ ماشاء اللہ کیا خوب۔ اسے آئندہ کبھی کہنے کی ضرورت پڑے تو یوں کہنا۔ نا اہل مردوں کی طلب کاذب اور ہوسناکی نے ہم میں یہ حسن پیدا کیا۔ اس میں شک نہیں کہ ایک حصہ تم کو اس قعر بدنامی میں ڈالنے میں ان کا بھی سب سے بڑا درجہ ضرور ہے۔

"مقدس نما" لوگوں کو مجرم قرار دینا تمہارا ہی کام تھا باقی رہی: ہاں سے اس کا اعتراف مجھے بھی ہے کہ انھوں نے ظلم کیا۔ درحقیقت ظلم کیا۔ عورت اور موسیقی دونوں کو الگ کر کے دنیا میں تیسرے فرقہ کی بنیاد ڈالی اور دنیا کو خرابی کے جال میں پھانسا۔ اب بھی اگر تو عورت اور موسیقی ایک ساتھ ہوں اور عورت کے دلدادہ اور موسیقی کے شیدا اپنی حرکات سے رجوع کریں تو تم لوگ بہت کچھ اچھے ہو سکتے ہو۔ مگر شرط یہ ہے کہ موسیقی اور تم دونوں معجون مرکب میں کوئی دوسرا عنصر شامل نہ ہو۔ پھر تم ضرور ایک آدھ پشت کے بعد اس قعر ذلت

نکل جاؤ گی جس کو تم اپنی جنس کے لیے موت سے تعبیر کرتی ہو اور ایک زمانہ آئے گا کہ تمہارا دیکھنے والا تمہارا چاہنے والا تم سے محبت کرنے والا کہے گا

دیکھنے کا تو مزہ یہ ہے سراپا دیکھے
دیکھ کر پاؤں ترا منہ نہ کسی کا دیکھے

تم آخر میں یلدرم کو نصیحت کرتی ہو کہ اب کسی مغنیہ کو نہ دیکھنا"۔ دیکھیں گے ضرور دیکھیں گے مگر دل کو قابو میں رکھیں گے اور تم کو اس قعر بدنامی سے نکالیں گے۔ دیکھو اس دیکھنے سے یہ فائدہ تو ہوا کہ تم کو اپنی زندگی پر غور کرکے معلوم ہوا کہ تمہارا صحیح مصرف کیا تھا اور اب تم کیا ہو۔

اگر تم نے یہ سب باتیں چند روز لکھی تھیں تو تم کو یہ کہنا چاہیے تھا کہ یلدرم آیندہ کسی مغنیہ کو نہ دیکھنا اگر دیکھنا تو دل کو قابو میں رکھنا۔

"رجالی"

# شہر مصر نو سو برس پہلے

(سلسلے کے لیے ماہ نومبر کا پرچہ ملاحظہ ہو)

غرضکہ اہل مصر بہت اطمینان اور امن و امان میں زندگی بسر کرتے تھے۔ ہزاروں صرافوں اور جوہریوں کی دوکانوں پر خرید و فروخت کی ہر وقت گرما گرمی رہتی تھی۔

ایک دولتمند یہودی جوہری سلطان کا مقرب تھا اس پر سلطان کو اتنا بھروسا تھا کہ جواہرات خریدنے کی خدمت اسکے سپرد کر رکھی تھی۔ ایک دن اس یہودی کو فوجی سپاہیوں نے مار ڈالا۔ پبلک میں یہ واقعہ اہم سمجھا گیا اور مجرمین بھی اپنی حرکت سے نادم و خائف ہوئے۔ عام طور پر جب اور فوجی سپاہیوں کو یقین ہو گیا کہ اس جرم کی سزا بھگتنا پڑے گی تو بیس ہزار سوار مجرموں کو لیکر شہر سے باہر نکل گئے

اور ایک میدان میں جمع ہوئے۔ اس مجمع کا باشندگان شہر پر بڑا اثر پڑا لوگ خائف ہونے لگے مقتول یہودی کے بھائی کا بھی بُرا حال ہوا اس نے گھبراہٹ میں آ کر دیکھا نہ تاؤ بارگاہ سلطانی میں عرضی اس مضمون کی پیش کر دی کہ۔

"میں اپنی جان و مال کی بچاؤ کے عوض میں شاہی خزانہ کی چالیس ہزار دینار مغربی سے خدمت کر سکتا ہوں۔"

اس درخواست سے سلطان کا مزاج برہم ہوا حکم دیا کہ درخواست مجمع کے سامنے لے جا کر پھاڑ ڈالی جائے کہ نہ تمہاری جان سے کسی کو دشمنی ہے اور نہ مال کی پروا تم اپنے کو ہر طرح امن سمجھو۔ اس کے بعد متمرد سپاہیوں کے متعلق حکم ہوا خادم فوجی مجمع کے سامنے آ کر کہنے لگے "تم لوگ اطاعت کرو گے یا نہیں" سپاہیوں نے اک زباں ہو کر جواب دیا" ہم سلطان کے مطیع اور فرمانبردار خادم ہیں۔ یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم سے قصور ہوا جس کی تہ دل سے معافی چاہتے ہیں۔ جب دوبارہ خادموں نے آ کر معافی قصور کا شاہی فرمان سُنایا تو یہ لوگ مارے خوشی کے اچھل پڑے اور بصدق دل دوبارہ اطاعت کا حلف اُٹھایا۔ اور اس طرح یہ فتنہ رفع دفع ہوا۔

شہر مصر ہی میں نہیں بلکہ ملک شام سے لے کر قیروان تک سلطانی عملداری کے جن جن شہروں اور قصبوں میں میرا گذر ہوا وہاں کی ہر مسجد کے کُل اخراجات کا بار سلطانی خزانۂ عامرہ پر تھا۔ روشنی کے لیے چراغوں کا تیل فرش کے لیے چٹائی بوریئے وغیرہ کا اعلےٰ انتظام اور امام مؤذن فراش کی تنخواہیں اور انعام سب سلطان کی طرف سے تھا۔ ایک سال شام کے گورنر نے رپورٹ کی "زیتون کی کمی ہے اگر حکم ہو تو روغن ترب و شلجم فراہم کیا جائے" اس پر حکم ہوا "جس چیز کا تعلق خدا کے گھر سے ہے اُس میں کانٹ چھانٹ اور ردوبدل جائز نہیں۔"

ہر قاضی کی تنخواہ دو ہزار دینار مغربی ماہوار مقرر تھی تاکہ کسی کے مال و دولت پر لالچ کی نگاہ نہ ڈالے اور دولتمندی دیکھکر حرص و ہوس کی آگ مشتعل نہو سکے۔

**باغ لگانا** اگر کوئی شخص باغ بنانا چاہے تو ہر فصل میں بنا سکتا ہے کیونکہ جن پودوں کی باغ لگانے میں ضرورت ہوتی ہے وہ سب ہمیشہ آسانی سے مل سکتے ہیں۔ خواہ پھل دار ہوں یا پھول دار یا بغیر پھل پھول کے۔ بہت لوگ پودے بیچنے کا ہی پیشہ کرتے ہیں۔ اور ہر قسم کے پودے ان کی معرفت مل سکتے ہیں۔ یہ اپنے بلند مکانوں کی چھتوں پر ہر قسم کے پودے ہر وقت اُگا ئے رکھتے ہیں۔ اُن کی چاندنیاں اچھا خاصا باغ ہوتی ہیں جس میں نارنگی' منھوہ' انار' سیب' بہی وغیرہ اور ہر قسم کے پھلوار کے درخت ہوتے ہیں جس کو ضرورت ہوتی ہے مناسب قیمت پر خرید کر مزدوروں پر لدوا کے لے آتا ہے۔ محافظت کے لیے جڑوں کو گیلی مٹی سے لپیٹ دیتے ہیں تاکہ ہوا لگ کر ڈگنے کے ناقابل نہو جائے۔ جہاں لگانا ہوتا ہے پہلے سے وہاں گڑھا کھود رکھتے ہیں اور پودے کو گاڑ کر مٹی برابر کر دیتے ہیں یہ لوگ کئی بار ایک پودے کو ایک جگہہ سے دوسرے مقام پر منتقل کرکے لگا سکتے ہیں اور اس آہستگی اور ہوشیاری سے کہ درخت کو بھی خبر نہو انصاف یہ ہے کہ اس قسم کے ماہر فن باغبانی کسی دوسرے شہر میں میں نے نہ کبھی دیکھے نہ سُنے یہ لوگ اپنے ہنر میں بے نظیر مہارت رکھتے ہیں۔

**مطالب** اہل مصر ان لوگوں کو مطالب کہتے ہیں جو مصر کے پہاڑوں میں خزانے اور دفینے تلاش کریں۔ ممالک شام مصر اور مغرب سے بیشمار اشخاص اس سودے کو سر میں لے کر یہاں آتے ہیں اور بہت کچھ صرف کرکے اکثر بوجہ ناکامی مفلس ہو کر واپس جاتے ہیں کسی خوش قسمت کو کبھی کوئی دفینہ مل بھی جاتا ہے جس سے اُسکے دن پھر جاتے ہیں۔ عام طور پر یہاں یہ بات مشہور ہے کہ ان اضلاع میں فرعون کی دولت و مال مدفون ہے۔ جس کو دفینہ مل جاتا ہے وہ پانچواں حصہ حسبِ قاعدہ بحق سلطان

خزانہ شاہی میں داخل کرتا ہے اور چہارم حصہ اُسکی ملکیت سمجھا جاتا ہے۔

محمد اسمعیل ہاتف

# بزم شیخ و شاب

غم سے گو خلوت میں رہتا ہوں میں پیچ و تاب میں　　　فرق گو کرتا ہے شکل مجھ میں اور سیماب میں
دل بہل جاتا ہے لیکن محفلِ احباب میں　　　بیٹھ جاتا ہوں میں دم بھر جبکہ شیخ و شاب میں

مجمع احباب سے میرا اور میں ہوں مغتنم
ایک ہے اپنی نظر میں جلوۂ دیر و حرم

دوستی سے دوستی ہے بیر سے یاں بیر ہے　　　کام ہے باغ محبت کی انوکھی سیر سے
ملتے یوں اہل حرم ملتے ہیں اہل دیر سے　　　جس طرح اپنا سمجھکر کوئی ملتے غیر سے

ہاں تعصب مذہبی نظروں میں اپنی ہیچ ہے
تنگ چشموں کے مقدر کا وہ بیشک پیچ ہے

یاں محبت میں جسے دیکھو سراسر فرد ہے　　　سچا ہم مشرب ہے وہ ہمراز ہے ہمدرد ہے
میرا نالہ سن کے اسکے لب پہ آہِ سرد ہے　　　شکل محزوں دیکھکر چہرہ بھی اسکا زرد ہے

ایک ہی الفت ہے سب کو سب وفا کوشوں میں ہیں
ایک ہی میخانے کے ہم سب بلا نوشوں میں ہیں

بادۂ الفت کا بھی ہوتا ہے کیا سچّا خمار　　　مرگ کی ترشی سے بھی ممکن نہیں جسکا اُتار
ہم نے مانا چار دن کی زیست کا کیا اعتبار　　　بعد مرنے کے ملیں گے پھر بھی ہم روز شمار

ہم جدا ہو جائیں لیکن دل جدا ہوتا نہیں
اس محبت کی بدولت ہائے کیا ہوتا نہیں

شرکت شادی میں اک جانب جو دہ تیار ہیں　　　دوسری جانب ہمارے غم میں بھی غمخوار ہیں
ہمیں الفت حب صادق کے یہی آثار ہیں　　　ایک دوا پیتے ہیں گر تو غیر بھی دو چار ہیں

امتیازِ دین و ملت کی ضرورت کون ہے
اس سے بڑھ کر وصلِ صادق کی دہ صورت کون ہے

چندر موہن[۵۱] کے ہے دل میں داغِ الفت کا پڑا ۔ پریم کا دتا ہے بیشک کرشن[۵۲] باوفا
ہے محبت سے بھری گر جا[۵۳] کی بھی ہر ہر ادا ۔ خلق سے ملتے ہیں جوتی[۵۴] اور بیچو[۵۵] بھی سدا

بامروت دیکھئے ہر طرح احمد حسین[۵۶]
اور ننکو[۵۷] کو بھی فرقت میں نہیں پڑتا ہے چین

ہے فدا عثمان[۵۸] ہر اک پہ سدا پروانہ وار ۔ کیا کہوں بانکے بہاری[۵۹] کی محبت کی بہار
بھول کر آتا نہیں دل میں لطافت[۶۰] کے غبار ۔ خوش نصیبی سے ملے ہیں کیسے کیسے غمگسار

سوزِ الفت دل میں ہے ۔ غمخوار ابراہیم[۶۱] ہے
آگ میں جل مرنے کو تیار ابراہیم ہے

جوش الفت سے ہوئے ہیں سب کے سب شیر و شکر ۔ اب جدائی کا نہیں باقی دلوں میں کچھ اثر
بزم میں بیٹھے ہیں سب اس طرح حلقہ باندھکر ۔ منسلک ہوں جس طرح سے ایک رشتہ میں گہر

کچھ عجب محفل ہماری بزمِ شیخ و شاب ہے
مختلف پھولوں کا اک گلدستۂ نایاب ہے

کام باسط وہ کرو موقع ہو جس سے ناز کا ۔ اپنے دل میں لطف پیدا کر لو سوز و ساز کا
بات کہہ دوں بھید کی پردہ اٹھا دوں راز کا ۔ یاد رکھو یہ مقولہ شاعرِ شیراز کا

حافظا گر وصل خواہی صلح کن با خاص و عام
با مسلماں اللہ اللہ با برہمن رام رام

**ماسٹر باسط علی باسط بسوانی**

---

[۵۱] بابو چندر موہن لال صاحب عرف راجہ [۵۲] پنڈت رام کرشن صاحب ماسٹر۔ [۵۳] بابو گرجا پرشاد صاحب عرف مسٹر متعلم بی۔ اے کلاس کرسچین کالج لکھنؤ۔ [۵۴] بابو جوتی سروپ صاحب متعلم بی۔ ایس سی کلاس جمنا مشن الہ آباد۔ [۵۵] بابو اودھ بہاری لال صاحب عرف بچو [۵۶] مسٹر احمد حسین صاحب عرف چھن منی [۵۷] بابو نرائن سروپ صاحب عرف ننکو۔ [۵۸] بابو بانکے بہاری لال صاحب عرف منشی [۵۹] مسٹر لطافت علی خاں صاحب عرف نتھو ن [۶۰] مسٹر محمد ابراہیم صاحب۔

# عالی ظرفی کی ایک عجیب مثال

جس زمانے میں اسلام کا آفتاب عالمتاب اسپین کے طول و عرض کو اپنی تنویر سے منور کر رہا تھا اور عربوں کی زبردست حکومت اس سرزمین پر قائم تھی اُسی زمانہ کا ذکر ہے کہ ایک اسپینی سے (جو عیسائی تھا) اور ایک نوعمر مسلمان عرب سے کسی بات پر لڑائی ہوگئی بیچارے عرب کے زخم کاری لگے اس لیے وہ جانبر نہ ہو سکا اور اُسی وقت جاں بحق تسلیم ہوگیا۔

اس قتل کی خبر بجلی کی طرح محلہ والوں اور شہر کے لوگوں میں پھیل گئی اور سب لوگ اپنے اپنے کاروبار چھوڑ کر قاتل کو قتل کرنے کے لیے بے تحاشا دوڑ پڑے قاتل بھاگا اس وہ چاہتا تھا کہ کسی طرح اپنے گھر پہنچ جائے مگر ہر ایک راستہ کی ناکا بندی کرلی گئی۔

قتل کا محل وقوع ایک باغیچہ تھا چاردیواری باغیچہ کی جانب چھوٹی تھی مگر دوسری جانب گہری تھی، اسپینی دوڑتے دوڑتے فصیل کے پاس پہنچا اور دوسری جانب کود پڑا۔ اتفاق کی بات کہ وہاں گھوڑا تھا اس نے گھبراہٹ میں اسی کو غنیمت سمجھا اور لیٹ کر اپنے کو کوڑے کرکٹ میں چھپا لیا۔ اسوقت اس کی عجیب حالت ہو رہی تھی وہ زور زور سے ہانپ رہا تھا، اسکے پیٹ میں سانس نہیں سماتی تھی، خوف کے مارے خون خشک ہوا جاتا تھا حواس باختہ ہو رہے تھے اور اپنے کو اب بھی امن کی جگہ میں نہیں سمجھتا تھا۔ یہی حیص بیص ہیں تھا کہ ادھر ایک بوڑھے عرب کا گذر ہوا جس کا مکان یہاں سے چند قدم کے فاصلہ پر تھا اور اپنی آن بان سے غیر معمولی جوانمرد معلوم ہوتا تھا، قاتل کو اسوقت جو

دُمن بندھی تو لپک کر اُس کے قدموں پر گر پڑا۔ عرب نے اس اچانک حرکت پر متحیر ہو کر اُس سے پوچھا۔ کیوں کیا معاملہ ہے۔ کس لیے تم اپنے آپے سے گذر گئے ہو وہ بے اختیار چلانے لگا، امان! امان! اے پیرمرد امان! اس وقت مجھ سے ایک گناہ سرزد ہو گیا ہے، لوگ مجھے ڈھونڈتے پھرتے ہیں اگر اُنھوں نے مجھے پا لیا تو ضرور مار ڈالیں گے، اس واسطے آپ سے رحم کا خواستگار ہوں، امان دیجیے عرب نے اُسے غور سے دیکھ کر کہا، گھبراؤ مت ڈرو۔ چونکہ تم اپنے بُرے فعل سے پشیمان ہو کر مجھ سے التجا کرتے ہو اس سبب میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ تمھیں چھپانے اور تمھاری جان بچانے میں کسی ممکن کوشش سے دریغ نہ کروں گا میرے گھر چلے چلو وہاں آرام سے رہو۔ قاتل نے شکریہ ادا کیا اور عرب کے مکان میں آکر چپ رہا۔

آدھ گھنٹے کے بعد عرب کو خبر ہوئی کہ کسی اسپینی کے ہاتھ سے جو شخص مارا گیا ہے وہ میرا ہی بیٹا ہے۔ یہ خبر بجلی کی طرح اُس کے ہوش حواس پر گری اور تمام امیدوں کو خاک میں ملا دیا۔ اُس کی جو ناگفتہ بہ حالت ہوئی اُسکا ادا کرنا الفاظ کی مدد سے ممکن نہیں۔ وہ فوراً سمجھ گیا کہ میرے بیٹے کا مار ڈالنے والا یہی شخص ہے جس کو میں نے پناہ دی ہے۔ اس کا یہی اکلوتا بیٹا تھا جو نور نظر لخت جگر، اور اس کی دنیاوی زندگی کا ثمرہ تھا۔ تھوڑی دیر تک سکوت اور حیرت کے عالم میں رہنے کے بعد انتقام کا سخت جذبہ اسکے دل میں پیدا ہوا لیکن اس کی صاف طبعی، غیرت حق پرستی اور امتیازی نے اجازت نہیں دی۔ آخرکار خود اپنے جذبہ پر غالب آگیا اور اسی حالت میں قاتل سے اٹھ کر کہا "اس خانہ سے بھاگو اور قبیح حرکت سے جو تم نے ابھی میرے ساتھ کی ہے کسی بات کا کوئی اثر باقی نہیں رہا۔ اسواسطے کہ پیشتر

ناگوار موقع پر تمام عہد و پیمان پس پشت ڈال دیے جاتے ہیں۔ خیریت اسی میں ہے کہ یہاں سے بہت جلد چلے جاؤ۔ قاتل نے اس تسکین بخش گفتگو سے خوش ہو کر عرب کے قدموں پر سر رکھ دیا اور ہاتھ چومنے کی کوشش کی۔ عرب نے ہاتھ جھٹک کر نہایت حقارت سے گھورا۔ اس کی آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے غصہ کے مارے کانپنے لگا اور کہا ملعون، مردود، خبیث، ان ناپاک ہاتھوں سے جن میں میرے لخت جگر کا گرم خون ابھی ٹھنڈا بھی نہیں ہوا ہے کس جسارت سے میرے ہاتھ چھوتا ہے۔ جا ہٹ جا۔ نابکار۔ میری خونفشاں آنکھیں تیری منحوس صورت دیکھنا نہیں چاہتیں۔ اسپینی اس غضبناک گفتگو سے سہم گیا خوف کے مارے اس کے جسم کا خون برف کی طرح جم گیا اور حسرت سے عرب کی صورت دیکھنے لگا اس کو یقین ہو گیا کہ میں نے اسی عرب کے لڑکے کو قتل کیا ہے۔ اس وقت یہ اپنی زندگی سے بالکل ناامید ہو کر موت کا انتظار کرنے لگا۔ بدن میں لرزہ ہاتھ پاؤں میں رعشہ پیدا ہو گیا وہ سمجھنے لگا کہ موت نے مجھے انتقام کے جال میں پھنسا دیا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد عرب نے پھر کہا۔ اے عیسائی اس گناہ کبیرہ نے جو تجھ سے ابھی سرزد ہوا ہے اگرچہ میرے قلب مجروح کو جاودانی عذاب میں مبتلا کر دیا ہے۔ میری فرحت و انبساط پر پانی پھیر دیا ہے مگر میرا وجدان اور میرا ظرف مجھکو بدلہ لینے سے باز رکھتا ہے۔ جو عہد اور معاہدہ کر چکا ہوں وہ توڑنا نہیں چاہتا اور اس مقدمہ کو عدالت الٰہی کے سپرد کرتا ہوں۔ جیسے ہی دونوں کی عیب پوشی کے لیے رات کی تاریکی کا پردہ موجودات پر پڑ گیا۔ اسپینی کو بھاگنے کا موقع ہاتھ آیا۔

بوڑھے عرب نے نہ صرف اپنے جگر پارہ کے خون سے درگذر کی بلکہ تیز رفتار اونٹ بھی قاتل کی سواری کے واسطے دیا تھا کہ وہ آرام سے اپنے گھر پہنچ جائے۔ اللہ رے عالی ظرفی سچ تو یہ ہے کہ عربوں کے سوا دنیا کی کسی قوم میں اس عالی ظرفی کی مثال نہیں مل سکتی فاعتبروا یا اولی الابصار۔

محمد اسمٰعیل - ثاقب

# شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ حرانی

(نام و نسب) تقی الدین ابو العباس احمد ابن شیخ شہاب الدین ابو المحاسن عبد الحلیم ابن شیخ مجد الدین ابو البرکات عبد السلام ابن شیخ ابو محمد عبد اللہ ابن شیخ ابو القاسم خضر ابن محمد ابن الخضر ابن علی ابن عبد اللہ ابن تیمیہ۔

## ابن تیمیہ کی وجہ تسمیہ

ابن تیمیہ کی وجہ تسمیہ میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ اُنکے جد امجد محمد ابن خضر حج کرنے کے لیے گھر سے نکلے تو اُنھوں نے دروازہ تیما[1] پر ایک لڑکی کو دیکھا جو اُنھیں بہت پیاری معلوم ہوئی[2] پھر جب وہ گھر لوٹے تو اُنھیں خبر ملی کہ اُنکے گھر میں لڑکی پیدا ہوئی ہے جس کو انھوں نے اے تیمیہ اے تیمیہ کہکر پکارا۔ بعض کہتے ہیں کہ ابن تیمیہ کی دادی محمد کی ماں کا نام تیمیہ تھا اور وہ بڑی واعظہ تھی شیخ چونکہ بہت بڑے واعظ اور فصیح اللسان تھے لہذا اس مناسبت سے ابن تیمیہ کے لقب سے مشہور ہوے میرے خیال میں یہی وجہ موجہ تھی اور میں اسی قول کو ترجیح دیتا ہوں۔

(ولادت) شیخ پیر کے دن دسویں تاریخ ربیع الاول سنہ ۶۶۱ھ میں شہر حران میں پیدا ہوے یہ وہ زمانہ تھا جب خدا کے غضب کی تلوار مسلمانوں پر کھنچ گئی تھی اور فتنۂ تاتار تمام عالم اسلام میں آسمانی قہر و غضب بن کر چھا گیا تھا تاتاریوں کی خصوصیت سفک و قتل اتنی عام تھی اور اُن کے وحشیانہ مظالم کی خبریں اسقدر دور دور تک پھیل گئی تھیں کہ اُس وقت ایشیا میں کوئی ایسا

[1] تیما مدینہ شریف سے آٹھ کوس دور ایک جگہ کا نام ہے۔ [2] الکوکب الدریہ۔

شہر نہ تھا جہاں کی آبادی خوف زدہ اور زندگی سے بیزار نہو اور تاتاریوں کے شہر میں آنے سے پہلے دنیا سے اُٹھ جانے کے لیے تیار نہ ہوگئی ہو۔ حران میں جب اس فتنہ قیامت کے قرب کی خبریں پہنچیں تو تمام آبادی میں کھلبلی پڑ گئی حران کی رونق ہوا ہو گئی۔ جلاوطنی و ہجرت کا مقدس مرحلہ ہر شخص کے پیش نظر ہوگیا۔ شیخ کو ابھی ساتواں برس تھا کہ ۶۶۷ھ میں انکے والد کو اپنے اہل و عیال کے ساتھ انہی وجوہ سے حران چھوڑنا پڑا اور شیخ اور اُنکے بھائی اپنے پیارے وطن کو خیرباد کہنے پر مجبور ہوئے۔ یہ مختصر سا قبیلہ جو بڑی بے سروسامانی میں گھر سے نکلا تھا تاتاریوں کے خوف سے رات کو چلتا تھا اور دن بھر جنگلوں اور ویرانوں میں سر چھپاتا پھرتا تھا اسقدر جلد سفر کی تیاری کرنا پڑی تھی کہ کسی سواری کا بھی انتظام نہو سکا تھا صرف شیخ کے خاندان کا علمی خزانہ یعنی کتابیں بجائے رخت سفر ہمراہ تھیں اگرچہ اس سفر میں دشمن سے بچنے اور اس علمی خزانہ کے محفوظ رکھنے کی ہر ممکن احتیاط پر کافی غور و خوض کر لیا گیا تھا اور دشمن سے دور رہنے کے لیے ہر ایک مشہور گذرگاہ اور عام سڑکیں چھوڑ دی گئی تھیں مگر پھر بھی خدا کی قدرت ایک مقام پر تاتاریوں سے مڈبھیڑ ہو گئی اور قریب تھا کہ ظالموں کے پنجہ میں اسیر ہو جائیں لیکن خدا کا فضل شامل حال ہوا کہ ادھر تو انھوں نے رب السموات سے فریاد کرنا اور گڑگڑا کر دعائیں مانگنا شروع کیا اور ادھر تاتاریوں کو ان کی بے سروسامانی دیکھکر رحم آ گیا اور یہ خاندان اس بلا سے بچ کر ۶۶۷ھ میں دمشق پہنچ گیا دمشق میں پہنچ کر شیخ کے قوائے ظاہری اور باطنی کی نشو و نما ایسے اعلیٰ پیمانہ پر ہوئی کہ خدا کی قدرت کو لوگوں نے اپنی آنکھ سے دیکھ لیا شیخ کا بچپن بھی محیر العقول عجیب الخصائص تھا وہ ابتدا ہی سے بڑے ذکی اور فہیم تھے اُن کا ابتدائی درس

مطالعہ بھی مجتہدانہ انداز و خصوصیات اپنے اندر رکھتا تھا اُنھوں نے بہت
تھوڑے سے زمانہ میں قرآن کو ختم کرلیا اور حدیث و فقہ و عربیت کے تدبر و تفقہ اور
حفظ و ذکر میں مشغول ہو گئے یہاں تک کہ ان علوم میں اُن کا پایہ متقدمین کے
رتبہ کو پہنچ گیا وہ اپنے تمام اقران اور امائل پر سبقت لے گئے وہ اُدھر تو حدیث
سنتے تھے اور ادھر اُسکو یاد کرلیتے تھے اُنھوں نے کثیر کتابیں اپنے شیخ کے سوا
مختلف مشائخین سے بھی سُنی تھیں چنانچہ اُنکے مشائخین کی تعداد دو سو
سے زائد تھی سب سے پہلی کتاب جو اُنھوں نے حدیث میں حفظ کی وہ امام
حمیدی کی کتاب الجمع بین الصحیحین تھی شیخ نے حدیث کی بڑی کتابوں مثلاً
مسند امام احمد صحیح بخاری و صحیح مسلم ابن ماجہ دارقطنی نسائی کو بھی نہ صرف سُنی
بلکہ اُن کے علاوہ معجم طبرانی کبیر جو اُن کی سُنی ہوئی تھی اُنھوں نے نہ صرف
حدیث کو سُنا تھا بلکہ اُسکو لکھا اور پڑھا تھا وہ نحو میں کتاب سیبویہ پر کچھ دنوں
غور کرتے رہے یہاں تک کہ اُنھوں نے نحو کے تمام مسائل پر عبور حاصل کرلیا
وردہ اس فن کے بھی امام نظر آنے لگے پھر وہ تفسیر کی طرف متوجہ ہوئے اور اپنے
تمام معاصرین سے آگے نکل گئے اسی طرح فقہ اور اصول فقہ میں اُن کا علم و
فضل حد درجہ بڑھا ہوا تھا حالانکہ ابھی بیس برس بھی نہیں ہوئے تھے کہ اُس
زمانہ کے علما اور فضلا اُن کی جدت وجودت اور کمال ذکاوت دیکھکر حیران
تھے اور اُن کی ذاتی طبیعت اور قوت حفظ اور سرعت ادراک کا شہرہ دور دور
تک پہنچ گیا تھا۔ ابن قدامہ کہتا ہے کہ اُن کے کمال حافظہ کی خبر سُن کر حلب کے
ایک شیخ دمشق آئے اور شہر میں پوچھنا شروع کیا کہ کوئی بچہ احمد ابن تیمیہ یہاں
رہتا ہے کہ جسکے حافظہ کا شہرہ مجھے یہاں تک کھینچ لایا ہے اور میں اسکے ملنے کے قصد سے
اتنی منزلیں طے کرکے آیا ہوں کوئی مجھے اُسکا پتہ بتائے تاکہ میں اُسکو دیکھ سکوں

طبقات ابن قدامہ ترجمہ شیخ ابن تیمیہ۔

ایک درزی نے اُنکو دیکھا اور اُنکی بات سن کر انھیں بتایا کہ یہی رستہ ابن تیمیہ کے کاتبوں کے مکان کا ہے اور وہ ابھی تک ادھر سے نہیں گذرا ہے آپ ایک آدھ گھنٹہ یہاں بیٹھیے وہ آپ کے سامنے ادھر سے نکلے گا یہیں آپ کی ملاقات ہو جائے گی شیخ درزی کی دوکان پر بیٹھے ابن تیمیہ کی راہ دیکھ رہے تھے کہ درزی نے پکارا وہ دیکھو وہ چھوٹی سی لوح لیے ہوئے ہے یہی ابن تیمیہ ہے شیخ نے ابن تیمیہ کو آواز دی اور بڑھکر اُن سے ملے پھر اُنکے ہاتھ سے وہ لوح لے کر گیارہ یا تیرہ حدیثیں لکھدیں اور ابن تیمیہ سے کہا کہ پڑھو ابن تیمیہ نے شیخ کے لکھتے وقت جو ایک نظر اُن حدیثوں پر ڈال لی تھی وہ اُنکے حفظ کرنے کے لیے کافی تھی چنانچہ وہ سب حدیثیں شیخ کو حفظ سنا دیں پھر شیخ نے متعدد اسانید منتخبہ تحریر کیے اور ابن تیمیہ نے انھیں ایک نظر ڈال کر پہلے کی طرح حفظ سنا دیے شیخ یہ دیکھکر بیساختہ پکار اُٹھا کہ اگر اس لڑکے نے عمر پائی تو ایک بڑی چیز ہوگا میں نے اسکے مثل کوئی نہیں دیکھا اور واقعی یہ ویسا ہی ہے جیسا کہ میں نے اسکی شہرت سنی تھی۔　　　(باقی آیندہ)

راغب جیلانی

# ابرِ سفید

اے فلک تجھ سے ہیں آتی رو... ہم　　　تو سنے کیونکر ہمارا درد و غم
آہ میں اب بھری یہ طاقت کہاں　　　سامنے تیرے کرے جا کر فغاں
مدتوں سے ہے نہیں ساقی نہیں　　　شیشہ و ساغر بھی اب باقی نہیں
تیرے قاصد اے فلک اب ہیں کہاں　　　برق باد و رعد یہ سب ہیں کہاں
منتیں میکش کی کرتے ہیں سب اے ابر　　　ہوئے ساقی بہر تو پر لے اک نظر
ہاتھ اٹھائے مے کش ہیں پھر رہا　　　برہمن ناقوس کو ہے پھونکتا
چپ کھڑا دہقاں ہے اپنے کھیت پہ　　　العطش چلاتے ہیں جن و بشر

تیری ہی جانب نگاہ دھر رہے | اوستم پروانہ یہ کیا قہر ہے

---

ہاں وہ دیکھو آگیا ابرِ سفید | شادمانی کی کوئی دے کر نوید
ٹکڑا ابر آ ذرا دل میں مرے | آگ دوزخ کی بجھا تسکین دے
راحت قلب و جگر آرام جاں | قوت نامیۂ پیر و جواں
میکشوں کے سر پہ ہے رحمت تری | دل میں ساقی کے محبت ہے تری
نا امید کچھ بھی نہیں تیرے بغیر | دستِ بے باک خزاں کو کھینچ پھیر
روح تو نے پھونک دی گلزار میں | جان سی اک پڑ گئی اشجار میں
آج پر بادِ بہاری کا مزاج | وا ہمہ سے تیز تر چلتی ہے آج
کان میں یہ کیا صبا نے کہہ دیا | غنچۂ گل کھل کھلا کر ہنس پڑا
ہر شجر سے باغ کا نخل امید | کوہ و صحرا میں بھی اب آئی ہے عید
رنگ میخانہ کا کچھ آج اور ہے | رندِ مے کش کا نرالا طور ہے
بعد مدت کے ملی میکش کو مے | خم کے خم خالی ہوئے ہیں پے بہ پے
لڑکھڑاتے آ رہے ہیں شیخ جی | اے برہمن تھوڑی سی رے تو بھی پی

---

ہاں بتا دے یہ ذرا ابرِ سفید | بھر دیے ہیں تجھ میں کیا خالق نے بھید
جس نے دیکھا تجھ کو وہ بے بس ہوا | آج تو خوش ہر کس و ناکس ہوا
رزقِ عالم کا تو ہی قسام ہے | ہاں یہ دستِ فیض تیرا عام ہے
مال سے تو خانۂ دہقاں بھرے | موتیوں سے بحرِ بے پایاں بھرے
کوہ و دشت و خسار پر تیرا کرم | باغ کے اشجار پر تیرا کرم
ذرۂ عنصر ہے تجھ سے بامراد | آب ہو آتش ہو یا ہو خاک و باد
مشرق سے تا غرب ہے رحمت تری | چار سو عالم میں شہرت ہے تری
کس کو دنیا میں نہیں تجھ سے امید | تو ہی بتلا دے ذرا ابرِ سفید
عاشقانِ زار پر بھی اک نگاہ | ہاں ذرا ابرِ کرم بہر الٰہ

جس کا تو ہے حکم اُس کا واسطا
ہاشمی پر بھی رہے دستِ سخا

**چودھری رحیم علی الہاشمی**

# نشاط

(سلسلے کے لیے گذشتہ نمبر ملاحظہ ہو)

نشاط اُس مضمون کا ایک سلسلہ ہے جو پچھلے پرچہ میں بعنوان شباب شائع ہوا تھا۔ چونکہ یہ مضمون ایک ممتاز انگریزی انشا پرداز اسکر وائلڈ کی مشہور تصنیف "ڈورین گرے" سے ماخوذ ہے بلکہ ادبیم کی تمام تر گفتگو بڑی حد تک ترجمہ ہے اور ڈورین گرے کا دوسرا نام "نشاط" رکھا گیا ہے اس لیے شباب کے بجائے نشاط زیادہ موزوں ہوگا

اس موقع پر ناظرین سے یہ عرض کرنا بھی ضروری ہے۔ ممکن ہے کہ مضمون کے بعض فقرے خالص محاورات اردو کی معیار پر پورے نہ اتریں لیکن چونکہ مصنف کے اُن خیالات کو بجنسہ زبان اردو میں ادا کرنا ہے جو کہ اُس نے کتاب مذکور کے لکھتے وقت مد نظر رکھے ہیں۔ لہذا وہ حضرات مجھے معذور رکھیں جو اُردو علم ادب کو ایشیائی لزادت تنگ محدود اور یورپین تخیل سے بے نیاز رکھنا چاہتے ہیں واقعی یہ مخالفت سے عموماً اور اپنے ایک دوست محترم جن کی تنقید معاندانہ نے مجبوراً جواب دینے پر آمادہ کیا ان سے خصوصاً التماس ہے کہ

حریف کاوش مژگان خونریزش نہ ای ناصح
بدست آور رگ جانے و نشتر را تماشا کن

ہم اپنے دوست کا نام ظاہر کرنا نہیں چاہتے لیکن ان کی خصوصیات سے ناظرین کو ناواقف رکھنا بھی پسند نہیں کرتے۔ ہمارے دوست کا نام مجموعہ تضاد ہے یعنی ایک طرف تو منت پذیر عظمت ہے اور دوسری طرف تہمت کش انکسار بھی جناب قاضی بھی ہیں اور حافظ بھی مرد ہی بھی ہیں اور وکیل بھی۔ لیکن ان پر

یہ الزام ہرگز نہیں لگایا جا سکتا کہ وہ منت کشِ فن ادب بھی ہیں۔ قاضی اس لیے کہ خاندانِ قضاۃ سے تعلق رکھتے ہیں۔ حافظ اس لیے کہ جان صاحب اور جرکین کے دیوان حفظ ہیں۔ مولوی اس لیے کہ ڈاڑھی بہت لمبی ہے۔ وکیل اس لیے کہ مختلف اضلاع میں وکالت کر چکے ہیں۔

**ادہم۔** نشاط تم میری ملاقات سے یقیناً خوش ہوگے۔

**نشاط۔** بیشک۔ اسوقت تو ہوں لیکن کیا ہمیشہ رہوں گا

**ادہم۔** ہمیشہ! یہ تو ایک خطرناک لفظ ہے۔ نہ محض خطرناک بلکہ مہمل بھی۔ میں اس لفظ کو سنکر لرز جاتا ہوں۔ عورتیں اسکو استعمال کرنے کی بیحد شائق ہیں ہمیشگی کی تمنا میں ہر لطف کو برباد کر دیتی ہیں۔ جذبۂ دوامی اور تلون میں صرف یہ فرق ہے کہ تلون نسبتہً کچھ زیادہ دیرپا ہے۔

نشاط کی نظر اپنی تصویر پر پڑتی ہے۔ اسکو دیکھکر محو حیرت ہو جاتا ہے اور کہتا ہے۔

**نشاط۔** ارے۔ کیا یہ میری ہی تصویر ہے۔

**ہارون۔** ہاں یہ تمھاری ہی تصویر ہے۔ آج تمھاری طرز نشست میں کیا شان عظمت اور حسن آفرینی تھی میں تمھارا بیحد مشکور ہوں۔

**ادہم۔** یہ سب صرف میری وجہ سے۔ نشاط کیا یہ جھوٹ ہے۔

نشاط کوئی جواب نہیں دیتا ہے اور تصویر کے سامنے خاموش کھڑا ہے۔ القا کے مانند اسکو اپنے حسن کا ایک نیا احساس ہوتا ہے۔ جو اس سے پہلے اسکو کبھی محسوس نہیں ہوا تھا ہارون کی تحسین و ستائش اسکی نظر میں محض دلکش و دوستانہ مبالغہ معلوم ہوتی تھی۔ وہ ان کو سن چکا تھا ان پر مضحکہ کر چکا تھا اور بھول بھی گیا تھا۔ لیکن اسکی طبیعت ان سے متاثر نہیں ہوئی تھی۔ اسکے بعد ادہم کی نوبت آئی جس نے جوانی پر اک حیرت انگیز لکچر اور اسکے ماتم انگیز اختصار سے متنبہ کیا۔ اس لکچر نے البتہ اس پر اک عارضی اثر پیدا کیا تھا۔

لیکن اب وہ خود اپنی رعنائیت کے عکس کے سامنے موجود ہے۔ ادہم کی تقریر اپنی اصلی حقیقت میں اسکے پیش نظر ہے۔ ہاں ایک دن وہ ضرور آئے گا جبکہ اسکے چہرہ پر جھریاں پڑ جائیں گی۔ اسکی بصارت میں فرق آجائے گا۔ اسکی دلربائی کو سخت صدمہ پہنچے گا اسکے لبوں کی سرخی اور بالوں کی سیاہی زائل ہوجائے گی۔ زندگی کے سال وماہ اسکے جسم کو برباد کردیں گے۔ وہ وحشتناک بدقوارہ اور بھدا ہوجائے گا"

یہ خیال آنا تھا کہ یہ معلوم ہوا کہ کسی نے اسکے قلب پر برف کی اک قاش رکھدی اس کی آنکھیں پرنم ہوگئیں۔

**ہارون**۔ نشاط کی خموشی سے بیقرار ہوکر "کیا تم کو یہ تصویر پسند نہیں آئی۔

**ادہم**۔ پسند نہ آنے کی کیا وجہ۔ یہ تصویر زمانۂ حال کے فنون لطیفہ کی بہترین چیزوں میں سے ہے اسکے لیے جو تم مانگو میں دینے کے لیے تیار ہوں۔

**ہارون**۔ ... مگر یہ میری ملک نہیں ہے۔

**ادہم**۔ پھر یہ کس کی ملک ہے۔

**ہارون**۔ نشاط کے سوا اور کس کی ہوسکتی ہے۔

**ادہم**۔ نشاط کیا ہی خوش قسمت ہے۔

**نشاط**۔ لیکن کیسا حیرت انگیز واقعہ ہے کہ میں تو ضعیف، بدنما اور ہیبت ناک ہوجاؤنگا مگر یہ تصویر ہمیشہ جوان رہے گی۔ اس کی عمر جون سکے اس خاص دن سے زیادہ کبھی نہوگی کاش کہ صورت حال اسکے برعکس ہوتی۔ کاش میں ہمیشہ جوان رہتا اور یہ تصویر ضعیف ہوتی جاتی اسکے واسطے میں [illegible] دنیا میں ایسی کوئی شے نہیں جو میں اس پر قربان نہ کردوں گا۔ میں اسکے لیے اپنی جان تک دے دیدونگا۔

**ادہم**۔ ہارون یہ انتظام شاید تم کو پسند نہ آئے کیونکہ اس سے تمہاری تصویر کا حسن زائل ہوجائے گا۔

**ہارون**۔ اوہم میں تمھاری اس طرز تقریر کا سخت مخالف ہوں۔

نشاط پلٹ کر ہاروں کی طرف دیکھتا ہے اور کہتا ہے۔

**نشاط**۔ مجھکو یقین ہے کہ تم اپنے آرٹسٹ کو اپنے دوستوں سے زیادہ عزیز رکھتے ہو میں تمھاری نظر میں پتھر کی تصویر سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ بلکہ شاید اس سے بھی کم ہوں

ہارون متحیر ہو کر نشاط کا منہ تکنے لگتا ہے۔

نشاط ایسی باتیں تو کبھی نہیں کرتا تھا۔ یہ طرز گفتگو اسکی طبیعت کے بالکل منافی ہے

**نشاط**۔ واقعہ یہ ہے کہ میں تمھارے نزدیک تمھاری Hermes اور faun سے کم ہوں تم ان کو ہمیشہ عزیز رکھو گے لیکن مجھکو کب تک پسند کرو گے۔ غالباً اسی وقت تک جبتک میرے چہرہ پر پہلی شکن نہ پڑے گی۔ مجھکو اب معلوم ہوا کہ اچھی صورت کے ضائع کرنے کے بعد انسان دنیا کی ہر چیز کھو بیٹھتا ہے۔ تمھاری تصویر نے یہ مجھکو سکھایا ہے۔ اوہم بالکل سچ کہتا ہے جوانی ہی تو ایک چیز ہے جو اس عالم میں رکھنے کے قابل ہے

ہاروں زرد ہو گیا اور نشاط کا ہاتھ پکڑ کر کہنے لگا "نشاط اس طرح کی باتیں مت کرو تمھارا جیسا دوست نہ آج تک مجھکو ملا ہے اور نہ آیندہ کسی کو ملے گا۔ تم کو مادی چیزوں پر رشک ہرگز نہ کرنا چاہیے۔ تم ان سب سے اشرف تر ہو"

**نشاط**۔ میں ہر اس چیز پر رشک کرتا ہوں جس کا حسن کبھی ضائع نہ ہوگا۔ میں اس تصویر پر رشک کرتا ہوں جو تم نے کھینچی ہے۔ ہر لمحہ جو گذرتا ہے مجھ سے کچھ نہ کچھ لے لیتا اور اسکو کچھ نہ کچھ دے دیتا ہے۔ کاش ایسا [illegible] اسکے برعکس ہوتا۔ کاش تصویر متغیر ہوتی رہتی اور میں ہمیشہ ایسا ہی رہتا جیسا کہ اس وقت ہوں۔ تم نے یہ تصویر کیوں کھینچی۔ ایک دن یہ مجھپر مضحکہ کرے گی۔ وہ مجھکو ذلت آمیز نظروں سے دیکھے گی"

جسکی آنکھیں آنسوؤں سے پُرنم ہو گئیں [illegible] اپنے تئیں گرا دیا اور اس طور پر اپنے منہ کو تکیہ میں چھپا لیا گویا کہ وہ دعا مانگ رہا ہے۔

**ہارون۔** نہایت غضبناکی کے ساتھ۔ ادہم یہ سب تمہاری حرکت ہے۔

**ادہم۔** متبسم ہو کر یہی تو اصلی اور حقیقی نشاط ہے

**ہارون۔** ہرگز نہیں۔

**ادہم۔** نہی سہی۔ تو آخر میں نے کیا کیا۔

**ہارون۔** میں اپنے دو دوستوں سے ایک وقت میں لڑ نہیں سکتا لیکن واقعہ یہ ہے کہ تم دونوں نے مل کے میری بہترین صنعت کی طرف سے میرے دل میں نفرت پیدا کر دی۔ میں اسکو برباد کر دونگا۔ یہ کیا ہے۔ صرف کا غازہ اور رنگ کی آمیزش۔ میں محض اسکی وجہ سے تین زندگیوں کو ناخوشگوار نہ ہونے دونگا۔

نشاط نے اپنا منھ آئینہ سے ہٹایا اور یہ دیکھا کہ مصور تصویر کو چاقو سے ہلاک کرنا چاہتا ہے چیخ اٹھتا ہے خبردار ہارون۔ خبردار یہ تو ایک قسم کا قتل ہوگا اور چاقو چھین کر کمرہ کے باہر پھینک دیتا ہے۔

**ہارون۔** خیر یہ دیکھکر مجھکو خوشی ہوئی کہ آخرکار تم نے اس تصویر کی قدر کی مجھکو ہرگز خیال نہ تھا کہ تم اسکی قدر کرو گے۔

**نشاط۔** قدر؟ میں تو اسکے لیے بہترین سمجھتا ہوں یہ تو میری ہستی کا ایک جزو ہے میں اسکو پورے طور پر محسوس کرتا ہوں۔

اب چار بجنے کا وقت ہے چاء آئی ہے۔ نشاط، ادہم اور ہارون باہم متکلم اور مصروف چائنوشی ہیں۔

**ادہم۔** آج شام کو تھیٹر کیوں نہ چلیں۔ آج نہایت اچھا تماشہ ہونے والا ہے۔ میں نے آج طلعت سے اسکے ہاں کھانے کا وعدہ کیا ہے لیکن وہ ایک قدیم دوست ہے میں اسکو تار دے سکتا ہوں کہ میں بیمار ہو گیا اس وجہ سے نہیں آسکتا۔ یا یہ کہ تم سے وعدہ کرنے کے بعد میں دوسرے صاحب سے زبان ہار گیا۔ میرے نزدیک یہ نہایت معقول اور عمدہ عذر ہوگا۔ آجکل تمام تحریر صاف گوئی مضر ہے

**نشاط۔** میں آپ کے ساتھ تھیٹر چلنے کو تیار ہوں۔

**ادہم۔** ہارون تم کو بھی چلنا پڑے گا۔

**ہارون۔** میں نہیں جا سکتا۔ مجھکو بہت سے ضروری کام ہیں۔

**ادہم۔** اچھا۔ پھر نشاط۔ ہم تم تنہا چلیں گے۔

ہارون لب دباکر افسوس کے ساتھ یہ کہتا ہوا ہٹ گیا "میں اپنے حقیقی نشاط کے ساتھ رہوں گا جو مجھ سے کبھی خفا نہ ہوگا اور ہمیشہ وفادار رہے گا۔"

**ادہم**۔ وفاداری۔ وفاداری۔ لوگوں نے وفاداری کے متعلق کیا شور مچا رکھا ہے۔ یہ تو محض جذبات کا اک مسئلہ ہے۔ اس کا کوئی تعلق ہماری قوت ارادی سے نہیں ہے اک نوجوان چاہتا ہے کہ وہ وفادار رہے لیکن نہیں ہو سکتا۔ اک بڈھا چاہتا ہے کہ وہ بیوفائی کرے لیکن نہیں کر سکتا۔ بس یہ ہے اس مسئلہ کے متعلق جو کہا جا سکتا ہے

**نشاط**۔ بہت دیر ہو گئی۔ اب میں جاتا ہوں۔ سلام علیک ہارون و ادہم۔

**ادہم**۔ میں بھی چلتا ہوں۔ تم میرے ساتھ چل سکتے ہو۔ میری گاڑی باہر کھڑی ہے میں تم کو مکان پر اتار دوں گا۔ یہ سہ پہر بھی کیا دلچسپ سہ پہر تھا۔

نشاط اور ادہم کے چلے جانے کے بعد ہارون صوفہ پر لیٹ گیا۔ اسکے چہرہ پر آثار ملال نمایاں تھے۔

ساڑھے آٹھ بجے رات کا وقت ہے۔ مسز حامد کے یہاں دعوت ہے نشاط ادہم مسز انور اور مولوی حبیب اللہ زمرۂ مہمانان میں نظر آتے ہیں کھانا ختم ہو چکا ہے۔ مسز حامد ادہم کو یوں مخاطب کرتی ہے۔

**مسز حامد**۔ ادہم تم نے یتیم خانہ میں کوئی دلچسپی نہیں لی۔

**ادہم**۔ میں ہر چیز سے ہمدردی کر سکتا ہوں بجز تکلیف کے۔ میں تکلیف سے ہرگز ہمدردی نہیں کر سکتا۔ وہ بہت ہی بدنما بدہیئت اور مکروہ ہے نادار حال کی ہمدردی آلام میں عنصر صحت کی آمیزش نہیں ہے ایک مریضانہ کیفیت پائی جاتی ہے۔ ایک شخص رنگ حسن اور مسرت زندگی سے ہمدردی کر سکتا ہے۔ مصائب حیات کا ذکر جتنا کم ہو اتنا ہی بہتر ہے۔

**مسز انور**۔ مسز حامد جب مجھ سے یتیم خانہ کے متعلق باتیں کرتی تھیں تو مجھکو شرمندہ ہونا پڑتا تھا کیونکہ مجھکو اسکے یتیم خانہ سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ لیکن آج سے میں بغیر کسی انفعال کے باتیں کر سکتی ہوں۔

**ادہم**۔ مسز انور جنس لطیف میں انفعال ہی تو اک موزوں و دلربا چیز ہے۔

**مسز انور**۔ ایام جوانی میں نہ کہ عالم ضعیفی میں۔ ادہم کیا تم مجھکو بتا سکتے ہو کہ دوبارہ

جوان ہونے کا راز کیا ہے۔

ادہم کچھ دیر تک سوچتا رہا اسکے بعد متبسم ہو کر پوچھا۔

"مسز انور تم کو کچھ یاد ہے کہ تم نے اپنی عمر میں کبھی کوئی بہت بڑی غلطی کی ہو۔"

**مسز انور۔** بہت سی۔

**ادہم۔** پھر انکا ارتکاب کرو۔ شباب کو دوبارہ حاصل کرنا گویا اپنی حماقتوں کا اعادہ کرنا ہے۔

**مسز انور۔** کیا مزے کی ہیں بڑی بہت میں ان پر ضرور عمل کروں گی۔

**مولوی حکمت اللہ۔** یہ ایک نہایت خطرناک عقیدہ ہے۔

**ادہم۔** مولوی صاحب واقعہ یہ ہے کہ یہ حقیقت زندگی کے اسرار عظیمہ میں سے ہے۔ آجکل لوگ ہوشیاری اور دانائی کے پیچھے جان دیے دیتے ہیں حالانکہ جس چیز کا انسان کبھی افسوس نہیں کرتا وہ صرف اسکی گذشتہ حماقتیں ہیں اور انکو اس وقت آتی ہے جب کہ ان میں خود قابلیت ارتکاب باقی نہیں رہتی۔

میز کے گرد ایک قہقہہ کی آواز گونج گئی۔

ادہم اس خیال کے ساتھ کھیلتا ہے اور اس پر تصرف کرتا ہے۔ اسکو ہوا میں اُچھالتا ہے اور اور پھر ہاتھ میں لے کر اسکی ہر رخ کو بدل دیتا ہے۔ اسکو چھوڑ دیتا ہے اور پھر گرفتار کرلیتا ہے ذخائر تخئیل سے کام لیکر اس طائر خیال کے بازوں میں شوخیوں کے پر لگا دیتا ہے تحسین حماقت رفعت فلسفہ پر پہنچ جاتی ہے پیر فلسفہ خود پھر جوان ہو جاتا ہے اور طرب کے نغمۂ دلربا سے مسرور اور جامۂ رندی وخیا باقی سے ملبوس ہوکر لباس تقشف کو نذر گل افشان کردیتا ہے۔ کبھی بکیس[1] کے مانند البرز حیات پر رقصاں۔ کبھی فیثا غورث اور فلاطوں کے زہد یابس پر طعنہ زن اور کبھی دیوی نغمہ سے حالت مستی میں یوں سرگرم خطاب ہوتا ہے یہ جو دست ہست رود سے خوش مزن مطرب سرود خوش بگو در دستان غزل دایم وباکوبان سر انداز یم واقعیت اسکے سامنے سے بھاگ جاتی ہے کبھی دانش سامنے ایام کی کرسی عظمت کا طواف کرتا اور اس کے پایۂ رنگین کو چومتا ہے اور کبھی جام عنب میں دفور مسرت سے غوطہ لگاتا ہے یہانتک کہ اس کا چہرہ فروغ مے سے گلفشاں ہو جاتا ہے

یہ اک غیر معمولی بدیہ آفرینی اور برجستہ خیالی تھی۔ وہ دیکھتا تھا کہ نشاط کی آنکھیں برابر اسی کی طرف ٹکٹکی لگائے ہوئے ہیں اور یہ ادراک کہ سامعین میں ایک شخص ایسا ہے

[1] شراب کی دیوی۔

جس کی طبیعت کو وہ مسخر کرنا چاہتا تھا۔ اسکی ظرافت میں شوخی اور اسکے تخیل میں رنگ پیدا کرتا تھا۔ وہ غیر ذمہ دار۔ شوخ۔ اور فضائے تخیل میں طیراں تھا۔ وہ اپنے سامعین کو اپنی دلاویزی اور رنگین بیانی سے خود فراموش کر دیتا تھا سب اس کے نغمہ کو تبسم کناں سنتے تھے نشاط نے اپنی نگاہ اسکی طرف سے مطلق نہ ہٹائی وہ ایک شمع بے سوز کے مانند بیٹھا رہا اسکی آنکھوں میں تحیر پیدا تھا اور لبوں پر تبسم پنہاں کے آثار آشکارا تھے۔

آخرکار وہ نفیس لباس میں پہنے ہوئے مادام کی شکل میں کمرہ میں داخل ہوئی اور مسز انور کو معلوم ہوا کہ اسکی گاڑی آ گئی ہے۔

مسز انور سخت افسوس کر کے اپنے شوہر کی ناوقت تکلیف دہی پر خفیف ہوتی ہوئی رخصت ہوئی۔

مسٹر ادہم آپ تو نہایت مزہ دار آدمی ہیں کسی نہ کسی دن ملنے کو ہمارے یہاں دعوت کیوں نہ قبول کیجیے۔ اچھا منگل کی شب مشغول نہ ہوں تو آپ درست ہے۔

**ادہم**۔ تمہارے لیے میں ہر شخص کو چھوڑ سکتا ہوں۔

**مسز انور**۔ خیال تو خوب ہے لیکن غلطی ہو رہی ہے اچھا تو اسکا خیال ضرور رکھیے گا۔ وعدہ فراموشی نہ ہونے پائے۔

**مولوی محبت اللہ**۔ جناب ادہم۔ آپ تو غضب کے آدمی ہیں۔ کتاب کی کتاب بول جاتے ہیں ایک کتاب لکھتے کیوں نہیں۔

**ادہم**۔ مجھکو کتابوں کے پڑھنے کا اسقدر شوق ہے کہ لکھنے کی پروا نہیں لیکن میں ایک ناول ضرور لکھونگا ایسا خوشنما جیسے قالین ایرانی اور ایسا ہی حقیقی لیکن مجھکو کوئی ادبی ہیولیٰ نہیں ملتی۔

**محبت اللہ**۔ جناب ادہم آپ بالکل صحیح فرماتے ہیں مجھکو بھی ادبی تمنائیں تھیں بلکہ یوں کہیے کہ اقیانوس ادب میں شناوری اور غواصی کے ارادے تھے لیکن اسی خیال سے میں نے عرصہ ہوا ان کو ترک کر دیا۔

ادہم ہنستا ہوا اٹھتا ہے اور پارک جانے کا ارادہ ظاہر کرتا ہے۔ دروازہ سے باہر نکل رہا ہے کہ اتنے میں نشاط کا ہاتھ اس کے شانہ پر پڑتا ہے۔ میں بھی آپکے ساتھ چلونگا لیکن وعدہ کیجیے کہ آپ راستہ بھر مجھ سے باتیں کرتے ہوئے چلینگے۔ آپکی سی حیرت انگیز باتیں تو کوئی نہیں کرتا۔

**ادہم**۔ متبسم ہوکر آج کے لیے میں کافی باتیں کر چکا۔ اب میں منظر حیات کو دیکھنا چاہتا ہوں تم بھی چلے چلو اور میرے ساتھ نظارہ حیات میں مصروف ہو۔

**آرٹسٹ**

# اعراب جاہلیت کا سالانہ مشاعرہ

(سلسلے کے لیے ماہ نومبر کا پرچہ ملاحظہ ہو)

عنترہ کی کنیت ابو المغلّس اور لقب فلحاء تھا اور دونوں میں اسکی بصورتی ملحوظ تھی سیاہ فام ہونے سے ابو المغلّس کنیت پڑی اور حبشیوں کی طرح موٹے اور شگافتہ ہونٹوں کے باعث فلحا لقب قرار پایا۔

بنی تغلب سے ایک کامیاب لڑائی لڑا تو شریح تغلبی نے اپنے ایک شعر میں اسکی بہادری کا اعتراف کرتے ہوے اس کا لقب ذکر کیا ہے۔

وعنترة الفلحاء جاء ملأما  کانہ فند من عمایة اسود

یعنے عنترۃ الفلحا نے زرہ پوش ہو کر جب میدان کارزار میں قدم رکھا تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جبل عمایہ کا ایک بہت بڑا کالا ٹکڑا سامنے آگیا۔

اسکی ماں زبیبہ نامی ایک حبشن کنیز تھی جسکو اس کے باپ نے کسی لڑائی میں حاصل کیا تھا۔ ماں کی طرف سے اس کے چند بھائی تھے اور سب غلام اپنے کلام میں ایک جگہ کہتا ہے۔

یقدمہ فتی من ال عبس  اخوہ وامہ من نسل حام

گھوڑے کو بنی عبس کا وہ جوان بڑھا رہا ہے جس کی ماں اور بھائی حام ابن نوح کی نسل سے ہیں۔ چونکہ حبشی حام کی نسل سے تسلیم کیے گئے ہیں اسلیے عنترہ نے اپنے مادری نسب کو (اس پیرایہ میں) ظاہر کیا۔

ماں کی سیاہی نے بیٹے میں اثر کیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ عنترہ بالکل حبشی بچہ معلوم ہوتا تھا اس لیے عرب والے اُس کو سیہ فامی پر طعنہ دیا کرتے تھے چنانچہ ایک موقع پر خود کہتا ہے۔

يعيبون لوني بالسواد جهالة ولولا سواد الليل ما طلع الفجر

وان كان لوني اسودا فخصائلي بياض ومن كفي يستنزل القطر

لوگ اپنی جہالت سے میری سیاہ فامی کو برا کہتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ اگر رات کی سیاہی نہ ہوتی تو کبھی صبح نمودار نہ ہوتی اگرچہ میرا رنگ کالا ہے لیکن میرے خصائل اچھے ہیں اور میرے ہاتھ داد و دہش میں کھلے رہتے ہیں۔

ہمارے نتیجہ شاعر نے اپنے پہلے شعر میں تو بالکل شاعرانہ استدلال کیا ہے لیکن ہاں دوسرے شعر سے اپنے طعنہ زنوں کی زبانیں بند کردیں کیونکہ ہمیشہ خوش سیرتی بدصورتی کے عیوب کو نظرانداز کرادیتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہم بھی آج عرب کے ایک کالے آدمی کی بدصورتی سے قطع نظر کرکے اُس کے محاسن سے فائدہ اُٹھا رہے ہیں۔

ابن قتیبہ کہتے ہیں کہ عرب میں تین شخص کالے مشہور ہیں۔ عنترہ، خفاف، سلیک اور تینوں میں اُن کی مادری سیاہی نے اثر کیا۔

عرب کی کثرت طعنہ زنی سے تنگ ہو کر ایک جگہ وہ کہتا ہے۔

لئن اك اسودا فالمسك لوني وما لسواد جلدي من دواء

ولكن تبعد الفحشاء عني كبعد الارض من جو السماء

مانا کہ میں کالا ہوں لیکن کوئی حرج نہیں کیونکہ مشک بھی تو کالا ہے اور عمدہ چیز کا رنگ میرے رنگ کے موافق ہے اور اس کے علاوہ میری سیاہ فامی کا کوئی علاج بھی نہیں لیکن ہاں اتنا ضرور کہوں گا کہ میری سیرت اس قدر اچھی ہے کہ بری باتیں مجھ سے اسی قدر دور ہیں جتنا کہ زمین آسمان سے۔

یہاں بھی عنترہ کا طرز استدلال پہلا سا ہے لیکن اتنی زیادتی ہے کہ اپنی بدصورتی کے دفعیہ پر لاچاری کا اظہار بھی کرتا ہے ساتھ ہی اس کے دونوں جگہ اپنے حسن سیرت کے

غرور میں اپنی بدصورتی کے عیب کو قابلِ توجہ نہیں سمجھتا۔

اعراب جاہلیت کا دستور تھا کہ کنیز سے جو لڑکا پیدا ہوتا تھا اُسکو غلام بنالیتے تھے اگر شرافت و نجابت کے آثار اُس میں پاتے تو اپنا لڑکا تسلیم کرکے آزاد کردیتے تھے ورنہ اُسی طرح غلام بنائے رکھتے تھے۔

عنترہ بھی اُن کی اس رسم کا شکار ہوا چنانچہ ابتدا اُسکے باپ نے اُس سے انکار کیا اور محض اس وجہ سے اُس کو اپنا لڑکا نہیں ظاہر کیا کہ وہ لونڈی کے پیٹ سے تھا لیکن بعد کو وہ اپنی جوانمردی اور بہادری سے خاندان عبس کا ایک رکن اور مایۂ فخر و ناز تسلیم کیا گیا۔

چنانچہ ابتدا عنترہ اپنے باپ کے پاس غلاموں کی زندگی بسر کرتا تھا اور ایک زمانہ تک دوسرے غلاموں کے ساتھ مویشی چراتا رہا۔ باوجودیکہ وہ اپنے اس کام کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتا تھا لیکن مجبور تھا کچھ نہ کرسکتا تھا آخرکار وہ زمانہ آیا کہ جس میں عنترہ بنی عبس میں سردار ہوکر چمکا۔

عرب کے بعض قبائل نے بنی عبس پر چڑھائی کردی سیکڑوں مردوں کو قتل کیا اور صدہا عورتوں کو گرفتار کرکے تمام مال و اسباب لوٹ لیا بنی عبس والوں نے لاکھ کوشش کی لیکن دشمن پر غالب نہ آسکے۔ عنترہ تو یہ سب تماشا دیکھا کیا کیونکہ وہ بنی عبس میں شمار نہیں کیا جاتا تھا۔ اتفاق سے عنترہ کا سامنا اُسکے باپ سے ہوگیا اُس نے عنترہ کو خطاب کرکے کہا کھڑا دیکھتا کیا ہے حملہ کر عنترہ نے جواب دیا میں غلام ہوں حملہ کرنا کیا جانوں میں تو اونٹنیوں کا دودھ دوہنا اور اُنکے تھنوں کا باندھنا خوب جانتا ہوں باپ نے کچھ مجبور ہو کر اور کچھ اپنی غرض سے کہدیا کہ ادھر سے حملہ کر تو آزاد ہے تجھکو غلام کون کہتا ہے۔ بس پھر کیا تھا عنترہ اپنے باپ سے یہ خوشخبری سُن کر ایسا مست ہوا کہ اُسکی شجاعت دونی ہوگئی حریف

خون نے رگ وپے میں دوڑنا شروع کیا اپنے قبیلہ کو جمع کرکے ایسا زبردست حملہ کیا کہ دشمن کے قدم اُکھڑ گئے۔ عنترہ نے تعاقب شروع کیا صدہا مردوں کو قتل کر دیا اور بکثرت عورتوں کو قید کر لیا اپنا تمام مال ومتاع مع اموال غنیمت کے واپس لیا ایسی زبردست اور نمایاں فتح حاصل کی کہ اُسی وقت سے تمام عرب میں نام ہو گیا باپ نے جب دیکھا کہ ایک ہزیمت خوردہ اور منتشر فوج نے کہ جس کے دل ٹوٹ چکے تھے عنترہ کی ماتحتی میں ایسے کارہائے نمایاں کیے کہ جنگ کا رنگ بالکل بدل دیا "کہاں وہ مدافعانہ کارروائی اور کہاں عنترہ کے جارحانہ حملے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ کہاں وہ پہلی شکست اور کہاں عنترہ کی فتح وظفر" تو اُسکے دل میں عنترہ کی وقعت ومحبت پیدا ہوئی اور اُس نے تمام قبیلہ کے روبرو نہایت فخر کے ساتھ اُسکے فرزند ہونے کا اقرار کیا اور اُسی وقت سے عنترہ نے خاندان عبس کے ایک رکن کی حیثیت سے زندگی بسر کرنا شروع کی۔ بعض مورخین عنترہ کے خاندان عبس میں شریک ہونے کا واقعہ یوں لکھتے ہیں کہ بنی عبس نے قبیلہ طے کے لوگوں پر حملہ کرکے اُن کا مال واسباب اور جانور سب لوٹ لیے عنترہ بھی اس موقع پر بنی عبس کا شریک تھا۔ لوٹ مار کے بعد جب تقسیم کرنے بیٹھے تو سب نے مل کر عنترہ سے کہا کہ ہم تم کو اپنے حصوں کے برابر حصہ نہ دیں گے کیونکہ تم غلام ہو اس میں بات بڑھی اور نوبت تکرار تک پہنچ گئی۔ طے والوں نے موقع پاکر ان پر حملہ کر دیا عنترہ یہ کہکر الگ ہو گیا کہ تم اُن سے تعداد میں کم نہیں ہو خود سمجھ لو میں کچھ نہیں جانتا۔ طے والوں نے ان کو مار مار کر اپنے تمام اونٹ واپس لے لیے اور یہ عنترہ کے کم ہو جانے سے اُن کا کچھ نہ بنا سکے۔

عنترہ کے باپ نے جب یہ کیفیت دیکھی کہ سب کی کرائی محنت اکارت جاتی ہے تو چلا کر کہا ... عنترہ بڑھ اور دیکھتا کیا ہے حملہ کر اُس نے جواب دیا کہ میں غلام ہوں

ہو نا کیا جانوں۔ باپ نے کہا غلام کوئی اور ہو گا تو آزاد ہے حملہ کر۔

عنترہ نے یہ خوشخبری سُن کر نہایت بے جگری سے حملہ کیا اور پھر تمام اونٹ بنی طے سے چھین لیے۔ اب کیا تھا باپ اُسکے نسب کا اقرار کرچکا تھا اُسکو بھی سب کے برابر حصہ ملا اور اُسی وقت سے عنترہ خاندان عبس میں شریک کرلیا گیا۔

عنترہ کی اس ابتدائی غلامانہ بسر اوقات کے بعد اُسکی زندگی کا وہ روشن اور کامیاب حصہ شروع ہوتا ہے کہ جس میں بجز جنگ و جدال اور الفت و محبت کے کچھ نہیں نظر آتا چنانچہ اُسکا تمام کلام انھیں دو باتوں سے بھرا ہے اور وہ بھی اس طرح باہم مخلوط ہے کہ ایک کا دوسرے سے جدا کرنا مشکل ہی نہیں بلکہ محال ہے۔

اُسکے عاشقانہ جذبات اور جنگ و جدال کے مختلف حالات پر میں تنقید کلام کے وقت نظر ڈالوں گا فی الحال دیگر دلچسپ واقعات اور اُسکے عشق کے اجمالی سلسلہ کو بیان کرکے اس نمبر کو ختم کرتا ہوں۔

عنترہ خاندان عبس میں داخل ہونے کے بعد اپنے چچا مالک کی بیٹی عبلہ پر عاشق ہو گیا اور اکثر اپنے کلام میں اُسکا تذکرہ کیا ہے بلکہ کوئی قصیدہ عبلہ کے ذکر سے خالی نہیں۔ مالک اپنی خوبصورت لڑکی کو اسکی بدصورتی کے باعث اسکے ساتھ بیاہنا نہیں چاہتا تھا۔ بہت ٹالا لڑکی کو ہمراہ لے کر مارا مارا پھرا لیکن عنترہ نے پیچھا نہ چھوڑا عنترہ کے فراق کے زمانہ میں مختلف لوگ عبلہ پر عاشق ہوئے لیکن کوئی کامیاب نہوا اور آخر کار عبلہ عنترہ ہی کے عقد میں آ ئی۔

خود عبلہ عنترہ کو پسند نہیں کرتی تھی چنانچہ ایک جگہ کہتا ہے۔

وان عابت سوادی فھو فخری		لانی فارس من نسل حام

اگر وہ (عبلہ) میرے سیاہ فام ہونے کو معیوب سمجھتی ہے تو یہ میرے لیے باعث فخر ہے کیونکہ میں اولاد حام کا ایک شہسوار ہوں۔

دوسرے موقع پر اس کی ناپسندیدگی اس طرح ظاہر کرتا ہے۔

ضحکت عبیلۃ اذ رأتنی عاریا — خرق القمیص وساعدی مخدوش

میری پھٹی ہوئی قمیص اور زخمی کلائی کو ننگا دیکھ کر عبلہ ہنس پڑتی ہے۔

عنترہ بوڑھا ہو کر [illegible] سے سات سال قبل نوے برس کی عمر میں قتل کر دیا گیا اور عبلہ بھی [illegible] زندہ نہیں [illegible]۔

اغانی میں ابن [illegible] سے روایت ہے کہ [illegible] نے عنترہ کا یہ شعر پڑھا

ولقد ابیت علی الطوی واظلہ — حتی انال بہ کریم المأکل

یعنے میں نے کئی کئی راتیں اور دن بھی [illegible] فاقہ سے گذار دیئے ہیں کہ کریمانہ طور سے کچھ کھانے کو [illegible]۔

اور فرمایا کہ عنترہ کے [illegible] کا دل [illegible] کو اسکے دیکھنے کا شوق نہیں پیدا ہوا۔

اغانی میں مذکور ہے کہ عنترہ سے کسی نے پوچھا کہ [illegible] عرب میں سب سے زیادہ بہادر اور [illegible] انہوں نے کہا کہ آخر پھر تم اسقدر مشہور کیوں [illegible] میں [illegible] کرتا ہوں اگر پیش قدمی کا موقع دیکھتا ہوں تو آگے بڑھتا ہوں ورنہ [illegible] دیکھتا ہوں کہ یہاں رکنا مناسب ہے تو رک جاتا ہوں خواہ مخواہ آگے بڑھ کر ہلاکت میں نہیں پڑتا اور کسی ایسی جگہ نہیں جاتا کہ جہاں سے نکلنے کا راستہ پہلے ہی سے میں نے نہ دیکھ لیا ہو۔ بہادر اور بزدل میں بہت جلد تمیز کر لیتا ہوں اور پہلے بزدل کو مار کے بہادر کے دل پر اپنا رعب جما لیتا ہوں پھر اسکو بھی آسانی سے مار لیتا ہوں۔

(باقی آئندہ)

الیاس قریشی

# حالتِ قوم

کچھ خبر ہے تمہیں اسلام کی حالت کیا ہے　　کیسے اعمال ہیں افعال ہیں عادت کیا ہے
ہیں بُرے آپ زمانے کی شکایت کیا ہے　　دل میں سوچو تو سہی قوم کی عزت کیا ہے

سست و بے جوش و بدل شاد نظر آتے ہیں
بیکار سے آپ سے برباد نظر آتے ہیں

شوکت و حشمت و اجلال کی خواہش ہی نہیں　　[illegible] ہے علم کی خواہش ہی نہیں
زندہ اقوام میں اس قوم کی پرسش ہی نہیں　　کوئی سنتا دلِ ناداں کی گذارش ہی نہیں

ایک بھی اپنے بزرگوں کی نہ پیرو ہم میں
ہاں ابھی تک ہے امیری کی بڑی بو ہم میں

گردشِ چرخ سے [illegible] تنگ　　[illegible] پست ہوئے جوش ہے ہمت نہ امنگ
حسرت و یاس و تمنا [illegible]　　[illegible] کوئی ہم آہنگ

دن مصیبت سے بسر کرتے ہیں گمنامی میں
موت [illegible] پاس بھٹکتی نہیں ناکامی میں

باپ دادا کی کمائی بڑی دولت کھودی　　[illegible] حشمت و اجلال تھے ثروت کھودی
سارے عالم میں حکومت تھی حکومت کھودی　　وہ فصاحت وہ بلاغت وہ فضیلت کھودی

اہلِ دانش [illegible] دنیا میں [illegible] ہم سے تھے
کون حکمت میں ارسطو تھا ارسطو ہم سے تھے

اہلِ یونان کو تہذیب سکھائی ہم نے　　ملک جاپان کو تہذیب سکھائی ہم نے
رزم میں فوج کی ترتیب سکھائی ہم نے　　بزم میں جنبش کی ترکیب سکھائی ہم نے

اہلِ صنعت ہمیں استاد کہا کرتے تھے
فرسٹ یورپ کی نمائش میں رہا کرتے تھے

پہلے تہذیب و تمدن کی نشانی ہم تھے　　[illegible] چشمۂ صد فیض رسانی ہم تھے

نظم میں نثر میں اعجاز بیانی ہم سے تھے — دہر میں اہلِ زباں اہلِ معانی ہم سے تھے
اب وہ پہلے کی نہیں ایک بھی عادت ہم میں
ہے شرافت نہ فضیلت نہ حمیت ہم میں

اہلِ اسلام کے آئے ہیں برے دن از حد — میل آپس میں نہیں پھیل گیا بغض و حسد
ہائے اپنوں سے بھی ہوتی نہیں اپنوں کی مدد — محسن الملک جہاں میں ہے نہ سید احمد
مر گئے قوم ترے ناز اٹھانے والے
بیکسوں کے لیے آواز اٹھانے والے

یوں تو بدلے ہیں زمانے نے ہزاروں فیشن — اپنی تقدیر کے پیچوں میں وہی ہے الجھن
سارے مفقود ہوئے انس و محبت کے چلن — بھائی سے بھائی کی تکرار عداوت ان بن
نام نیکی کا نہیں دل میں بدی آئی ہے
کیسی ادبار و نحوست کی صدی آئی ہے

نازنینوں کی ملاقات کے دلدادہ ہیں — جلوۂ بزم خرابات کے دلدادہ ہیں
رند بدمست ہیں برسات کے دلدادہ ہیں — ناچ کا شوق ہے ہر رات کے دلدادہ ہیں
رفتہ رفتہ سب غمازیاں سب آتی ہیں
راستبازی کے سوا بازیاں سب آتی ہیں

چھا گیا قوم میں اندھیر سیہ کاری سے — حال برباد ہے افلاس سے ناداری سے
عقل چکر میں رہی رونہ کی میخواری سے — عشق بازوں کو نہیں چین دل افگاری سے
کیوں نہ پستی میں ہوں اقبال مسلمانوں کے
قابل شرم ہیں اعمال مسلمانوں کے

اور قوموں کو ترقی ہے تنزل ان کو — لا سکا راہ پہ قسمت ہار نہ کابل ان کو
دیکھتا ہے نگہ قہر سے ہر گل ان کو — چھیڑتے رہتے ہیں گلزار میں بلبل ان کو
عزت و حرمت و تعظیم کو کھو بیٹھے ہیں
جب سے قرآن کی تعلیم کو کھو بیٹھے ہیں

دل کے ارمان نکالے سے نکل بھی نہ سکے — اور قسمت کے نوشتہ کو بدل بھی نہ سکے

آنسوؤں کی طرح دامن میں مچل بھی نہ سکے     ایسے نظروں سے گرے ہم کہ سنبھل بھی نہ سکے

خاک سے اپنے یتیموں کو اٹھایا نہ گیا

تھپکیاں دے کے کلیجے سے لگایا نہ گیا

بجلیاں دل پہ گراتا ہے بلکنا ان کا     اپنے ماں باپ کی فرقت میں بھٹکنا ان کا

دردمندوں کی طرف یاس سے تکنا ان کا     تھام کر دامن امید لٹکنا ان کا

ہائے کملائے ہوئے پھول سے چہرے انکے

گرد آلودہ ہوئے دھول سے چہرے انکے

قوم کی گود سے ہوتے ہیں جدا وائے نصیب     سرپرست ان کا کوئی ہے نہ معلم نہ ادیب

پیٹ بھرتے ہیں گدا بھیک کے ٹکڑوں پہ غریب     کون امداد کرے کون سکھائے تہذیب

رحم کھاتا ہے کلیجے سے لگا لو ان کو

دُرِ نایاب ہیں دامن میں اٹھا لو ان کو

اپنے انجام پہ اب غور کرو غور کرو     کامرانی جو بنے سر سے کوئی طور کرو

کام اس وقت تمہیں چاہیے فی الفور کرو     ساری دنیا میں تجارت کے لیے دور کرو

گو سلف کی سی نہیں شان مسلمانوں میں

پھر بھی باقی ہے ابھی جان مسلمانوں میں

نوجوانوں میں اگر جوش حمیت آ جائے     قوم کے نام پہ ہر شخص کو غیرت آ جائے

علم کے نور سے اخلاق و محبت آ جائے     آپ گھر پہ چلتی اسلام کی دولت آ جائے

نیر حشمت و اقبال چمکتا ہی رہے

اختر بخت زمانے میں دمکتا ہی رہے

اے خلیق جگر افگار دعا مانگ یہ آج     رحمتیں چھائی ہیں بدلا ہے زمانے کا مزاج

اہل اسلام کو حاصل ہو جہاں میں معراج     ساری قوموں کے بنے قوم ہماری سرتاج

[illegible] مسلمانوں میں

پھولیں اقبال [illegible] مسلمانوں میں

خلیق دہلوی

# غزلیات

(جناب سید محسن علی خاں صاحب آمر لکھنوی ایڈیٹر معیار)

ورد شکووں میں بس اب کیا دلِ ناشاد بھرے
نالہ وہ کھینچے لہو سے لبِ فریاد بھرے

امتحانِ عشق میں اب صبر و رضا سے ہے ختم
حوصلہ نکلیں وہ سب جتنے ہوں بیداد بھرے

جب یہ ہو تنگ قفس جب ہو تو رہ جائے قید
سانس پھر کیا کوئی بے مرضیِ صیاد بھرے

کوئی قاتل سے یہ بسمل کی تمنا کہہ دے
اور دو ہاتھ وہی زورِ خداداد بھرے

ہاں سرِ حشر رہوں صف بستہ ستمگار کے سمت
شکوہ سنج آتے ہیں اب دامنِ فریاد بھرے

دادخواہ آج بس اتنا ہوں میں اے داورِ حشر
ایک دم سرد یہ مجھ پر کوئی جلاد بھرے

تیر ہے تیر ہے اب تو کسی سائل کی دعا
اور کیا زورِ اثر اک دلِ ناشاد بھرے

کوہ و صحرا میں وہ سب لالۂ پر داغ ہیں
جتنے ذرات تھے خونِ سرِ فرہاد بھرے

دمِ تسلیم و رضا یوں ہو تقرب حاصل
دیکھ کر مجھ کو ہر اک دل میں تری یاد بھرے

مٹ چلے مٹ چلے سب نقشِ دو رنگی ہستی
ہاں نئے رنگ پھر اب عالمِ ایجاد بھرے

رگِ سودا کی دھمک ہے رہے نشتر کے خلاف
نہ دمِ بیمار تری آہ سے فصاد بھرے

(حضرت حسرت موہانی)

حائل تھی بیچ میں جو رضائی تمام شب
اس غم سے ہم کو نیند نہ آئی تمام شب

کی پاس سے ہوس نے لڑائی تمام شب
تم نے تو خوب راہ دکھائی تمام شب

پھر بھی تو پختہ ہو نہ سکی آرزو کی بات
ہر چند ہم نے ان کو سنائی تمام شب

بیباک ملتے ہی جو ہوئے ہم تو شرم سے
آنکھ اس پری نے پھر نہ ملائی تمام شب

میں خوب جانتا ہوں کہ تم کس خیال سے | کرتے رہے عدو کی بُرائی تمام شب
پھر شام ہی سے کیوں وہ چلے تھے چھڑا کے ہاتھ | دُکھتی رہی جو اُن کی کلائی تمام شب

حسرت سے کچھ وہ آتے ہی ایسے خفا ہوئے
پھر ہو سکی نہ اُن سے صفائی تمام شب (بہ تقلید انداز جرأت)

جناب خواجہ عبد الرؤف صاحب عشرت لکھنوی

ہمارا جذب اُنھیں کھینچ لائے گا گھر سے | یہ کب امید تھی بھولے ہوئے مقدر سے
شہید کون ہوا قتلگہ میں خنجر سے | لہو روتی ہے تلوار چشمِ جوہر سے
عذابِ جاں ہے بخیلوں کے واسطے دولت | ہلاک ہو گیا قارون کثرتِ زر سے
وہ دو گھڑی جو عیادت کو میری آئے تھے | ابھی تک آتی ہے بوئے عروس بستر سے
مٹے نہ سوزشِ دل آہِ سرد سے یارب | یہ شمعِ بزم نہ ٹھنڈی ہو بادِ صرصر سے
غمِ فراق سے کیوں دل نہ ٹکڑے ٹکڑے ہو | کہ چور چور ہو شیشہ لڑے جو پتھر سے
جگر میں زخم کوئی پڑ گیا نیا شاید | لہو ٹپکتا ہے ہر وقت دیدۂ تر سے

جواب نامہ بھی بھیجا نہ یار نے عشرت
بہت خجل میں ہوا اپنے قلبِ مضطر سے

حضرت راغب بدایونی

عیشِ آزادی کے منظر کی ہوس کب تک کریں | اے اجل فریادِ پابندِ قفس کب تک کریں
کھل گیا اُن شوخ نظروں کا تبسم کھل گیا | زخمِ پنہاں کا رفو تارِ نفس کب تک کریں
باغ میں صیاد آیا تھا تو سمجھے میہماں | اب [illegible] حسرت کا مہماں قفس کب تک کریں
دشمنِ جاں اور اُسمیں آتشِ یاقوتِ دل | رحم اے دزدِ حنا ضبطِ نفس کب تک کریں
ہر نظر ہے بے پرو بالی میں اپنا مرثیہ | دیکھنا ہے وادیِ کنجِ قفس کب تک کریں
ہر [illegible] ہے دستِ حسرت ہر نفس ہے سینہ کوب | ماتمِ دل اسطرح اے ہم نفس کب تک کریں

عمر گذری سوزِ غم سے شمع دل ہے شعلہ ریز
راغب اُن کی بزمِ عشرت کی ہوس کب تک کریں

جناب حامد اللہ صاحب افسر میرٹھی

شبِ غم آنکھ لگ جاتی تو پھر دیدار ہو جاتا — وہ آتے خواب میں طالع مرا بیدار ہو جاتا

اگر ہم سے مقدس آہیں بادہ خواریاں کرتے   تو جائے ذکرِ حق خانۂ خمّار ہو جاتا

نہ رکھتا میں اگر اپنے دل و دیدہ میں پوشیدہ   تو عالم محوِ دیدارِ جمالِ یار ہو جاتا

نقاب اُٹھتی تو مست آنکھوں سے ناکھوں اُن کی پینا   وہ اک عالم کو غافل کر کے خود ہشیار ہو جاتا

مصیبت ہی اُٹھانی تھی تو مر کر کیوں اُٹھانی تھی — نہوتا عشق جاہے اور جیا آزار ہو جاتا

اب آخر اس سے کیا سمجھوں کہ دیکھا جائے گا دیکھو — یہ بیچینی ہی کیوں ہوتی اگر انکار ہو جاتا

نظر تجھ پر اگر دیوانۂ دشتِ جنوں کرتے   تو پھر آباد تو اے دامنِ کہسار ہو جاتا

میں اک لذت شناسِ بیخودیِ عشق ہوں ورنہ   یہ ایسی بات ہی کیا تھی کہ میں ہشیار ہو جاتا

جو گرتا بھی تو بن کر آسمانِ حُسن کا تارا   اگر اے اشک تو عرقِ جبینِ یار ہو جاتا

وہ شاید آہی جاتے پرسشِ حالِ دلِ جاں کو   . کچھ ایسی مجھ پہ آ بنتی کہ میں بیمار ہو جاتا

اگر موقع تری طاعت کا دیتی گنہگاری   تو بخشش کا سہارا اے مرے غفار ہو جاتا

اب آنکھوں میں سمانے سے میں کیونکر دیکھ لوں تم کو   جو پردوں سے نکل آتے تو پھر دیدار ہو جاتا

نہوتی میرے قاتل کی نظر میں یہ اگر افسرؔ
تو پھر میں اپنی جانِ زار سے بیزار ہو جاتا

جناب مرزا محمد وصی علی خاں صاحب وصیت لکھنوی

آسماں ٹھہر گیا رنگ جہاں بھی ٹھہرا   وائے نا مطمئنی دل نہ ہمارا ٹھہرا

اللہ اللہ وہ بیتابیِ دل بعدِ فنا   ایک جا بھی نہ مری خاک کا ذرّا ٹھہرا

جوششِ عشق کی تشریح شہادت نے جو کی   رگِ جاں میں نہ کوئی خون کا قطرا ٹھہرا

شعلۂ حسن ہوا باعث توہین حجاب ‏ جذب کامل ہو جس وقت نہ پردا ٹھہرا

قطع ہرگز نہ ہوا سلسلۂ بیتابی ‏ دل جو ٹھہرا تو نہ پہلو میں کلیجا ٹھہرا

ہو پڑے گی تجھی دل کی کشش اے موسیٰ ‏ کیجیے تو حسن محبت میں بھلا کیا ٹھہرا

میرا [illegible] ‏ چشم [illegible] مشہد کو تماشا ٹھہرا

اثر عشق نے کی ضعف میں راحت طلبی ‏ رگ ہر سنگ میں خون سر سودا ٹھہرا

[illegible] تحریک محبت کا [illegible] ‏ [illegible] دل نہ ہمارا ٹھہرا

کس سے ناکامی قسمت کی حکایت کیجیے ‏ غرق دریا ہوا جب میرا سفینا ٹھہرا

درد [illegible] ہو گئی [illegible] سے وقعت

واسطہ ناطاقتی دل نہ ہمارا ٹھہرا

جناب کشوری لال صاحب [illegible] قمر

ہو کے زخمی دل جگر آخر پشیماں ہو گئیں ‏ خوردہ نظریں چشم کے گوشہ میں پنہاں ہو گئیں

حال کی میرے رعایت کی تری زلفوں نے بھی ‏ دیکھ کر میری پریشانی پریشاں ہو گئیں

قتل عاشق کے لیے لائے تھے جو کام میں ‏ بیٹھ کر دل میں وہی نظریں رگ جاں ہو گئیں

جن کے سونے نے پریشاں ہم کو رکھا تا یہ زیست ‏ آج ہم میں [illegible] زلفیں پریشاں ہو گئیں

وہ لٹیں بکھری ہوئی شانوں پہ [illegible] کی ‏ اور بھی میری پریشانی کا ساماں ہو گئیں

مدتوں بزم حسیناں میں مرا ماتم رہا ‏ سیکڑوں زلفیں مرے غم میں پریشاں ہو گئیں

وہ ادائیں دلستاں تیری وہ مستانہ روش ‏ بس یہی تو میری بربادی کا ساماں ہو گئیں

بدلیاں برسات کی تھیں کیا یہ دل کی حسرتیں ‏ مجتمع دم میں ہوئیں دم میں پریشاں ہو گئیں

مرحبا اے عشق تیرے دم کی ہے یہ روشنی ‏ جلتے جلتے ہڈیاں تک شمع سوزاں ہو گئیں

بن گیا دست زلیخا دست گستاخ نسیم ‏ گل کی کلیاں حضرت یوسف کا داماں ہو گئیں

ہو رہے ہو معمورۂ دل کے لیے کیا اے قمر

سیکڑوں آبادیاں ہوں گی جو ویراں ہو گئیں

# ایک نظر

**اُردو کانفرنس** "انجمن ترقی اُردو" محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا اس وقت تک ایک شعبہ تھا اور اب بھی ہے مگر ملک کے بیشتر حامیان اُردو کو کانفرنس مذکور کی طرف سے ایک عرصہ سے یہ شکایت پیدا ہو گئی تھی کہ وہ اپنے اس شعبہ کے ساتھ بہت سرد مہری کا برتاؤ کرتی ہے جس کے ثبوت میں "انجمن ترقی اُردو کے لیے رقم مقررہ (مبلغ دو سو روپیہ سالانہ) کا کانفرنس کے دفتر سے نہ وصول ہونا اسکو سالانہ اجلاس تک میں بہت کم وقت دیا جانا" اور اس کے علاوہ کانفرنس کی طرف سے ترقی اُردو، تحفظ اُردو۔ اور توسیع اُردو کے لیے کسی خاص کوشش کا نہ کیا جانا وغیرہ باتیں پیش کی جاتی ہیں - جن کے صحیح ہونے میں بہت کم شبہ کیا جا سکتا ہے ان امور کو مدنظر رکھکر اور ان کے علاوہ اس خیال کو پیش نظر رکھتے ہوے کہ اُردو جیسی ہندوستان کی مشترکہ زبان کو محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا ایک شعبہ قرار دینے کے یہ معنی ہیں کہ یا تو ہندو حضرات کو ترقی اُردو سے علیحدہ رکھا جائے یا انھیں ترقی اُردو کے لیے کسی دوسری انجمن بنانے کا موقع دیا جائے یہ مناسب معلوم ہوا کہ اُردو کی ایک جداگانہ انجمن قائم کی جائے یہ عرض کرنا غالباً برادران وطن کے ناگوار نہ ہوگا کہ انجمن ترقی اردو کو محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا ایک شعبہ بنانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ بجائے اسکے کہ ہندو حضرات اُردو زبان کو اپنا حق جتاتے اور اُسے محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس سے علیحدہ کرا کے "اُردو کانفرنس" کے آزادانہ قیام پر زور دیتے اُنھوں نے قریب قریب اُردو کو چھوڑ دیا۔ اور مادر ہند کی اس ہردلعزیز بیٹی کو صرف مسلمانوں کی ملک گردان لیا برادران وطن کا یہ رویہ اُن کے اس احساس طن پرستی پر ضرور حرف لاتا ہے جس کے ماتحت اُن پر ہندوستان کی بہترین پیداوار (اُردو) کی خدمت لازم آتی تھی - ان حضرات میں سے ایک حصہ اُردو کو اپنی مادری زبان ماننے سے بھی منحرف ہونے لگا اور بجاے اُس کی حمایت کے اُس کی مخالفت پر کمربستہ ہو گیا -

ان وجوہات کو مدنظر رکھتے ہوے حضرات لکھنؤ نے ایک آزاد "اُردو کانفرنس" قائم کرنے کا خیال کیا اور اُس کا ایک جلسہ تعطیلات دسمبر میں لکھنؤ میں منعقد کرنا قرار دیا۔ اس کانفرنس میں مولوی عبدالحق صاحب سکرٹری انجمن ترقی اُردو نے شریک ہونا منظور کر لیا ہے جن کی ذات چند سال سے انجمن ترقی اُردو کے قائم رہنے اور کچھ نہ کچھ ترقی کرتے رہنے کا باعث ہوئی ہے اس کانفرنس سے متعلق دو جلسے منعقد ہو چکے ہیں جس میں سے پہلا باشندگان لکھنؤ کا ایک عام جلسہ ۱۲ نومبر کو قیصر باغ بارہ دری میں منعقد ہوا

اس جلسہ میں استقبالیہ کمیٹی کے اراکین مقرر کیے جانے کے علاوہ حسب ذیل اصحاب مجلس استقبالیہ کے عہدہ دار منتخب کیے گئے۔

صدر۔ جناب نواب ذوالقدر جنگ بہادر ایم اے بیرسٹرایٹ لا سابق جج ہائی کورٹ حیدرآباد دکن۔

**نائبین صدر۔** آنریبل راے بہادر منشی پراگ نرائن صاحب مالک نولکشور پریس۔ جناب سید انتفات رسول صاحب اعظمی تعلقدار سندیلہ۔ جناب نواب سلطان علی خاں صاحب عرف باسو صاحب رئیس لکھنو۔ جناب نواب آغا محمد شفیع خاں صاحب رئیس لکھنوٗ جناب پنڈت منوہر لال زتشی صاحب ایم اے ہیڈ ماسٹر جوبلی ہائی اسکول لکھنوٗ۔ جناب مولانا سید کرامت حسین صاحب سابق جج ہائی کورٹ الہ آباد جناب پروفیسر مرزا محمد ہادی صاحب رسوا بی اے۔ جناب مولوی نظام الدین حسن صاحب ایم اے بی ایل پنشنر ڈپٹی کلکٹر۔ جناب مولانا سید علی نقی صاحب صفی۔ جناب مولوی سید سلیمان صاحب ندوی

**معتمدین** جناب پنڈت برج نرائن صاحب چکبست بی اے۔ جناب ڈاکٹر ناظر الدین حسن صاحب بیرسٹر ایٹ لا۔ جناب مرزا محمد ہادی صاحب عزیز لکھنوی۔ جناب مولانا عبد الحلیم صاحب شرر۔

**مددگاران معتمد۔** مسٹر عبد الولی بی اے۔ مسٹر عباس حسین قاری ایڈیٹر تمدن۔ مولوی صبغت اللہ شہید ایڈیٹر انتظامیہ۔ ظفر الملک علوی ایڈیٹر الناظر۔ مولوی اکرام اللہ خاں ندوی ایڈیٹر الندوہ۔

( ) طے پایا کہ میں ارکان کی ایک ایگزیکٹو کمیٹی (کارکن مجلس) تمام انتظامی امور کے انصرام کے لیے مقرر ہو۔ سب عہدہ داران مندرجۂ بالا بھی کارکن مجلس میں شامل رہیں گے۔ چنانچہ اصحاب ذیل اسی وقت رکن منتخب ہوئے۔

(۱) پنڈت کشن پرشاد صاحب کول ایڈیٹر ہندوستانی و رکن انجمن خدام ہند (سرونٹ آف انڈیا سوسائٹی)
(۲) سید سجاد حیدر صاحب بی اے پرائیوٹ سکرٹری راجہ صاحب محمود آباد۔
(۳) مسٹر عبد الماجد بی اے۔
(۴) سید جالب صاحب ایڈیٹر ہمدم۔
(۵) منشی ممتاز حسین صاحب ایڈیٹر اودھ پنچ۔
(۶) منشی سخاوت علی صاحب وائس چیرمین میونسپل بورڈ لکھنوٗ۔
(۷) راجہ غلام حسین صاحب۔ سب ایڈیٹر آئی ڈی ٹی۔

( ) طے پایا کہ مجلس استقبالیہ کے کارکن معتمد ظفر الملک صاحب علوی ایڈیٹر الناظر مقرر ہوں۔
( ) طے پایا کہ انعقاد جلسہ کی تاریخ اور جگہ کا تعین کارکن مجلس کی رائے پر چھوڑا جائے جس کا اعلان بعد میں کیا جائے گا۔

دوسرا جلسہ استقبالیہ کمیٹی کا تھا جو ۲۰ نومبر کو منعقد ہوا جس میں جناب نواب نصیر حسین صاحب خیال (پٹنہ) کو صدارت کے لیے منتخب کیا گیا جو حضرات اردو سے دلچسپی لیتے ہیں اُن سے توقع کیجاتی ہے کہ وہ اس کانفرنس کو ہر پہلو سے کامیاب بنانے کی کوشش فرمائیں گے۔

---

**اُردو پریس کانفرنس** | لکھنؤ کے بعض اُردو اخبار نویس اسلامی اجتماع دسمبر کے موقع پر ہندوستان کے اُردو اخبار نویسوں کو ایک کانفرنس کی صورت میں جمع کرنا چاہتے ہیں ہمیں اُردو پریس کانفرنس کے قیام کی تحریک سے کلی اتفاق ہے۔ اپنے ہمعصروں سے توقع ہے کہ وہ اُردو پریس کانفرنس کی ضرورت کا احساس کرتے ہوئے اس کانفرنس کا خیر مقدم کریں۔

---

**گفتار بیخود** | یعنی وحید العصر حضرت منشی سید وحید الدین احمد صاحب بیخود دہلوی جانشین حضرت داغ دہلوی کا پہلا دیوان ہمارے پاس ریویو کے لیے آیا ہے۔ حضرت بیخود دہلی کے ممتاز ترین شعرا میں ایک امتیازی حیثیت رکھتے ہیں اور آپ کا کلام دہلی کی زبان کا بہترین نمونہ کہا جا سکتا ہے یوں تو آپ داغ کے جانشین ہیں مگر آپ کے کلام میں دیگر اساتذہ فن کے کلام کی جھلک بھی پائی جاتی ہے ہم اپنے ناظرین کے لیے آپ کے دیوان شاعری کا ایک عمدہ مجموعہ بتاتے ہوئے اپنے ریویو کو حضرت ثاقب قزلباش لکھنوی کے اس شعر پر ختم کرتے ہیں جو حضرت بیخود کے دیوان کی تاریخ اشاعت میں شائع ہوا ہے۔

کیا نہیں سب کچھ ہے آئینہ نکتہ رس دل کے لیے
سادگی بیساختہ پن روزمرہ بول چال

یہ شعر جناب بیخود کے دیوان کے متعلق مبالغہ سے بالکل پاک ہے بلکہ اس کے اوصاف اس سے بھی کچھ زیادہ ہیں۔ یہ دیوان (گفتار بیخود) حضرت مصنف کے پتہ پر مٹیا محل دہلی سے ہر میں مل سکتا ہے۔

---

**انگلش ٹیچر** | ٹنڈن برادرز کے انگلش ٹیچر کے ریویو میں جو نومبر کے تمدن میں شائع ہوا تھا پتہ میں بجائے آگرہ کے لاہور شائع ہو گیا ہے صحیح پتہ ٹنڈن برادرس آگرہ ہے۔

دسمبر سنہ ۱۹۱۷ء

# تمدن

معاشرتی۔ تمدنی ادبی فلسفی اخلاقی تاریخی۔ اور علمی مضامین کا مخزن

ایڈیٹر ایم۔ اے قاری (علیگ) خلف اکبر جناب قاری
محمد سرفراز حسین صاحب (علیگ) عزمی دہلوی سیاح جاپان و انگلستان

فہرست مضامین



نارتھ انڈیا پرنٹنگ پریس لکھنؤ میں چھپا

پرنٹر ... پبلشر ...

قیمت سالانہ ... فی پرچہ کی قیمت ۵

مقام اشاعت امین آباد لکھنؤ

# علمی ادبی اور اخلاقی کتب کا قابل قدر ذخیرہ

**مسلمان عورتوں کی بہادری ہمی**
اسلامی تمدن کے مبارک عہد میں جن مسلمان عورتوں نے پالیٹکس میں حصہ لیا ہے اور دنیا کے اوپر انتہائی شجاعت اور قومی ہمدردی کے اعلیٰ نمونہ پیش کیے ہیں انکے مفصل واقعات اور سوانح قیمت ۔ ۔ ۔ ۔ ۱۲ر

**تہذیب الاسلام** جس میں فلسفہ یورپ کی تحقیقات موجودہ سائنس جدید کے انکشافات کو اسلامی مسائل خفیہ کے ساتھ تطبیق اور محققین تمدن کے اعتراضات کی تردید کی گئی ہے اور مسلمانوں کے عروج و زوال کا اصلی سبب بیان کیا گیا ہے ۔ ۔ ۸ر

**چمنستان عرب غنچۂ حج** قرآن شریف احادیث اور تواریخ سے حج معظمہ کعبہ مقدسہ مدینہ منورہ اور عرب کے تاریخی جغرافیائی حالات اس کتاب میں نہایت تفصیل کے ساتھ درج کیے گئے ہیں اور جس حج کی کتاب میں درست ہیں قیمت ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ عہ ر

**اتالیق فی ...** [illegible] مشہور ... معنی ... اور ... ۸ر

**جذبات بھاشا** بھاشا کے نکات قدرتی مناظر کی تصویر کھینچنا اسکے بائیں ہاتھ کا کرتب ہے خودداری حیا غرور حسن محبت و جذبات میں جنپر بھاشا کی شاعری کا ستون کھڑا ہے ساری آسان تشبیہات دلوں میں چٹکیاں لے لیتی ہیں جذبات بھاشا میں ملک کے قابل انشاپرداز حضرت نیاز فتحپوری نے ان دوہوں کے معنی بیان کئے ہیں ۱۲ر

**مشاہیر مشائخ** خاندانہائے عالیہ چشتیہ سہروردیہ کے مشہور مشائخ کا مقدس تذکرہ ۔ ۔ ۔ ۸ر

**انتخاب عروج** دہلی کے ایک مشہور انشاپرداز خاتون کے زور قلم کا تازہ کارنامہ آئیں قابل مصنفہ نے اپنے طبقہ کو مخاطب سے جنس کو رکنے کی مدت میں اپیل کیا ہے کہ اس غریب کی رائے کو بھی قابل وقعت سمجھکر حاصل کر لیا جائے ۔ ۱۲ر

**آثار خیر** اسلامی عہد حکومت کے محکمہ پبلک ورک مدرسوں، سڑکوں نہروں وغیرہ کے حالات عہ ر

**حیاۃ النظیر** مولانا حافظ نذیر احمد صاحب کے حالات سے

**تاریخ مذہب** مذہب کی ابتدا اور ترقی کے حالات ۱ر

... [illegible] ... زندگی ... دنیا ... انقلاب ترکی ... پروفیسر ... کا سفرنامہ عہ ر

... [illegible] ... نیاگاؤں ...

# بیگمات کے پڑھنے کی دلچسپ کتابیں

**معیشت و معاشرت** انتظام خانہ داری اور
روزمرہ کے اصول جو عورتوں کی صحت جسمانی قایم رکھنے
کیلئے ضروری ہیں مصنفہ علیا حضرت فرمانروا بھوپال

**سبیل الجنان** ایمان اسلام اور نماز روزہ
زکوۃ حج پر حضور عالیہ بیگم صاحبہ بھوپال ۴؎

**تہذیب النسواں** و تربیت الانسان امراض
مخصوصہ نسواں کی طبی احتیاطیں خانہ داری کی
ضروری اور کار آمد باتیں مصنفہ بیگم صاحبہ بھوپال

**تعلیم اصول خانہ داری** قصہ اور کہانیوں
میں نہایت ضروری تعلیم قیمت ۱۲؎

**ہدایات تیمارداری** ڈاکٹری اصول کے
مطابق تیمارداری کے ضروری طریقے ۲؎

**تربیت الاطفال** ۸؎

**بچوں کی پرورش** متعلق حفظان صحت [illegible]

**عقیلہ بیگم** کفایت شعار تعلیم یافتہ [illegible]
کے بغیر ایک بادشاہ کی سلطنت کا برباد ہونا اور
اسی کے انتظام کی بدولت ایک لکھ [illegible] کا
ملک انتہا رہن جانا عجیب و دلچسپ قصہ ہے ۳؎

**لاڈلا** [illegible] تعلیم کی ضرورت کا اظہار [illegible]

[illegible] اسوال [illegible] تاثیر محبت ۱۲؎

# علمی ادبی اور تاریخی کتب کا ذخیرہ

**رموز فطرت** علم طبیعیات علم طبقات الارض
جغرافیہ طبعی اور ثوابت و سیارے کے ابتدائی و بنیادی
اصول کی تشریح قیمت ۸؎

**انسان** انسان کی تشریح علمی رنگ میں ۸؎

**گنج شائیگاں** قدیم شاہان ایران سے لیکر
اسوقت تک دنیا کی تمام سلطنتوں کے سکوں کی تصویریں ۸؎

**رہنمائے تعلیم** اصناف اور بہترین طریقوں پر
بحث کی گئی طلبہ کیلئے رہنمائے تعلیم کا کام دیتی ہے ۴؎

**حیات حافظ** لسان الغیب حافظ شیرازی کے حالات [illegible]

**جنگ روس و جاپان** گذشتہ مہلک جنگ کے حالات [illegible]

**سیر یورپ** ہر ہائنس نازلی رفیعہ سلطان نواب بیگم
صاحبہ ریاست جنجیرہ کے سفر یورپ کا روزنامچہ مع
عکسی تصاویر شائع ہیں قسم اول [illegible] دوم [illegible]

**نیرنگ فرنگ** فرانس کے انقلاب کی مفصل
اور نہایت دلچسپ سبق آموز داستان ۱۰؎

**محاصرہ دردانیال** دردانیال کی مکمل
تاریخ موجودہ جنگ کے معرکہائے دردانیال کی
پوری حالت و انگریزوں کی واپسی و ناکامی کے
واقعات نہایت خوبی اور تفصیل سے دکھائے ہیں

**تاریخ مسجد الحرام** [illegible] **گھر کا رفیق** [illegible]

ملنے کا پتہ [illegible] دفتر رسالہ [illegible]

# تمدّن

لکھنؤ

## چاند سلطانہ ملکۂ دکن

سنبھل کر غش سے آپ وارفتہ پھر محو تماشا ہے
ذرا اے حُسن پھر رونق فزائے بام و در ہونا

طارق و ابن قاسم کی فتوحات۔ تیمور و نپولین کے کارنامے۔ سکندر و اکبر کی ہمتیں۔ محمودؔ و خالد کے جوش اسلامی۔ کسریٰ و جہانگیر کا عدل۔ حاتم و معن کی سخاوت۔ سلیمان و خسرو کی اولوالعزمی۔ جولیس سیزر و ولید کی وسعت ملکی عبدالرحمٰن و عالمگیر کی آن بان دیکھنے اور ان صاحب ہمم و کرم شہریاروں کے گراں بہا تذکروں سے دلچسپی لینے والے اصحاب و افراد ذرا نظر کو وسعت دیں۔ اور ایک نگاہ طبقۂ عالم کی اس معزز و دل آرا مخلوق پر ڈالیں جو سطح ارض پر صنفِ نازک کے نزاکت آسا اور لطافت بار نام سے پکاری جاتی ہے۔ اور جو چمن دہر کا ایک غایت درجہ خوشنما و گلعِذار پھول ہے جس کے اعلیٰ سے اعلیٰ اور ممتاز سے ممتاز روشن کارنامے مردوں کی افسوسناک خود بینی و خود پرستی سے گنج خفا میں مستور و مخفی رہتے چلے آئے ہیں۔ تاریخ کے صفحات صنف نازک کی نگاریں خدمات سے مزین و مرصع ہیں۔ زمانے نے

بارہا تحسین و آفرین کی دلفریب و دلنشیں صدائیں جنس لطیف کے تابناک کارناموں پر
بلند ہوتی ہوئی سُنی ہیں۔ میڈم ڈی اسٹائل کی سحرکار لیاقت۔ سیفو کی معروف زمانہ
قابلیت۔ ہائی پیشیا کا محیر العقول تبحر علمی۔ کیتھرائن کا تعقل انگیز عروج۔ ملکہ الزبتھ
کے حوصلے۔ ارباب فکر و غور کی اب تک بصیرت افزائی کر رہے ہیں۔ جیورٹیا کی
تعجب انگیز خدمات۔ اگسٹینا کی یادگار عالم جرأت اب بھی رگوں میں حرارت اور قلوب
میں ہمت پیدا کر دیتی ہے۔ میدان جنگ کا ہیبتناک منظر اور غزالہ زوجہ شبیب
کی اصالت و بسالت۔ قابل غور و تعمق ہے کہ عبد الملک کے تاج کا وہ لعل شبچراغ
حجاج جس سے سارا عراق و حجاز کانپتا تھا۔ جو پولیٹکل دنیا کی بزم رنگیں کا پرہما
جلوہ تھا۔ جب بعض لڑائیوں میں سامنے آگیا تاب مقابلہ نہ ہوئی اور بارہا استقامت
و پامردی پر ہزیمت و فراری کو مرجح و پسندیدہ قرار دینا پڑا۔ یہ اس شیردل غزالہ کی
حیرت انگیز جرأت کا ایک نقش رنگیں ہے۔ محاصرۂ دمشق کے وقت جب اسلامی
خواتین ذلت گرفتاری سے دوچار ہوئیں اور استمداد و استعانت کی کوئی توقع بار کرن
تک نہ دکھائی دی۔ اُسوقت سرمایہ ناز اسلامی حضرت خولہؓ بنت ازور نے ایک
آتشین تقریر کی جس کے چند فقروں نے آگ لگا دی۔ خیموں کی چوبیں لیکر
مردانہ وار آگے بڑھیں اور آن کی آن میں تیس لاشیں گرادیں۔ یہ وہ شاندار
کارنامہ تھا جس کے مستانہ سرور نے مشہور یورپی مؤرخ ایڈورڈ گبن تک کے دماغ
کو متاثر و متکیف کیا۔ اور وہ بدیں الفاظ ضیا بار توصیف و تمدیح کرنے پر مائل ہوگیا
کہ "یہ وہ عورتیں ہیں جو شمشیر زنی۔ نیزہ بازی۔ تیراندازی میں ماہر و کامل تھیں یہی وجہ
ہے کہ نازک ترین مواقع پر بھی یہ اپنے دامن عفت کو محفوظ و مصئون رکھنے میں کامران
ہوتی تھیں۔" سلطان علاء الدین خلجی نے ایک دن کہا کہ اب کوئی ریاست ہندوستان
میں میرے سامنے آنے اور سرکشی [illegible] جسارت و ہمت نہیں رکھتی۔ قلعہ جالور کا

راجہ کا نیر دیو دربار میں حاضر تھا۔ نہایت تمکنت و تکبر سے بولا کہ جالور کا قلعہ کبھی مطیع نہیں ہو سکتا۔ سلطان برہم ہوا مگر ایک لفظ نہ کہا اور کہدیا کہ جالور کو مسخر کرلو۔ دو تین ماہ بعد سلطان نے اپنی لونڈی گل بہشت کو سپہ سالار بنا کر مہم جالور پر روانہ کیا۔ گل بہشت فوج لیے ہوئے برق و باد کی طرح جا پڑی۔ اور اس شان سے حملہ کیا کہ راجہ قلعہ بند ہوگیا۔ راجہ کو اس دلیری و بہادری کا گمان بھی نہ تھا۔ فتح و نصرت کی صبح طلوع ہوا چاہتی تھی کہ ایک نوسی شدید و صعب مرض نے ایک ہی چرکے میں کام تمام کردیا۔ اسی طرح جون آف آرک کی شہرت انگیز اور معروف آفاق سپہ سالاری۔ معرکہ یرموک و قادسیہ میں عورتوں کی جانبازیاں اور خنساء و فارعہ کی ندرت نواز اور بدیع المثال رجزخوانیاں رضیہ و نورجہاں کے باوجود صد ہزار گونہ رعنائی و نزاکت شیر تلوار سے مار ڈالنے وہ سبق نہیں جن کو سہو کا پانی صفحہ دماغ سے زائل و مندفع کرسکے۔ امیر تیمور کے کشورستاں لشکر اور زبردست و بے پناہ افواج میں بہت سی عورتیں تھیں جو میدان جنگ کے ہولناک معرکوں میں داد شجاعت دیتی تھیں۔ نبرد آزمائیوں میں شریک ہوتی تھیں۔ دلیروں سے مقابلہ کرتی تھیں۔ معرکوں میں گھستی تھیں۔ تلواریں چلاتی تھیں۔ نیزے لگاتی تھیں۔ تیر مارتی تھیں۔ غرض کسی بات میں وہ مردوں سے کمزور اور عاجز نہ تھیں۔ تیموری کارناموں میں ان عورتوں کا ممتاز حصہ ہے۔ حمید بیگم نظام الملک مالک قلعۂ دولت آباد کی طرف سے برضا و رغبت خود فوج لے کر نکلی جب عادل خاں کی فوج سے مقابلہ ہوا تو بذات خود مسلح و آمادہ ہوکر میدان میں آکر پہاڑ کی طرح عرصہ کارزار میں ایستادہ رہی اور اس شیردلی و جرأت سے فوج کو لڑایا کہ بعد فرصت قلیل عادل شاہی لشکر اس بے سروسامانی سے بھاگا کہ سب ہاتھی اور توپ خانے چھوڑ گیا۔ اسلامی خواتین کی فقید المثال اور یادگار ہمت و جانبازی کے یہ صد ہا بھول ہیں جو

کہ علی الدوام ارباب ذوق کے مشام جاں کو تازگی بخشتے رہیں گے۔

غرض اس نگار خانہ میں چاند بی بی کی دلکش و نظر آرا تصویر مخصوص و ممتاز حیثیت رکھتی ہے جس کے درخشاں کوائف و حالات کے تابندہ موتی یہاں پرونے منظور خاطر اور مد نظر ہیں۔ دکن کا نظام شاہی خاندان جس نے قریباً سوا سو برس نہایت کامرانی و عروج اور شان و اقتدار سے ڈنکۂ حکومت بجایا۔ اور جس کا دار السلطنت شہر احمد نگر تھا اس کی ایک بہادر اور صاحب التدبیر شاہزادی چاند بی بی نے اس سپہر گوہر نگار کی سقف مینا رنگ کے نیچے اپنی مہتم بالشان زندگی کے وہ ممتاز اور اعلیٰ ترین نشان چھوڑے ہیں جن کی رنگا رنگی نے صفحات تاریخ کو رشک گلزار اور راوراق بصیرت کو جواب تختۂ ارم بنا رکھا ہے جس کے غرابت انگیز و طلسم آسا کارنامے آج بھی صاحبان خرد اور متلاشیان عبرت و سخن موعظت کے لیے اپنے اندر بہت کچھ سامان عبرت و بصیرت رکھتے ہیں۔

یہ ملکہ حسین نظام شاہ کی دختر تھی۔ علی عادل شاہ بیجاپور اس کا شوہر تھا۔ ۱۵۶۴ء میں پردۂ عدم سے عرصۂ شہود میں آئی نظام شاہی اور عادل شاہی حکومتوں میں مراسم دوستی و مودت کے مستحکم و استوار بنانے کی خاطر چاند بی بی کا عقد عمل میں لایا گیا اور [illegible]

۱۵۸۰ء میں ابراہیم اس کا برادر زادہ [illegible] رونق افروز ہوا۔ مگر بمطابقت وصیت شاہ چاند بی بی کار ہائے [illegible] و امور جہانبانی خود انجام دینے لگی۔ قلمدان وزارت کامل خاں کو عطا ہوا۔ نہایت شان و شکوہ اور جاہ و جلال کے ساتھ حکمرانی شروع ہوئی [illegible] چاند بی بی روزانہ قلعہ میں دربار کرتی تھی۔ امرا سلطنت [illegible] نہایت آزادی و بیباکی سے [illegible]

میں تحرز و اعراض نہ برتیں۔ لیکن بیشتر اوقات ملکہ کی رائے نہایت صائب و دقیق ہوتی تھی اور وہی سب پر فوق و بالا رہتی تھی۔ منصب وزارت کامل خان سے کشور خاں کو منتقل ہوا۔ اور جو شمع کل تک شبستان کامل خاں کو بقعہ نور بنا رہی تھی وہ آج کشور خاں کے دولتکدوں میں روشن کی گئی۔ لیکن دون فطرتی اور خباثت نفس نے نمکحرامی سے اُس کو آمادہ بغاوت کر دیا۔ مصطفےٰ خاں اس مسند کے لیے تجویز ہوا۔ کشور خاں نے خبر پا کر اپنی زبردست شخصیت و امیری سے متنفع ہو کر ملکہ پہ الزام لگایا کہ وہ بیجاپور پر حملہ آوری کے لیے بھائی کو بلا رہی ہے اور نتیجۃً ملکہ قید کر کے قلعہ ستارہ بھیجدی گئی۔ اور آن کی آن میں ہمائے سلطنت کا سایہ سر سے ہٹ گیا۔ چونکہ ملکہ کی ہر دلعزیزی اور معدلت گستری نے رعایا کے دلوں پر جادو کے ڈورے ڈال دیے تھے لہذا فوراً ایک ہاہاہی مچ گئی۔ تمام امراء و وزراء اور اکابر و اصاغر برہم ہو گئے۔ نمک حرام کشور خاں کو فنا کے گھاٹ اُتار دیا گیا اور ملکہ کے فرق موقر پہ پھر تاج خسروی رکھا گیا۔ ایک حبشی نژاد امیر اخلاص خاں کرسی وزارت پر متمکن ہوا۔ بدقسمتی سے اس وقت دو جماعتیں ہو گئیں جن سے بنیاد سلطنت کمزور و ضعیف ہونے لگی۔ اور سخت نقصان پہنچنا شروع ہو گیا۔ اس حالت اختلال و ضعف نے اعداء حکومت کو تحریص دلائی۔ اور ایک غنیم نے تو یورش کر دی۔ مگر چاند بی بی نے اپنی بے نظیر جرأت سے سخت شکست دی۔ اس شکست خوردہ غنیم نے سال بھر سے شدید محاصرہ کر رکھا تھا مگر چاند بی بی کی دلیری و بسالت نے منتشر اجزا کو جمع کیا اور غنیم کے حوصلے پست کر دیے۔ ۱۵۸۵ء میں چاند بی بی کے بھائی نے ابراہیم کی بہن خدیجہ بیگم سے شادی کی۔ اور چاند بی بی بھی اُس کی معیت میں احمد نگر چلی آئی۔ اور مصمم ارادہ و عزم کر لیا کہ گوشہ تنہائی میں بیٹھ کر طاعت ایزدی [illegible] تسبیح [illegible] سعادت [illegible] کرے گی اور [illegible] اور اقربا

عشائر سے علحدہ باری تعالیٰ عزاسمہ کی یاد میں حیات مستعار کی باقی گھڑیاں بسر کی جائیں گی۔ لیکن یہاں آکر احمد نگر عجیب ابتر و پریشاں حالت میں نظر آیا۔ اور اس جسد مجروح کے رگ و ریشہ سے خون کی بوندیں ٹپک رہی تھیں باپ بیٹے باہم گر سخت معاند تھے۔ آخر مرتضیٰ کو جامۂ سرخ پہننا پڑا۔ اور چاند بی بی کی جملہ مساعی نقش برآب ثابت ہوئیں۔ میراں نظام شاہ نے باپ کو قتل و نہب سے سُرخرو کرنے کے بعد خود بھی وہی شربت نوش کیا۔ اس بدنظمی و افراتفری کے دور مضطرب میں بارسخ گروہ نے مرتضیٰ کے برادر زادہ کو عنان سلطنت دی۔ جمال خاں نے عہدۂ وزارت پایا۔ اس بادشاہ کی شدید مخالفت کی گئی اور جمال خاں کو شکست بھی ملی۔ چاند بی بی سے بیڑے کی غرقابی نہ دیکھی گئی جس طرح امکان میں ہوا اُبھارا اور صلح کرادی۔

احمد نگر کی ناگفتہ بہ حالت دیکھکر اور اپنا اثر چلتا نہ پاکر بیجاپور معاودت کی۔ ابراہیم نے عزت کے ہاتھوں لیا قدر کی آنکھوں پر بٹھایا۔ ۱۵۹۵ء میں جب چاند بی بی چلی آئی تو احمد نگر کی حالت ایک افسانۂ درد اور داستان الم بن گئی۔ اس کعبہ میں جا بجا نئے بُت نظر آئے جن کے پرستار جداگانہ حیثیت و اثر رکھتے تھے۔ ہر متنفس کا بت علحدہ تھا۔

خون کی ندیاں بہ گئیں عذاب حشر اور نکالِ اُخروی کا نقشہ کھنچ گیا۔ برہان ثانی دعویدار سریر شہریاری اکبر کے پاس گیا۔ اور واپسی پر اپنے پسر اسمٰعیل سے لڑکر تخت خالی کرالیا۔ ۱۵۹۴ء تک ۱۵۹۵ء سے حکومت کے لطف اُٹھاکر جادہ نورد فنا ہوا۔ اس کے مرتے ہی ایک اہم واشد آفت کا سامنا ہوا۔ دو گروہ بہادر شاہ و احمد شاہ کو اپنے اپنے حسب منشا تخت نشین کرنا چاہتے تھے۔ اسی اثنا میں ایک نیا فتنہ پھوٹا اور ایک امیر منجھو نمودار ہوئے یہ احمد شاہ کے حامی تھے پیش جاتی نہ دیکھ کر

شاہزادہ مراد کو گجرات سے اعانت و دست گیری کو بلایا۔ مراد چل کھڑا ہوا خانخاناں بھی شاہرخ مرزا والی بدخشاں شہباز خاں راجہ جگناتھ راجہ درگا راجہ رامچند راو و دیگر امرا کو لے کر روانہ ہوا۔ جب تیس ہزار فوج احمد نگر کے سامنے نظر آئی اب آنکھیں کھلیں۔ منجھو خاں تو قلعہ چھوڑ کر نکل گیا اور اپنی عجلت کاری پر سخت خجل و نادم ہوا۔ مشورت سے قرار پایا کہ بجز چاند بی بی کوئی اہلیت و استعداد نہیں رکھتا۔ آخر عرض معروض کرکے بلایا۔ وہ بھی آبائی حکومت کی کشتی ڈوبتی دیکھ کر ناخدائی پر تیار و آمادہ ہوگئی۔ گو عمر پچاس برس سے متجاوز ہوگئی تھی مگر جوان ہمت تھی فوراً آتے ہی قلعہ مستحکم کرنے اور مورچہ بندی میں مشغول و مصروف ہوگئی۔ گولکنڈہ اور بیجاپور سے امدادیں طلب کیں استحکامات ہنوز مکمل نہونے پائے تھے کہ محاصرہ ہوگیا۔ خیال کرو کس قدر مصیبت و اضطراب کا وقت تھا۔ بدنظمی۔ قلت افواج۔ زبردست لشکر کا مقابلہ۔ چاند بی بی نے بھی حکم دیدیا کہ توپوں کے منہ کھول دیے جائیں۔ تمام دن کوشش کی مگر ملکہ نے ایک قدم آگے نہ بڑھنے دیا۔ شام کو مراد تھک کر خود پیچھے ہٹ گیا۔ مہینوں محاصرہ رہا مگر قلعہ کو ٹھیس نہ لگا سکے۔ جب کچھ بن نہ پڑا اور افواج امدادی کی آمد کا خطرہ ہوگیا تو پانچ سرنگیں کھودی گئیں بارود بچھادی گئی۔ چاند بی بی کو خبر لگ گئی۔ اسیوقت بارود نکال کر بھرنا شروع کیا۔ مراد تمام امرا و افواج کو لے کر قلعہ کے رخ پر کھڑا ہوگیا۔ دو بھر چکی تھیں تیسری بھری جارہی تھی کہ سرنگوں میں آگ لگادی گئی اس زور کا ایک دھماکا ہوا کہ لوگ سمجھے کہ آسمان پھٹ پڑا یا بجلی ٹوٹ پڑی۔ قلعہ کی پچاس گز دیوار دھم سے گر گئی۔ سامنے شہزادہ اپنے خونخوار راجپوت اور مغلوں کی افواج لیے کھڑا نظر آیا قیامت ہوگئی۔ دل بیٹھ گئے۔ کام کرنے والوں نے کام چھوڑ دیا۔ سپاہ کے ہاتھ پاؤں پھول گئے سردار بھاگ کھڑے ہوئے۔ غرض قلعہ میں عجیب یاس و بدحواسی پھیل گئی۔ ملکہ کی ہمت و پامردی دیکھو! اسی وقت گھوڑے پر سوار مسلح ہاتھ میں تلوار لیے ہوئے چہرے پر سبز نقاب

سراپردہ سے باہر نکل آئی۔ جلدی جلدی بیسیوں آتش بار توپیں اس شگاف میں کھڑی کر دیں۔ تمام افواج کو تسلی و طمانیت دے کر لڑنے پر آمادہ کیا۔ مغلوں اور راجپوتوں نے جان توڑ توڑ کر حملے کیے۔ شاہزادہ مراد نے سر پٹک پٹک مارا۔ مگر ملکہ نے ایک انچ بھی قلعہ نہ دیا۔ اور اس بے جگری و شجاعت سے فوج کو لڑاتی رہی۔ کہ قلعہ کی خندق شام تک غنیم کی لاشوں سے پٹ گئی۔ رات بھر میں قلعہ کی دیوار تین گز بلند کر دی گئی صبح کو دیکھا تو وہی دیوار حائل تھی۔ اس زبردست فوجی انتظام کو دیکھ کر اکبری افواج کے افسروں کی عقل دنگ رہ گئی۔ اور مخالفین و محاصرین کے منہ سے اس اولوالعزمی و استقلال پر صدائے تحسین و آفریں بلند ہو گئی۔ اس ناکامیابی سے شہزادہ مراد کا دل ٹوٹ گیا۔ امرائے اکبری میں قوت مقابلہ نہ رہی ناچار صلح کرنی چاہی۔ اول ملکہ نے انکار کیا کہ وقت فتح و نصرت قریب تر ہے مگر آخر قلعہ بندوں کی بےچینی و گھبراہٹ سے مجبور ہو کر صلح کر لی اور برار حوالہ کر دیا۔ نظر غور سے دیکھو کیا اس سے بڑھ کر کسی عورت کی دلیری اور اولوالعزمی ہو سکتی ہے۔ سلطنت کی بنیاد کمزور ضعیف امراء و اعیان میں منافرت و نفاق مملکت میں خانہ جنگیاں۔ افواج و سامان کی حوصلہ شکن قلت۔ قلعہ کی دیوار شکستہ و منہدم۔ کوئی تحفظ و امن کا انتظام نہیں۔ اور پھر مقابلہ اکبر اعظم اور خانخاناں سے ایسی صورت متعسرہ اور حالت متوحشہ میں غنیم کو ہٹا کر سراسیمہ کر کے قلعہ بچا لینا مسلمان عورتوں کا کوئی معمولی اور ادنیٰ کارنامہ نہیں ہے۔ اس شہرۂ آفاق اور زبردست ترین معرکہ سے چاند بی بی چاند سلطانہ مشہور ہوئی۔ اس وقت تک فوجی کارناموں میں یہ معرکہ مخصوص امتیاز و شہرت کے ساتھ نمایاں رتبہ پاتا ہے۔ یہ محاصرہ ۱۵۹۶ء میں وقوع پذیر ہوا۔ اب وہ اطمینان سے انتظام سلطنت و درستی حکومت میں مصروف ہوئی۔ ۱۵۹۹ء میں پھر اکبری لشکر ایک بہت زبردست تعداد میں بہ سپہ سالاری دانیال روانہ ہوا۔ محاصرہ ہو گیا۔ چاند سلطانہ نے جرأت و دلیری کے سکے بٹھا دیے

کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا مگر ادھر ایک عورت اور صرف ایک سہیل خاں اور ادھر نصف درجن جہاندیدہ فرسودہ کار زبردست افسر موجود۔ آخر مغل فوج کامیاب ہوئی۔ دوسرے نہنگ خاں کی حماقت و بے عقلی پر سخت برافروختہ اور متاسف ہوئی کہ بیٹھے بٹھائے نائرۂ غضب دانیال کو بھڑکا دیا۔ اب عالم یاس و اضطراب میں چاند سلطانہ نے جنیر کی جانب نکل جانے کا قصد و عزم کیا مگر حمید خاں معتمد کی رذائل بار طبع کی شرارت نے خبر اڑا دی کہ چاند سلطانہ مغلوں سے مل گئی ہے۔ سازباز رکھتی ہے۔ عوام و خواص نے بغیر تحقیق و ایقان اس آخری ذلت و لغزش کا اقدام کیا جسکی دردناک یاد برسوں دلوں کو خون کرکے آنکھوں سے بہاتی رہے گی۔ بدگہر حمید خاں عباس خاں کی معاندت و مخالفت کے باعث ہمراہی جماعت خطیر قلعہ میں گھس پڑا چاند سلطانہ نے اس صبر آزما اور زہرہ گسل نازک وقت پر بھی زبردست بچاؤ کیا۔ آخر عورت ذات اور تنہا اس ظلمت انگیز یکبارگی ٹوٹ پڑنے والی بجلی کا کیا دفعیہ و تدارک کرتی ستم کن حمید خاں نے وہ سرچشمہ ادارۂ تدبیر و فراست رہ چکا تھا جس کی آہن ربا آفرینیوں نے اکبر اعظم کی جرار و قہرمان افواج سے خائف ہو کر سرزنش وار تعاش کا اٹھا نہ کیا تھا بیدرد ہاتھوں سے اتار لیا اور وہ مہر جہاں افروز جس کی مسرت ریز و نشاط افزا شعاعیں ایک عالم کو مستفیض کر رہی تھیں آج تپش مرگ سے حرارت بار ہو کر پردۂ غرب عدم میں روپوش ہو گیا۔ شمع بزم جہانبانی دفعتہً جھلملا کر خاموش ہو گئی عشرتکدۂ فہم و فکر میں ماتم کدۂ یاس و حرماں کی بھیانک تاریکی مستولی ہو گئی۔ اقتدار و تدبر اور امن و عیش کا بت سنگیں اپنے ممبر سے نیچے آرہا۔

عباس خاں کو جو چاند سلطانہ کی بے نظیر شجاعت و دلیری سے کسب ہمت کرکے اس وقت تک بڑی دل بڑھائی [illegible] تھا۔ جب یہ وحشتناک اور ہوش ربا خبر پہنچی دیوانہ وار [illegible]

اور اُس کی شوائب زندگی کو دامن دہر سے دور کیا۔ کرنیل میڈوز ٹیلر انگریزی مورخ لکھتا ہے۔ کہ دکن کی ملکہ چاند بی بی صرف ملکۂ انگلستان کی (الزبتھ) ہمعصر ہی نہ تھی بلکہ اُسی صولت و دبدبہ اور شکوہ و جلال سے حکومت کرتی تھی۔ بارگاہ لم یزلی سے قلمرانی و لیاقت کا جوہر نادر و اعلیٰ دونوں میں یکساں ودیعت کیا گیا تھا۔ چاند سلطانہ کی وسعت ملکی اُسیقدر تھی جتنی کہ کوئن الزبتھ کے زیر نگین تھی۔ مگر چاند سلطانہ ہزارہا تکالیف و حوادث کی متحمل ہو کر مشاکل و مصائب کی حوصلہ شکن دشواریوں میں پڑ کر پیہم آفات و شدائد جھیل کر جب تک دم میں دم رہا۔ اپنی سلطنت اعدا کے زبردست پنجوں سے بچاتی رہی جس کی نظیر تاریخ ہند میں کیا تواریخ عالم میں بھی شاذ ہی ملے گی؟

ایکبار کا ذکر ہے کہ محافہ میں بیجاپور آ رہی تھی۔ سپاہ گولکنڈہ سے اور ملکہ کے باڈی گارڈ سے چل گئی۔ ہر دو جانب تلواریں نکل پڑیں۔ مخالفین کی تعداد دو چند دیکھ کر فوراً محافہ سے نکل اور چتیل گھوڑے پر سوار ہو کر شیر آسا میدان میں آئی اور ایسے بے پناہ و شدید حملے کیے کہ مخالفین بدحواس ہو گئے اور کچھ بن نہ پڑی۔ چاند سلطانہ فارسی و عربی کے علاوہ دکن کی بہت سی زبانوں میں درجۂ خاص رکھتی تھی۔ خدیجہ کے فیض تربیت نے عندلیب چمن بنا دیا تھا۔ مہمات امور اور نظام سلطنت میں شوہر کے ساتھ حصہ لیتی تھی۔ اور بمعیت شوہر گھوڑے پر سوار ہو کر فوج کی قواعد لیتی۔ اپنے خوش نصیب شوہر کے لیے متمائز خصائص کے ساتھ ایک لاثانی مشیر اور بے مثال رفیق ثابت ہوئی۔ ہر ایک مورخ اقبال کرتا ہے کہ وہ ایک فقید المثال اور زبردست شہسوار تھی۔ تمام افواج کا انتظام کرتی تھی۔ چاند سلطانہ نے اپنی خواصوں میں ہر فن جنگ کی ماہر و واقف عورتیں بھی رکھی تھیں۔ قومی حالت پر نظر کی جائے تو بیساختہ آہ نکل جاتی ہے۔ ہمارے درخشاں جواہر ریزے مہلک لاپرواہی کے باعث

گرد گمنامی میں ملے ہوئے ہیں۔ یورپ کے اُفق پہ ادنیٰ سے ادنیٰ قابلِ اعتنا انسانی کارنامے آفتاب بن کر چمک رہے ہیں۔ آج کتنے شخص ہیں جو خولہام حکیم اُم عمارہ ... قرۃ العین گل بہشت اور رضیہ وغیرہم کے تابناک اور بصیرت افروز کارناموں سے ضیا اندوزی کرتے ہیں۔ یورپ کا بچہ بچہ ایسے کارناموں سے آگاہ ہوتا ہے۔ فن تاریخ بصیرت انسانی کے لیے ایک ... یہ ہزاروں وعظوں کا ایک وعظ اور لاکھ کتب موعظ و نصاحت کا ایک زریں درس ہے جس کے نوں میں ظرافت و نجابت کی بجلیاں کوندتی رہتی ہیں اور علم و فن کی تشنگی کو وہ دیر تلک کی خاک کتاب خرد کے شغف میں چھنوالیتی ہے۔ اس فن کی لطافتیں اخفی و دقیق نزاکتیں کچھ وہی دیکھ سکتے ہیں اُن کی وارفتہ نوائی اور جنوں خیزیاں اس فن کے ایک ایک کانٹے میں ہزار گلزاروں کی ہلکی ہلکی موج بردہ جھلکیاں مشاہدہ کرتی ہیں کبھی سرگشتہ خمارِ وفا اور ستم دیدہ جورِ ذوق کی باطنی تشنہ زائیاں اور نالہائے درد کی متالم و نحیف صدائیں اگر کسی شے کی جمال اندوزیوں سے کچھ دیر کے لیے مبہوت خاموش رہ سکتی ہیں تو وہ اسی فن کا مطالعہ عالیہ ہے کسی کی حشر پیما یاد کی وحشت انگیزیاں اور قیامت خیز شباب کی بیحجابیاں اسی مطالعہ میں ایک گشتۂ آلام ہجراں کو دم لینے کا موقع دیتی ہیں۔ غرض اس کے معتقد کے احرام پوش فلاسفر پروفیسر ڈاکٹر علما، امرا، غربا عشاق اور ہر طبقہ گروہ کے افراد ہوا کرتے ہیں۔ اور یہ وہ بت سنگیں ہے جس کی پرستاری بلا اختلاف مذہب و ملت اور کیش و آئین ہر فرد بشر اپنا فرض خصوصی سمجھتا ہے اور جسکی پوجا اس نوعیت و نمط کی بت پرستیوں سے مرآت خاطر میں نئی جلا و رنگینی پیدا کر دیتی ہے۔ انسان میں شریفانہ جذبات اور کریمانہ اخلاق نشو و نما پاتے ہیں۔ نفاق و خدعیت کے جراثیم مٹ جاتے ہیں۔ قومی چمن کی آبیاری کے لیے احتیاج ہے کہ اسلامی تاریخ کی نورانی شعاعوں سے دل و دماغ مستنیر و مجلّیٰ ہوں۔ غرض شاہانِ عالم کے مرقع میں چاند سلطانہ کی تصویر ایک نئی آب و تاب رکھتی ہے جسکی رنگینی و دلآویزی جاذب نگاہی کے ساتھ دلوں پر برقی اثر ڈال رہی ہے ؎ ہرگز نہ میرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ؛ ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

شریف احمد۔ مراد (مارہروی)

# خُلقِ نبوی

پھر خیالِ حالتِ ماضی مجھے آنے لگا — پھر مرا دل بیٹھے بیٹھے سخت گھبرانے لگا
پھر تصور میں وہ حسنِ برق وش آنے لگا — پھر مجھے دردِ جگر اُٹھ اُٹھ کے تڑپانے لگا
آہ وہ موجِ تبسم پھر مجھے یاد آ گئی — پھر نمک پاشی کا زخموں کو مزا آنے لگا
پھر کسی کی زلفِ پیچاں کا تصور دل میں ہے — سانپ سا اک پھر مرے سینہ پہ لہرانے لگا
پھر کسی کی ابروے پر خم مجھے یاد آ گئی — پھر دلِ بیتاب میرا پیچ و خم کھانے لگا
پھر کسی کی پیاری پیاری باتیں یاد آئیں مجھے — پھر خموشی سے یہ دل رہ رہ کے گھبرانے لگا
پھر بہار آئی ہوئے تازہ مرے داغِ جگر — پھر جنوں صحرا کی جانب مجکو لیجانے لگا
خارِ غم کی پھر مرے دل میں خلش ہونے لگی — گلشنِ عشرت مجھے پھر اپنا یاد آنے لگا
پھر تلاطم اک مرے جذبات میں پیدا ہوا — پھر بشکلِ موجِ دل سینہ میں لہرانے لگا
داستانِ عہدِ نبیؐ کی پھر مجھے یاد آ گئی — دردِ دل سے اُف کا یوں منھ کو پھر آنے لگا
جی مرا پھر ہند میں رہنے سے گھبرانے لگا — سوئے طیبہ طائرِ دل اُڑ کے پھر جانے لگا
پھر ان آنکھوں کو ہوا شوقِ تماشائے عرب — ذوقِ خارِ دشت پھر تلووں کو کھجلانے لگا
پھر وہ اسلامی اُخوت دل میں گھر کرنے لگی — پھر مرا دل اُس رفاقت کا مزا پانے لگا
وہ تمدّن وہ چلن وہ سادگی وہ اتفاق — پھر وہی طرزِ عمل جی کو مرے بھانے لگا
پھر گیا نظروں میں پھر وہ منظرِ خیر القرون — پھر مجھے عہدِ نبیؐ یاد آ کے تڑپانے لگا
آہ وہ مہماں نوازی آہ وہ خلقِ عظیم — جس سے وہ اللہ کا محبوب کہلانے لگا
نقل ہے کافر ہوا مہمان اک حضرت کے گھر — اور زباں پر خواہشِ اطعام کو لانے لگا
آپ نے اُسکو بصد اکرام ٹھہرا لیا مگر — پیٹ نہ بھرتا کھانے کو گھر میں اسکا دھیان آنے لگا
بکریاں جتنی تھیں سب انکا دودھ کر کے جمع سب — پیش مہماں وہ شہنشاہِ جہاں لانے لگا

اور جو کھانا آگیا تھا وہ بھی لا کر رکھ دیا　　جس کو وہ مہمان اچھی طرح سے کھانے لگا
کھانا کھا کر سو گیا لیکن ذرا سی دیر میں　　درد اُسکو پیٹ کا رہ رہ کے تڑپانے لگا
حجرۂ اقدس کا دروازہ جو تھا باہر سے بند　　اس سبب سے اور بھی وہ اُسمیں گھبرانے لگا
جا بجا اندر ہی اُس نے کر دیا بول و براز　　اور نجاست کو ہر اک گوشہ میں پھیلانے لگا
صبح دم کھولا جو دروازہ کسی نے آن کر　　چُپکے چُپکے بھاگ کر باہر کو وہ جانے لگا
دور پہنچا جب تو خنجر اپنا یاد آیا اُسے　　جس سے اپنے دل میں وہ بیطرح گھبرانے لگا
چونکہ تھی تلوار اُسکو جان سے زیادہ عزیز　　اُسکے لینے کے لیے وہ لوٹ کر آنے لگا
جھانک کر دیکھا در خیر الورا پر اُس نے جب　　واقعہ کچھ اور ہی اُس کو نظر آنے لگا
ہاتھ میں اُس شاہ کے وہ بستر آلودہ ہے　　اور لوٹا لے کے خادم اُسکو دھلوانے لگا
کہتے ہیں اصحاب ہم دھوئیں گے اسکو یا حضور　　یہ نجس کیوں دستِ اقدس میں جگہ پانے لگا
آپ فرماتے ہیں یہ مجھ سے نہ ہوگا دوستو　　کیوں اثر تم تک مرے مہماں کا جانے لگا
کیا ہوئی ہوگی مرے مہمان کو تکلیف رات　　دل مرا اس بات سے اسوقت مرجھانے لگا
آنکھ سے دیکھا جب اُس کافر نے ایسا واقعہ　　جی ہی جی میں وہ نہایت اپنے شرمانے لگا
دل میں تصدیق رسالت ہو گئی بے شبہ و شک　　کھول کر دروازہ فوراً گھر میں وہ آنے لگا
پائے اقدس پر رکھا آتے ہی اُسنے اپنا سر　　اور زباں پر کلمۂ توحید کو لانے لگا
منفعل ہو کر بہائے اشک آنکھوں سے بہت　　اور زباں پر سیکڑوں عذرات وہ لانے لگا
کر لیا اُسکو مسلماں آپ نے کر کے معاف　　دولتِ ایماں لے کر اپنے گھر جانے لگا
اللہ اللہ آپ کے اخلاق کا پھر دیکھئے　　جس سے ہر دشمن بھی ایماں آپ پر لانے لگا
[illegible] تلوار کا [illegible]　　دے جواب اسکا مخالف اب کہاں جائے گا

صد ہزاراں [illegible] صد سلام و صد درود [illegible] اسیر [illegible]
[illegible] سلطان [illegible] نے لگا

[illegible] موسوی (امروہوی)

# محرّم میرا محرم ہے

انسوس ہے کہ یہ مضمون اُس پرچہ میں درج نہ ہو سکا جو محرم کے ایام میں نکلنے والا تھا
اس لیے اس کو اس پرچہ میں درج کیا جاتا ہے جو چہلم سے چند روز قبل شائع ہوگا۔ اڈیٹر

ہمرانسہ ہے میں اس کا ہوں یہ میرا ہے بچپن سے دوستانہ ہے لڑکپن سے یارانہ ہے یہ ہر سال میرے تڑپنے کے لیے نیا تحفہ لایا۔ ہر مرتبہ سوز و گداز کے سر بند تحائف دیے میں بھی اپنی بساط کے موافق قطرہ ہائے خونیں سے اس کی تواضع کرتا رہا خونچکاں آنکھوں سے جو کچھ ملا اسے دیتا رہا۔ سُنتا ہوں اب آنے والا ہے۔ دوست کی آمد خوشی پیدا کرتی ہے مگر مفلسی میں معاملہ برعکس ہوتا ہے۔ آنکھوں کو دیکھتا ہوں تو وہ خشک ہیں

## خون کی بوندیں

نام کو نہیں۔ ہائے شرمندگی ہوگی۔ عسرت کا اظہار اپنے لیے مرن ہو جائے گا۔ آنکھیں سامنے نہ ہوں گی زر سے تواضع ہوتی تو کسی سے قرض حسنہ لے لیتا خون کی بوندیں کس سے مانگوں۔ چودھویں صدی کے ساہوکاروں کے پاس یہ جنس کمیاب ہے۔ اب گودڑ میں لعل نہیں ہوتے اب کملی والے قیام اللیل نہیں کرتے۔ لو تار آ گیا

## آئی ویل کم

ویلکم۔ خوش آمدی۔ مرحبا۔ اہلاً و سہلاً۔ آئیے آئیے دیدۂ دل فرش راہ ہے

گر بر سر و چشم من نشینی نازت بکشم کہ نازنینی

تمھیں چاہوں تمھارے چاہنے والوں کو بھی چاہوں۔ بہت دور سے آئے ہو پیاسے ہو سبیلیں جا بجا لگا دی ہیں ان میں حوض کوثر کی سوتھ کا پانی ہے پیو اور پلاؤ میرے لیے کیا لائے ہو۔ کوئی تڑپ ہو تو دو شور محشر ہو تو لاؤ۔ میں تو اب بالکل مردہ ہوں کسی کی

نظر کھا گئی۔ میرا تخیل مجروح ہوگیا۔ اب تو فکر عرش پیما زمین سے دو ہاتھ بلند نہیں ہوتی۔ تم کو دیکھ کر ایک ہلکی سی لہر اُٹھی ہے لیکن منجمد آب میں اس سے کیا خاک تغیر پیدا ہوگا۔

اُن کا صدقہ جو مجسّم سوز و گداز تھے! اُن کا واسطہ جو کربلا کی تپتی ہوئی ریگ میں بھُن گئے وہ جن کے نانا کا سینہ الم نشرح لک صدرک لعلہ اسرار الٰہی کے لیے کھل گیا جن کا ذکر مقدس ورفعنا لک ذکرک کائنات کے جزو کل تک پہنچ گیا۔ میرے نطق میں روانی ہو اور وافر ہو۔ اُس پر سلام جس کا بدن ایکہزار نوسو پچاس زخموں سے چور تھا۔ اُس پر سلام جس نے کربلا کی تپش میں بیٹھ کر خون سے غسل کیا۔ اُس پر سلام جس نے تلواروں کی چھاؤں میں نماز پڑھی۔ اُس پر سلام جس کی پیاری پیاری زبان نے اعدا کے سامنے یوں دُرفشانی کی تھی ایہا القومُ اَنا سبط المصطفیٰ او عطشانؑ۔ ہائے وہ بیکس نواز سید جس نے ہمیشہ غریبوں کی دستگری کی۔ حاتم سے بڑھکر فیاضیاں دکھائیں۔ خدا کی شان ہے۔ کربلا میں خود بے کس ہوگیا۔ وہ تصویر رسول جو ناف سے ٹخنے تک نبیؐ عربی سے مشابہ تھی عراق کے سفاک صورتوں نے اسی کے خون سے رنگین کردی۔ پیارے محرّم تو نے تو دیکھا ہوگا جب قاسمؑ دولہا بنے تھے کیسا ہنگامہ تھا کس قدر شور و شر تھا کیسی عجلت میں نسبت ہوئی منگنی ہوئی عقد ہوگیا۔ پھر کیا ہوا گورے گورے ہاتھوں میں مہندی تھی۔ تھی یا نہ تھی مگر اشقیا نے

ع مہندی کا خون کیا خون کی مہندی کردی۔ جگر گوشۂ حسنؑ نے آب تیغ کو شربت سمجھ کر پی لیا۔ محرم تجھے معصوم سکینہؑ کی پیاس یاد ہے۔ ہونٹوں پر پپڑیاں جم گئی تھیں زبان کانٹے کی طرح خشک ہوگئی تھی آہ وہ نازنین سینۂ حسینؑ جس کی خوابگاہ ہو۔ جو نازوں کی پالی ہو۔ کیسی پانی کے لیے جاں بلب تھی۔ کس لیے لیے کون۔

## سقائے حرم

بنا تھا۔ ہاں وہ یہی دولاری تھی اور عباسؑ اسی کے لیے مشکیزہ لے کر فرات پر گئے تھے

محرم تجھے اُس بہن کا اثبار نفس یاد ہے جس نے اپنے بھائی پر دل کے ٹکڑے نچھاور کر دیے عون و محمد کی قربانی ہنسی کھیل تو نہ تھی بڑی ہمت کا کام تھا۔ آہ دودھ نہ بخشوں گی اگر تم زندہ آ‌ئے یہ کس کے کلمات تھے۔ کیا تیری آنکھوں نے وہ نظارہ نہیں دیکھا جو شہر بانو کے دونوں لال ایک ہی پہر ایک ماہ کربلا کے مذبح میں ذبح کیے گئے۔ تجھے قسم ہے کہہ تو سہی فرات کا پانی آج کل اُبل رہا ہے یا نہیں اب بھی اُس ریگستان کے ذرّوں میں تابش ہے یا نہیں۔ عاشورے کا دن جب تمام ہو جاتا ہوگا تو ... اور اُسکے پچھلے پہر میں ماہ محرّم تیری چاندنی میں وہ پاک روحیں جو سید الشہدا امام حسینؑ کی جاں نثاری میں کام آئیں گنج شہیداں سے نکل نکل کر وہ ہو کا یاس انگیز سین دیکھتی ہیں جس کو تحریر کرنے سے قلم کا سینہ پھٹتا ہے۔

خیر ابھی تو تم آئے ہو دس روز کی مستقل صحبتوں میں سوز و گریہ کا بہت کچھ سامان پیدا ہو جائے گا ہاں اگر تم نے کمر تھام لی تو میں ایک دفعہ پھر اُٹھوں گا اور اپنی نثر میں انیس و دبیر کی یاد تازہ کروں گا۔

مقرب حسین (دہلوی)

## غزل

جو دل میں ہے وہ منھ سے کہا بھی نہیں جاتا۔ کیا کیجیے کہ خاموش رہا بھی نہیں جاتا
جز صبر کوئی عشق میں چارہ بھی نہیں اور　　عاشق سے ترے صبر کیا بھی نہیں جاتا
معذور سمجھ مجھکو کہ اب ضعف کے ہاتھوں　　گر گر ترے پاؤں پہ اُٹھا بھی نہیں جاتا
امید شفا بھی نہیں بیمار کو تیرے　　اللہ سے مایوس ہوا بھی نہیں جاتا
پتھر تھا دل اُسکا کہ پسیجا نہیں اے صدق
ہم سے تو ترا حال سنا بھی نہیں جاتا

صدق جائسی

# مرض یا گناہ

## واعتصموا بحبل اللہ جمیعا

جیسے جسم انسانی کے لیے اصل شئے صحت ہے۔ مرض کسی تعطل عضو یا نقص قوت کی وجہ سے لاحق ہو جاتا ہے بالکل ویسے ہی قلب انسانی (جو مصدر شعور و موردِ ارادات ہے) اس کے لیے راستی، فطرۃ اللہ یا صراط مستقیم اصل ہے۔ کجروی اسکی وظیفۂ حقیقی کے ترک سے لاحق ہوتی ہے۔ توضیحاً فقرات ذیل ملاحظہ ہوں۔

(۱) وظیفہ حقیقی کیا ہے؟

بلحاظ رفاہ و سعادت ذات یا جماعت اپنے مقتضیاتِ حالت میں جذب و انہماک

(۲) مقتضا رحالت کا حد و معیار کیا ہے؟ جس میں رفاہ و سعادتِ ذات یا جماعت ملحوظ ہو۔

اس کی حقیقی تعلیم محض معلم فطرت سے بواسطہ کسی مہبطِ[۱] وحی والہام کے حاصل ہوتی ہے۔ اُسکے اوامر و نواہی کی تعمیل عین اقتضا رحالت ہے۔

---

[۱] مہبط وحی و الہام پر انحصار کی وجہ یہ ہے کہ اسوقت تک کسی فیلسوف نے اس بات کا دعویٰ نہیں کیا کہ جو تحقیقات میں پیش کر رہا ہوں اُس میں صواب ہی صواب ہے۔ وہ محتمل الخطا نہیں ہے بلکہ صرف اپنی منزل معرفت و درجۂ تحقیق تک مدعی ہوں پس بہر حال جب سلسلۂ تحقیقات آخر حد تک نہیں پہنچا ہے۔ اور اس کی تکمیل سے عقل انسانی قاصر رہتی آئی ہے تو کسی عقل کُل اور محقق کامل کی احتیاج باقی رہتی ہے۔ مذاہب نے الہامی تعلیمات میں اسی غایت قصویٰ سے اسرار و نکات کے سبق دیئے ہیں

ان پر ایمان نہ لانا خام عقلی ہے ؎ عرفی

ز نقص تشنہ لبی دان بعقل خویش مناز     دلت فریب گر از جلوۂ سراب نخورد

(۳) اوامر کا شغل (جس میں معاش و معاد ہر صنف کے اشغال ضروریہ داخل ہیں) بجائے پابندی امور حفظان صحت کے ہے۔ اور نواہی کا ترک بمنزلہ مضرات صحت سے پرہیز و اجتناب کے ہے۔

(۴) پابندی امور حفظان صحت اور اوامر میں مزاولت بدیں وجہ ضروری بلکہ فرض عین ہے، کہ اوقات تحریک میں اُن کی جگہ مضرات صحت اور نواہی سے کیریں گے لیئے

حضرات صوفیاء کے ریاضات، اُن کے مجاہدات تزکیۂ نفس، ذکر و شغل سب اسی قبیل سے ہیں، کہ نفس پر بار مشقت ڈالا جاتا ہے اور تخیل خاص قائم کیا جاتا ہے جس سے رجوع ہو کر بطور دفع کسل و نکس وہ علائق دنیا میں مصروف ہو جاتے ہیں

(۵) بند عین ماقبل کی توثیق شرائع و منصوصات مذاہب از قسم عبادات و دیگر فرائض معاشرت وغیرہ مصالح، اسرار، اور موجبات پر غور کرنے سے بطور کافی ہو سکتی ہے۔

(۶) عالم فکر (دائرہ اعتقادیات و دیگر تخیلات متعلق بہ امور زندگی) اور عالم ذکر یا عالم عمل کے جو جو فرائض و وظائف حقیقی ہیں اُن میں تعمیم و جزمیت مدارج متذکرہ کے بموجب پیدا ہو جانے پر تمسک و اعتصام بحبل اللہ کا ورود فیضان ہوگا اور یہی مدعا و حیات ہے۔

جہاں تیری برقرار ہے　　　دل کا کیا ہے رہا رہا نہ رہا

منشاء بند (۵) کے متعلق ہم ذیل میں مسلمان ناظرین کے لیے قرآن شریف کے الفاظ میں مثلاً عقائد میں روزہ، نماز، معاشرت میں ازدواج، وغیرہ کے امرات اور قماربازی، شراب خواری وغیرہ کے امتناعی احکام کے اسرار پیش کرنے پر اکتفا کریں گے۔

(الف) نماز۔ نماز کی بابت قرآن میں ہے۔ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْکَرِ "یعنے لغویات اور ضلالت سے نماز باز رکھتی ہے" باسباب ظاہر نماز کے لیے طہارت

---

لے اس خاص فلسفہ کے متعلق ہمارا مضمون "فلسفہ وقت بیکاری" مطبوعہ تمدن ماہ فروری ۱۹۱۰ء ملاحظہ کیجیے۔

بدنی اور پاکیزگی پوشاک مشروط ہے۔ جب ظاہری پاکیزگی میں اس درجہ اہتمام کیا جائیگا جو مشروع ہے تو غیر ممکن ہے کہ قلب پر اُس طہارت کا اثر نہ پڑے۔ اور میلانِ معاصی سے قلب منحرف و تائب نہ ہو جائے۔ بشرطیکہ اُس میں کبھی ریا کو دخل نہ ہو۔ ورنہ بصورت دیگر بلا رجوع قلب و بلا انحراف عن المعاصی و اہتمام طہارت واقعی نماز، نماز نہیں کہی جا سکتی۔ اور اسی شان و وصف کی بناء پر حدیث میں وارد ہے "الصلوٰۃ قرۃ عینی"

(ب) روزہ اسکی مصلحت آیت میں یوں ہویدا ہوئی ہے "کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ" تقویٰ جو اساس اخلاقِ فاضلہ ہے۔ اس سے نصیب ہوتا ہے۔ اس کی تفصیلات پر تجربیات انسانی سے روشنی پڑ سکتی ہے۔

اسکے طبی منافع پر اطبا اور ڈاکٹروں کی نظر پہنچ چکی ہے۔ اُن کے مکاتیب ملاحظہ طلب ہیں، مگر حقوق عباد اور سوسائٹی کی ہر حالت کا مطالعہ اگر تہذیب انسانی کے لیے کوئی ضروری شے ہے تو ہم نکتہ داں ناظرین کو اس شعر کی جانب توجہ دلانے پر اکتفا کریں گے ؎ خمیر مایۂ آسائش است لائے غراب * بگو کہ صاف کنشاں جرعۂ زنہ گیر ند۔

(ج) ازدواج۔ ازدواج کی مصلحت کو ان جامع الفاظ میں واضح کیا "لِتَسْکُنُوْا اِلَیْھَا"، زنا اور زوجش سے حصول اجتناب کے لیے تعلقات زوجیت کو اس اہمیت کے ساتھ ذہن نشین کیا۔ ایک رمز آشنائے فطرت انگلشمین اپنے تجربیات کی فرہنگ میں اسی مضمون کو یوں بیان کرتا ہے۔ "مرد میں اپنی تھکاوٹ کے دور کرنے کے لیے خواہش ازدواج پیدا ہوتی ہے" "تسکن الیہ" کا محاورہ عرب میں یہی مفہوم ادا کرتا ہے۔

(د) شراب خوری و قماربازی۔ "ان الخمر والمیسر الخ رجس من عمل الشیطان" عمل شیطانی کیوں ہے؟ اس کی توجیہ کے لیے تفاسیر و احادیث کی متعلقہ [illegible] ملاحظہ ہوں نیز اعمال دنیا [illegible] بھی پیش نظر رکھا جائے۔

(۳) اوامر کا شغل (جس میں معاش و معاد ہر صنف کے اشغال ضروریہ داخل ہیں) بجائے پابندی امور حفظان صحت کے ہے۔ اور نواہی کا ترک بمنزلہ مضرات صحت سے پرہیز و اجتناب کے ہے۔

(۴) پابندی امور حفظان صحت اور اوامر میں مزاولت بریں وجہ ضروری بلکہ فرض عین ہے کہ اوقات محرکہ میں اُن کی جگہ مضرات صحت اور نواہی لے کر یاں گے[1]

حضرت صوفیار کے ریاضات، اُن کے مجاہدات تزکیۂ نفس ذکر و شغل سب اسی قبیل سے ہیں کہ نفس پر بار مشقت ڈالا جاتا ہے اور تخیل خاص قائم کیا جاتا ہے جس سے رجوع ہو کر بطور دفع کسل و نکس وہ علائق دنیا میں مصروف ہو جاتے ہیں

(۵) بند عین ماقبل کی توضیح شرائع و منصوصات مذاہب از قسم عبادات و دیگر فرائض معاشرت وغیرہ مصالح، اسرار اور موجبات پر غور کرنے سے بطور کافی ہو سکتی ہے۔

(۶) عالم فکر (دائرہ اعتقادیات و دیگر تخیلات متعلق بہ امور زندگی) اور عالم ذکر یا عالم عمل کے جو جو فرائض و وظائف حقیقی ہیں اُن میں تعمیم و جزمیت مدارج متذکرہ کے بموجب پیدا ہو جانے پر تمسک و اعتصام بحبل اللہ کا ورود فیضان ہو گا اور یہی مرعا حیات ہے۔

تمنا دیر کی برقرار ہے دل کا کیا ہے رہا رہا نہ رہا

منشا بند (۵) کے متعلق ہم ذیل میں مسلمان ناظرین کے لیے قرآن شریف کے الفاظ میں مثلاً عقائد میں روزہ، نماز، معاشرت میں ازدواج وغیرہ کے امرات اور قماربازی، شراب خواری وغیرہ کے امتناعی احکام کے اسرار پیش کرنے پر اکتفا کریں گے۔

(الف) نماز۔ نماز کی بابت قرآن میں ہے۔ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ "یعنے لغویات اور جہالات سے نماز باز رکھتی ہے" باسباب ظاہر نماز کے لیے طہارت

---

[1] اس خاص فلسفہ کے متعلق ہمارا مضمون "فلسفہ قت بیکاری" مطبوعہ تمدن ماہ فروری ۱۹۱۱ء ملاحظہ طلب ہے۔

بدنی اور پاکیزگی پوشاک مشروط ہے۔ جب ظاہری پاکیزگی میں اس درجہ اہتمام کیا جائیگا جو مشروع ہے تو غیر ممکن ہے کہ قلب پر اس طہارت کا اثر نہ پڑے۔ اور میلانِ معاصی سے قلب منحرف و تائب نہ ہو جائے۔ بشرطیکہ اس میں کسی ریا کو دخل نہو۔ ورنہ بصورت دیگر بلا رجوع قلب و بلا انحراف عن المعاصی و اہتمام طہارت وقتی نماز، نماز نہیں کہی جا سکتی۔ اور اسی شان و وصف کی بنا پر حدیث میں وارد ہے "الصلوٰۃ قرۃ عینی"

(ب) روزہ اسکی مصلحت آیت میں یوں بیان ہوئی ہے "کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ" تقویٰ جو اساسِ اخلاقِ فاضلہ ہے۔ اس سے نصیب ہوتا ہے۔ اس کی تفصیلات پر تجربیات انسانی سے روشنی پڑ سکتی ہے۔

اسکے طبی منافع پر اطبا، اور ڈاکٹروں کی نظر پہنچ چکی ہے۔ اُن کے مکاتیب ملاحظہ طلب ہیں، مگر حقوق عباد اور سوسائٹی کی ہر حالت کا مطالعہ اگر تہذیب انسانی کے لیے کوئی ضروری شے ہے تو ہم نکتہ داں ناظرین کو اس شعر کی جانب توجہ دلانے پر اکتفا کریں گے ؎ خیر مایۂ آسائش ست لائے خراب، نگو کہ صاف کشاں جرعۂ زنہ گیرند۔

(ج) ازدواج۔ ازدواج کی مصلحت کو ان جامع الفاظ میں واضح کیا "لِتَسْکُنُوْا اِلَیْھَا"، زنا اور نواحش سے حصول اجتناب کے لیے تعلقات زوجیت کو اس اہمیت کے ساتھ ذہن نشین کیا۔ ایک رمز آشنائے فطرت انگلشمین اپنے تجربیات کی فرہنگ میں اسی مضمون کو یوں بیان کرتا ہے۔ "مرد میں اپنی تھکاوٹ کے دور کرنے کے لیے خواہش انعطاف پیدا ہوتی ہے" "سَکَنَ اِلَیْہِ" کا محاورہ عرب میں یہی مفہوم ادا کرتا ہے۔

---

(د) شراب خوری و قمار بازی "اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ ... رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطَانِ" عمل شیطانی کیوں ہے؟ اس کی توجیہ کے لیے تفاسیر و احادیث کی متعلقہ ... ملاحظہ ہوں نیز اعمال دنیا ... یہ بھی پیش نظر رکھا جائے۔

لاٹری یورپین سوسائٹی میں ایک فنِ مرغوب اور شغل نفیس کی حیثیت رکھتا ہے، مگر کیا تجارت کی کسی ادنیٰ سی ادنیٰ شاخ پر بھی اُسے فوق حاصل ہو سکتا ہے۔ شراب اگرچہ دماغ کے افکار لاحقہ کے لیے بظاہر سکون بخش ہے۔ مگر کیا ما فیہ ربودگی سے جو اُسکے ذوق کا ابتدائی مرحلہ ہے (اور بعض اشخاص بقول خود اسی پر اکتفا کرتے ہیں) دماغ اس سکون بخشی کے حصول فیض کے لیے حاضر رہنے پاتا ہے۔

خود حس اور تاثرات دماغی سے اطبا اور ڈاکٹروں کو بحث ہوگی۔ ہم صرف یہ پوچھتے ہیں کہ اگر مطالب زیر غور اور اس میں فکر صائب کو پر پرواز بخشنے والی شے ہے، پرائیویٹ صحبتوں کی دست و گریبانی سے اس کا دامن پاک ہے وہ محض ارادی خوش فعلیاں ہیں تو ارباب اصلاح اور صاحبان فکر قومی اور ملکی پلیٹ فارموں پر شیشہ و ساغر میں اس [illegible] گفتگو [illegible] جو بیان میں گرمی اور دماغ میں تجلی پیدا کرنے کا ایک زود اثر [illegible] ہے، کیوں ساتھ لے کر نہیں آتے؟ با تمیز اصحاب اپنے شامہ کو [illegible] کی مدد سے محفوظ رکھتے مگر اس ہنگامۂ خطابت اور تجلیات دماغی کے فیضان سے محرومی کو گوارا نہ کرتے۔ لیکن یہ فطور عقل ہے، جس پر بدمستوں کے سوا کس کو اعتبار آئے ؎

تسکین ہو سکی نہ دلِ ناشکیب کی　　سب ہم پہ کھل گئیں تری باتیں فریب کی

[illegible] توجہ سے معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ امور انسان میں پاکیزگی ضبط اوقات، ایثار حمیت انسانی، کفایت شعاری، خودداری، اعتدال غیر انہماک وغیرہ وغیرہ کے برگزیدہ صفات اور کامیاب اور مستبدانہ زندگی کے اساسی اصول کو ودیعت کرنیوالے ہیں دیگر الہامی و تبلیغی مذاہب کے عبادات اور احکام امتناعی میں بھی کم و بیش یہی مصالح [illegible] رعایات ملحوظ رکھی گئی ہیں۔

مگر فی الوقت اہل مذاہب [illegible] تقلیدی اور غیر ظاہر امور [illegible] کو [illegible] (یہ کارفرما ہیں)۔

اور اپنے عملی دعوے پر وہ معترض ہیں کہ تم اللہ والوں نے ہم بے اللہ والے اچھے تمہارا کیا بنا
ہو، ہم کامیاب، تم بدنام و بدمعاملہ ہو، ہم خوش معاملہ بھی ہیں اور ابھی وجہ سے نیک نام
پھر تمہاری خدائی اچھی، یا ہماری ناخدائی؟

اس کا جواب ہمارے پاس اس کے سوا کیا ہے؟

چونکہ ہمارا حس اخلاقی و مذہبی فنا ہو گیا ہے۔ ہم نے اپنا طریق زندگی بدل دیا اور
تعلیمات اسلاف کو بھلا دیا، جو بے مثل طور پر ان حسیات کی محافظ تھیں،

ہمارے صلاحیت مادہ کا یہ عالم تھا کہ چونکہ ہمارے پیغمبر اخلاق الٰہی کے مبلغ
اور خبیر تھے لہذا اس کی ضیاء سے مسلمانان وقت کے قلوب منور و معمور تھے۔ اور اسکے
ایمان تابانی پر خود بخود بلا کسی توجیہ اور سبب جوئی کے مائل و رجوع ہو جاتے تھے تعمیل
احکام ایک چیز ہے جان و مال کی قربانی پر تلے رہتے تھے۔ عہد نبوت کے غزوات
محاربات اور اس میں صحابہ رضوان اللہ علیہم کی جاں فروشیاں اسکی شاہد عادل ہیں
مال و متاع اُن کی نظر میں ایسی بے حقیقت شے تھی کہ فتح مدائن کے وقت کیانی
عہد سے لے کر نوشیروانی عہد تک کے تمام نفائس و جواہرات کا انبار جو نان لشکر کے
سامنے تھا، سپاہیوں نے جو جواہر جہاں پایا بجنسہ اپنے افسر کے سامنے لاکر رکھدیا،
اُس سامان کی آب و تاب سے میدان جگمگا تھا اُس کو دیکھ کر خود سالار فوج حضرت
سعد بار بار تعجب کرتے تھے اور کہتے تھے کہ جن لوگوں نے ان نادرات کو ہاتھ نہیں لگایا
بے شبہ انتہا کے دیانت دار ہیں" اخلاقی پاکیزگی کے یہ وہ مظاہر ہیں جو اس خیر مجسم
سے دست بیعت ہونے کے بعد اُس کے ادنیٰ غلاموں سے ظاہر ہوئے

اسلام کی ذی روح تبلیغ کے سلسلہ کو قائم رکھنے کے لیے عہد نبوت کے بعد
صحابہ۔ ائمہ۔ مجتہدین۔ مرشدین کی اور بدرجہ ادنیٰ علماء وقت کی مدریجی عزلیں
وجود میں آگئیں۔ اور ان کے سلسلہ ارادت و تعلیم سے اُن کے ورثۃ الانبیاء ہونے کا

خراج تعمیل و تسلیم حاصل ہوتا رہا۔

موالید ثلاثہ کا تنازع اور جذب باہمی طبعیات اور سائنس کے اہم ترین مسائل میں ہے موالید سے گذر کر روحانی عالم میں بڑی قانون جذب کا نفاذ ارادت صوفیا ر و و تقلید و اتباع مجتہدین کے عنوان میں نمایاں ہے "بر کفے جام شریعت در کفے سندان عشق" جن کے خصوصیات تھے، مگر اس اصول کی تعمیل میں جو رفاہ و سعادت ذات دیجاعت کی ضامن اور حامل تھی اور مسائل میں غیر صائب الرائے اشخاص کے لیے بمنزلۂ مشعل راہ کے تھی۔ اکتشافات جدیدہ کی حریت و آزادی کا مفہوم ایسا ذخیرہ کار اور ایسا مزاحم ہو گیا کہ آج اُس طبیعی قانون کشش یعنی تقلید و اتباع اور ارادت کے مفہوم سے طبائع نا آشنائے محض ہو گئے۔

ہر ایں فن نیز و ہر آئیں خود را کار نسبت
ہر عروجے را نزول و ہر کمالے را زوال

اور صلاحیت کا وہ درجہ ہم میں باقی نہ رہا۔ جو مخصوص ہمارا حصہ تھا، یعنی

چناں ز عشق مہیائے تربیت بودم　　که گر ز ذره نظر یابم آفتاب شوم

پس لامذہب اور مذہبی شخص در اصل دونوں الحاد کی راہ پر ہیں، فرق صرف اتنا ہے کہ اول الذکر اس کا خود معترف ہے اور قولاً سچا ہے اور آخر الذکر کا فعل و عمل اس پر گواہ ہے قولاً وہ جھوٹا ہے، پس ہماری ناکامی کا سبب للّٰہیت نہیں کیونکہ ہم اقرار مذہب میں عملی لحاظ سے جو تکملہ اقرار ہے سچے نہیں، اور اس لیے ہمارے لامذہب معترض کا اعتراض امر واقعہ کے لحاظ سے لغو ہے، رُشد و ہدایت کی مذکور الصدر سلسلہ بندیاں اور انکی ارادت و اتباع اگرچہ ہمیں علم اسرار شریعت پر حاوی نہیں بناتی تھیں مگر اُن کی تعمیل سے اخلاق معاشرت اور مواخذۂ آخرت کے خوف سے اجتناب عن المعاصی پر (جو دستور العمل زندگی کا بہت کٹھن مرحلہ ہے) ہم عمل پیرا تھے۔ اور عملی میدان پر جاہل پابند مذہب ...

ذی وقار و ذی جاہ لامذہب سے فائق اور اُس کا محسود تھا،

کیونکہ جن امور میں وہ خود اپنے دماغ سے کسی صحیح نتیجہ پر نہیں پہنچ سکتا تھا اُسکا مذہب اُسکے لیے دلیل ہوتا تھا، لامذہب کی منتہائی آرزو عقل کی پرواز تھی مگر مذہبی شخص کے لیے اُس بلندی سے بالا کی خبر دینے والا اُس کا مذہب تھا، جہاں عقول بشری کے پر جلتے ہیں[1]۔ چنانچہ وہ درجہ جو محض تقلید میں ہمیں حاصل تھا، ایسا تھا کہ لوگ ہم پر رشک کرتے تھے۔ اب اگرچہ ہم آزادیٔ عقل کے مدعی ہیں مگر اپنی زبوں حالی سے دوسروں پر جو ہمارے مطمح نظر ہیں رشک آتا ہے۔ مگر اُس گذشتہ حالت سے سبق لینا ہماری بدبختی نے ہماری نظر میں تحقیر و اہانت کا موجب بنا رکھا ہے۔ غور کیجیے تقلید وہ بھی تھی اور تقلید یہ بھی ہے جس کو ہم آزادی کہتے ہیں، اُس تقلید سے ہمیں کامیابی حاصل ہوتی تھی اور اس سے ناکامی گلے پڑی، کیونکہ یہ اُس تہذیب و تمدن کی تقلید ہے جس سے اخلاقی پاکیزگی بالکل فنا ہو چکی ہے۔ پس انصاف شرط ہے کہ وہ تقلید یا تقلید جامد بہتر تھی یا یہ بے اصول اجتہاد

کشادم دام بر گنجشک و شادم یاد آن ہمت
کہ گر سیمرغ می آید بہ دام آزاد مے کردم

---

[1] علم و عدم علم کے باب میں ارباب دانش کے کئی گروہ ہو گئے ہیں۔ ایک گروہ ہے جو مطلقاً عدم علم کا قائل ہے جو سوفسطائیہ کہلاتا ہے۔ فلاسفر حال بحالت موجودہ مطلقاً علم کے مدعی ہیں، ایک تیسرا گروہ ہے جو فی الجملہ علم اور فی الجملہ عدم علم کا عقیدہ رکھتا ہے۔ مگر اسمیں دو فریق ہیں۔ ایک کا دعویٰ ہے کہ امور غیر معلومہ میں بھی جس درجہ ہم ذہن لڑا سکتے ہیں اور جہاں تک ہمارا ادراک بلند اُنکی کھوج کر سکتا ہے وہی منتہائے پرواز تخیل ہے۔ دوسرا کہتا ہے کہ نہیں اس منتہائے حد تخیل سے پرے کی خبر بھی ہمیں مل سکتی ہے اُسکے لیے صرف ایک مافوق شخصیت کا واسطہ درکار ہے یعنی انبیاء۔ پہلا گروہ حکماء یونان کا ہے، دوسرا متکلمین اسلام کا اسی علم کی طرف اشارہ ہے۔

ہمیں افسوس ہے کہ ہم اپنے موضوع سے بہت دور جا پڑے ہیں صرف یہ دکھانا تھا کہ قلب، دماغ اور جوارح انسانی کا وظیفۂ حقیقی بلحاظ رفاہ و سعادت ذات یا جماعت مختلف یا حالت میں اشتغال، اور مقتضیات حالت کا حد و معیار تعلیمات ہیں اُن مذاہب کی جو اصول معاش و معاد کی صحیح و کامیاب بنانے والی تعلیم دیتے ہیں۔ مگر اُسکے ذیل میں اسلامی تعلیمات کے چند نظائر اور قرن اولیٰ کے سچے پابندگان مذہب کی کامیاب خوش زندگی کا حال کی خسران زدہ و تبہ زندگی سے مقابلہ، اور اُسکی ترجیح کے اذکار سے یہ صحبت طویل ہو گئی۔

بہرحال اُسکا خلاصہ یہ ٹھہرتا ہے کہ الہامی مذاہب کے تعلیم کردہ پاک اصول جس حد تک انسان کو جادۂ راست کی ہدایت کر سکتے ہیں، اور جیسا فطرۃ اللہ صراط مستقیم اور راستبازی کے حد اصلی کو وہ پاکیزہ ہستیاں متعین کر سکتی ہیں تکمیل اخلاق اور پاکیزہ خوئی جن کی زندگی کا اصلی کارنامہ تھا، مثلاً انبیاء و اولیاء، ائمہ و مجتہدین اور علماء وقت یا بالفاظ دیگر رشی، منی، وِدیا دان وغیرہ۔ اس حد تک کانشنس بری اور حریت کا غلغلہ خوش آہنگ بلند کرنے والے جوانان رعنا ہرگز نہیں کر سکتے۔ اس میں شک نہیں کہ نہ پینے تک شراب کی سکون بخشی کا جیسا اعتبار انسان کو ہو سکتا ہے ویسا ہی ان کی خوش ادائیوں میں بھی ہے۔ مگر پینے کے بعد جیسا وہ کھویا جاتا ہے ویسا ہی ایک مدہوش کا ہمتوالا بھی۔

یہ موجودہ تہذیب جس کی تمام تر کوششیں اور ہمتیں دولت کی کمائی پر صرف ہو رہی ہیں۔ اُس سے بقول اُس نقاد فن یعنی ہربرٹ اسپنسر کے "یورپ کے تمدن سے اب اخلاقی پاکیزگی رخصت ہو رہی ہے" کیونکر اُس سے اخلاق و اصلاح کی صحیح تعلیم کی کیا توقع قائم کی جا سکتی ہے۔

[illegible] کہ اُس کی مادہ پرستی کی معصیت کبریٰ کا مواخذہ جنگی بھوت کی شکل میں اُس پر اس طرح مسلط ہو رہا ہے کہ جن اسباب سے کل حفاظت و اصلاح کا

وہ کام لیتا تھا، وہ آج نفوس انسانی کی سخت ترین ہلاکت اور قتل و غارت کے صرف میں آرہا ہے۔ جس سرزمین پر کل گلشنِ جنت کو رشک آتا تھا وہ آج مقتل کا نمونہ اور دہقان کا برق سوختہ خرمن ہو رہا ہے۔

بہرحال یہ تہذیب ہمارے لیے موجب راحت اور سعادت نہیں ہو سکتی ہماری تہذیب اور ہمارا شعار جناب اکبر الہ آبادی کے الفاظ میں یوں سمجھیے۔

تمہاری اصل خدا کا کلام واضح ہے　　عبث یہ ولولۂ نقل قوم فاتح ہے
سنو یہ بات جو مجموعۂ نصائح ہے　　وہی ہے باعث عزت عمل جو صالح ہے

نہ ہو جو مذہب و ملت کے ساتھ ہمدردی
زمانہ صاف کہے گا کہ ہے یہ نامردی

انھیں کے واسطے یہ کاخ و دور زیبا ہے　　انھیں کے دل میں طرب کا وفور زیبا ہے
انھیں کو روئے زمیں پر غرور زیبا ہے　　مرے لیے فقط امیدِ حور زیبا ہے

اسی امید میں ساری ترقیاں سمجھیں
جو آپ حور کے معنے کی خوبیاں سمجھیں

اس عقل کو چھوڑ کر اس نقل اور اس اجتہاد کو چھوڑ کر اس تقلید کو جب آپ اختیار کریں گے تو اعتصام بحبل اللہ بھی حاصل ہوگا۔ اور آپ کا قلب گناہ کے مرض سے محفوظ و غیر متکلیف رہے گا۔

ہوا جاتا ہے نور عشق پر دود ہوس غالب　　الٰہی اصل حق سے تو شہ باطل کو جدا کر دے

جواد علی خان عالی

---

**ضروری گذارش**: تمدن بلا طلب جن حضرات کو بھیجتے ہیں نمونۃً یا کسی معزز دوست کی تحریک سے پہنچے براہ کرم فوراً اپنے ارادۂ خریداری سے مطلع فرمائیں، ورنہ خاموشی رضامندی سمجھی جائے گی اور دوسرے ماہ میں ان کا نام درج رجسٹر کر کے تیسرے ماہ کا پرچہ بذریعہ وی پی بھیجا جائے گا جس کا وصول کرنا ان کا قومی اور اخلاقی فرض ہوگا۔ مینیجر۔

# میری شادی

جسوقت میری عمر ۱۱ برس سے کچھ زیادہ ہوگئی اس وقت سے گھر میں میری شادی کے متعلق کچھ کچھ چرچے شروع ہوگئے ایک روز مجھے خوب یاد ہے کہ میری ممانی نے میرے سامنے اماں جان سے کہا۔ آپا جان؟ اب تو ماشاءاللہ منور خاصی سیانی ہوگئی ہے مگر تمہیں اس کی شادی کی کچھ فکر نہیں معلوم ہوتی۔ لڑکی کی بیل اور ککڑی کی بیل برابر ہوتی ہے آنکھ بند کرتے یہ معلوم ہونے لگے لگا کہ لڑکی کو دن چھپنے سے پہلے وداع کر دینا چاہیے اس گفتگو سے میں شرماگئی اور اس کے بعد جہاں ایک طرف مجھے بھی کبھی کبھی شادی کے خیالات آنے لگے وہاں اماں جان نے بھی میری شادی کے متعلق لوگوں سے کہنا سننا شروع کر دیا۔ ویسے تو بچپنے ہی سے اماں آپا میری کسی بے قاعدگی یا کسی بدتمیزی پر خفا ہو کر کہا کرتی تھیں "لڑکی کل کو پرائے گھر جانا ہوگا اگر یہی حالت رہی تو نتنوں کو ساری قدر و عافیت معلوم ہو جائے گی ساس نندوں میں دم بھر گزارا مشکل ہوگا" ممانی کی گفتگو کے بعد سے میری ہر بات پر زیادہ توجہ ہونے لگی اور پرائے گھر جانے کی جو یاد دہانی کبھی مہینے دو مہینے میں ہوجایا کرتی تھی اب زیادہ سے زیادہ دوسرے تیسرے دن ہونے لگی۔ مجھے بھی اب اپنی آئندہ زندگی کے متعلق کچھ نہ کچھ فکر سی رہنے لگی کبھی مجھے سسرالی زندگی سے خوف معلوم ہوتا تھا اور کبھی خوشی بھی محسوس ہوتی تھی مگر یہ خوشی مجھے خود اکثر شرمادیتی تھی۔ گھر میں برابر رقعہ پرچے آنے لگے اور میں ظاہراً ان سب باتوں سے بالکل بے خبر رہتی تھی مگر ان سب کی خبر رکھتی تھی اور دیکھتی تھی کہ میرے لیے کیا فیصلہ ہوتا ہے بہت سے رقعہ پرچے پھیرنے کے بعد ایک رقعہ کو رکھ لیا گیا اور بات چیت جو بہت کچھ

تجارتانہ تھی شروع ہوگئی۔ جن صاحب کا رقعہ رکھا گیا وہ ایک مشہور خاندان سے تعلق رکھتے تھے کہ کچھ امیر کبیر نہ تھے۔ صاحب رقعہ کو انگریزی تعلیم یافتہ انگریزی خیالات کا آدمی بتایا جاتا تھا۔ ہمارے ہاں دولت کی تو خدا کے فضل سے کمی نہ تھی مگر تعلیم اور انگریزیت کے نام اللہ کا نام تھا۔ نانی اماں اور پھوپی جان کو یہاں شادی کرنے میں بہت کچھ تامل تھا اور کنبہ کے بعض دوسرے لوگ بھی ناراض تھے کیونکہ اول تو وہ لوگ دولت پیسہ میں ہمارے پلہ کے نہ تھے اور دوسرے یہ کہ ان کے ہاں انگریزیت کا اسقدر زور تھا کہ وہ ہم لوگوں کے لیے یقیناً ناقابل برداشت تھی۔ وہ (جو اب میرے خاوند ہیں) بنارس میں رہتے تھے ایکبارگی دہلی آئے بلکہ بلائے گئے۔ اس وقت ان کی انگریزیت نے لوگوں کو اور چراغ پا کر دیا اللہ کا بندہ بغیر سُوٹ کے بات نہ کرتا تھا اب لوگ ان کی حرکات و سکنات کے معائنہ پر مقرر ہوسے۔ بھائی مرزا نے ایک دن آکر ذکر کیا کہ ظہیر جن سے ننھی کی بات ٹھہری ہے یہاں آئے ہوئے ہیں مگر میں نے ان کو جب کبھی بھی دیکھا انگریزی لباس میں اور اکثر انگریزی ٹوپی اوڑھے ہوئے اس کے علاوہ بھائی نے یہ بھی کہا کہ تم لوگ ننھی کی شادی کن کرشتانوں میں کررہے ہو اور اس پر طرہ یہ کہ روپیہ پیسہ کچھ پلے نہیں۔ اس قسم کی باتوں سے کبھی تو خوشی ہوتی تھی اور یہ خیال کرکے دل خوش ہوتا تھا کہ ہم بھی انگریزی کپڑے پہنا کریں گے اور ایک تعلیم یافتہ آدمی کی بیوی بنیں گے مگر کبھی ڈر بھی ہوتا تھا کہ نانی دادی اس طرح کیونکر جینے دیں گی اور اگر انگریزی کپڑے بھی ہوں تو کچھ نہ کچھ پڑھا لکھا بھی تو ہونا چاہیے۔ میں جو کچھ لکھی پڑھی تھی وہ تو صرف اتنا تھا کہ کسی کو ٹوٹا پھوٹا خط لکھ دوں یا گھر کا حساب اور کپڑے لکھ لوں مگر یہ تعلیم میری رائے میں میرے خاوند کی نظر میں کچھ نہ ہوگی۔

بات پختہ ہوگئی بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ منگنی ہوگئی اور مجھے یہ معلوم ہونے لگا

کہ اب ضرور میری شادی اُن کے ساتھ ہو جائے گی۔ گھر میں ہر شخص میرے سُنانے کے
لیے اُن کی تعریف کرنے لگا اور زیادہ توجہ میرے پڑھنے لکھنے پر بھی ہونے لگی اسکی
خاص وجہ یہ ہوئی کہ ہمارے محلہ میں اُن کے ایک دوست نے ان کی دعوت کی
اور اس میں بھائی مرزا کو بھی بُلایا گیا۔ یہ پہلا دن تھا جب کہ بھائی مرزا نے
ان کو ٹھیٹ ہندوستانی بلکہ لکھنوی لباس میں دیکھا۔ اس دعوت کی خبر ہمارے
ہاں بھی پہنچی۔ اور جو چیز ہمارے ہاں کے لیے خاص دلچسپی کی تھی وہ یہ کہ اسمیں
وہ بھی مدعو ہیں۔ دادی اماں پھوپی نے یہ انتظام کیا کہ وہ لوگ رات کو ہمسائے
کے کوٹھے پر چلے جائیں اور دعوت کی سیر دیکھیں۔
اسکے متعلق در پردہ مجھسے بھی کہا گیا کہ جا کر اس دعوت کی سیر دیکھوں اور میں
سچ کہتی ہوں کہ دعوت سے زیادہ اُن کے دیکھنے کے لیے وہاں جانے کو دل
چاہا مگر نہ گئی، دعوت میں بھائی مرزا سے اور اُن سے تعارف ہوا مگر بھائی صاحب
اس تعارف [illegible] کچھ ایسے شرمائے کہ انھوں نے نئی دُلہنوں کو مات کر دیا اس
دعوت میں جو باتیں انھوں نے کیں وہ بہت غور سے سُنی گئیں۔ کھانا کھاتے
ہوئے شادی کے مضمون پر انھوں نے بہت کچھ کہا۔ مردوں کو عورتوں کے بیجا
[illegible] گی کو بھی بُرا بتایا اور عورتوں کی تعلیم پر بے
انتہا [illegible] غالباً یہ فقرہ تو صرف بھائی مرزا کو جتانے کے لیے کہا گیا تھا کہ اگر شادی
ایسے [illegible] لوگوں میں ٹھہر جائے جن کا طریقۂ معاشرت تہذیب۔ تمدّن سب علٰحدہ
ہوں تو وہاں یہ چاہیے کہ لڑکی کو اس خاندان کے تمدّن معاشرت اور تہذیب کے
مطابق لایا جائے ورنہ میاں بیوی دونوں کی زندگی تلخ ہو جاتی ہے۔ جہیز
[illegible] کے موجودہ طریقوں پر بھی رائے زنی ہوئی اور اُنھوں نے ایک سوال
کے جواب میں کہ تم اپنی شادی میں کیا چاہتے ہو بتایا کہ میری بی بی میں کم از کم

اتنی علمیت ہونی چاہیے کہ جو کچھ میں لکھوں اور جہاں ملک کے علمی ادبی حلقوں میں اس کی داد دی جائے وہاں میری بیوی بھی کچھ نہ کچھ تو داد دے سکیں ورنہ کم از کم یہ تو نہ ہو کہ میں اپنا کوئی شعر سنا رہا ہوں اور وہ بت بنی بیٹھی رہیں۔ میں تو یہ چاہوں گا کہ وہ آن کر ہندوستان کے زنانے رسالوں میں موجودہ رسوم کی مخالفت اور عورتوں کی آزادی کی تائید میں مضامین لکھیں۔ اور اس طرح میرے اس کام میں میرا ہاتھ بٹائیں جو میں نے حقوق نسواں۔ خدمت نسواں کے متعلق اپنے ذمہ لیا ہے۔ اور جس کے لیے میرے احباب کا مخصوص طبقہ مجھے "خادمِ نسواں" کا خطاب دے چکا ہے جہیز کے متعلق انھوں نے فضول کاٹ کباڑ کی سخت مخالفت کی اور کہا کہ میز کرسیاں سنگار میز وغیرہ ایسی چیزیں دینی چاہئیں جو کم از کم کام آسکیں۔ زیور سے سخت نفرت کا اظہار کیا اور لباس میں انگریزی لباس سے نفرت جتاتے ہوئے ساڑی کو عورتوں کے لیے بہترین لباس بتایا

یہ سب باتیں گھر آکر ایک طرح مجھے بھی سنائی گئیں۔ ان سب باتوں میں جو بات میرے لیے زیادہ تکلیف دہ تھی وہ ان کی زیور سے نفرت تھی کیونکہ مجھے زیور سے بہت اُنس تھا۔ مگر اب میں خود اپنے طور پر بھی اور بھائی حامد مرزا کے کہنے سے جو بچپنے سے ان کے دوست تھے اور ان کے خیالات سے بہت کچھ واقف تھے اور انھیں اچھا بھی سمجھتے تھے اپنے دل کو نئے خیالات کی طرف رجوع کرنے میں کامیاب ہو گئی۔ اور آج جب کہ میں مسز ظہیر ہو گئی ہوں اسے محسوس کرتی ہوں کہ اگر میرے خیالات میں تبدیلی نہ ہو جاتی تو دونوں کی زندگی خراب ہو جاتی شادی کے مراسم میں آج میں لکھتی ہوں کہ انھوں نے بھی اخلاقی کمزوری کا ثبوت دیا اور قریب قریب اُن تمام جاہلانہ مراسم کی پابندی کی جنھیں وہ بُرا سمجھتے تھے جس وقت میں وداع ہو کر آئی تو باوجود اس کے کہ میرے ہاں سے بہت کچھ

دیا گیا تھا حتیٰ کہ گھوڑا اور پالکی تک آئی تھی اور جہاں ایک طرف دولھا میاں کی خوشی کو پورا کرنے کے لیے انگریزی فیشن کا کافی سامان دیا تھا وہاں جاہلانہ کاٹ کباڑ جو آج محض کاٹ کباڑ معلوم ہوتا ہے ان کے خاندان کی عورتوں کو خوش کرنے کے لیے بہت کچھ تھا مگر پھر بھی لوگوں نے کہا کہ امیر گھر ڈھونڈا تھا ایسا کیا لائیں جو کنبے کی بیٹیاں چھوڑی تھیں۔ ظہیر صاحب نے اس قسم کے طعنوں کو روکا اور خود اتنا کہا کہ میری سمجھ میں اس کاٹ کباڑ کی کوئی ضرورت ہی نہیں آتی انھیں کپڑوں پر بھی اعتراض تھا۔

میری شادی کو کئی مہینے ہو گئے میں نے اپنے خیالات کا رخ بالکل انکے خیالات کے مطابق کرنے کی انتہائی کوشش کی جس کا نتیجہ یہ ہے کہ میں اب نہایت خوشی کی زندگی گذار رہی ہوں اور میں تو یہ کہہ سکتی ہوں کہ اگر خدا اپنے علاوہ کسی دوسرے کی پرستش کی اجازت دیتا تو وہ میری ہی پرستش کرتے۔

یہ مضمون میں نے اس غرض سے لکھا کہ اگر لڑکیاں اپنی زندگیاں خوشی اور کامیابی سے گذارنا چاہتی ہیں تو انھیں اپنی شادی سے قبل یہ معلوم کر لینا چاہیے کہ دولھا کے خیالات کیا ہیں اور اپنے آپ کو ان خیالات کے مطابق بنانے کی کوشش کرنی چاہیے اور یہی ان کی کامیابی کا راز ہے اگر فرصت ہوگی تو میں بتاؤنگی کہ مجھے اپنے خیالات کے تبدیل کرنے اور اُن کے خیالات کے تبدیل کرانے میں کس طرح کامیابی ہوئی۔

منور زمانی

---

## کیا

آپ نے تمدن کے متعلق اپنے فرض کو محسوس کیا ہے؟ اگر محسوس کیا ہے تو کیا آپ نے "تمدن" کی توسیع اشاعت میں سعی فرمائی ہے؟ اگر نہیں تو اب براہ کرم کم از کم دو خریدار عنایت فرمائیے بوجہ گرانی سامان طباعت ہم کو آپ کی ہمدردی کی ازحد ضرورت ہے۔ مینیجر

# فلسفۂ زندگی

ہوشیار اے مستِ مدہوشِ شرابِ زندگی
یاد رکھنا ہے لبِ بامِ آفتابِ زندگی

آمدِ محبوب سمجھا ہے جو آمد موت کی
ہر نفس اُسکا ہے فردِ انتخابِ زندگی

بند رہتے رہتے آنکھیں بند ہو کر رہ نہ جائیں
دردِ سر پیدا نہ کر دے طولِ خوابِ زندگی

دور کیوں جا خاکِ گورستاں پہ اک ڈالی نظر
ذرہ ذرہ ہے طلسمِ انتخابِ زندگی

کبتک آخر ہوگا دیدارِ بہارِ باغِ دہر
کبتک آخر سیرِ گلزارِ شبابِ زندگی

ہے اگر عہدِ جوانی راہ میں ٹھوکر نہ کھا
تجکو کافی ہے ضیائے ماہتابِ زندگی

بند آنکھوں کو دکھائی دے گی دُنیا طلسم
موت کے آتے ہی اُٹھے گا حجابِ زندگی

نفسِ امّارہ کے کہنے میں نہ آنا چاہیے
اپنے ہاتھوں مول لینا ہے عذابِ زندگی

منتظر ہے کُنجِ مدفن گود پھیلائے ہوئے
آگیا نزدیک وقتِ سدِّ بابِ زندگی

چل اگر چلنا ہے تجکو لیکن آنکھیں کھولکے
گو ہے پیچیدہ بہت راہِ ثوابِ زندگی

داغِ بدنامی سے محشر جس کا دامن پاک ہے
دارِ فانی میں وہی ہے کامیابِ زندگی

**محشر لکھنوی**

---

# باشندگانِ ختا

اہل ختا میں بچے کی تربیت[1] اُسوقت سے شروع ہو جاتی ہے جبکہ وہ ہنوز بطنِ مادر کے ارغوانی کاشانہ میں خلوت گزین ہوتا ہے چنانچہ اس خاص موقع پر صنفِ نازک کو زیورات اور بہترین ملبوسات استعمال کرنے کی ہدایت کی جاتی ہے۔ وہ پہلے سے زیادہ شوہر کی اطاعت گزاری کرتی ہیں اور ہر ایک کے ساتھ نہایت خوش اخلاقی سے پیش آتی ہیں اُن کو نہایت لطیف اور مقوی غذائیں کھلائی جاتی ہیں اور ایسی تمام باتوں سے احتراز کیا جاتا ہے جن سے اُن کی دل شکنی یا رنج وقلق کا احتمال ہو یقین کیا جاتا ہے کہ اس قسم کی احتیاطوں سے بچوں کے اخلاق پر اچھا اثر پڑتا ہے۔

دس برس کی عمر تک عموماً بچوں کی تعلیم و تربیت مکان ہی پر ہوتی ہے اور اس اثنا میں حساب و جغرافیہ کے ضروری مسائل اور سجدہ و سلام کے آداب اُن کو سکھائے جاتے ہیں، اسکے بعد وہ کسی قریبی مکتب خانہ میں جو عام طور پر ہر محلہ میں ہوتے ہیں داخل کر دیے جاتے ہیں کم و بیش دو برس تک موسیقی[2] کی تعلیم پانا ہر شخص کے لیے ضروری ہے تیر اندازی

---

[1] لیکن وہ غریب لوگ جو کثرت اولاد سے پریشان ہوتے ہیں اپنے نوزائیدہ بچے کو کپڑے میں لپیٹ کر سرِ راہ رکھدیتے ہیں سرکاری اہلکار جو اس خدمت کیلیے متعین ہیں اس بچے کو اُن مکانوں میں اٹھا لیجاتے ہیں جو صرف مجہول الحال اطفال کی پرورش کے لیے مخصوص ہے۔ یہ بھی ہوتا ہے کہ ایسے غریب لوگ شب کے وقت اس مکان کے دروازہ پر بچے کو رکھکر اور گھنٹی بجا کر چلے جاتے ہیں۔ شاہی ملازم فوراً باہر آکر اُسے اٹھا لیجاتے ہیں اور دائیوں کو سپرد کر دیتے ہیں۔

[2] اہل ختا میں جس موسیقی کا رواج ہے وہ اُن کے سوا دیگر ممالک کے باشندوں کو مرغوب نہیں ہوتی، اُن کی راگنیاں بالکل وحشیانہ ہوتی ہیں اور باجوں کی ناگوار صداؤں سے ملکر اور بھی زیادہ سامعہ خراش بنجاتی ہیں چین میں ایک پتھر کا باجا ہوتا ہے جسکی آواز کسی قدر خوش آیند کہی جا سکتی ہے اور یہ صرف پتھر کی خوبی ہے کہ اسپر ضرب پڑنے سے ایک دلفریب جھنکار پیدا ہوتی ہے لیکن اہل ختا اپنے باجوں کے سوا دیگر اقوام کے باجوں اور موسیقی کے اصولوں کو پسند نہیں کرتے۔

ور شہسواری کی مشق بھی عام تعلیم کی طرح لازمی سمجھی جاتی ہے۔ آخر میں لڑکے کے میلان طبع کو ملحوظ رکھ کر کسی علم یا ہنر کی باقاعدہ تکمیل کی جاتی ہے۔

اس ملک میں تعلیم کا طریقہ بالکل مختلف ہے، پڑھنے سے پہلے لکھنے کی تعلیم دیجاتی ہے، جب کوئی بچہ مکتب میں داخل ہوتا ہے تو اُستاد اُسے ایک مختصر اور واضح الحروف کتاب کی نقل کا حکم دیتا ہے، رفتہ رفتہ جب وہ حرفوں کی صورتیں پہچان لیتا ہے تو اُن کا نام اور تلفظ بتایا جاتا ہے جب حروف کی اشکال و تلفظ کا مرحلہ ختم ہوجاتا ہے تو اُن کی ترکیب اور مرکبات کے معانی بتائے جاتے ہیں۔ صرف ایک ہی کتاب عرصہ تک کام دیتی ہے اور ضروری نوشت وخواند کے لیے کافی ہوتی ہے لیکن جو لوگ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہیں اُن کو آٹھ دس کتابوں کا درس لینا ضروری ہے۔ چینی حروف کی ترکیب اور اُن کا تلفظ ایسا دشوار ہے کہ خود چینی علما پر بھی اعتماد نہیں کیا جاتا ہے کہ وہ تمام حروف کی صحیح ترکیب اور تلفظ سے آگاہ ہیں۔

ختا میں عروس کا انتخاب تمامتر نوشاہ کی مرضی پر موقوف ہے لیکن شادی سے پہلے وہ اپنی منسوبہ سے ملاقات نہیں کرسکتا بلکہ اُسے مشاطہ کے بیان پر اعتماد کرنا پڑتا ہے، مشاطہ اپنی تقریر میں جن خط وخال کا نقشہ اُتارتی ہے اگر وہ پسند کرلیے گئے تو سلام وپیام کا سلسلہ جاری ہوجاتا ہے۔ عروس کے والدین کو شادی سے پہلے ایک معقول رقم بھی دینا پڑتی ہے جس کا تصفیہ مشاطہ کی معرفت ہوتا ہے اور اسکے بعد شادی کا دن مقرر ہوجاتا ہے۔

لیکن ہندوستان کی طرح نوشاہ کو عروس کے مکان پر جانے کی زحمت نہیں ہوتی بلکہ عروس خود نوشاہ کے مکان پر بھیج دی جاتی ہے، یہ دلچسپ روانگی یوں عمل میں آتی ہے کہ عروس کے والدین ایک اچھی ساعت دیکھکر عروس کو عمدہ لباس سے آراستہ کرتے ہیں اور ایک

پالکی میں سوار کر کے باہر سے قفل لگا دیتے ہیں، کنجی کسی معتمد کو دے دی جاتی ہے، پالکی کے ساتھ ساتھ احباب واقربا کا ایک شاندار جلوس ہوتا ہے، جہیز کی تمام چیزیں بھی عروس کے ہمراہ روانہ کی جاتی ہیں، پس وپیش ارباب سرود کا ایک گروہ شاہانہ گیت گاتا جاتا ہے اس اہتمام وتزک کے ساتھ جلوس نوشاہ کے دروازہ پر پہنچتا ہے۔ پالکی کی کنجی نوشاہ کو سپرد کر دی جاتی ہے اور وہ قفل کھول کر دُلھن کا معائنہ کرتا ہے۔ مشاطہ نے جو نقش ونگار بیان کیے ہیں اگر دلھن اُسکے مطابق نکلی تو خیر ورنہ اُسے اختیار ہے کہ پالکی اُسی طرح بند کر کے واپس کر دے اور جسقدر زر نقد وتحائف عروس کے والدین کو اُس نے بھیجے ہیں وہ واپس منگالے، اُسے یہ بھی اختیار ہے کہ مشاطہ کے برخلاف عدالت میں استغاثہ دائر کر کے چند دن کے لیے اُسے جیل میں بھجوادے، چنانچہ آئے دن ایسے واقعات پیش آتے رہتے ہیں لیکن اس واقعہ سے دُلھن کی معصومیت اور پاکدامنی میں کوئی فرق نہیں آتا، اور دوسرا خواستگار ملنے میں اُسے کوئی دشواری نہیں ہوتی لیکن جس صورت میں دُلھن اُس تخیل کے مطابق نکلے جو مشاطہ کے بیان سے نوشاہ نے قائم کیا ہے تو نہایت تپاک کے ساتھ نوشاہ اُسے اپنے ہمراہ مکان میں لے جاتا ہے اور اُسی وقت دونوں خُدا (یعنی ٹی ین) کی بارگاہ میں چار چار سجدے کرتے ہیں اسکے بعد دو دو سجدے ایک دوسرے کو کیے جاتے ہیں۔ سجدے کرنے کے بعد نوشاہ مردانہ مکان میں چلا جاتا ہے اور مہمانوں کی مدارات میں مصروف ہو جاتا ہے دولھن زنانہ حصّہ میں پہنچ کر مستورات کی میزبانی کرنے لگتی ہے۔

اس موقع پر اہلِ خطا کے مذاقِ حُسن کا تذکرہ بھی غالباً دلچسپی سے خالی نہ ہوگا [illegible] کہ حُسن کا اعلےٰ معیار یہ ہے کہ (۱) رنگ زرد (۲) بال گھنے (۳) پیشانی فراخ (۴) ابرو پر بالوں کی مقدار اسقدر کم کہ سیاہی کے دو ہلالی خطوط معلوم ہوں (۵) آنکھ چھوٹی مگر سیاہ [illegible] (۶) ناک دبی ہوئی (۷) دہن زیادہ تنگ نہ

بہت کشادہ (۸) کان بڑے بڑے (۹) قد متوسط (۱۰) پاؤں[۱] نہایت چھوٹے ہوں۔ اس خاکہ کے سوا اور کوئی صورت اُنھیں مرغوب نہیں۔ اور دیگر ممالک کے خط وخال اُن کی حُسن آشنا نگاہوں کو نہایت بدنما اور ناگوار معلوم ہوتے ہیں۔

قانوناً ہر شخص ایک ہی بیوی رکھ سکتا ہے لیکن غیر منکوحہ عورتوں کی تعداد اسکے اختیار میں ہے، یہ منکوحہ یا دوسرے نمبر کی غیر منکوحہ عورتیں چین میں آسانی کے ساتھ مل جاتی ہیں۔ ان کے والدین ایک معمولی رقم سے رضا مند کر لیے جاتے ہیں، لیکن ساتھ ہی ایک اقرار نامہ بھی لکھنا ہوتا ہے کہ لڑکی کو ضروریات زندگی کے متعلق کسی بات کی تکلیف نہ ہوگی۔ اس قسم کی عورتیں ہر حالت میں منکوحہ بیوی کی ماتحت سمجھی جاتی ہیں اُن کے بچے بھی مجبور ہوتے ہیں کہ اپنی ماں کو اپنے باپ کی پہلی منکوحہ بیوی سے کم رتبہ سمجھیں۔ پہلا شوہر یا پہلی بیوی مرجانے کی حالت میں زن و مرد کو اختیار ہے کہ وہ دوسری شادی کرلیں۔

عورت کو طلاق دینے کے لیے خدا کی عدالت میں یہ سات عذر مسموع ہوتے ہیں (۱)[۲]

---

[۱] یہ لوگ پاؤں کا چھوٹا ہونا نسوانی حُسن کا اتنا اہم جزو سمجھتے ہیں کہ اگر کسی عورت میں دوسری خوبیوں کی کمی ہو اور پاؤں نہایت چھوٹے ہوں تو وہ حسینوں کی پہلی صف میں آسانی سے جگہ حاصل کر سکتی ہے۔ امرا اور شرفا کی حرم سراؤں میں یہ دستور ہے کہ جس وقت لڑکی پیدا ہوتی ہے اُسی وقت سے پیروں میں کپڑے کی پٹی باندھ دیتے ہیں اور یہ پٹی اُس وقت تک برابر باندھی جاتی ہے جب تک جسم میں نمو کی قوت باقی رہتی ہے۔ عورتیں خود بھی نہایت خوشی سے یہ بات گوارا کرتی ہیں کہ اُن کے پاؤں ہر وقت بندھے رہیں چنانچہ وہ دہقانی اور کم مایہ مستورات کے بڑے بڑے پاؤں دیکھکر تمسخر کرتی ہیں۔

[۲] اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو زد و کوب کرے تو عدالت میں چارہ جوئی نہیں ہوسکتی لیکن عورت مرد پر دست درازی کرے یا سب و دشنام سے پیش آئے تو عدالت عموماً یہ فیصلہ کرتی ہے کہ مجرمہ کے کعب پا پر سو کوڑے لگائے جائیں۔ یہ سزا چینی عورتوں کے لیے ایسی تکلیف دہ ہوتی ہے کہ وہ مہینوں چلنے پھرنے کے قابل نہیں رہتیں۔

شوہر کی خلاف ورزی اور بے جا ضد (۲) عقیم ہونا (۳) زنا (۴) شوہر کی دیگر داخلی عورتوں سے رشک و حسد اور اُن کی ایذا دہی (۵) کسی متعدی مرض میں مبتلا ہونا (۶) بدمزاجی و بدزبانی (۷) چوری اور خاوند کے مال کا بے جا صرف - اگر عورت کا کوئی عزیز اور سرپرست نہ ہو تو بجز زنا اور کسی حالت میں طلاق جائز نہیں اور زنا کی حالت میں بھی وہ شوہر کے قبضہ میں رہے گی لیکن اُسے زوجیت کا رتبہ حاصل نہ ہوگا، خاوند کو اختیار ہے خواہ ایک کنیز کی طرح اُس سے خدمت لے خواہ کسی کے ہاتھ فروخت کر دے -

اہل ختا کے طریق ماندوبود سے اُن کی شایستگی کا کافی ثبوت ملتا ہے، وہ دو منزلہ سہ منزلہ مکانات کو ناپسند کرتے ہیں - عام طور پر مکانات ایک ہی منزل کے ہوتے ہیں - ایک متوسط الحال شخص کا مکان کئی ضروری حصوں پر مشتمل ہوتا ہے، عام ملاقات کے لیے ایک دیوان خانہ بے تکلف احباب کی نشست کے لیے ایک خلوتکدہ، ایک خوابگاہ اور خوابگاہ سے ملا ہوا مکان کا زنانہ حصہ ہوتا ہے - مکان میں ایک مختصر چمن یا خانہ باغ کا ہونا بھی ضروری ہے - مکانات عموماً پتھر کے ہوتے ہیں اور دروازے پر سنگ مرمر کے دو پتھریلے ونیا بنائے جاتے ہیں خانہ باغ میں سنگ مرمر یا سنگ موسیٰ کی ایک مختصر نشستگاہ ضرور ہوتی ہے جس پر چین کی مشہور سیتل پاٹی کا فرش اور فرش پر رنگ برنگ کے پھولوں سے بھری ہوئی ایک چنگیر رکھی رہتی ہے - دیوان خانہ اور خلوت کدہ پُرتکلف فرنیچر سے آراستہ رہتا ہے پتھر اور لکڑی کی صنعتوں میں اہل ختا کو خاص امتیاز حاصل ہے دیواروں پر تصویروں کی جگہ نقشی کپڑوں پر پیشوایان مت کے اقوال رنگین حرفوں میں کاڑھ کر لگائے جاتے ہیں - ان میں سنگ مرمر کے حوض بھی ہوتے ہیں - جن میں ... رنگین مچھلیاں تیرتی رہتی ہیں -

اہلِ خطا اپنے لباس کو اگرچہ وہ دیگر ممالک میں بدنما اور مضحکہ انگیز سمجھا جاتا ہے نہایت پسند کرتے ہیں۔ امرا کا لباس بالعموم موسم گرما میں ریشم اور موسم سرما میں سمور وغیرہ سے تیار کیا جاتا ہے لیکن کم استطاعت لوگ قانوناً ہر موسم میں سوتی کپڑے یا چمڑے کے پوستین پہننے پر مجبور ہیں۔ لباس کا رنگ سرکاری طور پر ہر درجہ کے آدمیوں کے لیے جدا جدا مقرر کیا گیا ہے۔ عورتوں اور مردوں کے لباس میں کچھ یوں ہی سا تفاوت ہے لیکن خطا کی عورتیں اپنی آرائش میں کچھ کم وقت صرف نہیں کرتیں۔ عورتوں کا لباس تنگ و چست نہیں ہوتا اور منہ کے سوا تمام جسم چھپا رہتا ہے اس وجہ سے اُن کی جسمانی حالت کا صحیح اندازہ نہیں ہو سکتا وہ آزادی کے ساتھ جس رنگ کا لباس چاہتی ہیں استعمال کرتی ہیں لیکن سن رسیدہ عورتیں عموماً نافرمانی یا سیاہ رنگ کے کپڑے پہنتی ہیں۔ قدیم ترین ایام میں مرد بھی عورتوں کی طرح تمام سر پر بال رکھتے تھے لیکن تاتاریوں نے اپنے عہد حکومت میں یہ رسم موقوف کر دی بلکہ یہاں تک اصرار کیا کہ بال رکھنے کے جرم میں صدہا اشخاص کو قتل کر دیا گیا۔ اب اہلِ خطا صرف چوٹی رکھتے ہیں جس میں عموماً ریشمی موباف پڑا ہوتا ہے اور یہ چوٹی اسقدر ضروری اور مقدس سمجھی جاتی ہے کہ جب عدالت سے کسی مجرم کے لیے سخت اہانت آمیز سزا تجویز ہوتی ہے تو اُس کی چوٹی تراشنے کا حکم دیا جاتا ہے۔

اہلِ خطا اپنے مذہب کے بہت پابند ہیں۔ قدیم ترین زمانہ میں وہ موحد تھے لیکن مسیح[1] سے کئی صدی پہلے اُن میں بت پرستی کا رواج ہوا۔ اب سنہ میلاد سے وہ بودھ مذہب کے پیرو ہیں ان لوگوں میں اخلاقی تعلیم کا بہت اہتمام کیا جاتا ہے چینی گورنمنٹ کی طرف سے چند لکچرار متعین ہیں جو مہینے میں ایک مرتبہ سرِ بازار اخلاق پر لکچر دیتے ہیں یہ لکچر عموماً چینیوں کے مشہور [illegible] احکام پر مشتمل ہوتے ہیں۔ باشندگانِ خطا میں اطاعت والدین کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے اور والدین اپنی اولاد پر غیر معمولی اختیار رکھتے ہیں چنانچہ قانونی اجازت کی بنا پر وہ بضرورت کے وقت اپنے بچوں کو فروخت بھی کر سکتے ہیں۔

خطا میں جب کوئی شخص [illegible] عدم ہوتا ہے تو اُسکے تمام اہلِ قرابت ماتمی لباس پہن کر شریک ماتم ہوتے ہیں اور نعش کے پاس بیٹھ کر متوفی کے اوصاف بیان کرتے ہیں۔ وفات سے کچھ دیر بعد فرزند اکبر اُٹھتا ہے اور نعش کو نہایت بیش قیمت لباس پہناتا ہے اور ایک

---

[1] خطا میں لباس کے علاوہ شرفا کی پہچان یہ ہے کہ ان کے ناخن تین چار انچ تک بڑھے ہوئے ہوتے ہیں اور [2] جس سے یہ مطلب ہے کہ وہ مزدوری پیشہ آدمی نہیں۔

تابوت[1] میں لٹا دیتا ہے۔ یہ تابوت کمرہ کے وسط میں ایک میز پر رکھدیا جاتا ہے تابوت کے آس پاس بخور بھی وہاں سلگا دیا جاتا ہے اور چاروں طرف کثرت سے پھولوں کا انبار کیا جاتا ہے، تمام اقربا اس تابوت کو علے قدر مراتب باری باری سجدہ وسلام کرتے ہیں، سب سے زیادہ ماتم وغم کا اظہار فرزند اکبر سے ہوتا ہے، یہ ماتمی مہمان جب تک نعش دفن نہو جائے اپنے اپنے گھروں کو واپس نہیں جاتے۔ ہاں اگر تین برس تک نعش کا مکان میں رکھا جانا قرار پایا ہے تو لوگ واپس چلے جاتے ہیں اور تدفین کے وقت پھر چلے آتے ہیں۔

جب جنازہ اٹھایا جاتا ہے تو اسکے آگے آگے صدہا مزدور شیر گھوڑے اور دیگر حیوانات کی تماثیل و تصاویر قطار در قطار لے کر چلتے ہیں ان کے بعد دو رویہ دوہری صفیں ان مزدوروں کی ہوتی ہیں جو ایک ہاتھ میں ایک بانس کی ہوئی چھڑی لیے ہوے ہوتے ہیں، اس چھڑی کے دوسرے کنارے پر ایک تختہ جڑا ہوتا ہے اور اس میں متوفی کے اوصاف جلی قلم سے لکھے جاتے ہیں۔ ان کے بعد سازندوں کی ایک جماعت مختلف قسم کے باجے بجاتی ہوئی گذرتی ہے۔ چوفسٹھ کہاروں پر متوفی کا تابوت ہوتا ہے۔ اسکے پیچھے متوفی کا فرزند چوٹی کھولے سفید گزی کا پاجامہ اور کرتا پہنے پا برہنہ ماتم کناں اور سینہ زناں ماتم پوش رفقا کے حلقہ میں آہستہ آہستہ چلتا ہے، سب سے پیچھے مستورات کی سواریاں ہوتی ہیں جو ذرا ذرا دیر کے بعد نہایت ہولناک طریقے سے نالہ و شیون کی صدائیں بلند کرتی ہیں۔ قبر کے پاس پہنچ کر تابوت زمین پر رکھا جاتا ہے اور جملہ حاضرین اُسے سجدہ کرتے ہیں اور پھر نعش کو دفن کر دیتے ہیں۔ تدفین کے بعد دیگر اقربا تھوڑا سا ماتم کرکے اپنے اپنے گھروں کو واپس جاتے ہیں لیکن فرزند اکبر اور چند قریبی اعزہ چالیس دن تک گھاس پھونس کا سایہ کرکے وہیں رہتے ہیں اور اس زمانہ میں تمام لذائذ سے پرہیز کرتے ہیں۔ بیٹا اپنے باپ کے لیے کامل تین برس ماتم کرنے پر مجبور ہے۔ سرکاری ملازمت کی حالت میں اُسے رخصت حاصل کرنا پڑتی ہے اور ہر قسم کی آرائش و آسائش اور شادی بیاہ کی شرکت سے اجتناب کرتا ہے۔ کنگھی کرنا، خط بنوانا، کپڑے بدلنا، چٹائی کے سوا پلنگ وغیرہ پر سونا بالکل ممنوع ہے۔ لیکن کچھ عرصہ سے گورنمنٹ چین نے سرکاری ملازمین کے لیے ماتم کی میعاد سو دن مقرر کی ہے تاکہ سرکاری کام میں حرج واقع نہو۔

سید ظہور احمد شاہجہانپوری

[1] تابوت عموماً نہایت پرتکلف ہوتے ہیں اور کسی خوشبودار لکڑی کے بنائے جاتے ہیں، اہل ختا بیشتر ایک نہ ایک تابوت ہر وقت اپنے مکان میں مہیا رکھتے ہیں۔

# مسٹر محمد علی جوہر کا کلام

ہمارے بعض ناظرین کو اور خصوصیت کے ساتھ اُن احباب کو جن کو اس محبت و شفقت کا علم ہے جو جناب محمد علی صاحب خاکسار ایڈیٹر "تمدن" کے ساتھ فرماتے ہیں شکایت اور واجب شکایت ہے کہ اسوقت تک "تمدن" نے مسٹر محمد علی کی کوئی غزل آج تک شائع نہیں کی چنانچہ ایک صاحب تحریر فرماتے ہیں "ذیرقاری مسٹر محمد علی صاحب کی کوئی غزل اسوقت تک "تمدن" میں شائع نہیں ہوئی - حالانکہ مسٹر محمد علی کی کم از کم لٹریری سرگرمی کے مرکز ہونے کا زیادہ حق "تمدن" ہی کو ہونا چاہیے تھا" ہمیں خود اسکا افسوس نہیں قلق ہے کہ اسوقت تک فخر قوم و ملک جناب محمد علی صاحب نے تمدن کے لیے کوئی غزل عنایت نہیں فرمائی تاہم اپنے احباب کے اصرار پر ہم مسٹر محمد علی کے متعلق اپنے اس اصول کو نظر انداز کر دینگے جو ہمنے علاً شائع شدہ مضامین کے متعلق اختیار کر رکھا ہے اور انشاء اللہ آئیندہ ہر پرچہ میں مسٹر محمد علی کی ایک آدھ غزل ہوا کرے گی خواہ کہیں چھپ ہی کیوں نہ چکی ہو "تمدن" میں اس تحریر کے پڑھنے کے بعد ہمیں امید واثق ہے کہ اگر مسٹر محمد علی کوئی غزل لکھیں گے تو اسکی اشاعت کے خیال کے ساتھ "تمدن" کا خیال فراموش نہیں کیا جاسکے گا ذیل میں جناب جوہر کی دو غزلیں درج کی جاتی ہیں - ناظرین کو علم ہے کہ مسٹر محمد علی اسوقت کس حالت میں ہیں اس حالت میں ممکن ہے کہ بعض لوگ ہم سے یہ توقع کرتے ہوں کہ ہم محمد علی صاحب سے غزل کے لیے اصرار کرینگے - مگر افسوس ہے کہ ہم وہ ظرف کہاں سے لائیں جو اُن سے اس وقت کوئی درخواست اور التجا کر سکے - ایڈیٹر-

یہ جور نرالا یہ جفا اور ہی کچھ ہے ۔ یہ ظلم نہیں نام خدا اور ہی کچھ ہے
ہوں لائق تعذیر یہ الزام ہے جھوٹا ۔ مجرم ہوں تو بیشک یہ خطا اور ہی کچھ ہے

ہو مکر و دغا لاکھ شعار اہلِ ہوس کا
پر شیوہ اخوانِ صفا اور ہی کچھ ہے

سرکش نہیں باغی نہیں غدار نہیں ہم
پر ہم پہ تقاضائے وفا اور ہی کچھ ہے

ہم عیش دو روزہ کے بھی منکر نہیں لیکن
ایمائے شہِ کرب و بلا اور ہی کچھ ہے

خود خضرؑ کو شبیرؑ کی اس تشنہ لبی سے
معلوم ہوا آبِ بقا اور ہی کچھ ہے

ہوتے ہی ہیں بے مہریِ احباب کے شکوے
پر قاعدۂ صبر و رضا اور ہی کچھ ہے

تاخیر میں کچھ ہرج نہیں یہ تو بتا دو
ہے مدِ نظر وصل بھی یا اور ہی کچھ ہے

اغیار کو ہو لذتِ آغاز مبارک
انجامِ محبت میں مزا اور ہی کچھ ہے

کرنا نہ کبھی ان پہ گماں اہلِ ہوس کا
عشاق کی نیت بخدا اور ہی کچھ ہے

نہ سائلِ دولت ہیں نہ عزت کے طلبگار
اس در کے فقیروں کی صدا اور ہی کچھ ہے

اس شانِ تمرد سے نہ کھاتا کہیں دھوکا
اللہ کے مجرم کی سزا اور ہی کچھ ہے

یوں قید سے چھٹنے کی خوشی کس کو نہ ہوگی
پر تیرے اسیروں کی دعا اور ہی کچھ ہے

یہ صدرنشینی ہو مبارک تجھے جوہر
لیکن صلۂ روزِ جزا اور ہی کچھ ہے

---

خاک جینا ہے اگر موت سے ڈرنا ہے یہی
ہوسِ زیست ہو اس درجہ تو مرنا ہے یہی

قلزمِ عشق میں ہیں نفع و سلامت دونوں
اس میں ڈوبے بھی تو کیا پار اترنا ہے یہی

قیدِ گیسو سے بھلا کون رہے گا آزاد
تیری زلفوں کا جو شانوں پہ بکھرنا ہے یہی

اے اجل تجھ سے بھی کیا خاک رہے گی امید
وعدہ کر کے جو ترا روز مکرنا ہے یہی

اور کس وضع کی جویاں ہیں عروسانِ بہشت
ہیں کفن سرخ شہیدوں کا سنورنا ہے یہی

حد ہے پستی کی کہ پستی کو بلندی جانا
اب بھی احساس ہو اسکا تو ابھرنا ہے یہی

تجھ سے کیا صبح تلک ساتھ نبھے گا اے عمر
شبِ فرقت کی جو گھڑیوں کا گزرنا ہے یہی

ہو نہ مایوس کہ ہے فتح کی تقریب شکست
قلبِ مومن کا مری جان نکھرنا ہے یہی

نقدِ جاں نذر کرو سوچتے کیا ہو جوہر
کام کرنے کا یہی ہے تمھیں کرنا ہے یہی

# بیقصور قصووار

میرا خیال تھا کہ میں کسی لطیف ہستی کا قصور نہیں کرتا مجھ سے اپنی غلطی سرزد ہوتی اگر ہو گی تو میں فوراً اسکی معافی مانگ لیتا ہوں گا۔ میرے احباب۔ مجھے کبھی بہت دھرم نہیں نمایاں خصوصیت یہی رہی کہ میں نے اپنے تصور کو ہمیشہ تسلیم کر لیا اگر میں نے تصور کیا ہوگا تو کسی کا کسی تقدس نما انسان کا۔ صنف نازک کے کسی فرد کا مگر میں سچ کہتا ہوں کہ میں نے صنف لطیف کے کسی فرد کا کوئی قصور اسوقت تک نہیں کیا۔ مگر آج میں اپنے آپ کو مجرم سمجھتا ہوں میں نظروں میں قصوروار نظر آتا ہوں۔ کس سے اس لیے نہیں کہ میں قصوروار ہوں [illegible] مجھ سے قصور سرزد ہوا ہے نہیں ہرگز نہیں۔ میری فطرت اس الزام سے [illegible] اپنی نجات کے بیشتر حصہ کا دار و مدار سمجھتا ہوں کہ میں نے ہمیشہ صنف نازک کی دلداری کی صنف نازک کی پرستش کی (خدا کرے تقدس نما گروہ [illegible]) مگر میں کیا کروں [illegible] کیونکہ صنف لطیف کی ایک پُر کیف ہستی مجھے قصوروار سمجھتی ہے [illegible] کیا۔ کیا۔ مگر کیا یہ کوئی گناہ تھا ممکن ہے کہ تقدس نما لوگوں کے نزدیک ہو مگر [illegible] نہیں۔ اس ہستی کا دعوے ہے کہ میں نے محبت کا اقرار کیا۔ مگر محبت [illegible] کیونکہ یقین دلایا جائے کہ میں نے محبت کا دعوے کیا اور اسکی اسوقت تجدید کرتا ہو۔ قدرت۔ مجھے اس سے جدا کر دیا بعض دنیوی [illegible] نے مجھے اپنے محبت کے دعوے [illegible] ثابت کرنے [illegible] مجھے محبت ہے اور رہے گی مگر اسکی جدائی نے مجھے زندہ نہیں رکھا اگر زندہ رکھا تو وہ اسے زندہ سمجھے میں زندہ نہیں ہوں۔ میری زندگی پُرسکون نہیں۔ میں اپنی مردہ زندگی سکون سے نہیں گذار اگر وہ مجھے بے وفا قصوروار سمجھتی ہے۔ قدرت اور دنیا دونوں سے میں نے جنگ نہیں کی اور اس کی سزا جو کچھ مجھے ملنی تھی مل گئی [illegible] اور ملتی رہے گی۔ میں مردہ ہوں مگر زندہ۔ زندہ ہوں مگر زندہ درگور۔ میں کچھ نہیں چاہتا صرف یہ چاہتا ہوں کہ ایک [illegible] مجھے غدار نہ سمجھے۔ [illegible] کہ اس سے پھول کے نازک دل میں بھی کچھ کھٹک ہو گی۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ تو مجھے غدار نہ سمجھے میں قدرت کے مقابلہ کی جرأت نہیں کر سکتا۔ ایسے سنگین جرم کا مجرم ہوں۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ مجھے مسموم نہ سمجھے کیونکہ وہ اسکے اثر کو زائل کر دینے والی ہوتی ہے۔ اُف عورت ایک پھول

مت ایک نور ہے۔ عورت کیف ہے۔ عورت ایک برکت ہے۔ عورت ایک رحمت ہے۔ عورت
ے شعلہ ہے۔ عورت ایک مظہر جمال ہے۔ دنیا کی ہر طاقت کی میں مخالفت کر سکتا ہوں مگر کسی
ک چیز کی مخالفت کا خیال مجھے پریشان کر دیتا ہے۔ او محترم عورت تو اپنے دل سے یہ خیال
لدے کہ میں محبت کو بدنام کرنے والا ہوں میں بے وفا ہوں میں پورا بے طور یہ مرنے کے لیے تیار
یں ہوں جس وقت تک میرا دل۔ میرا محبت نواز دل یہ اطمینان نہ دلادے کہ وہ مجھ سے بدگمان
یں ہے۔ میں قصوروار نہیں ہوں پھر بھی تیرے خیالی تصور کے سامنے سر نیاز خم کرتا ہوں

میں معافی چاہتا ہوں

ں بہت منصف تھا۔ انصاف کے آگے رحم کی کچھ حقیقت نہیں سمجھتا تھا مگر دنیا والو! دیکھو کہ آج
ں بے قصور معافی مانگتا ہوں۔ اور معافی پر اپنی زندگی موت اور نجات کا انحصار سمجھتا ہوں۔
ں اس رحم کی درخواست کرتا ہوں جسے میں نے ہمیشہ انصاف کے خلاف سمجھا۔ میرا دل گواہی دینے لگا
یکسی کے دل میں سے میرے قصور کا خیال نکال ڈالا۔ اب میں سرور دائمی کی موت مرنے کے
لے تیار ہوں۔ ملک الموت۔ آ۔ اب تیرے استقبال کو میں تیار ہوں۔ سُنتے ہیں کہ عورت بدگمان
ہوتی ہے لیکن اگر میرا خیال صحیح ہے تو عورت میں جس قدر بدگمانی کا مادہ ہوتا ہے وہ اسیقدر
یم بھی کر سکتی ہے۔

چنانچہ مجھے معاف کر دیا گیا

لر معافی میں کچھ کسر باقی ہے تو ٹھہر ملک الموت ٹھہر مگر نہیں عورت اتنی بے رحم نہیں ہو سکتی
لر وہ اسقدر بے رحم ہے تو عورت نہیں ہے نہیں وہ جس کی میں پرستش کرتا ہوں۔

عورت ہے اور اسی لیے اُس نے معاف کر دیا۔

معافی کے یقین پر بیڑا پار ہے۔ دیکھیے اس کا یقین کب ہو۔ توہمات کی کشمکش کب تک باقی
رہے۔ وہ عورت جس نے میری زندگی کو مردہ کر دیا یقیناً ایسے ذرائع بھی رکھتی ہے کہ مجھے
یقین دلادے۔ دیکھو میں ہاتھ جوڑ رہا ہوں معاف کر دو! اور معافی کا یقین دلادو۔ اور دعا
کرو کہ میں مر۔۔۔ جا۔ ؤں کیونکہ۔۔۔۔ زندگی زندہ دلی کا نام ہے اور وہ میری
اور تمھاری جدائی نے غارت کر دی۔ قدرت رحم کر اگر رحم نہیں آتا تو ظلم کر مگر کتنا؟
اتنا کہ میں اس کو برداشت نہ کر سکوں۔

اطہر

# غزلیات

حضرت مرزا ثاقب قزلباش لکھنوی

سب ڈھونڈتے ہیں مجھکو گم ہوں جو بوستاں سے — تنکے بھی جھانکتے ہیں جھک جھک کے آشیاں سے
آخر حجاب اُٹھا۔ قائل غم نہاں سے — بجلی سی کوندتی ہے کٹتی ہے رگ جہاں سے
جو پر گرے قفس میں لاؤں انھیں کہاں سے — اب فاصلہ نہ پوچھو مجھ سے اور آشیاں سے
تقدیر راہبر ہے میں کچھ نہیں سمجھتا — جاتا ہوں میں کدھر کو آتا ہوں میں کہاں سے
نالوں کو راستے میں کب تک نہ کوئی ملتا — آخر کو صبح ہوتے ٹکرا گئے اذاں سے

اے نزعِ روح اتنی مہلت تو دے کہ مجھکو — لینا ہے کام دم بھر اس آہِ ناتواں سے
اک خوانِ دعوتِ دل اور دہر کی بلائیں — مہمان آرہے ہیں کھنچکر کہاں کہاں سے
کچھ دور گرد آئی ہم بیکسوں کے پیچھے — یوں دوستی بڑھائی منزل نے کارواں سے
کیا دشمنِ نشیمن پُر زور آندھیاں تھیں — برسوں گرے ہیں تنکے دامانِ آسماں سے
وہ حفظ کی علامت لُٹنے کی یہ نشانی — نالوں کو کیا علاقہ آوازِ پاسباں سے
اک بوریائے نے ہے تو خوش نہ ہو تو ہے لے — گردوں یہ تجھے ملا کیا عالم کے خاکداں سے
پھولوں سے تو چھٹا میں ہاں اب یہ دیکھنا ہے — کب تک بنی رہے گی گلچین و باغباں سے
یہ زندگی کی حالت ہے دیکھنے کے قابل — خوش ہوں گے آپ یوں تو اک روز داستاں سے
اے زندہ باش نالو تم نے حیات رکھ لی — جو دل میں آبلے تھے ٹوٹا کیے زباں سے

ثاقب کھلے نہیں کچھ اسرار اس گلی کے
جاتا ہے جو پلٹ کر آتا نہیں وہاں سے

حضرت حسرت موہانی

ہم نے اس بات کا شکوا نہ کیا تھا نہ کریں — عشق بیداد میں ناحق وہ محابا نہ کریں

شوق جب حد سے گذر جائے تو ہوتا ہے یہی ۔ ورنہ ہم اور کرمِ یار کی پروا نہ کریں
رشک آتا ہے مجھے نور جو ہوتا ہے نثار ۔ بام پر آپ شبِ ماہ میں سویا نہ کریں
جان ہی سے نہ گذر جائیں کہیں اہلِ نیاز ۔ شوق سے ناز کریں وہ مگر اتنا نہ کریں
مانعِ گریہ جو ہیں آپ تو کیا ہم یوں ہی؟ ۔ چارۂ جانِ حزیں و دلِ شیدا نہ کریں؟
دلِ وحشی کا کسی طرح تقاضا تو مٹے ۔ کیا کریں سر کو جو آمادۂ سودا نہ کریں
سن کے قاصد سے مرا حال کہا تو یہ کہا ۔ کہ وہ بدنام کہیں ہم کو بھی رسوا نہ کریں
راز اب تک یہ کھلا ہے نہ کھلے گا کہ عبث ۔ دعوئے دانش و ماہیتِ اشیا نہ کریں
ہیں رضاکار تو ہم پر ہے بہرحال یہ فرض ۔ شکرِ حق لب پہ رہے شکوۂ اعدا نہ کریں
مان لیں فیصلۂ دوست کو بے چون و چرا ۔ فکرِ امروز ہی دیکھیں غمِ فردا نہ کریں

تو نے حسرت یہ نکالا ہے عجب رنگِ غزل
اب بھی کیا ہم تری یکتائی کا دعویٰ نہ کریں

حضرت رغب قریشی انصاری

حریفِ ضبطِ شوقِ دل نہ تھا ذوقِ نظر میرا ۔ یہ حسنِ خود نما تیرا ہے ظالم پردہ در میرا
کہیں اے ذوقِ پامالی نہ گھبرا جائے در میرا ۔ ٹھٹکتا ہے تو اک نازک روش کی رہگذر میرا
تر[illegible] رہے گا نوحہ گر میرا ۔ تری مشقِ ستم ماتم کرے گی عمر بھر میرا
کشش کس زور [illegible] افزا ہوا ۔ ادھر بیتاب دل میرا ادھر بے کل جگر میرا
[illegible] کوئی پوچھے دادخواہانِ محبت ۔ [illegible] آتا ہے حضورِ داورِ محشر گذر میرا
خدا رکھے [illegible] کا ۔ مری بربادیوں کے دم سے ہے آباد گھر میرا
[illegible] ۔ مجھے [illegible] ذوقِ نظر میرا
نویدِ رفعِ زحمت دے مرے تیمارداروں کو ۔ بحسرت کیا مرا منہ دیکھتا ہے چارہ گر میرا
مجھے اب [illegible] ۔ [illegible] مختصر میرا

یہاں قطع منازل کی کوئی حد بھی مقرر ہے — بھلا کیا ساتھ دے سکتا رفیق ہمسفر میرا
پتا دل کا کہاں آوارہ گردی ہائے الفت میں — مجھے رستہ بتا کر ہو گیا گم راہبر میرا
مری حیرت صدائے بازگشت بن تمنائی تھی — نقاب رخ ہوا خود پھیل کر تار نظر میرا
بڑی ہوتی ندامت گرمجوشی ہائے رحمت سے — مرے کام آ گیا خود جزا دامان تر میرا
حجاب کثرت موہوم آخر پردہ وحدت ٹھہرا — ترا نظارہ ہے اور دیدۂ وحدت نگر میرا
صفائے دل میں کس کا جلوہ حیرت فزا دیکھا — تماشائی ہے اس آئینے کا آئینہ گر میرا
مری خاک اڑ کے یارب سرمۂ چشم بصیرت ہو — کہ اک عبرت سرائے خانۂ ویرانی ہے گھر میرا
زہے کا شوق شرح آرزو کو منفعل کیا کیا — سکون ناروا تیرا بیان بے اثر میرا
نیاز حسن دیکھو اور سیر چشم ناز خودداری — ارے دل مانگتی ہے تیری شرمیلی نظر میرا

یہی کیا کم ہے رتب اس قدر فن کی خشک سالی میں
کہ یاروں کو پسند آ جائے کوئی شعر تر میرا

حضرت دل شاہجہانپوری

نالۂ شب گیر کے یا آہ بے تاثیر کے — یہ نہیں معلوم ہم مجروح ہیں کس تیر کے
یہ نتیجے ہیں ہمارے نالۂ شبگیر کے — بڑھ گئے کچھ اور بھی حلقے کڑی زنجیر کے
ابروئے خمدار کا مدِ مقابل کون تھا — کس نے ٹکڑے کر دیئے قاتل تری شمشیر کے
سعی لاحاصل پہ اپنی نامرادی ہنس پڑی — اس کے یہ معنی کہ میں بھی ساتھ ہوں تقدیر کے
عشق ہے دن رات محو شان صورت آفریں — دل ہے جس کا آئینہ قربان اُس تصویر کے
دل کھوئے اب منہ آنا بیکسوں کی قبر پہ — حوصلے کچھ بڑھ چلے ہیں خاک دامن گیر کے
شام غربت کو ہٹا دو منظر صبح وطن — اس کے پردے میں ستم ہیں آسمان پیر کے
شکل خون میں اے گداز عشق پگھل جائیں — دل کا سرمایہ ہی کیا ہے چند ٹکڑے تیر کے
[illegible] — [illegible] پہلو میں تیرے تیر کے

پھونکدی ہے حُسنِ مطلق نے جب آزادی کی روح    کیوں رہیں پابند ہم شوریدہ اسرزنجیر کے
کیا یہی انصاف ہے او قاتلِ پیمان شکن    دل کے او پچھے زخم ہیں چرکے تری شمشیر کے
چند سانسیں حدِ فاصل تھیں رہِ مقصود میں    مر کے گویا طے ہوئے سب مرحلے رہ گیر کے
اے جنوں پائے طلب کا سد کن دیبانہ تھا    بڑھ گئے زخمِ تنگ سے زخم اب زنجیر کے
ظاہر و باطن جہاں دیکھا وہی ہے جلوہ گر    چشم و دل دو آئینے ہیں اک ہی تصویر کے
اضطرابِ عشق جس ناشاد کی فطرت میں تھا    حُسنِ دل کش نے کیے ہیں وا نشانے تیر کے
ساکنانِ عالمِ بالا میں ہیں سرگوشیاں    مل گئے نالے مری فریاد سے زنجیر کے

اے دلِ اب اللہ شاہد ہے شہیدِ ناز کا
خون کے دھبے تو جوہر بن گئے شمشیر کے

حضرت باسط لبوانی

سیاہی رنگ لائی یوں مرے عصیاں نکلے دفتر کی    سوادِ شام سے بدلی سپیدی صبحِ محشر کی
ہوا وقف جبیں سائی۔ بنا زینت ترے در کی    مری تقدیر سے اچھی ہے پھر تقدیر پتھر کی
ابھی تک بند ہے شیشے میں مے ساقیِ کوثر کی    قیامت کو نکالی جائے گی میرے مقدر کی
مرا قبضہ ہوا بعد از فنا گورِ غریباں پر    زمیں دو گز نکل آئی وہاں میرے مقدر کی
مزاج یار سے برگشتگی میں ملتا جلتا ہے    رسائی ہے کہاں تک میرے برگشتہ مقدر کی
دعا دیتا ہوں میں بیٹھا ہوا خارِ مغیلاں کو    کہ تلووں میں چبھے دل سے نکالی یاد نشتر کی
عدا کے سامنے قاتل مزہ تو جب بیاں کا ہے    دہن ہو میرے زخموں کا۔ زباں ہو تیرے خنجر کی
وہ دیکھا اہلِ زنداں ہو گئی زنجیر دو ٹکڑے    ہمارے پاؤں سے ظاہر ہوئی شوریدگی سر کی
ادھر آئیں تری زلفِ پریشاں کی بلائیں یوں    کہ یہ تو ہو بہو تصویر ہے میرے مقدر کی
ہیں جتنے اہلِ محفل بے پیے سب مست بیٹھے ہیں    تمھاری آنکھ کی گردش بھی کیا گردش ہے ساغر کی
خیال آتا ہے جس دم اسکو میری تشنہ کامی کا    تو فوراً ڈبڈبا آتی ہے ساقی آنکھ ساغر کی

بہا سے خون دل سے تو اسے بھی سرخرو کرے    زبان تیغ سے قاتل ملا دے نوک نشتر کی
خدا شاہد ہے جب اہل زمیں مجھکو ستاتے ہیں    تو صورت دیکھنے لگتا ہوں میں چرخ ستمگر کی
یہ کس دل سے اٹھی نعرۂ مستانہ نکلا تھا    کہ ہفت اقلیم میں گونجی صدا اللہ اکبر کی

لکھا ہے پھر مری تقدیر میں توبہ شکن ہونا
مجھی پہ آج پھر پڑتی ہے باسط آنکھ ساغر کی

حضرت بیباک شاہجہانپوری

آخر خدا کی شان کہوں یا خدا کہوں    حیرت میں ہوں کہ اس بت کافر کو کیا کہوں
وہ دل میں جاگزیں ہے مسلّم ہے جب یہ بات    کیونکر نہ پھر فغاں کو اسی کی صدا کہوں
ہے ہے خدانخواستہ روز جزا کو بھی    میں اور اپنے منہ سے اسے بے وفا کہوں
ناصح سے دل کا حال چھپاؤں نہ کس طرح    ناآشنا سے کیا سخن آشنا کہوں
محشر میں مجھ غریب کی سنتا ہی کون ہے    میں ابتدا سے حال جو تا انتہا کہوں
ہر ہر ادا ہے جرم محبت پہ جاں گسل    کیونکر نہ روز وصل کو روز جزا کہوں
وہ چارہ گر تو ہے جو ابھی چارہ گر نہیں    میں اپنے درد عشق کو کیوں لا دوا کہوں
آیا فراق میں بھی لبوں پر نہ میرا دم    کیا تجھ سے حالت نفس نارسا کہوں
اپنے بھلے کے ساتھ زمانے کا ہے بھلا    دربان کیوں نہ آپ کے در کا گدا کہوں
دیکھا اسے تو ضبط خوشی کا نہ ہو سکا    اب خوبی نصیب کو اپنی قضا کہوں
کرتا ہے آفتاب قیامت سے رو کشی    پھر داغ دل کو کیوں نہ ترا نقش پا کہوں
ہر دم شگفتہ غنچۂ دل ہے برنگ گل    کیونکر نہ اس نگاہ کو موج صبا کہوں
سوچا کیا یہ ہر نگہ التفات پر    اپنی اسے سناؤں کہ دل کا کہا کہوں
واعظ یہ بات کیش محبت میں شرک ہے    بت کو نہ بت کہوں تو خدا کو خدا کہوں
شاہد ہے اسکے دل میں نہ ہونے پہ اضطراب    لیکن غلط ہے دل سے جو اسکو جدا کہوں

دل ہے کہیں خیال کہیں ہے نظر کہیں — سُن لیجیے تو حالِ دلِ مبتلا کہوں
کچھ مجھ سے حال داورِ روزِ جزا نہ پوچھ　　کہنے نہ دے جو مُنہ سے محبت تو کیا کہوں

بیباک اُس سے راہ سخن وا ہو کس طرح
اب دل کہاں کہ بسمل تیغِ ادا کہوں

حضرت تیر آرزو جعفری بریلوی

پھر دل پہ نظر ہے کسی بیباک نظر کی　　اک دھوم ہے پھر ہائے جگر ہائے جگر کی
یوں ہم نے تماشا گہہ عالم میں بسر کی　　حالت کسی محفل میں جو ہو شمعِ سحر کی
آغوشِ لحد میں بھی نہ آرام سے گذری　　تھی کوئی مکافاتِ عمل شورشِ جگر کی
دل پہلو میں بیتاب جگر سینہ میں صد چاک　　اللہ ری لگاوٹ ستم اندازِ نظر کی
انسان ہوں پتھر کا کلیجا نہیں میرا —　　آخر کوئی حد بھی خلشِ حد جگر کی
ناصح کی وہی چھیڑ یہ انداز بُرا ہے　　دل کو وہی حسرت غلط اندازِ نظر کی
کہتے ہیں قیامت جسے ہنگامۂ الفت　　ہم سمجھے ہیں اک گرد تری راہ گذر کی
دونوں کا اثر ہوش رُبا ہے شبِ فرقت　　بیتابیِ دل ہو کہ چمک دردِ جگر کی
مقبول جو ہو ہم وہ دعا ہی نہیں کرتے　　پھر ہو تو کس اُمید پہ امیدِ اثر کی
کافی ہے ہمیں دوستیِ آلِ محمد　　اب اس سے زیادہ ہے ہوس زادِ سفر کی
وہ یاد تری اور وہ تنہائی کا عالم　　اللہ کو معلوم ہے کس طرح بسر کی
موجود ہیں وہ بھی سرِ بالیں ہے اجل بھی　　اچھی نہیں ایسے میں کمی دردِ جگر کی
غم کھانے میں کم حوصلہ نکلا دلِ بیتاب —　　ایسی کوئی کاوش تو نہ تھی تیرِ نظر کی
کہدے کوئی اُنسے مرے بالیں پہ نہ آئیں　　اچھی نہیں تاثیر پریشان نظر کی
برپا ہوا محشر بھی مگر وائے مقدر　　چہرہ سے نقاب اُٹھ کے سر کا تھی نہ سرکی
نکلی تو ہے دل سے ابھی اک آہ شرربار　　اب یہ کسے معلوم کہ نیت ہے کدھر کی

وہ لاکھ چھپائیں یہ لجائی ہوئی آنکھیں　　دیتی ہیں خبر صاف کہاں رات بسر کی
یا ہم نہیں۔ یا وہ نہیں پہلو میں عدو کے　　بڑھنے تو دو اے تیر ذرا ٹیس جگر کی

بیہوش نہ اتنا ہو انجام کو سوچو
اچھی نہیں اے تیر غشی آٹھ پہر کی

حضرت فصیح دہلوی

تلاشِ چارۂ دردِ جگر کامل شفا تک ہے — وفورِ شوق و بیتابی حصولِ مدعا تک ہے
ہمارا انکسار و عجز گر حدِ وفا تک ہے — تمہارا اقتدار و ناز ظلم نا روا تک ہے
خدا چاہا تو اک دن بخت خفتہ جاگ جائیگا　　مری حرماں نصیبی آپ کی شرم و حیا تک ہے
گل و گلچیں کا شکوہ اور گلہ صیاد کا کیسا — مخالف بلبلِ بے پر سے گلشن میں صبا تک ہے
انھیں بے سوچے سمجھے دیکے دل پھر ہو گئے غافل — قصور اس میں ہمارا ابتدا سے انتہا تک ہے
مرادیں مانگتے ہیں تجھ سے یارب التجا کر کے — کہ اپنا دور ہے فریاد تک یا بددعا تک ہے
بجائے گرمجوشی سرد مہری وہ برتتے ہیں　　یہ عشق و عاشقی جو کچھ بھی ہے میری وفا تک ہے

فصیح صاف باطن کی سبھی تعریف کرتے ہیں —
ثنا خواں آشنا تو آشنا نا آشنا تک ہے

حضرت شفق امروہوی

جو دل ہدفِ ناوکِ قاتل نہیں ہوتا　　اُس دل کو مزہ عشق کا حاصل نہیں ہوتا
کہتے ہیں ذرا اپنی طبیعت کو سنبھالو — ہر وقت تڑپنے کے لیے دل نہیں ہوتا
آبِ دمِ شمشیر بھی کیا چیز ہے قاتل　　پیتا ہوں مگر سیر مرا دل نہیں ہوتا
وہ اس نگہِ یاس سے ہو جاتے ہیں زخمی　　میں اُس نگہِ ناز سے بسمل نہیں ہوتا
دیکھوں تو کہاں تک وہ کھنچے رہتے ہیں مجھ سے — کب تک آخر جذبہ کامل نہیں ہوتا
دشمن ہوں تو کیوں مجھ سے رہا کرتے ہو غافل　　دشمن سے تو اپنے کوئی غافل نہیں ہوتا

آنکھوں سے لگائے اسے او بانیِ بیداد — تلووں سے مسلنے کے لیے دل نہیں ہوتا
زندہ ہیں کہ مردہ ہیں اسیرانِ محبت — زنداں میں کبھی شور سلاسل نہیں ہوتا
کیا عشقِ جاں ہے کہ سرِ قتلگہ ناز — وہ تیغ چلاتے ہیں میں بسمل نہیں ہوتا
اللہ ری تابش مرے داغِ جگری کی — خورشیدِ قیامت بھی مقابل نہیں ہوتا
اُمیدِ وفا اور کسی سے مجھے کیسا ہو — جب دل ہی مرے درد میں شامل نہیں ہوتا
لازم ہے محبت کے لیے بیخودیِ شوق — غافل وہی ہوتا ہے جو غافل نہیں ہوتا
ہر سمت سے گھیرے ہوئے رہتی ہیں بلائیں — تنہا شبِ اندوہ مرا دل نہیں ہوتا
جس دل نے ترے حسنِ جہاں سوز کو دیکھا — وہ دل کسی معشوق پہ مائل نہیں ہوتا
بھولے سے بھی جس نے کبھی پوچھا نہیں مجھ کو — اُس بھولنے والے سے میں غافل نہیں ہوتا
دشمن کی رسائی ہوئی اُس بزم میں کیونکر — کافر تو کبھی خلد میں داخل نہیں ہوتا

اللہ پر اس درجہ بھروسا ہے شفق کو
بیگانگیِ خلق سے بے دل نہیں ہوتا

### مولانا محمد معراج الدین صاحب خسرو کاکوروی

للہ مار ڈالیے بیمار رہ نہ جائے — حسرت ہمارے دل میں ستمگار رہ نہ جائے
مارا ہوا ادا کا مرتا نہیں قضا سے — اب قصہ ختم کر دو تکرار رہ نہ جائے
ترچھی نظر سے مجھ کو اک بار اور دیکھو — میرے لہو کی پیاسی تلوار رہ نہ جائے
عاشق تڑپ رہا ہے کس طرح جان نکلے — آجاؤ وقت آخر دیدار رہ نہ جائے
سرشار و مست کر دے اتنی مجھے پلا کر — میخوار تیرا ساقی ہشیار رہ نہ جائے
مجھ کو ہلاک کر کے تلوار تیغ رو ہو — ارمان کوئی باقی سرکار رہ نہ جائے

خنجر بکف چلے ہو ترکانہ وار کر دو
خسرو تمھارا زخمی کرنا چار رہ نہ جائے

# ایک نظر

## غلام حسین کا ماتم

غلام حسین کا ماتم مسلمان اس وقت تک ہی نہیں جب کہ غلام حسین کو اس دنیا سے رخصت ہوئے کچھ مہینے ہوئے ہیں بلکہ عمر بھر کرتے رہیں گے۔ غلام حسین کیا تھا اس کا جواب یا تو مسلمان دیتے ہیں اور یا مسٹر محمد علی جنھوں نے راجہ غلام حسین کی سیکڑوں ناز برداریاں کیں اور انھیں وہ غلام حسین بنایا جس کے ماتم کی صف ہندوستانی مسلمانوں کی قومی دنیا میں ہمیشہ بچھی رہے گی راجہ غلام حسین نے کب انتقال کیا اس وقت جبکہ ملک اور قوم کو ان کی سب سے زیادہ ضرورت تھی۔ آج ہم اس شخص کے قلم کا لکھا ہوا ایک نوحہ درج کرتے ہیں جس کا بازو غلام حسین کے انتقال سے ٹوٹ گیا۔ اور جو غلام حسین کی نوحہ خوانی تمام عمر کرتا رہے گا وہ شخص محمد علی فخر قوم محمد علی۔ فخر مسلمانان محمد علی ہے یہ نوحہ اس شخص کی فکر کا نتیجہ ہے جس کی عارضی جدائی کا نوحہ تمام مسلمان بلکہ تمام ہندوستان پڑھ رہا ہے۔

### ہائے غلام حسین

ابھی مرنا نہ تھا غلام حسین — کوئی دن اور بھی جیے ہوتے
کچھ تو انعام حق پرستی کے — ہم غریبوں سے بھی لیے ہوتے
اے مرے رند بادۂ حق کے — ابھی دو چار خم پیے ہوتے
تم تو دل بھی فگار کر کے چلے — زخم ہائے جگر سیے ہوتے
یوں نہ دامن چھڑا کے چل دیتے — تم گر اس بزم کے لیے ہوتے
تم کو ایسا ہی تھا اگر جانا — پند نعم البدل دیئے ہوتے
تھی شہادت کی اس قدر جلدی — کام کچھ اور بھی کیے ہوتے

خوب کٹتا بہشت کا رستہ ساتھ ہم کو بھی گر لیے ہوتے
تم ہی زندہ ہو لغو ہے یہ خیال چند دن اور بھی جیے ہوتے
آج جو بھر ہیں دل کے قاش فروش
(مدینہ) کاش کچھ اور قافیے ہوتے

راجہ غلام حسین کا انتقال ہو گیا۔ ان کا نام زندہ ہے اور اُن کا معنوی فرزند نیو ایرا بھی شکر ہے زندہ ہے اس کی زندگی کا انحصار ممکن ہے کہ بہت سے لوگوں پر ہو مگر نہیں نہیں ہمیں زندگی کی روح پھونکنے والی ایک شخصیت نظر آتی ہے جس کی بے لوث بے معاوضہ خدمات آج نیو ایرا کو زندہ کئے ہوئے ہیں اور اُسی طرح قائم کئے ہوئے ہیں کہ راجہ صاحب کی روح اس سے تازہ ہوتی ہو گی۔ وہ شخصیت مسٹر شعیب ایم۔ اے علیگ کی شخصیت ہے۔ مسٹر شعیب اپنی کوششوں پر ضرور مبارکباد کے مستحق ہیں کہ وہ "نیو ایرا" کو اس شان سے نکال رہے ہیں جس کی غلام حسین کے انتقال کے بعد اور مسٹر محمد علی کی نظر بندی کے زمانہ میں ہرگز توقع نہیں تھی۔ ہمارا خیال تھا کہ مسلمانوں میں سے ایثار کی صفت معدوم ہو گئی ہے مگر اب ہم کہتے ہیں کہ نہیں بالکل معدوم نہیں ہوئی۔ اور اس کا ثبوت "نیو ایرا" کے موجودہ ایڈیٹر کی ذات میں مل جائے گا۔ "نیو ایرا" کے کسی پرچہ میں "الہلال ٹو شعیب" ایک نظم سروجنی نائڈو کے قلم سے نکلی ہوئی شائع ہوئی تھی۔ ہمیں مسز نائیڈو کے اس انتخاب پر تعجب تھا کہ آپ نے مسٹر شعیب کو آئیڈیل مسلمان کیوں گردانا۔ مگر آج ہم ان کے انتخاب پر تعجب کرنے کے بجائے ان سے متفق ہیں۔

---

**ابو صالح جیلی** ناظرین کرام نے ملاحظہ فرمایا ہو گا کہ گزشتہ پرچے سے سید ابو صالح عبدالقادر جیلی کی زندگی کے متعلق ایک مضمون جو ہمارے کرم دوست سید ظفر احسن صاحب علوی کے زور قلم کا نتیجہ ہے نکلنا شروع ہوا۔ جناب چشتی کی تقریب اور جناب علوی کے مقدمے کے بعد ہم اس مضمون

یا چھوٹی سی کتاب پر کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں سمجھتے اور اس مضمون کی دوسری قسط کسی دوسری جگہ شائع کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

**تلاشِ عیش** اب قریب قریب ایک سال ہونے آیا کہ "تمدّن" کے کرمفرما جناب عبدالولی صاحب کا ناول تلاشِ عیش "تمدّن" میں شائع ہو رہا ہے اس دوران میں صرف ایک ماہ ایسا گذرا ہے کہ ناول نہیں شائع ہوا۔ اس ماہ میں ناول کے نہ شائع ہونے کی شکایت کے متعلق ہمارے پاس جس قدر خطوط آئے اس سے ناول کی مقبولیت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہو سکتا ہے کہ ملک میں ابھی اعلیٰ اور کامیاب ناول نویسی کی قدر ہے۔ ہمیں نہایت افسوس کے ساتھ اعلان کرنا پڑتا ہے کہ ناظرین ایک ماہ کا "تمدّن" تلاشِ عیش سے خالی دیکھ کر جو تکلیف اُٹھا چکے ہیں وہ تکلیف ان کو اس ماہ میں بھی برداشت کرنی پڑے گی کیونکہ مسٹر عبدالولی لیگ کے آیندہ اجلاس کی وجہ سے بہت مصروف ہیں اور اس پرچہ کے لیے ناول کی قسط نہ لکھ سکے۔ ہمیں یقین ہے کہ ناول کے انتظار کی یہ حد ایک ماہ سے تجاوز نہ کرنے پائے گی۔

# ترقیِ اُردو کی عام درخواست اعانت

یہ بات اب عام طور سے تسلیم کی جاتی ہے کہ ہمارے قومی امراض کا علاج صرف جدید تعلیم ہو سکتی ہے۔ لیکن اس پر غالباً کافی غور نہیں لیا گیا ہے کہ ملک میں یہ تعلیم اُسوقت تک عام اور کارگر تحریک ترقی نہیں بن سکتی جب تک کہ وہ (تعلیم) اپنی مُلکی زبان کے ذریعہ سے نہو۔ سید احمد خاں مرحوم نے بھی اصلاح کا سب سے بڑا طریقہ پہلے یہی سمجھا تھا کہ مغربی علوم اور جدید خیالات کو اُردو کا لباس پہنایا جائے۔ اُن مرحوم کی یہ کوشش جن وجوہ سے خاطر خواہ کامیاب اور سرسبز نہو سکی اُن کی تفصیل غیر ضروری ہے۔ یہ کہنا کافی ہے کہ خود سید صاحب نے مغربی علوم پھیلانے کی بجائے مغربی عالم بنانے زیادہ کارآمد تصور کیے اور اُن کی تمام توجہ بہت جلد علیگڈھ کالج کی بنا و قیام میں جذب ہو گئی۔

اس کے بعد بعض مطابع اور انجمنوں نے اپنے اپنے طور پر یہی علمی خدمت انجام دی اور دے رہے ہیں اور انھیں میں انجمن ترقی اُردو بھی داخل ہے۔ اگرچہ اُسے یہ امتیاز حاصل ہے کہ اس کے کام تاجرانہ ہونے کے بجائے زیادہ تر علمی اور مُلکی فائدے کے لیے ہوتے ہیں۔ اور پچھلے دو تین سال سے خصوصاً وہ پیہم مصروفِ سعی ہے کہ اب تک جس رفتار پر کام ہوا ہے اُسکو زیادہ تیز کر دے۔ پچھلے سال اُسے ریاست حیدرآباد اور بھوپال سے سالانہ امداد بھی ملنے لگی ہے اور

گو یہ امداد اُس کے وسیع مقاصد اور عظیم منصوبوں کے مقابلے میں کافی نہ سمجھی جائے، تاہم اس میں شبہ نہیں کہ مذکورہ بالا ریاستوں نے اُس کی بقا کا سامان کر دیا اور اپنے فیض عمیم سے زبان اُردو پر یہ ایک بڑا احسان کیا ہے۔

اس امداد کے بعد سے اور پھر اس اُمید پر کہ اب انجمن ترقی اُردو کی اتنی ساکھ ہو گئی ہے کہ اہلِ وطن اُسے قابلِ التفات سمجھیں حال میں یہ عزم کیا گیا ہے کہ علوم مغربی کو تراجم و تالیفات کے ذریعہ زبان اُردو میں لانے کی وسیع پیمانے پر کوشش شروع کر دی جائے اور میرا اعتقاد ہے کہ اگر ہم اپنے خیال کے مطابق چند سال بھی یہ کام کر سکے تو زبان اُردو میں علم کا ایک معقول ذخیرہ فراہم ہو جائے گا جس کے فائدے غیر محدود اور شاید کئی کالج بنانے کی نسبت زیادہ حقیقی اور پائدار ہوں گے۔

اپنے علمی تخمینۂ کار کو ابھی سے شائع کرنا بے سود ہے البتہ یہ لکھ دینا مناسب ہوگا کہ اس بارے میں کہ کون سی کتابیں ترجمہ اور کن مضامین کی کتابیں تالیف کرنی چاہئیں۔ انجمن ملک کے نامور اہل الرائے سے برابر مشورہ لیتی رہتی ہے اور آئندہ بھی اُن ہی کی صلاحوں پر اپنی علمی تجاویز مرتب کرے گی؛ لیکن سچ یہ ہے کہ اس وقت مجھے کتابیں لکھوانے کے متعلق اتنا تردد نہیں ہے جتنا فکر اس بات کا ہے کہ ان کتابوں کے پڑھنے والے پیدا کیسے جائیں! یہی وہ تلاش ہے جس میں وہ تمام حامیانِ اُردو سے دستگیری کی درخواست کر رہی ہے۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ اگر پڑھنے والے نہ ملے تو یہی نہیں کہ انجمن کی محنتیں رائیگاں جائیں گی اور ملک کو کوئی نمایاں فائدہ نہ ہوگا، بلکہ صاف بات یہ ہے کہ اگر اُسے اپنی مطبوعات کے خریدار نہ ملینگے تو وہ عملی طور پر (کچھ بھی) کام نہ کر سکے گی۔ انجمن سرا چھ ہزار روپیہ سالانہ کی موجودہ آمدنی سے زیادہ سے زیادہ تین چار کتابیں شائع کر سکتی ہے اور اگر حامیان اُردو کے نزدیک سال بھر میں اتنی کارگزاری اُس کی بس ہے تو یہ اُمید نہ رکھنی چاہیے کہ وہ اتنا بھی کام کر سکے گی جتنا بعض نامور مصنفوں نے محض ذاتی محنت سے اور بلا امداد کے کر دیا ہے۔

اس خیال سے کہ لوگوں کو انجمن ترقی اُردو سے ہمدردی اور اُس کی مطبوعات خریدنے میں آسانی ہو اسی سال یہ قاعدہ مقرر کیا گیا ہے کہ وہ حضرات جو انجمن کو چھ روپے (للعہ) سال یکمشت یا دو قسطوں میں عنایت کریں گے انھیں اپنی تمام مطبوعات جو اُن کے دوران رکنیت میں چھپیں نصف قیمت پر دے گی اور اس زمانے میں جبکہ متعدد اخبارات و رسائل اُردو میں شائع ہو رہے ہیں باعثِ تعجب ہے کہ ایک تو [illegible] کا آدمی بھی ایسے کئی سو روپے اپنے سیکڑوں پر سال بھر میں خرچ کر دیتا [illegible] انجمن ترقیِ اُردو کو سالانہ چندہ رکنیت

چھ روپیہ ناموزوں نہ سمجھا جائے گا خصوصاً جب کہ وہ اپنی مفید اور علمی کتابیں بھی ارکان کو نصف قیمت پر دیتی ہے۔ بایں ہمہ انجمن کو ابھی تک اپنی صدا میں اتنی قوت اور دلکشی نہیں نظر آتی کہ اُسے ملک میں بہت سے ارکان اعانت ملنے کی توقع ہو۔ اسی لیے اس نے اپنی اُمیدوں کو ایک ہزار ارکان کی تعداد میں محدود کر لیا ہے اور چاہتی ہے کہ اُن کئی کروڑ نفوس میں سے جن کی مادری زبان اُردو ہے صرف ایک ہزار ایسے ہموطنوں کو ڈھونڈھ نکالے جو چھ روپیہ سال ترقی اُردو کے واسطے اپنے مصارف کی مد میں بڑھا سکتے ہیں۔

اسی غرض سے اُردو اخبارات میں یہ اپیل شائع کیا جا رہا ہے اور ہندوستان کے ہر شہر میں آنریری ایجنٹوں کے ذریعے بھی ارکان انجمن بڑھانے کی فکر ہے۔ انگریزی علاقے میں (دس ہزار سے زیادہ آبادی کے) تقریباً تین سو شہر ایسے ہیں کہ جہاں اُردو زبان رائج اور دو کم سے کم مسلمانوں کی) مادری زبان ہے۔ اسی لحاظ سے اگر فی شہر ہیں چار ارکان بحساب اوسط میسر آ جائیں تو صرف انگریزی علاقہ ہندوستان میں انجمن کے ارکان اعانت کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ ہو سکتی ہے۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اس سے ہمارا مقصد انجمن کی سالانہ آمدنی میں چھ سات ہزار روپیہ سالانہ اضافہ کر لینا نہیں ہے بلکہ درحقیقت یہی ایک قابل اطمینان ذریعہ ہے کہ جس سے ہم ملک کی معقول تعلیم یافتہ جماعت کو اپنی کارگزاریو سے آگاہ رکھ سکیں گے اور مطبوعات انجمن کے خریدار پیدا کر سکیں گے جو اشاعت علمی کی بہترین تدبیر اور ترقی اُردو کا اصلی مقصود ہے۔

مجھے کامل اُمید ہے کہ ہمدردان اُردو کی خدمت میں میری یہ مختصر عرضداشت بیکار نہ جائے گی۔ اور اس زمانے میں جبکہ قوموں کی تعلیم و ترقی بلکہ مدنی زندگی کا معیار اُن کا علم ادب سمجھا جاتا ہے اور جب کہ اُردو کے راستے میں بہت سی موانعات بھی حائل ہوتی جاتی ہیں میری یہ توقع بیجا نہ ہوگی کہ اس اپیل پر اپنی عزیز زبان کے حامی توجہ فرمائیں اور خود رکن بن کر یا اپنی ادنیٰ سعی سے اوروں کو رکن بنا کر انجمن ترقی اُردو کی امداد کر سکتے ہیں تو اس میں دریغ نہ کریں۔ کیونکہ یہ حقیقی معنوں میں ایک قومی کام ہے جس کے فائدے زمان و مکان سے مقید نہیں بلکہ بہت ہیں اور غیر محدود ہیں۔ فقط

خادم

اورنگ آباد دکن

آنریری سکرٹری انجمن ترقی اُردو

# اعلان

## علم دوست حضرات توجہ فرمائیں!

جیسا کہ خطوط اور اسلامی پریس کے ذریعہ سے پبلک کو معلوم ہو چکا ہے تین سال سے فراہمی ترتیب تصحیح تنقید و طبع کلیات حضرت امیر خسرو کا اہتمام درپیش تھا - فراہمی کلام میں عموماً اور اُسکی تصحیح و تنقید میں خصوصاً جو جو مشکلات قدم قدم پر پیش آئیں اُن کا اندازہ صرف وہی حضرات کر سکتے ہیں جنکو اس قسم کے علمی کاموں سے کبھی واسطہ پڑا ہے - کوئی بیان ان مشکلات کو واضح نہیں کر سکتا - بہرحال بفضلہ تعالےٰ اب کام سمٹتا جا رہا ہے اور اس عظیم الشان کام کی تکمیل اب زیادہ دور نہیں ہے -

اس سلسلہ کی پہلی جلد مثنوی مجنوں لیلےٰ ہمہ وجوہ مکمل ہے جسکی تصحیح ملک کے مشہور اور اُردو زبان کے نامور مؤلف و مصنف جناب مولینا محمد حبیب الرحمٰن خاں صاحب رئیس حبیب گنج نے فرمائی ہے اور موصوف نے مثنوی مذکور پر ایک نہایت لطیف اور مبسوط مقدمہ تحریر فرمایا ہے - عند الطلب فوراً ہدیۂ شائقین ہو سکتی ہے - مثنوی ہشت بہشت، مثنوی سکندر نامہ، مثنوی عشقیہ، نصاب بدیع العجائب و خالق باری و رباعیات اہل حرفہ بھی قریب قریب تیار ہیں اور انشاءاللہ تعالےٰ دو تین ماہ کے اندر یہ تینوں مثنویاں بھی مع نصاب وغیرہ کے نذر ناظرین ہو جائیں گی - باقی مثنویاں اور دواوین اور رسالات نثر زیر ترتیب و تصحیح ہیں جنکی اشاعت کی بابت متعاقب اعلان ہوگا -

۲ - جملہ علم دوست حضرات کی خدمت میں گذارش ہے کہ کم سے کم ایک نسخہ ہر کتاب کا خود خرید کر اور اپنے احباب کو خریداری پر آمادہ کر کے اپنی قوم کی اس علمی خدمت میں شریک ہوں اور منتظمین ترتیب کلیات کا ہاتھ بٹائیں - ان ابتدائی جلدوں کی خریداری جسقدر جلد عمل میں آئے گی اُسیقدر جلد باقی ماندہ اجزا کلیات شائع ہو سکینگے - اور نامور قومی اساتذہ کا کلام جو مفقود ہوتا جا رہا ہے اُسکے بقا کا اس طرح ایک مستقل سلسلہ قائم ہو جائے گا -

۳ - قیمت فی جلد قسم اول جلد چرمی کاغذ اعلےٰ درجہ کا نہایت دبیز (پانچ روپے) قسم دوم جلد پارچہ کا کاغذ دبیز چکنا ولایتی (آٹھ روپیہ) قسم سوم غیر مجلد کاغذ دبیز دیسی (چار روپیہ)

اس اعلان کے صحیح مخاطبین سے قوی امید ہے کہ خریداری کی فرمائشوں سے اس صیغہ کی جلد سے جلد ہمت افزائی فرمائیں گے -

المشتہر

خاکسار محمد اسحق خاں عفی عنہ آنریری سکرٹری مدرسۃ العلوم علی گڑھ

ملنے کا پتہ :- انسٹیٹیوٹ پریس علیگڈھ

کہ اسی حالت میں ان کو ایک نور ڈھانک لیتا جس سے در و دیوار تک منور ہو جاتے اور خود اسی میں نظروں سے غائب ہو جاتے، (سلام علیک سلام علیک) کی آوازیں اور ان کے جواب میں اُس وقت برابر سنتا رہا جب تک وہ خلوت سے باہر نہ آئے،

## اہل دولت سے استغنا

**خلیفہ کی آمد** کسی ضرورت سے خلیفہ، وقت شب کے ابتدائی حصہ میں حاضر ہوا صبح تک اس کو قدمبوسی میسر نہ آئی کس کی مجال تھی جو اطلاع دیتا اور وہ کب اطلاع لیتے، امرا اور ان کے آدمیوں کی صحبت کو اپنے لئے عذاب فوری سمجھا کرتے تھے،

**اہل حکومت کا خیر مقدم** جب کبھی خلیفہ یا اُسکا نائب زیارت کو حاضر ہوتا تو آپ گھر میں چلے جاتے تھے اور پھر واپس آتے تھے، تاکہ اس فقر کی عزت میں کوئی فرق نہ پڑے اور اخلاقاً بھی تعظیم کے لئے مجبور نہ ہوں۔

## علائق

**اولاد** جب آپکے کوئی بچہ پیدا ہوتا، تو اس کو اپنے ہاتھوں پر لیتے، خدا کا شکر ادا کرتے، پھر کہتے کہ مرنے والا ہے، یعنی ایک روز مر جائیگا، پھر خدا کو پکارتے کہ الٰہی تو گواہ رہ، میرا دل اس کی محبت سے خالی ہے مگر اس کے وہ حقوق جو مجھ پر ہیں تیری توفیق سے ادا کرونگا

## انکسار و خودداری

**چھوٹوں سے** باوجود اس کے کہ بہت بڑے جلیل القدر اور علامہ وقت تھے، چھوٹے بچوں۔ لڑکیوں سے بہت شفقت فرماتے تھے ان کے ساتھ کبھی کبھی کھیل بھی لیتے تھے انکے کپڑوں سے جوئیں نکالا کرتے تھے،

فقرا اور مساکین کے ساتھ، بے حد تواضع و محبت کے ساتھ پیش آتے تھے، ان کے اکثر خود کام کرتے تھے،

**بڑون سے** کسی امیر کے دروازہ پر کبھی کوئی خواہش لیکر نہ گئے، نہ اعیان دولت کی تعظیم کو کبھی اٹھے، نہ کسی بادشاہ یا وزیر کے گھر ان کی دعوت پر گئے۔

## مزاج میں حرارت روحانی

**ابن الاخضر رضی اللہ عنہ** کا بیان ہے کہ ہم جب موسم سرما میں شیخ کے پاس جایا کرتے تھے تو جاڑے کا جاڑا ہوتا تھا اور وہ محض ایک کرتہ اور ٹوپی پہنے بیٹھے رہتے تھے، اور پسینہ ان کے جسم سے اس طرح بہا کرتا تھا جیسے گرمیوں میں نکلا کرتا ہے، اور حاضرین پنکھا جھلا کرتے تھے،

## کرامات

(۱)

**امتحان** جب آپ کی شہرت بہت بلند ہوئی، تو فقہا اور علمائے بغداد کی ایک جماعت جس میں صرف ایک سو فقیہ تھے ان کی خدمت میں حاضر ہوئی اور ہر شخص کوئی نہ کوئی خاص مسئلہ دریافت کرنے کیلئے کیکر آیا تھا،

جب امتحان لینے والوں کی جماعت قرینہ سے بیٹھ گئی، اور آپ نے قرینہ سے معلوم کر لیا کہ طالب علم لوگ علمی پرکھ کو آئے ہیں تو آپ نے مراقبہ کے طریقہ پر گردن جھکا لی، سینہ سے ایک نور کی چمک پیدا ہوئی جو حاضرین کے دلوں پر ہوتی ہوئی بہ یک چشم زدن گذر گئی،

اس کے بعد حاضرین نے اپنے آپ کو بالکل امّی پایا کیسا امتحان کیسا مناظرہ، سب بیقرار ہو کر رو پڑے اور عاجزی کے ساتھ توبہ کی، اضطراب میں اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے گریبان اتار اتار قدموں پر ڈالدیں،

یہ حالت دیکھکر حضرت مسکرائے اور پھر ممبر پر رونق افروز ہوئے اور ان جملہ مسائل پر جو حاضرین کے دلوں میں تھے تقریر فرمائی شبہات دور کئے

## (۲)

## ایک دفعہ

**مدرسہ نظامیہ** مختلف علما مدرسہ میں آپ سے مسئلہ قضا و قدر پر الجھ پڑے حضرت جواب میں تقریر فرما رہے تھے، چھت سے ایک ہولناک سانپ گرا، جس سے سب حاضرین خوف زدہ ہو کر بھاگ گئے اور صرف یہی رہ گئے۔ تقریر ان کی برابر جاری رہی، وہ سانپ آپ کے کپڑوں میں گھسا سارے بدن پر پھرتا ہوا گردن کے قریب اس نے اپنا منہ نکالا، پھر وہ اترا اور سامنے زمین پر کھڑا ہو کر کچھ بولا اور پھر چلا گیا۔ جب لوگ واپس آئے تو تقریر جاری تھی، بعد ختم تقریر سب شرمندہ ہوئے اور پوچھنے لگے کہ وہ سانپ چلتے وقت کیا کہتا تھا۔ آپ نے جواب دیا کہ اس نے میرے استقلال پر اظہار تعجب کیا۔ یہ مسئلہ قضا و قدر کی شافی تفسیر تھی کیا اب بھی یہ مسئلہ سمجھ میں نہیں آیا

## (۳)

## آپ نماز پڑھتے

**دوسرے دن** تھے کہ وہی سانپ جو کل وعظ و مناظرہ کے جلسہ میں آکر آپ کے بدن پر چڑھ گیا تھا، سجدہ کی جگہ منہ کھول کر کھڑا ہو گیا، آپ نے اطمینان سے بجالت نماز ہاتھ سے ہٹا کر سجدہ کر لیا،

آپ سجدہ میں گئے وہ آپ کی گردن میں لپٹ گیا، اور پہلے کی طرح تمام بدن پر پھرتا رہا، پھر آستین کی راہ باہر نکل کر چل دیا،

## (۴)

## کھنڈر میں

**تیسرے دن** آپ تیسرے روز کسی ضرورت سے، ایک کھنڈر میں تشریف لیگئے، وہاں

ساتھ تفویض موافقت پر مبنی تھے" ان کا طریقہ موقف عبودیت میں حاضر رہنے کے ساتھ توحید کی تجرید اور توحید کی تفرید وفا کسی ذریعہ سے نہ کی تھی

(۲)

**شیخ عدی بن مسافر رضی اللہ عنہ** کی ان کے متعلق یہ رائے تھی کہ آپ کا طریقہ، مجاری اقدار کے نیچے قلب ممدوح کی موافقت کے ساتھ گھلتے رہنا باطن و ظاہر کا ایک ہو جانا اور خیال نفع و ضرر نزدیکی و دوری کے اٹھ جانے سے نفس کی صفات سے باہر نکل جانا ہے۔

(۳)

**شیخ بقا بن بطو رضی اللہ عنہ** کی ان کے متعلق یہ رائے تھی کہ آپ کا طریق، قول و عمل نفس و وقت کا ایک ہی ہو جانا، اخلاص و تسلیم سے ہم آغوش ہوتا رہنا۔ ہر سانس خطرہ، و ارادت میں رب العزت کے ساتھ ثابت رہنا کتاب و سنت کے ساتھ،

(۴)

**ایک جگہ تحریر ہے** کہ قوت اپنے پروردگار کی راہ میں شدت و لزوم کے اعتبار سے تمامی اہل طریق کی قوت دن کی سی تھی، ان کا طریقہ توحید، صفاً و حکماً و حالاً، اور ان کی تحقیق شریعت تھی ظاہراً و باطناً ان کا وصف یہ تھا۔

قلب فارغ، ہستی غایب، پروردگار حاضر کا مشاہدہ، ایسے باطنی علم کے ساتھ جو شکوک کی کشاکش سے پاک ہو، اور ایسے راز کے ساتھ جس میں اغیار کو نزاع نہ ہو ایسے قلب کے ساتھ جس سے مشاہدہ کے اندر جانا ہو۔

## کلمات طیبات

### مشہور ارشادات:

(۱)

**حسین حلاج (منصور) کے تعلق**

حسین حلاج (منصور) کو مشکل پیش آئی، لیکن اس وقت کوئی ایسا نہ تھا جو اس کا ساتھ دیتا۔ ہیں اپنے یاروں، دوستوں، مریدوں میں سے جس کا گھوڑا ٹھوکر کھاتے، قیامت تک ساتھ دینے کے لئے تیار ہوں!

یہ اشارہ اس واقعہ کی جانب، حسین حلاج ایک مقام پر پہنچکر (اناالحق) بول اٹھے تھے۔ یہ مرتبہ کا ملو نہ تھا بلکہ ایک خاص منزل پر اٹک کر رہ گئے تھے ضرورت تھی کہ کوئی ان کا ہاتھ پکڑ کر آگے کا رستہ بتا دیتا، تو یہ منزل وار پر طے ہوئی،

(۲)

**ایک مشکل میں پھنسا ہوا**

چنانچہ اب آپ کی خدمت میں ایک شخص کو لائے وہ یہ کہتا تھا کہ میں نے خدا کو دیکھا ہے "چشم سر" سے۔ آپ نے پوچھا کیوں تمہارے بابت یہ لوگ سچ کہتے ہیں۔ اس نے کہا واقعی میں نے خدا کو "چشم سر" دیکھا ہے" تب آپ نے اس کو ڈانٹا اور باطنی توجہ کی، اس کی مشکل آسان ہو گئی یہ کہنا چھوڑ دیا۔

خادم نے پوچھا حضرت یہ کیا معاملہ تھا۔ آپ نے فرمایا، بھئی کہتا تو سچ تھا، مگر شبہ میں پھنس گیا تھا، اور اس کی صورت یوں واقع ہوئی ہوگی، کہ اس نے نور جمال کو اپنی بصیرت (چشم دل) سے دیکھا۔ جس کے بعد اس کی بصیرت سے ایک چمک (روشنی)، پردہ پھاڑ کر اس کی بصر ظاہری تک پہنچی۔ پس اس نے اپنی ظاہری بینائی سے اپنی ہی باطنی کو دیکھا، ادھر اس کی باطنی بینائی کی شعائیں شہود کے نور سے ملی ہوئی تھیں۔ اس لئے اسنے گمان کیا کہ جس چیز کا شہود اس کی

بصیرت کے سامنے ہوا تھا، اس کو اس نے بصر سے دیکھا، حالانکہ وا
یہ ہے کہ اس نے اپنی بصر کو بصیرت سے دیکھا لیکن وہ تم نے دیکھا رب العزت
نے فرمایا (مرج البحرین ہ یلتقیان بینہما برزخ لا یبغیان،

(۳)

دنیا کی تعریف

آپ نے فرمایا کیا یہ بھی تعریف کے لائق ہے، اس کو اپنے دل سے نکال
ہاتھ پر رکھو تب تم اس سے محفوظ رہ سکتے ہو۔

(۴)

شکر کی تعریف

نعمت دینے والے کا عاجزی اور فروتنی سے اقرار کرنا، یعنی اس کو
... ت کرنا۔

صابر فقیر، شاکر مالدار سے افضل ہے، اور شاکر فقیر دونوں سے افضل ہے
صابر و شاکر فقیر تینوں سے بہتر ہے۔

(۵)

خوش ... کی تعریف

... کا مطالعہ اور اپنے نفس اور اس کی چیزوں کو چھوڑنا، اور اس سے
... جان لینے، اور خلق کو اور ان کی چیزوں کو، اس ایمان و معرفت
نگاہ کر ... ان میں ودیعت ہیں برا سمجھ لینے کے بعد، خلق کی جفا اثر نہ کرے

(۶)

... کی تعریف

... تھا، تو (لقا) کے ساتھ ہی ہوتی ہے، اور لقا آنکھ جھپکنے کی طرح ہوتی
یا اس سے بھی کم۔

اہل لقا کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس وصف میں کوئی فانی شے
ان کے ساتھ نہیں ہوتی۔ کیونکہ دونوں ضدیں ... ہیں۔

جب تم اس کا ذکر کرو تو تم عاشق ہو، جب تم اپنا ذکر اس سے سنو ...